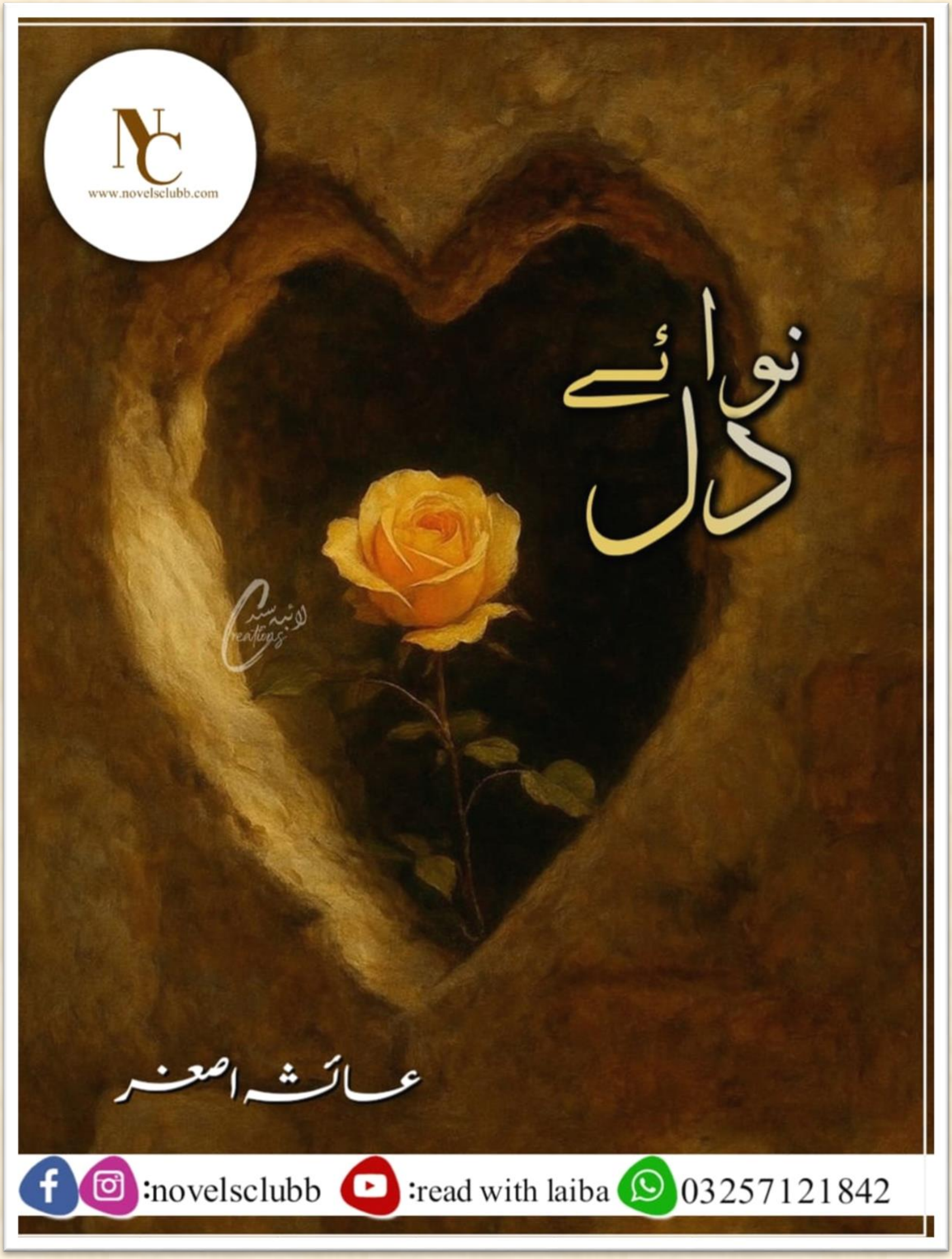
www.novelsclubb.com
نوائے دل
عائشہ اصغر
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

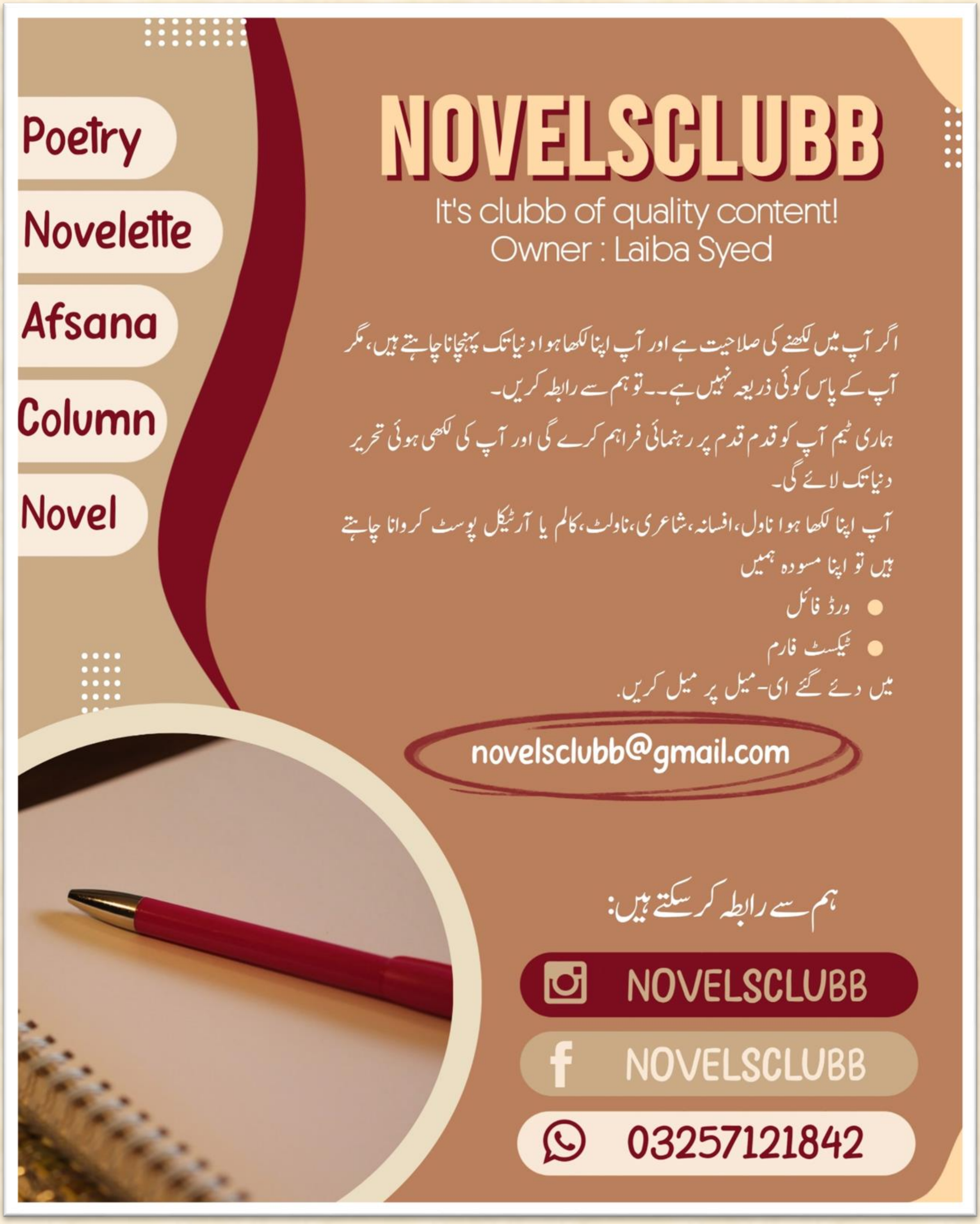

Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

نوائے دل

از قلم

عائشہ اصغر

Clubb of Quality Content!

ناول شروع کرنے سے پہلے آپ سے کچھ باتیں کہنا چاہوں گی!

بطور پیش لفظ

نوائے دل صرف ایک کہانی نہیں یہ دو دلوں کے درمیان آہستہ آہستہ جنم لینے والی صدا کا نام ہے، جو شور نہیں کرتی مگر روح میں اتر جاتی ہے۔

یہ کہانی ہے دو انجان لوگوں کی۔ دو ایسے لوگوں کی جو ایک دوسرے کو جانتے نہیں تھے، مگر شاید ان کے دل ایک دوسرے کی طرف پہلے ہی سفر شروع کر چکے تھے۔

کب؟ کہاں؟ اور کیسے؟ یہی تو نوائے دل ہے۔

یہ کہانی کسی بڑے فلسفے یا گہرے سبق کے لیے نہیں لکھی گئی۔ یہ بس ایک نرم احساس ہے۔ محبت، سکون، بارشوں، ہلکی گفتگوؤں اور ان لوگوں کی کہانی جو آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے دل میں جگہ بنا لیتے ہیں۔

میں خود کو منجھے ہوئے لکھاریوں میں شمار نہیں کرتی۔ میں ابھی سیکھنے کے سفر میں ہوں۔

میرے ذہن میں صرف کہانیاں اترتی ہیں اور جب اترتی ہیں تو مجھے انہیں لفظوں میں ڈھال دینا پڑتا ہے۔ یہی میرا شوق ہے۔ یہی میری پناہ گاہ ہے۔

ممکن ہے یہ کہانی کچھ لوگوں کو بہت پسند آئے۔ ممکن ہے کچھ کو اس میں پلاٹ کم محسوس ہو۔ کچھ شاید کہیں کہ اس میں کوئی خاص سبق نہیں۔ لیکن ہر کہانی کا مقصد سبق دینا نہیں ہوتا۔ کچھ کہانیاں صرف دل کو سکون دینے کے لیے لکھی جاتی ہیں۔ نوائے دل میرے لیے ویسی ہی ایک کہانی ہے۔ ان دنوں میں ایک بھاری اور ذہنی طور پر تھکا دینے والی کہانی لکھ رہی تھی۔ تب دل نے ایک ایسی دنیا مانگی جہاں سکون ہو۔ جہاں محبت شور نہ کرے بس خاموشی سے دل میں اتر جائے۔ تب نوائے دل لکھی گئی۔

میں ہمیشہ اپنے تھکے ہوئے دنوں میں کوئی لائٹ سی کہانی پڑھنا چاہتی تھی، مگر آج کل زیادہ تر کہانیاں، منفرد سا ولن، ہیرو اور ان دونوں کو ہیروئن سے محبت ہو جاتی ہے ساتھ ہی ساتھ سسپنس، ٹوئسٹ، تھرلر اور شور سے بھری ملتی ہیں۔ ایسے ناول یقیناً اچھے لگتے ہیں مگر ہمیشہ نہیں۔

کبھی کبھی دل صرف ایک نرم کہانی چاہتا ہے۔ ایسی کہانی جو ذہن نہیں، دل کو سکون دے۔ ماہ گل اور حدیر میرے لیے صرف کردار نہیں رہے۔ یہ وہ دو نام ہیں جنھوں نے مجھے لکھتے ہوئے مسکرانا سکھایا۔ جو میرے اداس دنوں میں میرے کمفرٹ بنے۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

اگر یہ ناول آپ کے کسی تھکے ہوئے دن میں آپ کو مسکرا دے، پڑھتے ہوئے کبھی دل میں نرمی سی اتر آئے، کبھی بارش اچھی لگنے لگے یا آسمانی رنگ سکون دینے لگے تو سمجھ لیجیے گا کہ نوائے دل اپنی صدا آپ تک پہنچانے میں کامیاب ہو گئی۔

ناول کے مرکزی کردار کا نام حُدیر رحمانی ہے۔ تحریر کے دوران اعراب (پیش) درج نہ ہو سکے، جس کے باعث کئی قارئین اسے حدیر پڑھ رہے ہیں۔ لہٰذا گزارش ہے کہ کردار کا نام حُدیر ہی پڑھا جائے ❤️

خوش رہیں۔ خوشیاں بانٹیں۔

عائشہ اصغر!

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ کھلتے موسم کی لڑکی تھی۔بے فکری اس کے وجود میں یوں رچی بسی تھی جیسے ہریالی زمین میں۔ کھلکھلاتی ہوئی، وہ سبزے میں یوں دوڑ رہی تھی گویا زندگی نے اسے اپنے رنگوں میں نہلا دیا ہو۔ یہ پت جھڑ کے بعد گل ریزی کا موسم تھا۔وہ موسم جو زخم خوردہ شاخوں کو پھر سے خواب دیکھنا سکھاتا ہے، جو مٹی میں دبی ہوئی امیدوں کو سبزہ اوڑھا دیتا ہے۔ سہانی گھٹاؤں کا یہ دن اس نیم دیوانی سی لڑکی کو اور بھی دیوانہ کر گیا تھا۔

"رک جاؤ ماہا، میں کہتی ہوں رکو... تم نے میرے سارے بادام کھا لیے"۔۔ عقب میں بھاگتی، اسی کی ہم عمر لڑکی، اسے پکڑنے کی ناکام کوششوں میں ہانپ رہی تھی۔ اور وہ۔۔ وہ تو روئی کو مات دیتی نرماہٹ چہرے پر سجائے، تتلی کی مانند کھیتوں میں اڑتی پھر رہی تھی، گویا زمین اس کے قدموں کے نیچے نرم ہو گئی تھی۔

"ہمیں پکڑ کر تو دکھاؤ، شاہینہ جی"! وہ ذرا سا گردن موڑ کر پیچھے دیکھی۔ اس کی گہری، بڑی آنکھیں شوخی اور شرارت کے دیے جلائے ہوئے تھیں۔ روح گیر ہوا اس کے گیسوؤں سے الجھتی، انہیں فضا میں بکھیر رہی تھی۔

دو دوشیزائیں آگے پیچھے دوڑ تیں۔۔ ایک کی چیخ، دوسری کی کھلکھلاہٹ۔۔ اور یوں لگتا تھا کہ یہ موسم، جو پہلے ہی پر سوز تھا، اب ان کی آوازوں سے اور بھی بھر آیا ہے۔ بالآخر وہ دونوں

Clubb of Quality Content

کھیتوں سے نکل کر جھیل کنارے ایک دوسرے کو تھامتی ہوئی زمین پر جا گریں۔ لمحہ بھر کو سانسیں ہانپتی رہیں، پھر فضا میں ان کی بے ساختہ کھلکھلاہٹ بکھر گئی۔ لبوں پر ہاتھ رکھے، سر ذرا سا پیچھے گرائے، ہنستی چلی گئیں۔ وہ ہنسی جو زندگی کے بوجھ سے ابھی ناواقف ہوتی ہے۔

موسم نے اس ہنسی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

اور پھر۔۔

ٹپ...ٹپ...ٹپ...

مینہ برسنے لگی۔

''شاہی...'' ماہ گل کی آواز میں سرشاری گھل آئی۔ ''برسات اتنی حسین کیوں ہوتی ہے؟ ہر شے کی گرد دھوڈالتی ہے، سب کچھ شفاف کر دیتی ہے... محبت سا موسم ہے یہ۔ گہرا، پرسکون''۔ جھیل کے پاس، نرم گھاس پر بیٹھی وہ دونوں برستی بوندوں کو اپنے وجود پر اترتے محسوس کر رہی تھیں۔ ماہ گل آنکھیں بند کیے، چہرہ آسمان کی طرف اٹھائے، اس موسم میں کھو سی گئی تھی۔

"ماہا جی"۔۔شاہینہ نے ہلکے طنز سے کہا۔"اس محبت بھرے موسم کا لطف اپنی محبت کے ساتھ لینا۔ چل اب، ورنہ اماں نے میری چمڑی ادھیڑ دینی ہے"۔وہ جانتی تھی، ماہ گل ایسے موسموں کی اسیر ہے۔یہاں وہ تب تک بیٹھی رہتی، جب تک موسم خود الوداع نہ کہہ دے۔

"محبت انسان کے اندر ہوتی ہے، شاہی"۔ماہ گل نے آہستگی سے کہا۔"یہ انسان کے اندر جنم لیتی ہے۔یہ پھولوں کے کھلنے بکھرنے کا موسم، اور اس پر مینہ کا برسنا۔۔ان کا لمس تبھی محسوس ہوتا ہے جب آپ کے اندر محبت ہو۔اس موسم سے لطف اٹھانے کے لیے ہم خود ہی کافی ہیں"۔وہ آب کے قطروں سے دھلے پھولوں کو چھوتی، انہیں سونگھنے لگی۔

"ماہا"۔شاہینہ مسکرا دی۔"یہ فلسفیانہ سنجیدگی تجھ پر ذرا زیادہ ہی بھاری ہو رہی ہے۔ کہیں کوئی تجھے اس روپ میں دیکھ کر بے ہوش ہی نہ ہو جائے۔ چل، گھر چلتے ہیں"۔وہ اسے دیکھتی رہی جو قدرت کے اس شاہکار میں کھوئی ہوئی تھی۔وہ تھی تو چنچل، مگر موسموں کے سامنے آکر وہ کسی قدیم قصے کی راوی بن جاتی۔ان لمحوں کو وہ سطح پر نہیں، گہرائی میں جا کر محسوس کیا کرتی تھی۔شگوفہ زنی کا موسم ماہ گل کی کمزوری تھا۔

گھٹا آکر مینہ جو برسا گئی

تو بے جان مٹی میں جان آگئی

زمیں سبزے سے لہلہانے لگی

کسانوں کی محنت ٹھکانے لگی

جڑی بوٹیاں، پیڑ آئے نکل

عجب بیل پتے، عجب پھول پھل

ہر اک پیڑ کا اک نیا ڈھنگ ہے

ہر اک پھول کا اک نیا رنگ ہے

یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گی

کہ جنگل کا جنگل ہرا ہو گیا

ماہ گل ساتھ چلتے ہوئے یہ نظم گنگنا رہی تھی۔

اسماعیل میرٹھی کی یہ نظم اسکول کے دنوں سے اس کی رفیق تھی۔اور جوانی کی دہلیز پر بھی وہ اسی شوق،اسی شدت سے اس کے سروں میں پناہ لیتی تھی۔

یوں لگ رہا تھا جیسے شہر نے یکدم پھولوں کا بوجھ اٹھالیا تھا۔سڑک کنارے، فٹ پاتھ پر، رنگ برنگے شگوفے یوں کھلے تھے گویا بہار کو کسی اجازت نامے کی حاجت نہ رہی۔

Clubb of Quality Content
ناولز کلب

حدیر رحمانی نے انہیں دیکھا لیکن دل میں کوئی ارتعاش نہ ہوا۔

پھول دیکھے گئے تھے، مگر نگاہیں نرم نہ ہوئیں۔ یہ کیسی عجیب بات تھی کہ حسن سامنے تھا اور دل سرد رہا۔

"لگتا ہے جیسے سارے پھول ایک ساتھ ہی کھل گئے ہیں"۔ وہ بیزاری لیے گویا ہوا۔ یہ شکوہ موسم سے نہیں، یقیناً خود زندگی سے تھا۔

اس کے پہلو میں چلتی مائرہ رضا نے رک کر اسے دیکھا۔ چہرے پر خفگی کا ہلکا سا رنگ ابھرا۔ وہ بھی سیاہ لانگ کوٹ میں تھی حدیر رحمانی کی طرح۔۔ بال پونی ٹیل میں بندھے تھے۔

"تمہیں ان پھولوں سے کیا مسئلہ ہے، حدیر؟" اس کی آواز میں حیرت تھی۔ "اتنے خوبصورت تو ہیں یہ"۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حدیر نے شانے اچکائے۔ "ہونگے خوبصورت، لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہر جگہ لگا دیے جائیں"۔ اس کے چہرے پر سختی جم گئی۔ وہ سختی جو اکثر اس کے لہجے سے پہلے نمودار ہوتی تھی۔ "اور تمہیں کوئی اور جگہ نہیں ملی تھی گھومنے کے لیے؟"۔ اب کی بار وہ مائرہ پہ بگڑا۔

مائرہ اس کے سامنے آکر کھڑی ہوگئی۔

"حدیر، کیا ہو گیا ہے؟ بہار کے موسم میں پھول نہیں ہوں گے تو کیا ہو گا؟ سب دیوانے ہوتے ہیں...اور تم۔۔۔"۔۔ہاتھوں سے پونی ٹیل درست کرتے ہوئے، وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

"میں 'سب' نہیں ہوں"۔اس کی بات مکمل ہوئے بغیر وہ ٹوک گیا۔یہ جملہ نہیں تھا، ایک حد تھی۔اس نے سرد نگاہ اس پر ڈالی، پھر دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے آگے بڑھ گیا۔

"تم عجیب ہو"۔۔مائرہ نے جھنجھلا کر کہا۔۔مگر اس جھنجھلاہٹ میں بھی مانوسیت تھی۔

"واٹ ایور"۔۔۔وہ بے نیازی سے کہہ کر چلتا گیا۔

لیکن پھر۔۔۔

ٹپ...

ٹپ...

ٹپ...

مینہ برسنے لگی۔

آسمان نے خود کو کھول دیا، بوندیں زمین پر یوں اترنے لگیں جیسے کوئی رکا ہوا احساس آخرکار بہہ نکلا ہو۔

"اوہ خدایا..." حدیر نے گہری سانس لی۔ "یہ بارش بھی آج ہی ہونی تھی"۔ حدیر کے چہرے پر ناگواری مزید گہری ہو گئی۔

"اب تمہیں اس سے بھی مسئلہ ہے؟"۔ مائرہ نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "دیکھو تو سہی... یہ موسم، یہ پھول۔۔ سب کچھ کتنا خوبصورت ہے"۔۔ وہ اسے منانے کی سی کوشش کر رہی تھی۔

حدیر نے جواب نہ دیا۔ بس پیشانی پر گرتے بھیگے بالوں کو بائیں ہاتھ سے پیچھے کیا۔

اور اسی ایک لمحے میں۔۔ مائرہ کو۔۔ وہ حدیر رحمانی۔۔ جو سب سے بے نیاز رہتا تھا، بے حد اپنا لگا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

بارش میں بھیگے بال، سخت چہرے کے پیچھے چھپی خاموش تھکن۔۔ یہ سب اسے حدیر سے مزید محبت کرنے پر مجبور کر گئے۔

"مس مائرہ رضا"۔ اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "آپ گاڑی میں بیٹھ کر واپس چل رہی ہیں، یا میں یہیں چھوڑ کر چلا جاؤں؟"۔

"چلتی ہوں، مسٹر بورنگ"۔۔ مائرہ نے ہنستے ہوئے بائیں ہاتھ کی مٹھی بنائی اور اس کے بازو پر ہلکا سا مارا۔

اور پھر وہی ہوا، جو اکثر ہوتا تھا۔

حدیر، جو موسموں سے الجھتا تھا، مائرہ کو خاموشی سے گھر چھوڑ آیا۔اور خود اپنے گھر پہنچ کر، کمرے کی تنہائی میں قید ہو گیا۔ جہاں نہ پھول تھے، نہ بارش، نہ کوئی سوال۔ شگوفہ زنی کا موسم حدیر رحمانی کو سب سے زیادہ بیزار کیا کرتا تھا اور اس پر مستزاد برسات کا برسنا۔

"بھائی، میں آجاؤں کیا؟"۔ مناہل دروازے پر ٹھہر کر، ہلکا سا جھانکتی ہوئی بولی۔

"آجاؤ گڑیا، وہاں کیوں کھڑی ہو؟"۔ وہ لیپ ٹاپ بستر پر رکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"بھائی، ہم سب آئس کریم کھانے جا رہے ہیں۔۔۔"وہ جھجھک کر رکی۔ حدیر نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔ "پلیز، آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں نا"۔

"منا گڑیا، آپ لوگ جاؤ شاباش۔۔۔ خوب مزے کرنا۔ مجھے ابھی کافی کام ہے"۔ وہ سہولت سے انکار کر گیا۔

"بھائی، آپ ہمیشہ ایسے ہی کرتے ہیں۔ اکیلے رہ کر بور نہیں ہوتے؟ ہر وقت کام، کام۔۔۔ کبھی ہمارے ساتھ بھی انجوائے کر لیا کریں"۔ وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے، آنکھیں دائیں بائیں گھماتی، ناراضگی جتاتی بولتی چلی گئی۔

"اتنی تیزی میں بھی کوئی بولتا ہے، گڑیا؟" وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

"آپ بات کو گھمائیں نہیں۔۔۔آپ چلیں، پلیز!" مناہل اب اسے منانے لگی۔

"بات کو سمجھو گڑیا۔ابھی بہت کام ہے۔دیکھو، باہر سب تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔ جلدی سے جاؤ، اچھی بات نہیں ہوتی کسی کو انتظار کروانا"۔وہ نرمی سے اسے قائل کرنے لگا۔

"انہیں انتظار کروانا بری بات ہے۔۔۔لیکن مجھے ہر بار آپ کا انکار سہنا، یہ اچھی بات ہے؟" وہ خفگی سے اسے گھورنے لگی۔

"آج کل تمہارا بھائی ایک بہت اہم پروجیکٹ پر کام کر رہا ہے، اسی لیے وقت بالکل نہیں۔ اچھا سنو۔۔۔یہ رکھ لو، اور جو میری گڑیا کا دل چاہے لے لینا"۔حدیر سائیڈ ٹیبل سے کریڈٹ کارڈ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا۔

"آپ کو لگتا ہے، یہ میں آپ سے لوں گی؟" وہ ناراضگی سے بولی۔

"جلدی سے لے لو منا، ضد نہیں کرتے"۔

"یہ میں اُس دن لوں گی، جس دن آپ میرے ساتھ چلیں گے"۔یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گئی۔

پیچھے حدیر کے چہرے کے تاثرات یکدم سنجیدہ ہو گئے۔

Clubb of Quality Content

اس نے کریڈٹ کارڈ بستر پر اچھال دیا اور خود کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

رحمانی ہاؤس سے دو گاڑیاں نکل چکی تھیں۔

بارش کے بعد وہ سب یوں ہی بے تکلف سی آؤٹنگ پر جایا کرتے تھے۔

حدیر نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ آوازیں، کچھ تصویریں، اس کے ذہن میں شور مچانے لگیں۔

"مام۔۔۔اتنی تیز بارش میں آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"۔

وہ عورت سیاہ فراک میں، بغیر کسی کوٹ کے، گھر کے پچھلے حصے میں کھڑی تھی۔

بارش تواتر سے برس رہی تھی۔۔۔بے رحم، بے وقفہ۔

اس آواز پر وہ گھبرا کر تیزی سے چہرے سے کچھ صاف کرنے لگی، پھر پلٹ کر بچے کو دیکھتے ہی مسکرا دی۔

"میرا بچہ۔۔۔تم یہاں کیوں آ گئے؟ اتنی ٹھنڈ میں؟

چلو، اندر چلو۔ پورے بھیگ گئے ہو۔ جاڑے کی بارش میں نہیں نہاتے"۔ وہ نرمی سے اسے خود سے لگائے، خفگی جتاتے ہوئے بولی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"پھر آپ کیوں نہا رہی تھیں؟"۔ بچے نے فوراً سوال کیا۔اس کی معصوم آنکھیں انہی پر ٹکی تھیں۔

"کیونکہ برسات میں آنکھوں سے نکلنے والا پانی اور بارش کا پانی مل جاتا ہے۔۔ پھر کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ یہ بہت کچھ اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے"۔اس کے سوال پر ان کی آنکھیں اداس ہو گئی تھیں۔

بارش بھی کیا خوب رحمت ہے نا؟اداس تنہا انسانوں کے لیے۔خاموشی سے ہم اس کے سائے تلے آ کھڑے ہو جاتے ہیں کہ آنکھوں سے بہنے والا پانی آسمان سے اترنے والے پانی میں اس طرح گھل جائے کہ دنیا فرق نہ کر سکے، یہ بارش ہے یا کسی مضبوط انسان کا ٹوٹ جانا۔انسان کی آنکھوں کا پانی اور بارش کا پانی ایک ہو جاتے ہیں۔۔۔اور دنیا نہ جانے کہ یہ آنسو ہیں، یا بارش کی بوندیں۔

بس وہ سب کچھ بہالے جاتا ہے، جو دل کے بوجھ میں چھپا ہوتا ہے۔

"اس کا کیا مطلب ہوا، ماما؟"۔بچہ حیران سا، بھوری آنکھوں میں نا سمجھی لیے دیکھنے لگا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا، میرے بچے، کہ اب فوراً اندر چل کر کپڑے بدلو"۔وہ ہنس کر اس کے بال بکھیرتی، اسے اپنے ساتھ اندر لے گئیں۔

حدیر رحمانی چونک کر حال میں لوٹ آیا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں رگڑیں۔۔۔پھر گال بھی۔

وہ دونوں نم تھے۔

اس نے سامنے برستی ہوئی بارش کو دیکھا۔۔۔

پھر اپنی آنکھوں کی نمی کو۔

اب اسے اس بات کا مطلب سمجھ آچکا تھا۔

ہاں۔۔۔لیکن حدیر رحمانی نے کبھی آنکھوں کا پانی اور بارش کا پانی ملنے نہیں دیا تھا۔

صحن میں صبح کی ہلکی روشنی اتر رہی تھی۔

چولہے پر توا دھیمی آنچ پر رکھا تھا، اور پھلکوں کی خوشبو پورے گھر میں پھیل کر کسی مانوس لمس کی طرح دل کو چھو رہی تھی۔

"ابا...آپ کی جواد چچا اور انجم چچی سے بات ہوئی؟ اماں ٹھیک ہیں؟"۔ماہ گل گرم پھلکے اتارتی، تخت پر بیٹھے ابا کی جانب مڑی۔۔

”ہاں، کہہ رہا تھا سب ٹھیک ہے۔ اگلے ہفتے ڈاکٹر نے آپریشن کا بتایا ہے“۔ ابا نے اخبار ایک طرف رکھا اور بیٹی کے چہرے پر ٹھہرتی فکر کو نرمی سے پڑھا۔ جواد چچا زاد لندن میں مقیم تھے۔

”ابا، آپ بھی اماں کے ہاتھ کے پھلکے مس کر رہے ہوں گے نا؟“ وہ باورچی خانے سے نکلتی بات کے تخت کے قریب آئی۔ ٹرے آگے بڑھاتے ہوئے خود بھی سامنے بیٹھ گئی۔

”میری بیٹی بھی بہت لذیذ پھلکے بناتی ہے“۔ ابا محبت بھری مسکراہٹ کے ساتھ نوالہ بنا کر اس کے منہ میں ڈال دیے۔

”لیکن اماں کے ہاتھ کی بات ہی کچھ اور ہے۔ ہم بہت یاد کر رہے ہیں انہیں...“ ماہ گل کے لہجے میں اداسی گھل گئی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

”ارے، یہ کیا بات ہوئی؟ ہر وقت مثبت پہلو تلاش کر کے ہنستے مسکراتے رہنے والی ماہ گل اداس ہو رہی ہے؟“۔ ابا دوبارہ نوالہ اس کے منہ کے قریب لے آئے، اور وہ خوش دلی سے اسے کھا گئی۔

”ہم اتنے جلدی اداس نہیں ہوتے، ابا، لیکن دیکھیں نا، یہ صحن کتنا خالی لگ رہا ہے۔ یہاں اماں کی ڈانٹنے کی آوازیں نہیں گونج رہی... کیسے کہتی تھی، 'ماہ گل، اب باہر مٹر گشت کرنے نکلی، تو

تمہاری ساری کتابیں بیچ دینی ہیں۔' ماہ گل! ذرا ٹھہر جاؤ، پہلے دودھ رکھ دو، پھر شاہینہ کے پاس جانا اور میں کتاب اٹھا کر بھاگ جاتی تھی"...

ماہ گل اماں کی نقل اتارتے ہوئے، نم آنکھوں سے مسکرائی۔

"اور یہ باورچی خانہ..." وہ کچن کے دروازے کی طرف دیکھ گئی۔ "یہ تو اماں کے بغیر بالکل ویران لگتا ہے۔ یہاں ہر وقت اماں کچھ نہ کچھ کرتی رہتی تھیں۔ ہر وقت برتنوں کی کھنک، نئے نئے کھانے، اور پھر اچانک آواز آتی تھی 'ماہ گل! یہ برتن سنک میں رکھ کر کہاں جا رہی ہو؟ فوراً آ کر دھوا نہیں"۔ اس کی ہونٹوں پر نرم مسکان چھا گئی۔

"اتنا یاد کر رہی ہو ماں کو؟"۔ ابا نے اس کے جذباتی چہرے کو دیکھ کر خود بھی نرم ہو گئے۔

"بہت زیادہ، ابا... اماں ٹھیک ہو جائیں گی، نا؟"۔ ماہ گل کے لہجے میں خوف اور امید کا عجیب سا امتزاج تھا۔

"بالکل۔ ڈاکٹر پرامید ہیں۔ دیکھنا، تمہیں جلد ہی اس صحن میں ڈانٹ رہی ہوں گی، اور تم میرے پیچھے چھپ رہی ہو گی"۔ ابا ہنستے ہوئے بولے، تو ماہ گل بھی بے اختیار ہنس پڑی۔

سمندر کی طرف جاتی سڑک پر شام دھیرے دھیرے اتر رہی تھی۔لہروں کی سرسراہٹ ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی اور نمکین ہوا بالوں کو بکھیرتی دل تک اترتی جا رہی تھی۔

حدیر کے ساتھ قدم سے قدم ملائے چلتی مائرہ رضا اچانک بول اٹھی۔

"یار حدیر، تم جانتے ہو سونا اور عمیر کی شادی ہو گئی ہے؟"۔

"کیا واقعی؟ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ عمیر کی کوششیں رائیگاں نہیں گئیں"۔حدیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا، پھر ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر آ گئی۔

"ہمارے بیچ کے تقریباً سب ہی لوگوں کی شادی ہو چکی ہے، حدیر..."مائرہ نے بات کو آگے بڑھایا۔"تم کب کرو گے؟"۔وہ سفید اسکرٹ اور سرخ شرٹ میں ملبوس تھی، پاؤں میں سرخ ہیل، لبوں پر گہری لپ اسٹک شام کی روشنی میں اس کے نین نقش اور بھی نمایاں ہو رہے تھے۔

"پتہ نہیں... شاید کبھی نہیں۔ یا شاید آئندہ چار پانچ سالوں میں"۔حدیر نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔رائل بلو کوٹ بازو پر ڈالے، سفید ڈریس شرٹ اور نیلے پینٹ میں وہ حسبِ معمول سنجیدہ، بے تاثر اور کسی حد تک دور نظر آ رہا تھا۔

"لیکن ابھی کیوں نہیں؟"مائرہ کی آنکھوں کی چمک مدھم پڑ گئی۔

وہ دونوں ریت پر چل رہے تھے۔ سرخ ہیل ریت میں دھنس کر ہلکی سی آواز کر رہی تھی۔ سمندر کی ہوا مائرہ کے بھورے بالوں کو اڑا کر حدیر کے کندھوں کو چھو جا رہی تھی۔

''ابھی میرے مقاصد کچھ اور ہیں، مائرہ'' حدیر کی آواز ہلکی مگر گہری تھی۔ ''مجھے ان پر توجہ دینی ہے۔ اور جب میں کامیاب ہو جاؤں گا، تو شاید تب شادی کے بارے میں بھی سوچ لوں''۔

اس کی سنجیدگی، اس کا بے نیاز انداز مائرہ رضا کو انجانے طور پر اپنی گرفت میں لیتا جا رہا تھا۔

''تم بہت بے رحم ہو، حدیر رحمانی''۔ وہ مسکراتی، مگر سجی ہوئی آنکھوں میں شکوہ لیے بولی۔

''کیوں؟'' وہ ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے چلتا رہا۔

''کیا مطلب... جو لڑکی تمہارے نصیب میں لکھی ہے، اسے تم اپنے مقصد کے لیے اتنا انتظار کروانا چاہتے ہو؟''۔ اس کے قدم لڑکھڑائے تو وہ بے ساختہ اس کے بازو میں ہاتھ ڈال گئی۔ حدیر چونکا، اسے دیکھا پھر اس کے سنبھلتے ہی نرمی سے اپنا بازو چھڑا لیا۔

''اگر وہ میری ہوئی... تو اسے انتظار کرنا پڑے گا''۔

''تم نجانے اتنے خشک مزاج کیسے ہو؟'' مائرہ نے اڑتے بالوں کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''مس مائرہ رضا، ہم یہاں کام کے سلسلے میں آئے تھے۔

اگر آپ کی یہ چہل قدمی مکمل ہو گئی ہو، تو کیا اب ہم چل سکتے ہیں؟"۔ حدیر رک گیا۔ گھڑی پر نظر ڈالی۔ پھر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"واہ! کیا احسان کیا ہے آپ نے..." مائرہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "دس منٹ واک کروالی، بس؟ کم از کم جب میں تمہیں یہاں لے ہی آئی تھی تو تم مجھے بھٹہ یا آئس کریم ہی آفر کر دیتے۔ آخر لاہور والے کبھی کبھار ہی سمندر دیکھ پاتے ہیں"۔ وہ واقعی خفا ہوئی تھی۔ کمپنی کے دیگر ساتھی کہیں پیچھے رہ گئے تھے۔

"اگر تم نے ان سب چیزوں کی توقع مجھ سے رکھی تھی، تو غلطی تمہاری ہے، مائرہ۔ تم جانتی ہو، میں یہ سب نہیں کرتا"۔ وہ صاف گوئی سے کہتا ہوا گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

"تم جیسا کنجوس اور خشک مزاج دوست کسی کا نہیں ہو سکتا"۔ وہ ہنستے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑی۔ "شکر مناؤ میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑتی، ورنہ تم بالکل اکیلے رہ جاؤ"۔

سورج اب سمندر میں ڈوب رہا تھا، اس کی روشنی پانی پر ٹوٹ کر بکھر رہی تھی۔ مائرہ کا سفید اسکرٹ اور سرخ شرٹ اس روشنی میں اور بھی نمایاں ہو گئے تھے۔

"مجھے نہیں لگتا مجھے شکر منانے کی ضرورت ہے"۔

"تم کتنے بد تمیز ہو، حدیر" وہ جھنجھلا اٹھی۔

"ایسا ہی ہوں میں"۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔

"جیسے بھی ہو... خیر ہے۔ ہو تو میرے دوست نا"۔ مائرہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

وہ بے نیاز تھا... سرد، سنجیدہ، اور اپنی ذات میں سمٹا ہوا۔

ایسا جیسے اس کے اندر کوئی موسم ہمیشہ خزاں کا رہتا ہو نہ شور، نہ رنگ، نہ بے فکری۔

اور پھر بھی... مائرہ رضا کو وہ قبول تھا۔

وہ دونوں بزنس ڈیل کے سلسلے میں کراچی آئے آئے تھے، تب ہی کام کے سلسلے ان کا سائیڈ پر آنا ہوا تھا۔

وہ سمندر کے اتنے قریب آ کر اسے دیکھے بغیر لوٹ کر جانے والا تھا۔ مائرہ رضا خفا ہوئی تھی۔ سمندر دیکھے بغیر کون جا سکتا تھا؟ سمندر جسے دیکھنا کبھی کبھار ہی نصیب ہوتا ہے، اسے یوں نظر انداز کون کر سکتا ہے؟ خاص طور پر وہ لوگ جو لاہور کی مصروف گلیوں میں پل کر کبھی کبھار ہی اس نیلگوں وسعت سے روبرو ہوتے ہیں۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

حدیر رحمانی کو کہنا چاہیے تھا 'آؤ چلو کچھ وقت سمندر پر گزار آئیں' لیکن نہیں۔۔ یہاں بھی مائرہ رضا اسے کھینچ لائی تھی۔ اور جب وہ اس کے کہنے پر آ ہی گیا تھا تو کم از کم اسے بھٹہ یا آئسکریم کی ہی پیشکش کر دیتا۔ مگر نہیں۔

وہ یہاں بھی وہی خشک، روکھا، اپنے مقصد کے خول میں بند انسان تھا۔

گاڑی میں بیٹھے وہ اس کے چہرے کو دیکھتی رہی وہی سپاٹ تاثرات، وہی سامنے جمی نگاہیں، جیسے ساتھ بیٹھی موجودگی اس کی دنیا کا حصہ ہی نہ تھی۔ اور پھر...اسی خاموشی میں مائرہ رضا کے دل نے ایک سمجھوتہ کر لیا۔

''خیر ہے...تم جیسے بھی ہو، مجھے قبول ہو'' وہ یہ الفاظ لبوں تک نہ لا سکی بس نگاہوں میں سمائے، سوچوں میں دہراتی رہی۔

اور حدیر رحمانی؟ وہ سامنے سڑک کو تکتا خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا اس بات سے بے خبر کہ اس کی سرد مزاجی کے باوجود کوئی اسے پورے دل سے قبول کر چکا تھا۔

یہ برسات کے ایک ہفتے بعد کا منظر تھا۔

Clubb of Quality Content

موسم بدستور گل ریزی کا تھا۔وہ موسم جس میں شگوفے بے اجازت کھلتے ہیں۔اور تقدیری فیصلے بھی خاموشی سے اپنا اعلان کر دیتے ہیں۔

کمرے میں ہلکی سی خوشبو تیر رہی تھی۔پرفیوم کی،نئے کپڑوں کی،گلاب کی اور کسی انجانی تقدیر کی۔

ماہ گل سرخ گھیر دار فراک میں ملبوس تھی۔

وہ فراک جو پاؤں کو چھوتی تھی۔کھڑکی کے پردے سے چھن کر آتی ہوا سرخ لباس کے کناروں سے کھیل رہی تھی،گلے اور آستینوں پر نگوں کا کام تھا۔جو چراغاں کی مانند چمک رہے تھے۔

بڑی بڑی سیاہ آنکھیں۔۔کاجل کی دبیز لکیر سے اور بھی گہری ہو چکی تھیں،پلکوں پر مسکارا کی تہیں،اور سرخی مائل ہونٹ اس کی صاف رنگت پر یوں کھل رہے تھے جیسے پھول اپنی آخری بہار میں کھلتے ہیں۔

مگر ان آنکھوں میں آج جو چمک تھی،وہ سنگھار کی نہیں،ایک بیٹی کی گھبراہٹ کی تھی۔

"ابا...آپ ہمارے ساتھ اچھا نہیں کر رہے"۔۔اس کی آواز نروٹھے پن سے زیادہ،ڈر سے بھری ہوئی تھی۔سلطان صاحب نے نم آنکھوں کے ساتھ اپنی بیٹی کو دیکھا۔۔اپنی چھوٹی سی گڑیا کو،جو آج دلہن بنی بیٹھی تھی۔

"باپ بھی کبھی بیٹیوں کے ساتھ برا کیا کرتے ہیں؟"۔وہ مسکرائے،مگر وہ مسکراہٹ آنکھوں تک نہ جا سکی۔

"ہم جانتے ہیں ابا..." ماہ گل نے پلکیں اٹھا کر انہیں دیکھا،نگاہ میں شکوہ بھی تھا اور بھروسہ بھی۔"لیکن یہ سب...بہت اچانک ہے۔ہمیں ٹھیک نہیں لگ رہا"۔۔

سلطان صاحب نے اس کا ہاتھ تھاما۔

وہی ہاتھ جسے انہوں نے برسوں تھامے رکھا تھا۔پہلے چلنا سکھانے کو،اب چھوڑنے کے لیے۔

"جانتے ہیں ماہا بہت اچانک ہے یہ..." وہ آہستہ بولے۔"لیکن اپنے ابا پر یقین رکھو۔یہ فیصلہ...تمہارے حق میں بہترین ثابت ہوگا"۔۔

"ابا...ہمیں ڈر لگ رہا ہے"۔یہ جملہ بمشکل اس کے لبوں سے نکلا۔سلطان صاحب چونکے،پھر ہنس دیے۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"ابا آپ ہنس رہے ہیں؟"۔وہ شکوہ کناں ہوئی۔

"نہیں..."وہ نرمی سے بولے۔"ہم حیران ہیں۔ہماری ماہا جو سب کو ڈرا دیتی ہے آج خود ڈر رہی ہے؟"۔۔

"ماہا ڈرپوک نہیں ہے،ابا..."اس نے نظریں جھکا لیں۔انگلیوں کو آپس میں پھنسائے۔۔"بس انجان لوگوں میں جانے کی گھبراہٹ ہے...ہم تو کبھی ان لوگوں سے ملے نہیں۔۔اور اب یہ اچانک شادی۔۔۔ہمیں یہی گاؤں میں رہنا ہے ابا۔۔شہر نہیں جانا"۔۔وہ دھیمی آواز میں کہتی گئی۔۔نم لہجے میں۔سلطان صاحب نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ہم جانتے ہیں ہماری ماہا جلد گھل مل جائے گی۔ہم اپنی بیٹی کو ایسے ہاتھوں میں دے رہے ہیں جو عزت بھی دیں گے، محبت بھی۔میرے پاس تھی تو مطمئن تھا،اب اپنے شوہر کے پاس ہوگی تو اور مطمئن رہوں گا"۔۔۔باہر صحن سے شور اٹھ رہا تھا۔۔خالہ کی بیٹیاں، ہنسی، قدموں کی چاپ، تیاریوں کا شور۔

"ابا اگر آپ کا جانا اتنا ضروری ہے تو ہم یہاں بھی رہ سکتے ہیں نا؟تایا،تائی، پھوپھی سب تو ہیں..."سلطان صاحب نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا۔۔

"بیٹی کو کسی کے پاس نہیں چھوڑتے، ماہا۔ مضبوط ہاتھوں میں دیتے ہیں۔ ابا پر یقین رکھو۔ اور یاد رکھنا.. ماہ گل کسی سے نہیں ڈرتی سوائے اپنے رب کے"۔۔

"جی ابا..." اس کی آواز بھر آئی۔ "ہم آپ کو بہت یاد کریں گے۔ جلدی آیئے گا"۔۔

"میرا بچہ..." سلطان صاحب نے آہستہ کہا۔ "ہم آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔۔ میری گڑیا"۔ وہ شفقت سے اس کے ماتھے پہ بوسا دیے۔

"ماہ گل! "دروازے کھلا اور تقریباً چیختی ہوئی آواز آئی۔ شاہینہ، صدمے سے آنکھیں پھیلائے، دروازہ کی فریم پہ کھڑی تھی۔۔

"یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟"۔ وہ میک اپ باکس سنبھالتی اندر آئی۔ "منع کیا تھا نہ رونے دھونے سے؟ آنکھیں دیکھو! اور خالو، مہمان آنے والے ہیں۔ اماں بلا رہی ہیں"۔۔

پھر ماہ گل کی طرف لپکی۔۔

"اور تم... ادھر آؤ۔ خبردار جواب خراب کیا! سارے جہاں میں بہادر ماہ گل بنی پھرتی ہو۔۔ وڈی آئی بہادر"۔۔ وہ تیز تیز بولتی زبان کے جوہر دکھانے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں کی پھرتی بھی دکھا رہی تھی۔

"میڈم شاہینہ..."۔ماہ گل نے اسے ٹوکا۔"ذرا اپنی زبان کے جوہر کم دکھائیں۔ابھی ہم آپ کی بکواس سننے کے موڈ میں نہیں"۔

"ابھی سے بے وفا ہو رہی ہو؟"۔شاہینہ ہنس دی۔"دولہا بھائی ملنے کے بعد تو ہمیں بھول ہی جاؤ گی"۔۔وہ شرارتی ہوئی۔

"زیادہ بکواس نہ کرو"۔۔وہ اسے گھوری۔۔مگر...دل ضرور دھڑکا تھا۔دولہا بھائی کے ذکر سے۔۔اس نے نہ دیکھا تھا،نہ جانتی تھی کہ وہ کیسا ہے۔۔بس ابا نے کہا تھا۔اور اس نے سر جھکا دیا تھا۔کیونکہ وہ ابا کے فیصلوں پر ہمیشہ یقین کرتی آئی تھی۔

دولہے والوں کی تعداد کم تھی، جیسے یہ نکاح کسی ہجوم کی خواہش نہیں بلکہ تقدیر کی ضد پر ہوا تھا۔صحن میں بکھری روشنیوں کے باوجود فضا پر ایک انجانی سی اداسی کی دبیز چادر تنی ہوئی تھی۔نکاح ہو چکا تھا، لفظ بندھ چکے تھے، قسمتوں پر مہر لگ چکی تھی۔

ماہ گل اندر کمرے میں بیٹھی تھی۔روئی روئی آنکھیں، سرخ پلکیں، اور چہرے پر وہ نمی جو صرف بچھڑنے کے لمحوں میں اُترتی ہے۔وہ آج کسی تصویر کی مانند لگ رہی تھی۔ایسی تصویر جس میں گل ریزی بھی ہو اور پت جھڑ کا کرب بھی۔

"ماہا چڑیل لگ رہی ہو تم"۔شاہینہ نے حسبِ معمول اسے چھیڑا، مگر آواز میں شرارت کے ساتھ ساتھ بچھڑنے کی ہلکی سی کپکپاہٹ بھی شامل تھی۔

"تم تو لگ رہی ہو نا انجیلینا جولی، بس کافی ہے"۔۔ماہ گل کے بگڑ کے کہنے پر کزنوں کی ہنسی کمرے میں بکھر گئی، مگر اس ہنسی کے پیچھے بھی آنکھوں کی نمی چھپی نہ رہ سکی۔

"لڑکیو! ماہ گل کو چادر اوڑھا کر باہر لے آؤ"۔۔

رخصتی کا اعلان ہوا تو ماہ گل کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔

یہ کیسا عجب لمحہ ہوتا ہے۔دو متضاد کیفیات کا سنگم۔ایک طرف نئے رشتے کی بشارت، دوسری جانب اپنے آنگن سے بچھڑنے کا ملال۔دل خوشی کے ہالے میں لپٹا ہوتا ہے اور روح جدائی کے زخم سے لرزاں۔

Clubb of Quality Content

یہ وہ گھڑی ہوتی ہے جہاں سوال بھی جنم لیتے ہیں اور یقین بھی۔ایک انجانا سا خوف کہ ہمسفر کیسا ہوگا؟دل کا موسم اس کے ہاتھ میں محفوظ رہے گا یا نہیں؟اور اسی خوف کے پہلو میں ایک نرم سی خوشی کہ اب کوئی اپنا کہلائے گا، کوئی نام کے ساتھ جُڑے گا، کوئی دعا میں شامل ہوگا۔

عورت۔۔۔

نجانے کتنی کیفیتیں ایک ہی سانس میں اوڑھ لیتی ہے۔

ایک لمحہ میں وہ لرز جاتی ہے، جیسے مانوس دیواریں اچانک اجنبی ہو گئی ہوں اور دوسرے ہی لمحے وہ اس قدر مضبوط ہو جاتی ہے کہ برسوں کی مانوس دہلیز کو پیچھے چھوڑ کر انجانی دہلیز کی طرف قدم بڑھا دیتی ہے۔ یہ بہادری کوئی نعرہ نہیں ہوتی، کوئی اعلان نہیں۔۔ یہ تو خاموشی میں کیا گیا سب سے بڑا فیصلہ ہوتی ہے۔

وہ ہنستی ہوئی چادر اوڑھتی ہے، مگر دل کے کسی کونے میں بچپن کی گونج رہ جاتی ہے۔ وہ مانوس صحن، وہ درودیوار، وہ نام جو پکارنے کے انداز میں بسے ہوتے ہیں۔۔ سب پیچھے رہ جاتا ہے۔ اور آگے ؟

آگے ایک نیا گھر، ایک نیا تعلق، ایک نئی شناخت اس کا انتظار کر رہی ہوتی ہے۔

یوں عورت۔۔ اپنی پوری کائنات کو ایک گھونگھٹ میں سمیٹ کر انجان ہاتھوں میں تھما دیتی ہے۔ اور شاید یہی رخصتی ہوتی ہے۔۔ صرف گھر چھوڑنا نہیں، بلکہ خود کو نئے سرے سے تخلیق کرنا۔

"شاہینہ..."۔ آواز بھر آئی۔ اور جو کب سے اسے ستا رہی تھی، وہی شاہینہ اب ضبط توڑ کر اس کے گلے لگ گئی۔ وہ صرف کزن نہیں تھی۔ اس کی پکی سہیلی، اس کی ہمراز۔

"اکرم دادا کے آم اب کون توڑنے جائے گا؟"۔ ماہ گل کی سسکی کمرے میں گونج گئی۔

"کون جائے گا؟ ہم دونوں ہی جائیں گے"۔ شاہینہ نے آنسو پونچھتے ہوئے ہنسنے کی کوشش کی۔ "جب اپنے شوہر کے ساتھ آئے گی نا، تو ہم چپکے سے نکل جایا کریں گے"۔۔

پکڑن پکڑائی، چور پولیس، چھپن چھپائی، ٹیچر ٹیچر، ڈاکٹر ڈاکٹر، درختوں پر چڑھ جانا، شام ڈھلے ماؤں کی آوازوں سے پہلے گھر لوٹ آنا، ہنسی کے ساتھ گر پڑنا اور آنسوؤں کے ساتھ پھر سنبھل جانا۔۔۔ بچپن کے سب موسم ان دونوں نے ایک ساتھ جیئے تھے۔ وہ دن جب وقت کو گنتی نہیں آتی تھی، جب کل کا کوئی خوف نہیں تھا، اور دل میں بس ایک ہی یقین تھا کہ یہ آنگن ہمیشہ ہمارا رہے گا۔

کتنی عجیب سی جلدی ہوتی ہے نا لڑکیوں کے بڑے ہو جانے کی۔ ابھی تو باپ کے آنگن میں بے فکری سے کھیلتی ہیں، ابھی تو مانوس دہلیز پر ننگے پاؤں دوڑتی ہیں اور یکدم وقت دستک دیتا ہے، اور کہتا ہے 'چلو، اب دوسرے گھر جانے کا وقت آ گیا'۔

نہ کھیل پورے ہوتے ہیں، نہ یادیں تھکتی ہیں۔۔ بس بچپن اچانک پیچھے رہ جاتا ہے، اور ہم لڑکیاں... خاموشی سے بڑی ہو جاتی ہیں۔

باپ کے صحن میں ہنسی کے چھوٹے چھوٹے چراغ جل رہے ہوتے ہیں،اور اچانک ایک دن انہی چراغوں کی لو کسی اور دہلیز کے لیے بجھا دی جاتی ہے۔ کھیل ختم نہیں ہوتے،بس ہاتھوں سے کھلونے چھن جاتے ہیں۔ ہنسی مر نہیں جاتی،بس آنکھوں کے پیچھے جا چھپتی ہے۔

اور یوں...مانوس درخت، پہچانی دیواریں،وہ کمرہ جس میں خواب پہلی بار دیکھے گئے تھے سب پیچھے رہ جاتے ہیں۔۔ ہم لڑکیاں بہت جلدی بڑی ہو جایا کرتی ہیں۔

جب لڑکیاں ماہ گل کو لیے صحن میں آئیں تو مجمع یکدم کھڑا ہو گیا۔

"حدیر، جائیں... بیگم کا ہاتھ پکڑیں"۔۔ مہناز بیگم (پھوپھو) نے سرگوشی میں کہا۔حدیر یوں کھڑا تھا جیسے نکاح کسی اور کا ہوا ہو۔زبردستی لبوں پر مسکراہٹ لایا،اور برابر میں آ کھڑا ہوا مگر گھونگھٹ میں چھپی دلہن کا ہاتھ تھامنے کی زحمت اس نے نہ کی۔

"حدیر بیٹا، ہم نے اپنی جگر کا ٹکڑا آپ کے حوالے کیا ہے"۔سلطان صاحب کی آواز بھری ہوئی تھی۔"اس امید پر کہ آپ ہمیشہ اس کی حفاظت کریں گے اس کا خیال رکھیں گے"۔۔

"آپ بے فکر رہیں،انکل"۔۔یہ جملہ بدقت اس کے لبوں سے نکلا۔

"سلطان بھائی،ماہ گل ہمارے لیے بہو نہیں،بیٹی ہے۔۔آپ بالکل بے فکر رہیں"۔۔ مہناز بیگم نے مسکرا کر کہا اور خود آگے بڑھ کر ماہ گل کو حدیر کی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بٹھا دیا۔

"جائیں حدیر، آپ بھی بیٹھیں۔ ہم پیچھے آ رہے ہیں۔ خیال سے لے جائیے گا بہو کو"۔۔ حدیر نے سر ہلایا، ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔ ایک لمحے کو برابر میں بیٹھے گھونگھٹ میں لپٹے وجود کو دیکھا۔۔ پھر لب بھینچ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔ کچھ راستے طے ہوا تھا کہ۔۔۔ اچانک ایک جھٹکا لگا۔

"ڈرائیونگ نہیں آتی کیا آپ کو؟ اتنی تیز رفتار سے کون چلاتا ہے؟"۔ اس کی اچانک چنگھاڑتی ہوئی آواز نے فضا کو چیر ڈالا بلکہ حدیر رحمانی کے اندر کی بے ترتیب سوچوں کو بھی۔۔ حدیر نے بمشکل اسٹیئرنگ پر گرفت مضبوط کی، رفتار آہستہ کی اور پلک جھپکتے ہی اس سمت دیکھا جہاں سے آواز ابھری تھی۔

اور پھر۔۔

لفظ جیسے کسی اَن دیکھے ہاتھ نے چھین لیے۔

رنگت دودھ سی نہ تھی، مگر صاف تھی اور نین نقش میں ایسی کشش تھی جو نظر کو اپنے حصار میں لے لے۔ گھونگھٹ غیر ارادی طور پر الٹ چکا تھا اور حدیر رحمانی کی بھوری آنکھیں ان سیاہ، گہری، قاتلانہ آنکھوں میں الجھ کر رہ گئی تھیں۔ یہ فقط ایک لمحے کا کھیل تھا۔

ادھر دلہن بھی، اپنے شوہر کو پہلی بار دیکھ کر ٹھہر گئی تھی۔

نا ولز کلب
Clubb of Quality Content!

یہ دیکھنا اور دیکھ کر ٹھہر جانا۔۔

یہ پہلا سامنا، پہلی آنکھوں کی ٹکر۔۔

کچھ ایسا تھا جسے لفظوں میں قید کرنا آسان نہ تھا۔ جیسے دو اجنبی موسم ایک دوسرے سے ٹکرا گئے ہوں۔۔نہ مکمل خزاں، نہ پوری بہار۔

"آپ پاگل ہیں کیا؟اس طرح کوئی چِلّاتا ہے ؟اگر ابھی کوئی حادثہ ہو جاتا تو۔۔۔" وہ لمحاتی سحر تھا جو ٹوٹا تو حدیر کی آواز ناگواری میں ڈھل گئی۔

"حادثہ ہمارے چیخنے سے نہیں، آپ کی تیز رفتاری سے ہوتا"۔جواب تڑخ کر آیا۔حدیر نے بڑی فرصت سے اپنی نئی نویلی دلہن کی زبان کے جوہر کو دیکھا۔

"ہمیں تو بتایا گیا تھا دلہن خاصی شریف ہے، مگر لگتا ہے ہمارے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔چند گھنٹوں کی دلہن، اور زبان اتنی تیز ؟"۔لہجے میں شکایت بھی تھی اور دہائی بھی۔

"تو کیا چند گھنٹوں کی دلہن، شرم وحیا کی آڑ میں اپنی جان بچانے کے لیے آواز بھی نہ اٹھائے ؟"۔اس نے آبرو اچکا کر کندھے اچکائے۔

"جان لے کون رہا تھا بھلا، جو جان بچانے کا خیال آیا؟"۔وہ جانے کیوں محظوظ ہوا۔

"آپ لے رہے تھے۔"جواب فوراً حاضر تھا۔

''ابھی تو ہم نے کچھ کیا بھی نہیں...''اس نے مسکراہٹ ضبط کی۔ بگڑا ہوا موڈ آہستہ آہستہ ڈھلنے لگا تھا، جیسے خزاں زدہ شاخ پر کسی نئی کونپل کی ضدی خواہش۔

''کیا کہا؟''۔وہ بگڑی اور گھونگھٹ واپس ڈالنے لگی۔

''اب جب گھونگھٹ اٹھ ہی گیا ہے تو دوبارہ ڈالنے کی کیا ضرورت؟ ہمیں تو گمان تھا یہ پردہ بیڈروم میں جا کر اٹھے گا۔اچھا ہوا جو پہلے ہی اٹھالیا کم از کم یہ تحفہ دینے کی فضول رسم سے تو بچوں گا''۔لہجے میں شرارت کی ہلکی سی گل ریزی تھی۔ مگر آنکھوں میں ابھی بھی پرانی سنجیدگی ٹھہری ہوئی تھی۔

''بہت ہی فضول گفتگو کرتے ہیں آپ۔اور ہم نہیں چاہتے کہ آتے جاتے دس لوگ ہمیں دلہن بنے دیکھیں''۔اس نے نظریں اٹھا کر اسے گھورا۔

''مس، یہ ون وے ٹنٹڈ گلاس ہیں اگر آپ کو معلوم ہو تو''۔انداز میں خفیف سا استہزا تھا۔

''پہلی بات تو مس نہیں، مسز۔اور دوسری بات، آپ کی گاڑی کو گھورتے ہوئے نہیں آئی تھی کہ ہمیں یہ سب معلوم ہوتا''۔اس نے گھونگھٹ اتار کر پچھلی سیٹ پر رکھ دیا، جبکہ دوپٹہ اب بھی سر پر جما ہوا تھا۔

"اوہ"! حدیر کے ہونٹ گول ہوئے۔"اماں سائیں سے کہنا ہوگا، صرف دھوکا نہیں، الٹرا پرو میکس دھوکا ہوا ہے۔ شریف لڑکی کہہ کر اتنی تیز زبان لڑکی دے دی گئی ہے"۔

"نہیں تو شریف لڑکی سے آپ کی مراد کیا ہے؟ شریف لڑکی کی زبان نہیں ہوتی؟ یا آپ کو اللہ میاں کی گائے چاہیے تھی؟ اگر ایسا ہی تھا تو ہمارے گاؤں میں گائیں، بیل، سب موجود ہیں لے آتے کسی ایک کو ساتھ"۔اس کی تڑخ پر حدیر نے صدمے سے اسے دیکھا۔

"توبہ کریں! کتنی فضول گو ہیں آپ۔ بہتر یہی ہے میں خاموشی سے ڈرائیونگ کروں"۔ گہری سانس فضا کے سپرد کرتے وہ دونوں ہاتھ اسٹیرنگ پر رکھتا سامنے کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"چلیں، کم از کم اتنی سمجھ تو آئی کہ فضول بولنے سے بہتر خاموش رہنا ہے"۔ ماہ گل نے مسکراہٹ دبالی۔

"یااللہ! یہ کیسی دلہن نصیب ہوئی ہے؟ چند ہی گھنٹوں میں ایک انجان، نئے نویلے دلہا کے ساتھ اتنی بے باکی؟ تو تو گیا حدیر رحمانی... جو معاملہ سیدھا دکھائی دے رہا تھا، وہ سرے سے ہے ہی نہیں"۔ وہ دل ہی دل میں بڑبڑاتا گاڑی چلاتا رہا۔ اسکرین پر روشن ہوتا 'مائرہ رضا' کا نام دیکھ کر وہ فون آف کر چکا تھا۔

اور ماہ گل سیٹ سے سر ٹکائے، آنکھیں موند گئی۔

اور گاڑی تار کول کے سڑک پر خاموشی سے آگے بڑھتی چلی گئی دو ایسے دلوں کو لے کر جو ابھی نہیں جانتے تھے کہ نوائے دل کہاں، کب، اور کیسے ان کے بیچ گونجنے والی تھی۔

"محترمہ..." حدیر رحمانی نے گاڑی کی رفتار مکمل توقف پر لا کر ایک نظر برابر میں بیٹھے وجود پر ڈالی۔

"منزل پر پہنچ گئی ہیں آپ۔ اُٹھیں"۔ مگر جواب میں صرف ہموار سانسوں کی خاموش آمدورفت تھی۔ وہ نیند کی کسی گہری وادی میں اتری بیٹھی تھی جہاں شاید خوف بھی نرم پڑ جاتا ہے۔

Clubb of Quality Content!

"بھنگ پی کر سوئی ہیں کیا..." اس نے زیرِ لب بڑبڑایا، پیشانی پر بل ابھرا۔ "ملکہ صاحبہ، اُٹھ جائیں... آپ کا شاہی محل آپہنچا ہے"۔۔ کوئی جنبش نہ ہوئی۔ وہ جھنجھلا اٹھا۔

"عجیب ہی خاتون ہیں..." اس بار اس نے کہنی ذرا سختی سے ہلائی۔

"کک ــــ کیا ہے؟" وہ ہڑبڑا کر جاگی۔ آنکھیں نیند کے ہلکے بادلوں میں لپٹی ہوئی، گہری، سیاہ، اور کسی غیر مرئی خوف کی نمی لیے۔

''شاید انہی آنکھوں کے لیے شاعروں نے ''دل نشیں'' کا لفظ استعمال کیا ہوگا''۔ حدیر ایک لمحے کو ٹھہر گیا۔

''اتنے زور سے کوئی جگاتا ہے؟'' وہ کلائی سہلاتی، خفگی سے بولی۔ چوڑیوں کی ہلکی جھنکار نے اترتی مغرب کی خاموشی میں ارتعاش پیدا کیا۔

''استغفراللہ...'' وہ دل ہی دل میں چونکا۔ ''حدیر، تو کیا سوچ رہا ہے؟''۔ اس نے فوراً نگاہ ہٹا لی۔

''آپ کیا پی کر سوتی ہیں؟ کب سے جگا رہا ہوں۔۔ حد ہو گئی''۔۔

''فضول گوئی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے''۔ وہ دوپٹہ درست کرتی، بھنویں چڑھا کر بولی۔ ''خواتین سے بات کرنے کی تمیز نہیں آپ کو؟''۔۔

''آپ جیسی خاتون سے پہلے ملاقات نہیں ہوئی شاید جب ہی...'' اس نے ہلکے سے طنز میں کہا۔

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ حدیر نے سامنے دیکھا پیچھے گاڑیوں کی قطار ٹھہر چکی تھی۔

''بس۔۔ چچا، چچی، پھوپھی جان بھی آ گئے ہیں...اب اتریں''۔۔ وہ ہاتھ اٹھاتا اسے خاموش ہونے کا کہہ گیا۔۔ وہ سر جھٹک کر خاموشی سے گاڑی سے اتر آئی۔

اور تب اس کی نظر پہلی بار اس مکان پر پڑی۔

سفید بنگلہ۔۔خاموش و قار کے ساتھ ایستادہ۔ منقش لکڑی کا دروازہ، جس پر وقت نے اپنے نقش چھوڑ رکھے تھے۔

مغرب گہری ہو چکی تھی۔ سفر کی تھکن، دن بھر کے شور،اور ایک نئ زندگی کی دہلیز سب ایک ساتھ ماہ گل کے دل پر اتر آئے۔ پیچھے سے گاڑیوں کے دروازے بند ہونے کی آوازیں آئیں۔گھر کے بڑے بھی اتر آئے تھے دعاؤں، توقعات،اور روایتوں کے ساتھ۔ماہ گل نے ایک لمحے کو اس سفید بنگلے کو پھر دیکھا۔

یہ گھر تھا۔۔مگر ابھی اس کا نہیں تھا۔یہ دہلیز تھی، مگر ابھی اس کے قدموں سے مانوس نہیں ہوئی تھی۔

اور حدیر رحمانی چند قدم کے فاصلے پر کھڑا، خاموشی سے اس لمحے کو دیکھ رہا تھا جس میں ایک اجنبی لڑکی اس کی زندگی میں داخل ہو چکی تھی۔

دروازہ کھلا تو ہنستے مسکراتے چہرے باہر آئے نوجوان لڑکے لڑکیاں جن کے انداز میں اپنائیت نمایاں تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے اترتے ہوئے مغرب کے دامن میں رنگ بکھرنے لگے تھے۔

Clubb of Quality Content!

رنگ برنگی روشنیوں نے افق میں ایسی گل ریزیاں بکھیر دیں کہ فضا خواب اور حقیقت کے بیچ معلق ہو گئی۔نوجوان لڑکوں نے خوب آتش بازی کی تھی۔ماہ گل مبہوت سی سر اٹھائے ان جگمگاتی کرنوں کو تکتی رہ گئی۔آنکھوں میں حیرت کی چمک، ہونٹوں پر انجانی سی مسرت کی لکیر خود بہ خود ابھر آئی تھی۔۔لبوں پر سجی دلفریب مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔اور اسی لمحے حدیر کے چہرے پر ناگواری کی سیاہ پرچھائیں ابھریں۔اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"مزمل...ان خرافات کی آخر کیا ضرورت تھی؟"۔وہ ذرا سا جھک کر سرگوشی میں بولا۔آواز مدھم تھی، مگر لہجے کی کاٹ چھپ نہ سکی۔وہ یہ بھول گیا تھا کہ کچھ آوازیں کانوں سے نہیں، دل سے سنی جاتی ہیں۔

اس نے احتیاط برتی تھی، مگر برابر کھڑی دلہن صاحبہ کے کان خوشیوں کے اس ہجوم میں بھی وہ جملہ صاف سن چکے تھے۔اس کی مسکراہٹ جو ابھی لمحہ بھر پہلے روح کی سطح پر تیر رہی تھی، اب کسی انجانی گرفت میں آکر سمٹ گئی۔خوشی، جو ابھی تازہ ہوا کی مانند اس کے وجود میں داخل ہوئی تھی، آہستہ آہستہ دم توڑنے لگی

"چپ کر حدیر"۔مزمل نے اسے ہلکے سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔"یہی تو خوشیوں کے لمحے ہوتے ہیں...اور ہاں، یہ سب ہم نے تیرے لیے نہیں اپنی بھابھی کے لیے کیا ہے"۔۔وہ اسے

جتانا ضروری سمجھا۔مزمل حدیر سے محض چھ ماہ چھوٹا تھا، مگر بے تکلفی اور دوستی میں دونوں ہم عمر محسوس ہوتے تھے۔

ماہ گل نے خود کو مجتمع کیا۔اس نے دل کے اندر اٹھتے سوالوں کو خاموشی سے سمیٹا اور قدم آگے بڑھادیے۔۔

گلاب کی پتیاں فضا میں یوں برس رہی تھیں گویا کسی ان کہی دعا کا نزول ہوں۔۔ سرخ، گلابی، سفید...ہر رنگ میں خوشبو گھلی ہوئی۔پتیاں اس کے بالوں، دوپٹے اور کندھوں پر ٹھہرتی گئیں۔اور وہ لمحہ، لمحہ بھر کو، حقیقت سے زیادہ خواب لگنے لگا۔

پھر سب لاونج میں جاکر ٹھہر گئے۔وسیع و عریض کمرہ روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔دیواروں پر پڑتی سنہری کرنیں ماحول کو اور بھی پُر وقار بنارہی تھیں۔

ماہ گل کے برابر میں حدیر بڑوں کی موجودگی کے سبب زبردستی بیٹھ گیا۔بڑے صوفوں پر جلوہ گر ہوگئے، اور نوجوانوں کی محفل فرش پر ہی سج گئی۔ قہقہوں، سرگوشیوں اور ہلکی ہنسی سے آراستہ۔

"ماہ گل، رحمانی فیملی میں خوش آمدید"۔ایک شوخ، مسکراتی آوازابھری۔ماہ گل نے سر اٹھا کر دیکھا۔تقریباً پچیس برس کی لڑکی، آنکھوں میں زندگی کی چمک اور چہرے پر خلوص کی بہار لیے کھڑی تھی۔ماہ گل نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میں رشنا ہوں۔۔حدیر کے بڑے بھائی ہریرہ کی بیوی...یعنی آپ کی بھابھی"۔وہ تعارف کرواتے ہوئے بولی، پھر نظریں نوجوانوں کی محفل میں گھمائیں۔

"اور روحان کہاں ہے؟"۔یہ کہتے ہوئے وہ ہادی کی گود سے مسکراتے ہوئے ایک سالہ روحان کو اٹھا لیں۔

"اور یہ ہے ہمارا بیٹا"۔۔گول مٹول بچے کو گود میں لیے وہ اس پر بے تحاشا پیار لٹا رہی تھیں۔

"اور روحان بے بی...یہ ہیں آپ کی چاچی جان"۔یہ کہتے ہوئے وہ ماہ گل کے برابر آ بیٹھیں۔لفظ چاچی ماہ گل کے دل میں کسی نرم سے لمس کی طرح اترا۔وہ بے اختیار ہاتھ بڑھا کر روحان کو گود میں لے بیٹھی۔

"بہت پیارا ہے...ماشاءاللہ"۔ماہ گل کی آواز دھیمی تھی، مگر یہ کہنا تھا کہ نوجوان لڑکیوں کا شور بلند ہو گیا۔ماہ گل گھبرا کر رشنا کی طرف دیکھنے لگی، جبکہ برابر بیٹھا حدیر بھی آنکھیں پھیلائے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

"ارے پریشان نہ ہو"۔رشنا ہنس کر بولیں۔

"روحان ہادی کے علاوہ کسی کے پاس نہیں جاتا اور دیکھو، آج تمہاری گود میں مزے سے بیٹھا ہے"۔یہ سن کر ماہ گل جھینپ گئی۔

"بہت ہی بے وفا ہے روحان یار"۔حدیر نے مصنوعی خفگی سے کہتے ہوئے جھک کر اس کے گال کھینچ لیے۔روحان اور زیادہ ماہ گل سے لپٹ گیا۔ایک بار پھر قہقہوں کا شور بلند ہوا۔

"جاؤ حدیر، اب تو یہ تمہارے ہاتھ بالکل نہیں آئے گا"۔رشنا بھی ہنستے ہوئے بولیں۔

ماہ گل نے مسکراتے ہوئے جھک کر روحان کے گال چوم لیے اور عین اسی لمحے روحان نے بھی وہی حرکت دہرائی۔

ماہ گل کی جھینپ دیدنی تھی، اور باقی سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"تم اسے پسند آگئی ہو، ماہ گل"۔رشنا نے مسکرا کر کہا۔

"روحان کی چوائس ٹھیک ہونے میں ابھی وقت لگے گا..."برابر میں بیٹھے حدیر نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

ماہ گل نے اس جملے کو جلے دل کے ساتھ خاموشی سے سہہ لیا۔ وہ خاموش رہی، مگر اس خاموشی میں ایک نئی تھکن شامل ہو چکی تھی۔ پھر بڑوں نے آرام کا کہہ کر سب کو کمروں کی طرف جانے کا اشارہ کیا۔

اور ماہ گل، جو اس گھر میں قدم رکھ چکی تھی، جانتی تھی کہ یہ صرف ایک آمد نہیں۔۔ یہ اس کی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز تھا، جس کے ہر ورق پر آزمائش بھی لکھی تھی اور تقدیر بھی۔

لباس بدلنے کے بعد ماہ گل تھکن کی لپیٹ میں اپنے بستر پر لیٹ گئی تھی۔ دن بھر کی الجھی خوشیاں، نئے گھر کی اجنبی خوشبو، اور روشنیوں کی چمک اس کے وجود پر بھاری تھی۔

حدیر کو اس نے کمرے میں آنے کے بعد سے نہیں دیکھا تھا اور حقیقت میں اسے اب پرواہ بھی نہ تھی۔ نیند نے آہستہ آہستہ اس کے شعور کے پردے پر پردہ ڈال دیا، اور وہ خواب و خیال کی وادیوں میں کھو گئی۔ دو گھنٹے بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ ایک شور نے نیند کی نرم چادر پھاڑ دی۔

"بھابھی۔۔۔ بھابھی اٹھ جائیں"۔۔ یہ پکار جیسے اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ ماہ گل نے ماندی آنکھیں کھولیں، اور دماغ آہستہ آہستہ اس حقیقت کو پروسس کرنے لگا۔۔ وہ اپنے باپ کے گھر

نہیں بلکہ حدیر رحمانی کے گھر میں تھی،اور سامنے اس کی نندیں ہلکان ہو کر اسے جگانے کی کوشش میں تھیں۔

"کیا ہوا؟سب خیریت ہے؟"۔ہڑبڑاتے ہوئے وہ بیٹھ گئی، بال بے ترتیب پھیل گئے اور نیند کی مٹھاس ابھی بھی اس کے لب و رخسار پر موجود تھی۔

"حدیر، تمہاری تو روز ٹف ڈیوٹی لگے گی اسے اٹھانے میں"۔رشنا آنکھوں میں شرارت لئے مسکرائی۔

"جی بھابھی اندازہ ہے محترمہ نیند کی کافی پکی ہے"۔کمرے میں حدیر کی گھمبیر آواز گونجی۔ماہ گل نے تیزی گردن گھما کر آواز کی سمت دیکھا تو وہ صوفے پر بیٹھا نظر آیا،سفید شلوار قمیض میں،ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے،اور آنکھیں اس پر مرکوز تھیں۔ماہ گل جھینپی سی، جلدی سے ڈوپٹہ اپنے ارد گرد پھیلا دیا، مگر روشنی میں اس کے شرم و حیا کی سرخی صاف نمایاں تھی۔

"دیور جی،ابھی دیورانی صاحبہ آئے ہوئے ایک روز بھی نہیں ہوا،یہ اندازہ آپ کو کیسے ہو گیا؟"۔رشنا نے کمر پر ہاتھ رکھے، چھوٹی چھوٹی آنکھیں کر کے اسے گھورا۔

باقی لڑکیاں بھی اسی منظر پر متوجہ ہو گئی تھیں، لیکن حدیر کی آنکھیں صرف ماہ گل پر جم گئیں۔

"محترمہ، گاڑی میں بھی نیند پوری کرتی ہوئی آئی ہیں"۔اس کی آواز میں بیزاری بھی تھی،اور ایک خاموش مزاح بھی چھپا ہوا۔

"واقعی ماہ گل ؟"۔۔ان کی حیرانی پر ماہ گل نے سر ہلایا،خفت اور شرم دونوں کے رنگ اس کے رخسار پر کھیل رہے تھے۔

"ویسے حدیر، تم نے اسے کیسے اٹھایا؟"۔رشنا پھر چھیڑتے ہوئے بولی۔

"یہ تو اب آپ اپنی دیورانی سے ہی پوچھیں"۔حدیر نے کندھا اچکایا اور کمرے سے باہر نکل گیا،باقی سب کے ہنسنے کی آہٹ اس کے پیچھے گونج رہی تھی۔ماہ گل کی تھوڑی آہستہ آہستہ گردن سے لگتی جا رہی تھی۔

"ہاں تو بتائیے دیورانی صاحبہ"۔رشنا نے شرارت بھری آواز میں قریب آ کر پوچھا

"بھابھی"ماہ گل احتجاجی انداز میں کہتی واشروم کی طرف دوڑ گئی۔پیچھے سب کا قہقہ بلند ہوا،اور ماہ گل کی شرمندگی میں مٹھاس گھل رہی تھی۔

"بدتمیز انسان۔۔جاہلوں کی طرح اٹھایا تھا۔۔ابھی بتا دیتی تو پتہ چلتا"۔۔وہ تپے تپے موڈ کے ساتھ نل کھولنے لگی۔

"ماہ گل، جلدی کرو! پندرہ منٹ ہیں، پھر سب کے ساتھ ڈنر کرنا ہے"۔آخر کار رشنا کی آواز پھر بلند ہوئی۔ماہ گل گیلا چہرہ صاف کرتے ہوئے باہر آئی تھی۔

"رات کا ڈنر سب ساتھ ہی نو بجے کرتے ہیں۔آج بس ایک گھنٹہ لیٹ ہو گئے ہیں"۔رشنا بھابھی مسکراتی ہوئی قریب آکر کھڑی ہوئی،اور ماہ گل کی طرف نرمی سے دیکھا۔

"کپڑے تو ٹھیک ہیں،بس ہلکا سا میک اپ کر لو،پھر نیچے چلتے ہیں"۔ماہ گل نے سر ہلا کر رضامندی کا اظہار کیا۔

"یہ جو پیچھے تین چڑیلیں بیٹھیں ہیں،یہ ہماری نندیں ہیں"۔۔ماہ گل کے پیچھے کی جانب اشارہ کرتیں وہ شوخ مسکراہٹ لیے بولی۔ماہ گل نے ان تینوں لڑکیوں کی طرف دیکھا ہر ایک کی آنکھ میں چنچل شرارت،اور ہونٹوں پر چھپی مسکان۔

"بھابھی،اور اچھا تعارف نہیں ملا تھا"۔لڑکیاں ایک ساتھ چیخیں۔

"نہیں،فی الحال اس سے بہتر کچھ نہیں ملا"۔رشنا نے لب دبائے، مسکراہٹ روکتے ہوئے کہا۔

ماہ گل نے لپسٹک لگاتے ہوئے رشنا بھابھی کو غور سے دیکھی۔ماہ گل کو وہ اچھی لگی تھیں۔ہنس مکھ شرارتی سی۔یہ منظر ماہ گل کو نہایت خوشگوار لگا۔ان کی چنچل مسکان،آنکھوں کی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

رمق، اور ہر چھوٹے چھوٹے حرکات میں وہ نرم دل بہادینے والی توانائی محسوس کر رہی تھی۔ وہ بھی توان کی طرح ہی تھی۔ شاہینہ کے ساتھ یوں ہی ہنسنا بولنا۔۔

"میں ہوں حدیر رحمانی اور ہریرہ رحمانی کی اکلوتی بہن، مناہل رحمانی"۔ پرکشش چہرے والی لڑکی نرم مسکراہٹ لیے سامنے آئی۔

"اور میں ہوں حدیر بھائی کی کزن، فضار حمانی، مدثر رحمانی کی صاحبزادی"۔ بیس سال کی سانولی رنگت کی لڑکی، اپنی پرکشش نقوش اور ہلکی سی سنجیدگی کے ساتھ قدم بڑھا رہی تھی۔

"اور میں ہوں فضا کی چھوٹی بہن، میرب۔" اٹھارہ سال کی یہ لڑکی چہک رہی تھی، بہار کے پھول کی طرح۔

"مجھے آپ چاروں سے مل کر خوشی ہوئی"۔ ماہ گل نے نرم مسکراہٹ اور پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"ویلکم ٹو اوور گینگ بھابھی"۔۔ چاروں لڑکیاں کھلکھائیں۔ گل ریزی کے سارے رنگ کمرے میں بکھر سے گئے۔

اور پھر یہ چھوٹا سا ٹولہ، چار سے پانچ کی تعداد میں ہوتا ہوا، ہنستے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ان کے قہقہوں کی گونج میں ماحول میں ایک دلکشی اور خوشی کی روشنی پھیل گئی۔

ڈنر کے بعد، چائے اور کافی کا دور ہوا، گفتگو اور قہقہوں کے درمیان وقت تیزی سے گزرا۔ سب کے ساتھ بیٹھ کر محفل نے دلوں کو نرم اور گرم کر دیا۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کے قریب، ماہ گل اپنے کمرے میں آئی۔

چوڑیاں احتیاط سے اتارتے ہوئے ماہ گل ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی، ہاتھوں کی ہر جنبش میں تھکن اور نرم اضطراب جھلک رہا تھا۔ تب ہی حدیر کمرے میں داخل ہوا۔ ماہ گل نے اسے تقریباً نظرانداز کیا، اپنے کام میں مگن رہی اور یہ بے پرواہی حدیر کو کچھ چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"میرے کپڑے نکال دو"۔ حدیر نے بیڈ پر نیم لیٹے انداز میں کہا۔ ماہ گل نے چونک کر سر اُٹھایا اور اس کی طرف دیکھا، آنکھوں میں تلخی اور خفگی کا عجیب امتزاج تھا۔۔

"جب ہم کسی کے لیے اچھی چوائس نہیں ہو سکتے، تو یقیناً چیزیں بھی اچھی منتخب نہیں کر سکتے۔ آپ اپنے کپڑے خود کیوں نہیں نکال لیتے؟"۔ اس کا لہجہ سنجیدہ اور تلخ تھا، لیکن اس کی آواز میں کوئی نفرت نہیں تھی، صرف ایک حد تک خودداری اور واضح اعتراض تھا۔

حدیر نے چونک کر اسے دیکھا، پھر آہستہ آہستہ سر ہلایا، بات سمجھ میں آ گئی تھی۔

"پہلی بات، اس کبرڈ میں سارے کپڑے میری مرضی کے ہیں۔ اور رہی بات، میں خود کیوں نہیں نکال لیتا؟ تو جب تم اس کمرے میں آ ہی گئی ہو، تو پھر اپنی زمہ داری بھی نبھاؤ۔" وہ قریب آتا ہوا بولا۔

ماہ گل لب بھینچے الماری کی جانب بڑھی، سامنے جو ٹی شرٹ اور ٹراؤزر رکھے تھے، انہیں اٹھا کر حدیر کی طرف بڑھایا۔ حدیر بغور اس کے چہرے پر چھائے تلخ غصے کو دیکھ رہا تھا۔

"ایک بات تو بتائیں"۔ وہ جو لباس لیے واشروم کی جانب بڑھ رہا تھا، ماہ گل کی آواز پر رک گیا۔

"جب آپ کو شادی کرنی ہی نہیں تھی تو کیوں کی؟"۔ ماہ گل نے اس سے سیدھے، واضح اور بے باک انداز میں پوچھا، اور حدیر کو دھچکا سا لگا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ یہ لڑکی، جسے اس نے چند گھنٹے پہلے دیکھا تھا، پہلی ملاقات کی پہلی رات میں ہی نہ صرف جان جائے گی بلکہ یوں سراپہ سوال بنی ہو گی۔

"یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے"۔ حدیر نے سنجیدگی سے کہا اور مڑنے لگا، لیکن ماہ گل نے تیزی سے اس کے سامنے آ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

"کیسے ہمارا مسئلہ نہیں ہے؟"۔۔حدیر کی آنکھیں مہندی سے سجے ہاتھوں پر گئیں جو اس کے بازو پر تھیں، اور پھر ماہ گل کے چہرے تک۔ماہ گل نے تیزی سے ہاتھ ہٹایا۔

"آپ کب سے ایک لڑکی، جسے چند گھنٹے پہلے نکاح میں لیا ہے، جو چند گھنٹے پہلے آپ سے ملی ہے، اس پر طنز کے تیر برسا رہے ہے؟ کیوں؟"۔ماہ گل نے دونوں بازو باندھے، آنکھوں میں سرد مہری اور خودداری لیے اسے گھورا۔حدیر ٹھٹھک سا گیا۔وہ جو گاؤں کی شرمیلی، سادہ لڑکی کے کا سوچ بیٹھا تھا، ماہ گل اس کے تصور سے بالکل برعکس تھی۔

"میں نے کون سے طنز کے تیر برسا دیے؟"حدیر کی آواز میں سختی تھی، مگر اب ایک چھوٹی سی حیرت بھی شامل ہو گئی تھی۔

"ہم ابھی آپ کے سامنے باتیں دہرانا نہیں چاہتے۔بس اتنا سن لیں، ہمیں کسی کے بھی سامنے آپ کی کسی بھی بات سے بے عزتی کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔آپ ہم سے بات کریں تو خیال رکھیں، اور وہی عزت دیں جس کے ہم حقدار ہیں"۔ماہ گل نے انگلی اٹھا کر بات مکمل کی، جیسے اپنی حدود اور وقار دونوں برقرار رکھے۔

"آپ کب سے خود کو سمجھنے کیا لگی ہیں؟ میں آرام سے آپ کی باتین سن رہا ہوں، اور آپ سر پر چڑھنے لگی ہیں...جو سوچنا ہے سوچیں، جو کرنا ہے کرتی رہیں"۔۔وہ غصے سے کہتا ہوا

واشروم میں گیا تھا۔اور وہ سہمتی ہوئی بیڈ کے کنارے پر آکر ٹک گئی تھی۔کچھ لمحے بعد وہ لباس تبدیل کر کے نکلا اور بنا اس کی جانب دیکھے اسٹڈی میں داخل ہوا اور دروازہ زور سے لاک کر دیا۔ماہ گل کی آنکھوں میں نمی ابھر آئی،دل کے اندر ایک عجیب سا خالی پن اور ادھوری بے چینی چھا گئی۔

''آج پہلا دن تھا... ہمیں اتنی زبان نہیں چلانی چاہیے تھی پہلے دن ہی یہ سب...ایک تو غلط بات برداشت نہیں کر سکتی،اور فوراً بولنے کی عادت... یا اللہ''۔وہ اب فکر مند آنکھوں سے اسٹڈی کے دروازے کو گھور رہی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ بیڈ پر دراز ہوئی، تھکن، حیرت اور ادھوری پریشانی کے ساتھ،ایک پل کے لیے اپنے آپ کو محسوس کر رہی تھی۔وہ گل ریزی کے موسم کی چنچل لڑکی تھی،آزاد،خوش مزاج، بے فکر... لیکن اب، شادی کے بعد،پہلے ہی دن چند گھنٹوں میں زندگی کی پہیلی اور ذمہ داری کے نئے رنگ اس کے سامنے آ گئے تھے۔پہلی بحث،پہلی تکرار سب اس کی چنچل خوشیوں میں ہلکی تلخی گھول رہے تھے۔

"دیکھو بھلا، اسے اب بھی سکون نہیں..." اماں سائیں تخت پر نیم دراز تھیں۔ دوپہر کے ٹھیک بارہ بج رہے تھے، اور لاؤنج میں دھوپ ہلکی سی چھن کر آ رہی تھی۔ دوپہر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ صحن میں اتر آئی تھی۔ بہار اپنے اختتامی سانس لے رہی تھی۔ ہوا میں ہلکی سی گرمی گھلی ہوئی تھی اور درختوں کے پتوں پر تازگی کے ساتھ تھکن بھی اتر آئی تھی۔

لڑکیاں ماہ گل کو گھیرے بیٹھی تھیں۔ سامنے میز پر پھلوں کی پلیٹ رکھی تھی۔ سرخ اسٹرابیریاں اور چند لوکاٹ بہار کی آخری سوغاتیں۔ باتوں کے دوران وہ کبھی کسی پھل کی طرف ہاتھ بڑھاتیں، کبھی ہنسی کے نرم قہقہے فضا میں بکھیر دیتیں۔ وہ سب اگلے دنوں کے منصوبے بُن رہی تھی۔ شادی کے بعد کی یہ پہلی دوپہر، رنگوں، ذائقوں اور آوازوں سے بھری ہوئی تھی۔ پھر بھی ایک کسک سی تھی۔

"شادی کے دوسرے ہی دن کون آفس چلا جاتا ہے؟"۔ اماں سائیں کے لہجے میں خفگی تھی۔۔

"اماں سائیں"۔ مدثر رحمانی کی بیوی، ہاجرہ رحمانی، چائے کی ٹرے تخت کے قریب رکھتی ہوئی بولیں اور خود بھی پاس بیٹھ گئیں۔ "آپ تو جانتی ہیں، سب کچھ بہت جلدی میں ہوا ہے۔ اور حدیر... کام کے معاملے میں وہ کسی کی کہاں سنتا ہے"۔۔

ان باتوں کے درمیان، کشن پر بیٹھی ماہ گل خود کو عجیب سی بے چینی میں جکڑا محسوس کر رہی تھی۔ باتیں اس کے بارے میں نہ تھیں، مگر ہر لفظ جیسے اس کے دل پر آکر ٹھہر جاتا تھا۔ بغیر کسی خطا کے، ایک انجانی سی ذمہ داری اس کے کندھوں پر آ بیٹھی تھی۔ دل چاہا، اس عجیب و غریب انسان پر ذرا سا غصہ نکال لے، جو نہ جانے کب، کس وقت، اسے جگائے بغیر ہی دفتر جا چکا تھا۔

"ماہ گل، یہ دیکھو..." رشنا نے موبائل اسکرین اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ولیمے پر یہ سلور میکسی تم پر بہت حسین لگے گی"۔

اسکرین پر جگمگاتا لباس لمحہ بھر کو اس کے دل کی اداسی پر ہلکی سی چمک ڈال گیا۔ باقی لڑکیوں کا بھی یہی حال تھا۔ سب ولیمے کے خیال سے پر جوش تھیں۔ نکاح تو پلک جھپکتے میں ہو گیا تھا، مگر اب سب کا اتفاق تھا کہ ولیمہ شاندار ہونا چاہیے۔

"بھابھی..." ماہ گل نے ذرا دھیمے لہجے میں کہا۔ "یہ کچھ زیادہ مہنگی نہیں ہے؟ آخر چند گھنٹوں کے لیے ہی تو پہننی ہے"۔

"ارے پاگل!" رشنا نے محبت بھری جھڑکی دی۔ "یہ چند گھنٹے ہی تو اصل ہوتے ہیں۔ یہ تمہارا خاص دن ہے۔ زندگی میں بار بار ایسے لمحے کہاں آتے ہیں؟"۔

"اور یوں بھی" مناہل نے شرارت سے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔ "آپ کے شوہر اتنے امیر ہیں تو ذرا ان کے پیسے بھی خرچ کروائیں"۔۔

"بالکل بہو، پیسے کی فکر مت کرو۔ جو دل چاہے، وہی خریدو"۔ یہ سن کر اماں سائیں کے چہرے پر شفقت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔

اور یوں، چند لمحوں کے لیے، ماہ گل نے دل کی وہ گرہ کھول دی جو صبح سے بندھی ہوئی تھی۔ ہنسی، باتوں اور رنگ برنگے لباسوں کے درمیان، وہ بھی شاپنگ کے اس ہنگامے میں شامل ہو گئی۔ حالانکہ دل کے کسی گوشے میں ایک خاموش سوال اب بھی سانس لے رہا تھا۔ سب کچھ اپنی جگہ تھا محبت، شفقت، رونق، خیال۔۔ مگر دل۔۔ دل کہیں دور اپنی ہی نوائے دل سن رہا تھا، جسے کوئی اور سننے والا نہ تھا۔

وہ اپنے آفس میں تنہا بیٹھا تھا۔

فائلیں میز پر بکھری تھیں، مگر اس کی نگاہیں ان لفظوں سے کہیں آگے خالی خلا میں ٹھہری ہوئی تھیں۔

سر میں ہلکا ہلکا درد اٹھنے لگا تھا۔ حدیر رحمانی کی شادی ہو چکی تھی۔

یہ حقیقت بار بار ذہن میں ابھرتی، پھر کسی ضدی خیال کی طرح واپس دھکیل دی جاتی۔ وہ اب تک اس سچ کو قبول نہیں کر پا رہا تھا۔ جیسے یہ سب کسی اور کی زندگی میں ہوا ہو۔

اس نے آنکھیں بند کیں، انگلیوں سے کنپٹیاں مسلیں۔

سانس گہری ہوئی... مگر دل کا بوجھ ہلکا نہ ہوا۔

اچانک، اس کے خیالوں کے بند دروازے پر ماضی نے آہستہ سے دستک دی۔

"میرا بچہ، حدیر... ایک بات کہوں تم سے؟"۔ یہ وہ وقت تھا جب حدیر اپنے گریجویشن کے آخری سال میں تھا۔ پھوپھو نے اسے اپنے پاس بلایا تھا۔ کمرے میں شام کی دھیمی روشنی اتر رہی تھی، پردوں سے چھن کر آتی ہوا میں کسی ان کہی تشویش کی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔

"ہزار کہیں، پھوپھو جان۔" وہ مسکراتے ہوئے ان کے سامنے کرسی گھسیٹ لایا۔ پھوپھو اس کے انداز پر ہنس پڑیں، مگر اگلے ہی لمحے ان کی ہنستی آنکھیں نمی اوڑھنے لگیں۔

کتنی زندگی سے بھرپور بھوری آنکھیں تھیں حدیر رحمانی کی۔۔ ہمہ وقت شوخ، مسکراتی ہوئی۔ کیا ان آنکھوں میں اداسی اچھی لگے گی؟ یہ خیال آتے ہی پھوپھو نے پلکیں جھکا لیں۔

"یہاں آؤ... میرے پاس بیٹھو۔" وہ خود کو سنبھالتی ہوئیں بولیں۔ حدیر خاموشی سے ان کے قریب آ بیٹھا۔

"پہلے پھوپھو سے وعدہ کرو، یہ بات صرف ہم دونوں کے درمیان رہے گی"۔انہوں نے اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا۔

"پھوپھو اور بھتیجے کا راز...وعدہ رہا۔" وہ مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام گیا۔

"جانتے ہو، بزنس میں تمہارا ایک خاصا بڑا حصہ ہے۔" پھوپھو نے آہستگی سے کہا۔

حدیر چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔"اس بات کا کیا مطلب ہے؟"۔

"مطلب یہ، حدیر، کہ اب تمہارا گریجویشن ہونے والا ہے۔میں چاہتی ہوں جو چیز تمہاری ہے، تم اسے اپنے نام کروالو۔میرا بچہ ذہین ہے...اپنے نام سے ایک الگ بزنس شروع کرو۔"

ان کی آواز نرم تھی، مگر الفاظ کے پیچھے کوئی ان کہی فکر چھپی ہوئی تھی۔

مگر تئیس سالہ حدیر رحمانی اس وقت الجھن میں تھا۔

"لیکن پھوپھو، بزنس الگ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ چچا سب سنبھال رہے ہیں۔میں بھی تو ان کے ساتھ ہی کام کر رہا ہوں۔ گریجویشن کے بعد پورا وقت دیا کروں گا۔" پھوپھو نے گہری سانس لی۔

"انسان کو بدلنے میں دیر نہیں لگتی، چندا۔ کب دوست دشمن بن جائے، کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ اسی لیے چاہتی ہوں تم اپنا مستقبل محفوظ کرو۔" وہ جانتی تھیں کہ یہ باتیں حدیر کو مزید الجھا رہی ہیں، مگر پورا سچ بتانے کی ہمت ابھی ان میں نہیں تھی۔

"مجھے آپ کی بات پوری طرح سمجھ نہیں آ رہی، پھوپھو۔"

انہوں نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

"دیکھو، بزنس میں جو تمہارا حصہ ہے، وہ اپنے نام کرو گے۔ کس کا فائدہ ہوا؟ تمہارا۔ اپنا الگ کام شروع کرو گے۔ کس کا فائدہ ہوا؟ تمہارا۔ اپنا نام بناؤ گے۔۔ کس کا فائدہ؟ تمہارا۔ اور سنو... اپنی پھوپھو کے بارے میں کبھی کوئی غلط خیال دل میں نہ لانا۔ یہ سب میں تمہارے لیے کہہ رہی ہوں، تمہیں مضبوط بنانے کے لیے۔ آج شاید تم ان باتوں کا مطلب نہ سمجھو، مگر ایک دن... خود ہی سب سمجھ جاؤ گے۔"

حدیر کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

وہ جھک کر ان کے دونوں ہاتھوں پر بوسہ دے گیا۔

"بخدا، پھوپھو، آپ کے لیے کوئی غلط خیال لانے سے پہلے میں مر جانا پسند کروں گا۔"

پھوپھو نے مسکرا کر اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تو پھر... میری بات مان لو، میرے بچے۔" کمرے میں خاموشی اتر آئی۔

"تمہاری ایک اور امانت ہے میرے پاس"۔ اس خاموشی کو دوبارہ پھوپھو کی آواز نے توڑا۔

"کیسی امانت؟"۔

"وہ جب تم خود کو مضبوط کر لو گے، تب میں تمہیں بتاؤں گی"۔۔ پھوپھو کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"دال چاول اور تمہاری پسند کے شامی کباب بنائے ہیں، نکال رہی ہوں کھا کر جانا"۔۔ وہ کچن میں چلی گئی پیچھے حدیر کے ذہن میں کئی طرح کے سوال چھوڑ کر۔۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

حدیر ابھی سوچوں کے بھنور میں تھا کہ دروازہ آہستگی سے کھلا۔ مائرہ رضا اندر داخل ہوئی تو اس کی یادوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ ماضی کے دریچے بند ہوئے اور وہ حال میں لوٹ آیا۔

"آجاؤ مائرہ" وہ دھیمی آواز میں بولا اور سامنے رکھا لیپ ٹاپ کھول لیا۔

"تم ٹھیک ہو؟"۔ مائرہ تشویش کے ساتھ آگے بڑھی۔

"ٹھیک ہوں... تم بتاؤ، کیا ہوا؟" وہ فائل کو بے مقصد آگے پیچھے کرتے ہوئے بولا۔

''کیا ہوا؟''۔وہ تلخی سے مسکرائی۔''یہ پوچھو کیا نہیں ہوا، حدیر۔ تم نے شادی کرلی؟ یاد ہے مجھے کیا کہا تھا؟ چار پانچ سال بعد؟''۔۔

حدیر کی انگلیاں لمحہ بھر کو رک گئیں۔''مائرہ...یہ شادی میں خود بھی اب تک قبول نہیں کر پایا ہوں۔ مجھے سمجھ نہیں آرہا یہ سب کیسے ہو گیا۔''وہ گہری سانسیں بھر گیا۔

''کیا مطلب؟''۔مائرہ چونک اٹھی۔

''نکاح سے دو دن پہلے شہاب رحمانی نے مجھے بلا کر کہا میں تمہارا نکاح کروا رہا ہوں۔''وہ تلخی سے مسکرایا۔

''تمہاری مرضی شامل نہیں تھی؟''مائرہ کے لہجے میں درد اتر آیا۔''اور تم نے مان لیا؟ کیوں، حدیر؟''۔

وہ کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ نگاہیں آفس کی دیواروں پر گھومیں۔

''یہ سب جو تم دیکھ رہی ہو نا...ایچ آر ہولڈنگ، یہ آفس، یہ مقام ان سب کی قیمت مجھے ادا کرنی پڑی''۔

''کیا مطلب؟''۔مائرہ چونک اٹھی۔

وہ تلخی سے مسکرایا۔

"پھو پھو کے کہنے پر جب میں نے اپنے بزنس شیئر کی بات کی تھی... تم جانتی ہو ظہیر چچا نے کتنا ہنگامہ کیا تھا۔

کتنے دن آفس کے معاملات خراب رہے تھے۔ لیکن پھو پھو نے کہا تھا ڈٹے رہنا، پیچھے مت ہٹنا۔اور مجھے سب سے زیادہ بھروسہ انہی کی بات پر تھا"۔۔حدیر گہری سوچوں میں گم بتانے لگا۔

"ہاں... تم نے بتایا تھا۔ لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ آخر مانے کیسے؟"۔مائرہ آہستہ سے بولی۔

حدیر نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں۔

"شہاب رحمانی نے شرط رکھی تھی۔ کہ ہم تمہاری بات مان لیں گے، مگر بدلے میں تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ زندگی میں اگر کبھی ہم تم سے ایک چیز مانگیں، تو تم انکار نہیں کروگے"۔۔اس نے کڑوی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اور انہوں نے وہی وعدہ یاد دلایا۔ نکاح سے انکار کیا تو میری باتیں میرے سامنے رکھ دیں۔ پھر میرے پاس ماننے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا تھا"۔ کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔

"میں نے بہت دیر کر دی نا، حدیر؟"۔مائرہ کی آنکھیں نم ہو چکی تھیں۔"کاش میں پہلے کہہ دیتی... تو آج تم میرے ہوتے"۔

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔۔ ”کیا کہا تم نے؟“

”میں جانتی ہوں تم ناواقف ہو۔ تم نے ہمیشہ مجھے دوست سمجھا۔ لیکن تم میرے لیے کبھی صرف دوست نہیں رہے“۔

وہ رک گئی۔ پھر ہمت کر کے بولی۔

”اب شاید یہ ممکن نہ ہو۔ لیکن اگر کبھی تمہیں ممکن لگے... تو میں تمہاری منتظر رہوں گی، حدیر“۔ مائرہ رضا نے آج اپنے دل کا وہ دروازہ کھول دیا تھا جسے وہ برسوں سے اس مہارت سے بند رکھے ہوئے تھی کہ حدیر رحمانی کبھی جان ہی نہ سکا کہ کوئی اسے اس شدت سے چاہتا ہے۔

اور حدیر رحمانی آج پہلی بار خود سے نظریں چرا رہا تھا۔ دل پہ ایک نیا بوجھ آن پڑا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

آئس بلو رنگ کے ہلکے کام والے سوٹ میں، سادہ سی مگر سلیقے سے کی گئی تیاری کے ساتھ، وہ سیڑھیاں اترتی نیچے آئی تھی۔ دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی، اور اب ٹھیک چھ بجے اس کا قدم لاؤنج کی دہلیز پر آ ٹھہرا تھا۔

مگر اگلے ہی لمحے اس کے قدم تھم گئے۔ صوفے پر بیٹھے حدیر رحمانی کو دیکھ کر۔

وہ اماں سائیں کی ڈانٹ سر جھکائے خاموشی سے سن رہا تھا۔ سرمئی رنگ کی ڈریس پینٹ میں، کوٹ ہاتھوں میں ڈالے، اس کا سراپا کسی تھکن میں ڈوبا ہوا تھا مگر وہ تھکن بھی اس کے وقار اور کشش کو کم نہ کرسکی تھی۔ تھکا ہوا سا... مگر حد درجہ ہینڈسم۔

"میری بیٹی بھی آگئی"۔اماں سائیں نے اسے دیکھتے ہی خوشی سے کہا۔"آؤ، میرے پاس آؤ"۔۔

ان کے لہجے کی اپنائیت پر حدیر نے سر اٹھایا تھا۔ایک لمحے کو اس کی نگاہیں ماہ گل پر ٹھہریں خاموش، گہری، بے نام سی اور پھر وہ نظریں پھیر گیا۔

"حدیر، جاؤ... کپڑے بدل لو، پھر ہماری بیٹی کو گھمانے لے جاؤ"۔اماں سائیں نے ماہ گل کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔

حدیر کی نظر اماں سائیں کے ہاتھ میں موجود اس کے ہاتھ پر جا ٹھہری۔ مہندی سے سجا، چوڑیوں کی مدھم جھنکار میں لپٹا ہوا۔اس کی آنکھوں میں ابھرتی بیزاری، جو شاید لمحوں پہلے تھی، آہستہ آہستہ کسی انجانی نرمی میں ڈھلنے لگی۔

"ہاں بھئی"۔تب ایک رعب دار آواز لاؤنج میں گونجی۔"شہاب رحمانی کے عزیز کی بیٹی اب ہماری بیٹی بن کر اس گھر میں آئی ہے۔اسے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔جہاں دل چاہے،

Clubb of Quality Content

گھومنے جاؤ‘‘۔ داداسائیں کی بات پر ماہ گل نے نرمی سے مسکرانے کی کوشش کی تھی، مگر اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ جیسے سمٹ کر رہ گئی۔

کیونکہ اسی آواز کے ساتھ... کسی کا نرم ہوتا دل، اچانک سخت اور کٹھور ہو چکا تھا۔

’’معذرت، اماں سائیں...‘‘ حدیر نے بے تاثر اور سنجیدہ چہرے کے ساتھ کہا۔ ’’اس وقت میں بہت تھکا ہوا ہوں، اور کہیں جانے کا ارادہ نہیں رکھتا‘‘۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

اماں سائیں کی آنکھوں کی چمک یکایک بجھ گئی۔ اور ماہ گل... اس کے چہرے کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا تھا۔

یہ کیسا شخص تھا؟ سخت کٹھور؟ بے حس؟

رحمانی ہاؤس میں قدم رکھنے کے بعد ماہ گل کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ دن بھر کے معمولات، خوشیوں کے رنگ اور نئے ماحول کی روشنی سب کچھ ٹھیک لگ رہا تھا، لیکن اندر ایک خالی پن، ایک بے چینی دل میں موجزن تھی۔ سب کچھ ’’ٹھیک‘‘ دکھائی دیتا تھا، مگر ماہ گل جانتی تھی کہ حقیقت اس سے کہیں مختلف ہے۔ سب کے اچھے رویے کا کیا فائدہ جب وہ شخص خود ہی بیگانہ لگتا تھا؟ وہ شخص، حدیر رحمانی، جس کے سامنے دل دھڑکتا، مگر زبان خاموش رہتی تھی۔

دوپہر کے بارہ بجے کی ہلکی دھوپ بالکونی میں پڑ رہی تھی۔ ”ماہ گل، سب ٹھیک ہے نہ؟“۔رشنا بھابھی چائے کا کپ تھامے ماہ گل کے پاس آکھڑی ہوئی۔

”ہمارا سب کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے؟“۔ماہ گل دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

”ماہ گل“۔۔رشنا ایک بار پھر پکارتی کپ اس کے آگے کی۔

”ج۔۔جی بھابھی“۔وہ جلدی سے سنبھلتی ہوئی کپ تھام لی۔

”کوئی مسئلہ ہے؟“۔رشنا بھابھی نے پھر محبت بھری فکر مندی سے پوچھا۔

”نہیں بھابھی، آپ جیسی کیئر نگ اور محبت کرنے والی بھابھی کے ہوتے ہوئے کوئی مسئلہ کیسے ہو سکتا ہے؟“۔ماہ گل نے سر جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

”میری کیئر نگ چھوڑو، اپنے شوہر کی بتاؤ؟“۔۔وہ شرارت سے نیچے لان میں دیکھتے مسکرائی تھی۔۔

”بھابھی۔۔۔“ماہ گل کی آواز میں ایک مدھم لرزش تھی۔وہ بالکونی کی لکیر پر کھڑی، نیچے لان میں بیٹھے حدیر کو دیکھ رہی تھی۔اس کے ہلکے نیلے سوٹ کی نرم ریشمیت، ہلکی دھوپ کی روشنی میں ہلکی چمک لیے، اس کی مدھم سانسوں کے ساتھ تال میل کھا رہی تھی۔ گیسوؤں کی چند لٹیں، جو آہستہ سے کندھے پر گر رہی تھیں، ایک نہاں راز سا چھپا رہی تھیں۔ماہ گل کے دل

میں ایک عجیب سا سکون اور بے چینی ایک ساتھ لہرا رہا تھا۔ سکون اس لیے کہ وہ حدیر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، اور بے چینی اس لیے کہ وہ جانتی تھی، یہ شخص اس کی دنیا کا حصہ تو بن چکا تھا، مگر پھر بھی اس کی موجودگی اس کے لیے اتنی قریب نہیں تھی کہ وہ اسے اپنا کہہ سکتی تھی۔ وہ اس کا اپنا بن کر بھی اپنا نہیں بنا تھا۔

اس کی نگاہیں بار بار اس کے چہرے کی سنجیدگی اور لاپرواہی کے بیچ جھومتی رہیں۔ وہ سوچنے لگی کہ کیسے ایک اتنی سنجیدہ شخصیت، جو عام دنوں میں خود کو آفس اور کمرے کی تنہائی میں محدود کر لیتا ہے، اتنی دور اور اتنی قریب، دونوں طرح سے محسوس کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ دور ہو کر بھی اس کے دل قریب محسوس ہونے لگا تھا۔

"ہاں کہو۔۔۔" رشنا بھابھی کا فکر مند لہجہ، ماہ گل کی سنجیدہ آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ اتنے سنجیدہ کیوں ہیں؟" ماہ گل کی آواز میں ہلکی جھجک تھی، اور اس کے نرم لہجے میں ایک چھپی ہوئی حسرت۔ "ہم۔۔۔ ہمارا مطلب ہے گھر میں بھی کسی کے ساتھ اتنا گھلتے ملتے نہیں؟" اس کے سوال نے ہوا میں ایک عجب سی خاموشی پیدا کر دی۔ ماہ گل کی نگاہیں جھک گئیں، اور پھر آہستہ سے رشنا کی طرف اٹھیں، جو لمحے بھر کے لیے اداس ہو کر خاموش ہو گئی تھیں۔

”تین چار ماہ پہلے تک حدیر بھی سب کے ساتھ بیٹھتا ہنسی مذاق کرتا تھا۔۔ سنجیدہ یہ پہلے بھی تھا، لیکن اتنا نہیں۔ مناہل ہریرہ سے زیادہ حدیر کے قریب ہے۔ مناہل کے لاڈ پورے کرنا، اس کا خیال رکھنا، ہاں لیکن تنگ بھی کرتا تھا۔۔۔ لیکن اب، وہ تنگ نہیں کرتا۔ جیسے یہ تمام کزن رات میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں، حدیر بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا، لیکن پھر نہ جانے کیا ہوا۔۔۔ یہ اپنے خول میں سمٹتا چلا گیا۔ ہریرہ نے کئی بار بات کرنے کی کوشش کی، وہ کہتا ہے بس اب وہ عمر نہیں رہی، اب کام کی ذمہ داری ہے۔ عجیب ہے، ابھی اٹھائیس کا ہے، اور بات ایسے کرتا ہے جیسے چالیس کراس کر لی ہو“۔ رشنا نے گہری سانس بھری، اور ایک دیرپا اداسی کے ساتھ بتاتی گئی۔

رشنا کی اداسی میں چھپی مسکراہٹ، ایک تلخ یاد کی طرح ماہ گل کے دل میں اتر گئی۔ وہ خاموش رہی، مگر اس کی آنکھوں میں بے شمار سوال، شکوہ اور چھپی ہوئی حسرت تھی، جو حدیر کے غیر موجود مگر موجود ہونے کے احساس سے جنم لے رہی تھی۔

”تمہارے ساتھ کیسا ہے حدیر؟“ رشنا نے اچانک پوچھا، اور یہ سوال جیسے ہوا کی طرح ماہ گل کے دل میں اڑ گیا۔

ناولز کلب
Club for Quality Content

"ہمارے ساتھ؟ ہاں۔۔۔جی، ٹھیک۔۔۔" وہ تیزی سے بولی، اپنی خاموشی کو توڑتے ہوئے، مگر دل کے اندھیرے گوشوں میں الجھی ہوئی حسرت کو چھپا نہ پائی۔

" وہ بہت نرم دل کا مالک ہے، اسے غلط مت سمجھنا"۔ رشنا نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔

ماہ گل کی سیاہ آنکھیں، جو اداس تھیں، سب کچھ کہہ رہی تھیں۔ خاموش سر ہلانا، ایک اندرونی قبولیت، اور ایک مدھم امید کا اشارہ، جو اس کے دل میں حدیر کے لیے پروان چڑھ رہا تھا۔

وہ دونوں اندر کی جانب بڑھ گئیں، اور نیچے لان میں حدیر کی نگاہیں آہستہ سے اس خالی جگہ پر جم گئیں، جہاں چند لمحے قبل ماہ گل کھڑی تھی۔ وہ بے تاثر، سنجیدہ، اور خاموش، آنکھیں کسی پرانے قصے کا حصہ معلوم ہوتی تھیں، اس جگہ پر نگاہیں جمائے نرم ہوتی گئیں۔ اس کی بھوری آنکھیں جو ہمیشہ ایک ناقابلِ تسخیر سنجیدگی میں تھیتی رہتی تھیں اب کسی نرم سا انعکاس لیے روشن ہو رہی تھیں۔ دھوپ کی ہلکی سنہری روشنی میں وہ بھوری نگاہیں، جو عام طور پر محض ایک حد سے دیکھتی تھیں، اب اس جگہ کو بے حد ہو کر دیکھ رہی تھیں۔ وہ جان گیا تھا کہ جتنی دیر ماہ گل وہاں کھڑی رہی، اسے دیکھتی رہی تھی۔ اس نے ہر لمحہ اسے محسوس کیا تھا، اس کے بھوری

آنکھوں کی روشنی، دھوپ کے ساتھ مل کر، ایک خاموشی کی کہانی بیان کر رہی تھی۔۔ نہ بولی جانے والی، نہ چھپی جانے والی، مگر محسوس کی جانے والی۔

"تم آج کل کیا کرنے کے چکر میں ہو؟"۔ مزمل کی آواز جیسے کسی ہلکی سی چنگاری کی طرح پڑی۔ حدیر کا دھیما پن اچانک ٹوٹ گیا، اور وہ بے تاثری کے پردے کے پیچھے چھپی اپنی فکر کی دنیا سے باہر آیا۔ آنکھیں جھپکیں، گردن ہلکی سی موڑی، اور لمحہ بھر کے لیے خاموشی نے لان کو گھیر لیا۔

"مثلاً؟" وہ بے نیازی سے چیئر کی پشت سے ٹیک لگائے، نیم اٹھے ہوئے، اپنے آبرو کو آہستہ سا ہلایا۔ وہ مزمل کی طرف دیکھ رہا تھا، لیکن نظریں ابھی بھی اپنے اندر کے بھنور میں گم تھیں۔

"مثلاً؟؟" مزمل نے اس کا لفظ دہراتے ہوئے، بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"ہاں...اب جیسے میں بہت کچھ کرنے کے چکر میں ہوں۔ تم کس کی بات کر رہے ہو؟"۔ وہی بے پرواہی، وہی سردگی، مگر اندر کہیں کچھ ٹوٹ رہا تھا۔

"تم حدیر رحمانی... جو کچھ تم چھپانے کی کوشش میں ہو، یاد رکھو، میں بھی تمہارا ہی دوست اور خون ہوں اور تمہارے ہر چھپے راز کی تہہ تک پہنچ سکتا ہوں۔ فلحال، یہ بتاؤ، بھابھی کے ساتھ تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟"۔ مزمل کے لبوں پر ہلکی سی سنجیدگی چھا گئی، وہ تھوڑا آگے ہوا۔

"کیسا کر رہا ہوں میں؟" اس کے اندر کچھ بدلا، مگر وہ خود کو بے تاثر رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔

"تم ان سے اتنے لاپرواہ کیوں ہو؟ ولیمہ تم نے رکوا دیا... کہیں گھمانے انہیں لے کر نہیں گئے... گھر میں تم ہوتے نہیں ہو... یہ سب کیا ہے؟" مزمل نے سیدھا سیدھا سوال کیا تھا۔

"تم جانتے ہو، ابھی میں پراجیکٹ میں مصروف ہوں..."۔

"پراجیکٹ کا بہانہ کم از کم میرے سامنے تو مت کر"۔ وہ تپ گیا تھا۔ پھر تھوڑا آگے ہوا۔

"تم جانتے ہو حدیر رحمانی؟"۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کر رہا تھا۔ اس اچانک سوال پر حدیر چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ "وہ لڑکی جو اس وقت اندر موجود ہے، جو ایک ہفتہ پہلے تمہارے نام پر آئی تھی" مزمل نے بات جاری رکھی۔ "کیا تم اس طرح کر کے اپنی بیوی کو لوگوں کی گوسپ بنوانا چاہتے ہو؟"۔ لہجہ سخت نہ تھا، مگر لفظ وزن دار تھے۔ "جو بھی ہے، کم از کم سب کو تو مت بتاؤ۔ جو بھی ہوا، جیسے بھی ہوا، اب وہ حدیر رحمانی کی عزت ہے۔ اور مجھے نہیں لگتا

کہ حدیر رحمانی اپنی عزت کے معاملے میں لاپرواہ ہو سکتا ہے"۔وہ آہستگی سے، مگر نہایت مستحکم انداز میں بولتا چلا گیا۔ہر لفظ سامنے بیٹھے شخص کے ضمیر پر دستک دے رہا تھا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو، مزمل ؟"۔حدیر نے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم سے زیادہ ان کی حفاظت کوئی نہیں کر سکتا"۔مزمل نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔"اپنے مقصد کے پیچھے اُنہیں نظر انداز مت کر دینا"۔

یہ کہتے ہوئے وہ پیچھے ہوتا کرسی سے ٹیک لگا گیا۔اور حدیر رحمانی وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔اسے یوں خاموش اور سوچ میں گم دیکھ کر مزمل کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔اسے جو کرنا تھا، وہ کر چکا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ ابھی اندر قدم رکھ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی یوں جیسے کوئی شے پوری قوت سے کسی وجود ٹکرا گئی ہو۔

اگلے ہی لمحے منظر اس کی آنکھوں کے سامنے پوری وضاحت سے ابھر آیا۔

روحان نے کھیلتے ہوئے اپنی گاڑی زور سے ماہ گل کے ہاتھ پر دے ماری تھی۔

چوٹ کی تپش ماہ گل کی سانسوں میں اتر گئی، اور اس کے لبوں سے بے اختیار ایک دبی ہوئی سسکی نکلی۔

"ماہا! ٹھیک تو ہو؟ ادھر دکھاؤ"۔ رشنا بھابھی گھبراہٹ کے عالم میں تیزی سے اس کی طرف بڑھیں۔

"ہم ٹھیک ہیں بھابھی"۔

وہ درد کو ہونٹوں کے پیچھے دباتی، زبردستی مسکراہٹ اوڑھ کر انہیں مطمئن کرنے لگی حالانکہ تکلیف اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"آپ حد سے زیادہ بدتمیز ہو گئے ہیں، روحان! چاچی کو مارتے ہیں؟"۔ رشنا کی آواز اس بار سخت تھی، لہجے میں سرزنش کی کاٹ نمایاں تھی۔

روحان کی لرزتی ہوئی صورت دیکھ کر ماہ گل فوراً بیچ میں آ گئی۔ "بھابھی، چھوڑ دیں... بچہ ہے وہ"۔ وہ نرمی سے بولی۔ "کوئی بات نہیں، اسے مت ڈانٹیں"۔

اسی لمحے مناہل لاؤنج میں داخل ہوئی اور منظر دیکھتے ہی ٹھٹھک گئی۔

"ہائے بھابھی! یہ کیا ہو گیا؟ ہاتھ تو بالکل سرخ ہو گیا ہے"۔ اس کی آواز میں تشویش تھی۔

"کچھ نہیں، مناہل... بس ایسے ہی"۔ وہ ہلکے سے بولی، مگر اب ضبط کے سارے بندھن کمزور پڑنے لگے تھے۔

ایک طرف ہاتھ کی جلن، دوسری طرف بار بار سب کو تسلی دینے کی اذیت دل جیسے بوجھ سے بھرنے لگا۔ اسی لمحے ابا کی یاد دل کے کسی گہرے گوشے سے ابھری وہ یاد جو ہمیشہ کمزوری کے لمحوں میں آنکھوں کو نم کر جاتی تھی۔

اس نے پلکیں جھکا لیں۔ آنکھوں میں اترتی نمی کو بڑی مشکل سے روک لی۔

"ہم روم سے آتے ہیں"۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھے بغیر تیزی سے سیڑھیوں کی سمت بڑھ گئی۔ قدموں میں عجلت تھی۔

اس کے پیچھے دو قدموں کی آہٹ اور تھی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ بستر کے کنارے بیٹھ گئی۔ ایک ہاتھ نے فوراً دوسرے کو تھام لیا۔ گاڑی کی ضرب سیدھی کلائی کی ہڈی پر لگی تھی، اور درد اب شدت اختیار کر چکا تھا۔

ابا اور اماں کی یاد۔۔۔

حدیر کا سرد رویہ۔۔۔

یہ نیا، اجنبی گھر۔۔۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اور اب یہ چوٹ۔۔۔

سب کچھ یکجا ہو کر دل کے بند دروازے توڑنے لگا تھا۔ گویا قدرت نے اسے رونے کے لیے جواز عطا کر دیا۔ آنکھیں بھر آئیں۔

"ادھر دکھائیں"۔ اچانک کمرے میں تیزی سے داخل ہوتی آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس نے سر اٹھایا، اور اگلے ہی لمحے جلدی سے آنسو صاف کر لیے۔

"ہم ٹھیک ہیں"۔ وہ کہتے ہوئے بستر سے اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کی جانب بڑھی، مگر ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکی۔

اس کی کلائی حدیر کے ہاتھ میں آچکی تھی۔

"میں نے یہ نہیں پوچھا کہ آپ ٹھیک ہیں یا نہیں"۔ اس کی آواز سنجیدہ تھی، بے لچک۔ "کلائی دکھانے کو کہا ہے"۔ وہ اس کا بایاں ہاتھ تھام کر بغور دیکھنے لگا۔

"کیوں؟ آپ کو کیوں دیکھنا ہے"؟۔ وہ تپ گئی۔ لہجہ تیکھا تھا، مگر آنکھوں میں نمی اب بھی موجود تھی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ایک ہاتھ سے اس کی کلائی تھامے رکھا، اور دوسرے ہاتھ سے ڈریسنگ کا دراز کھول کر جیل نکال لیا۔

ماہ گل اسے دیکھنے لگی کچھ خجالت سے، کچھ خفت سے۔

"ہم خود لگالیں گے"۔اس کی آواز اب دھیمی پڑ چکی تھی۔

مگر وہ جیسے سن ہی نہ رہا تھا۔نہایت نرمی سے اس نے جیل اس کی کلائی پر لگادیا۔لمس میں احتیاط تھی ایسی احتیاط جو بے دھیانی میں نہیں آتی۔

"لگا سکتے تھے ہم"۔وہ منہ بنا کر خفگی سے بولی۔

اس بار اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔گہرے نیلے رنگ کے سوٹ میں،شفاف کانچ کی چوڑیاں پہنے،ہلکے سے میک اپ کے ساتھ وہ غیر ارادی طور پر اس کی دھڑکنوں میں ہلچل مچا گئی تھی۔

"ہاں...بیڈ پر بیٹھ کر آنسو بہا کر؟"۔وہ طنزیہ انداز میں کہتے ہوئے ایک قدم پیچھے ہٹا۔

"آپ کو ہماری ذات پر توجہ دینے کی کوئی ضرورت نہیں"۔وہ تلملائی۔

"میرے پاس فضول وقت نہیں کہ تم سے بحث کرتا پھروں"۔بے تاثر نگاہ اس پر ڈال کر وہ گھڑی اٹھانے لگا۔

"آپ کے پاس وقت ہوتا ہی کہاں ہے؟"۔آواز دھیمی تھی مگر شکوہ اس میں پورے وزن کے ساتھ موجود تھا۔

وہ رک گیا۔پلکیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ نگاہیں جھکائے، اپنی چوڑیوں کو بے اختیار آگے پیچھے کرتی کھیل رہی تھی۔ شکایت لفظوں سے زیادہ خاموشی میں تھی۔

بعض شکایتیں بلند آواز میں نہیں کی جاتی۔ کچھ شکوے تو وہ ہوتے ہیں جو آنکھوں کے جھکاؤ میں بولتے ہیں اور دل پر براہِ راست دستک دیتے ہیں۔

وہ ٹھہر گیا تھا۔ یوں جیسے اس کے اندر کا شور یکایک خاموش ہو گیا۔ ہر مصروفیت، ہر عجلت، ہر بہانہ پس منظر میں چلا گیا۔ یاد تھا تو بس سامنے کھڑی وہ لڑکی جو شکوہ کر رہی تھی، اور پھر بھی کسی نرم روشنی کی طرح اس کے وجود میں اتر رہی تھی۔

کیا واقعی شکوہ کرتے ہوئے بھی کوئی اتنا دلنشیں لگ سکتا ہے؟ یا یہ دل تھا، جو پہلی بار کسی احساس کو نام دینے سے جھجک رہا تھا؟ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ یا شاید بہت کچھ۔ مگر لفظ اس کے لبوں تک آ کر ٹھہر گئے۔

ماہ گل پلٹی، تو وہ بھی چونکا۔ ہوش میں آیا اور بنا کچھ کہے کمرے سے نکل گیا۔

ڈنر ٹیبل سلیقے سے آراستہ کی جا چکی تھی۔ماہ گل اور رشا برتن رکھتے رکھتے خود بھی اپنی اپنی کرسیوں پر آ بیٹھی تھیں۔ڈائننگ ہال میں ہلکی سی روشنی پھیلی تھی، مگر فضا میں ایک ان کہی سنجیدگی تیر رہی تھی۔

سب کے بیٹھتے ہی حدیر نے نگاہ اٹھا کر عین سامنے بیٹھی اماں سائیں سے مخاطب ہو کر کہا

"اماں سائیں، ہفتے کو ولیمے کا پروگرام رکھوالیں۔اس ہفتے کام کا بوجھ کچھ کم ہے، تو مینیج ہو جائے گا۔"

اس کے پہلو میں بیٹھی ماہ گل نے کن اکھیوں سے اسے دیکھا۔دل نہ جانے کیوں بدلا بدلا سا تھا۔پہلے اس نے مرہم رکھا تھا،اور اب یہ فیصلہ وہ اسے دیکھ رہی تھی، مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔

"بالکل، میرا پتر"۔اماں سائیں کے چہرے کی بشاشت میں اضافہ ہو گیا۔"بالکل فکر نہ کرو، اسی ہفتے سب ہو جائے گا"۔

"کل جمعہ ہے اور پھر ہفتہ"۔بشریٰ تائی فوراً بول اٹھیں۔"صرف ایک دن میں ساری تیاریاں ہو جائیں گی"؟۔ان کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ اس عجلت پر دل سے آمادہ نہ تھیں۔

Clubb of Quality Content

"میرے حدیر نے کہہ دیا ہے کہ اسی ہفتے ہو گا، تو بس اسی ہفتے ہی ولیمہ ہو گا"۔اماں سائیں نے بشریٰ تائی کی طرف دوٹوک انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

ماہ گل چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔بیٹے کے ولیمے پر سب سے پہلا اعتراض بھی انہی کی طرف سے آیا تھا۔

"لیکن اماں، ہزار کام ہوتے ہیں، دیکھنے تو مجھے"۔

"بس! طے ہو گیا کہ ہفتے کو ولیمہ ہے۔اب خاموشی سے کھانا کھاؤ۔"

اب تک خاموش بیٹھے دادا سائیں اپنی رعب دار آواز میں بولے۔

کمرے میں ایک پل کو سکوت طاری ہو گیا۔

"رشنا بیٹا، تم نے تو حدیر کے لیے بھنڈی بنائی تھی نا؟" بشریٰ تائی نے حدیر کو پلیٹ میں وائٹ قورمہ نکالتے دیکھ کر محبت سے کہا۔

"حدیر کو دی نہیں؟"

حدیر نے سالن ڈالنے کے بجائے باؤل وہیں رکھ دیا۔

"واقعی؟ رشنا آج آپ نے بھنڈی بنائی ہے؟"۔

رشنا کی آنکھوں کی چمک یکدم بجھ گئی۔ وہ اپنی جگہ بیٹھی حدیر کو دیکھتی رہ گئی، ایک ایسی بے بسی کے ساتھ جسے لفظوں میں سمویا نہیں جاسکتا۔

"جاؤ رشنا! جلدی سے بھنڈی لے آؤ"۔ حدیر نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

رشنا مدھم پڑتی رنگت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ خاموشی سے کچن کی طرف گئی، اور کچھ ہی دیر بعد حدیر کے سامنے بھنڈی کا کٹورا رکھ دیا۔

اور ماہ گل نے اس پورے عجیب و غریب منظر کو نہایت گہری نظر سے دیکھا تھا۔ اور صرف یہی نہیں حدیر نے اپنی دو روٹیاں محض بھنڈی کے ساتھ ہی ختم کی تھیں۔ ٹیبل پر رکھی وائٹ کڑاہی، کباب اور بریانی موجود تھیں مگر اس نے کسی چیز کی طرف دیکھا نہیں تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"سنو ذرا۔۔۔ یہ تمہاری مہندی سوکھ جائے تو مجھے چائے دے دینا۔" لاؤنج کے صوفے پر ماہ گل تھکان سے ڈوبی بیٹھی تھی، دن بھر کی افراتفری نے اس کے جسم اور روح دونوں پر اپنی چھاپ چھوڑ دی تھی۔ بشری رحمانی کی آواز پر وہ چونک کر سیدھی ہوئی، دل میں ایک ہلکی سی تذبذب کی لہر کے ساتھ۔

"چائے؟" اس نے دھیرے سے، کچھ ہچکچاہٹ کے ساتھ پوچھا۔۔

''ہاں، میرے کمرے میں دے دینا، اور سنو... زیادہ میٹھی مت کرنا۔''ان کا لہجہ خشک تھا۔

''ماں... بھابھی سے کیوں کہہ رہی ہیں؟ میں بنا کر لے آتی ہوں۔''مناہل نے لاؤنج میں قدم رکھا، اور ان کی بات سن کر چائے بنانے کی پیشکش کر دی۔

''چائے ہی بنانے کو کہا ہے، بنا دے گی یہ۔ تم ذرا میرے ساتھ آؤ۔''بشریٰ رحمانی سختی سے کہتی ہوئیں مناہل کو ساتھ لے کر چل دیں۔۔

ماہ گل وہیں بیٹھی رہ گئی۔ ایک انجانی کشمکش دل میں لیے۔ یہ گھر... سب کچھ اچھا بھی تھا، اور شاید نہیں بھی۔

کزنز کی ہنسی، اکٹھا بیٹھنا، رشنا بھابھی کی خوش اخلاقی سب کچھ موجود تھا۔ مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں ایک خلا سا تھا۔ شاید سسرال اسی کیفیت کا نام ہے جہاں سب کچھ ہوتا ہے، مگر مکمل سکون نہیں۔

رشنا بھابھی جاتے جاتے سختی سے کہہ گئی تھیں۔

''آج فیشل کروائی ہو، کچن میں بالکل نہیں جانا''۔

اور اس نے خوشی خوشی مان لیا تھا۔ کل اس کا ولیمہ تھا۔

جو بھی تھا... جیسا بھی تھا... دل میں ایک نرم سی خوشی ضرور اتر آئی تھی۔

کچن میں آکر اس نے نہایت احتیاط سے چائے کا ڈونگہ چولہے پر رکھا۔ پانی ڈالا، پھر کیبنٹ سے پتی نکالی۔ ہاتھوں کی مہندی بچاتے ہوئے ہر حرکت میں حد درجہ دھیان تھا۔

چینی کا ڈبہ اٹھایا تو اس کا ڈھکن ضدی ثابت ہوا۔۔

ایک طرف مہندی کا خیال، دوسری طرف وقت کی کمی جھنجھلاہٹ بے ساختہ چہرے پر اتر آئی۔

"یااللہ... کس نے اتنی زور سے بند کر دیا ہے؟"۔

چہرے پر آئی لٹوں کو سنبھالتے ہوئے وہ مسلسل کوشش کرنے لگی۔ پیشانی پر شکنیں تھیں، اور آنکھوں میں بے بسی۔

اسی لمحے حدیر رحمانی کچن میں داخل ہوا۔

اس کی نظر اس منظر پر ٹھہر گئی۔ ماہ گل، مہندی لگے ہاتھ، ضدی چینی کا ڈبہ، اور وہ بے ساختہ سی جھنجھلاہٹ۔

اس کے لبوں کے کنارے ایک نامحسوس سی مسکراہٹ ابھری... ایسی مسکراہٹ، جو شاید کسی لفظ کی محتاج نہ تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"۔ لفظ اس کے لبوں سے نکلے تو پل بھر کو جیسے سنجیدگی کی لکیر کھنچ گئی، اگلے ہی لمحے وہی گھمبیر ٹھہراؤ واپس لوٹ آیا۔

"یااللہ...!" اچانک ابھرتی آواز پر ماہ گل کے ہاتھ سے چینی کا ڈبہ چھوٹ گیا۔ وہ جو پوری توجہ سے ڈھکن کھولنے میں مگن تھی، گھبرا گئی۔ فوراً نیچے جھک کر ڈبہ اٹھانے لگی، مگر اس سے پہلے ہی حدیر رحمانی کا ہاتھ بڑھ چکا تھا۔ اس نے جھکتے ہوئے ڈبہ اٹھالیا۔

"آپ اس وقت یہاں کیا کر رہی ہیں؟"۔ اس نے سوال دہراتے ہوئے ایک نظر اس کے ہاتھوں پر جمی مہندی پر ڈالی وہی مہندی جو ابھی پوری طرح خشک نہ ہوئی تھی۔

"وہ...وہ ماما نے چائے بنانے کو کہا تھا..." ماہ گل کی نگاہیں اس پر ٹکنے سے کترانے لگیں۔ کبھی فرش، کبھی کچن کی الماری وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ دل یوں کیوں بے سبب دھڑکنے لگا ہے۔

"بشریٰ رحمانی نے؟" اس نے جیسے تصدیق چاہی۔

ماہ گل نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اپنی ماں کا نام... اس طرح کیوں لے رہا تھا؟

پیشانی پر ہلکی سی سلوٹ ابھری، آنکھوں میں سوال تیرنے لگے، مگر وہ اثبات میں سر ہلا گئی۔

"کیا انہوں نے آپ کے ہاتھوں میں لگی مہندی نہیں دیکھی؟"

وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ماہ گل بے اختیار پیچھے ہٹی، آنکھیں پھیل گئیں۔اسی لمحے حدیر نے بازو بڑھا کر اس کے پیچھے جلتے برنر کو بند کر دیا۔ گیس کے شعلے کی سرسراہٹ اچانک خاموش ہو گئی،اور کچن میں ایک عجیب سی ٹھہری ہوئی خاموشی پھیل گئی۔

"یہ...یہ آپ نے کیا کیا؟"۔وہ دبی دبی سی آواز میں بولی،احتجاج کم، حیرت زیادہ تھی۔

"میں نے آپ سے کوئی سوال کیا ہے۔"اس نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے، نظریں اس کے چہرے پر جمادیں۔

"ظاہر ہے آپ کو نظر آرہی ہے نا، تو انہیں بھی نظر آئی ہو گی۔"ماہ گل نے ناک چڑھاتے ہوئے کہااور اس ایک جملے میں وہی پرانی، ضدی، بے ساختہ ماہ گل جھلک دکھا گئی۔

"پھر بھی انہوں نے آپ سے چائے بنانے کو کہا؟"۔حدیر نے پیچھے ہٹنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔وہ وہیں کھڑا رہا۔

سیاہ ٹی شرٹ، سیاہ جینز، اونچا قد اور کسرتی بازو کچن کی مدھم روشنی میں اس کی موجودگی اور زیادہ نمایاں ہو گئی تھی۔

"جی...اسی لیے تو ہم یہاں ہیں۔"وہ پلکیں جھپکاتی، سر ہلاتی بولی۔

دل ہی دل میں سوچا آج یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟

"اور آپ نے انکار نہیں کیا؟"۔

"ہم...ہم کیسے انکار کرتے؟"اس بار ماہ گل نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کہہ سکتی تھیں کہ آپ کے ہاتھوں میں مہندی لگی ہے۔آپ نہیں بنا سکتیں۔یہاں اور بھی لوگ ہیں، ماہ گل اور وہ یہ کام آسانی سے کر سکتے ہیں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

"اس لیے آئندہ، اگر زبان میرے سامنے چل سکتی ہے، تو دوسری جگہ بھی چل سکتی ہے"۔

اس کی بھاری، گھمبیر آواز ماہ گل کے دل میں اترتی چلی گئی۔

دل ٹھیک کہہ رہا تھا حدیر رحمانی کی آواز اس گھر کے باقی مردوں سے مختلف تھی۔اس میں رعب بھی تھا، مگر اس رعب کے نیچے ایک ان کہی نرمی چھپی تھی۔خوبصورت...ایسی کہ دل کو چھوتی ہوئی نرم پڑتی چلی جاتی تھی۔۔

ماہ گل کی دھڑکنوں نے بے ترتیب سا ساز چھیڑ دیا۔

کیا وہ...اس کی مہندی کی فکر کر رہا تھا؟

کیا وہ اس بات پر خفا ہو رہا تھا کہ اس نے انکار کیوں نہ کیا؟

"اب آپ کمرے میں جائیں۔" حدیر نے اسے یوں خاموش کھڑے خود کو تکتے دیکھ کر کہا۔

"لیکن...چائے؟ ماما خفا ہو جائیں گی..." وہ ہچکچائی۔

Clubb of Quality Content

ایک طرف ساس کی ناراضی کا خدشہ،اور دوسری طرف شوہر کے خفا ہو جانے کا اندیشہ وہ لمحہ بھر کو دو جذبوں کے بیچ کھڑی رہ گئی۔۔

"کہہ دیجیے گا کہ مہندی خراب ہو جاتی،اس لیے حدیر نے منع کر دیا تھا۔"اس نے یہ بات نہایت سادگی سے کہی، نگاہیں اس کے چہرے پر ہی جمی رہیں۔

"ہم...ہم ان سے ایسا کہیں گے ؟ کیسے ؟"۔وہ بوکھلا گئی۔

رخساروں میں جیسے حرارت دوڑ گئی، بہار میں کھلتے گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح سرخ۔

کہاں تو حدیر رحمانی کم گو تھا،اور کہاں یہ التفات جو تمام لفظوں سے زیادہ اثر رکھتا تھا،اور دل پر بغیر دستک دیے اتر آیا تھا۔

"اس میں مشکل کیا ہے ؟"۔اس کی بے فکری،ماہ گل کے لیے سب سے بڑی آزمائش بن گئی۔

"آں ہاں...دیور جی"۔رشا کی کھنکتی، ہلکی سی شوخ آواز کچن کے دروازے پر ابھری۔

لفظ ابھی فضا میں معلق ہی تھا کہ منظر یکدم دو حصوں میں بٹ گیا۔ایک طرف حدیر، پُر سکون، متوازن، ہونٹوں کے کنارے ٹھہری ہوئی وہ مسکراہٹ جو کم بولتی ہے مگر بہت کچھ کہہ جاتی ہے۔اور اس کے ذرا پیچھے ماہ گل جھینپ میں ڈوبی، نظریں چراتی ہوئی۔

"کون سے قصے سنا رہے تھے آپ میری دیورانی کو؟"۔ رشنا کی نگاہ پہلے ماہ گل پر ٹھہری شرارت سے لبریز پھر آہستہ سے حدیر کی سمت مڑی۔

"آپ بتائیں، کیسی بھابھی ہیں جو اپنی دیورانی کو کچن میں بھیج دیا؟"۔ حدیر نے ذرا سا ابرو اٹھایا۔ آواز میں وہی گھمبیر ٹھہراؤ۔

"کیا مطلب؟"۔ رشنا چونکی۔ "ماہ گل، تم کچن میں کیوں آئی تھیں؟"۔

ماہ گل نے پلکیں جھکائیں۔ آواز میں لرزش نہ تھی، مگر جھجک ضرور تھی۔ "وہ ماما نے چائے بنانے کو کہا تھا..." یہ کہتے ہوئے اس کے ہاتھ بے اختیار مہندی کی طرف گئے۔

رشنا کو شوخی غائب ہوئی، خاموش نگاہوں سے حدیر کو دیکھا، جو اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اور ان نظروں میں جو کچھ تھا رشنا بخوبی سمجھ رہی تھی۔

"ماہ گل چائے نہیں بنائیں گی۔ کل ولیمہ تک یہ کوئی کام نہیں کریں گی۔ سب کو بتا دیجیے گا"۔ وہ ایک لمحہ ٹھہرا، پھر سنجیدگی سے رشنا کی جانب دیکھ کر کہا۔ نہ آواز بلند ہوئی، نہ لہجہ سخت مگر بات ایسی تھی کہ اس پر کوئی دوسرا جملہ رکھنا ممکن نہ رہا۔ یہ کہہ کر وہ کچن سے نکل گیا۔

Clubb of Quality Content

”بھابھی...“ماہ گل نے دھیمی آواز میں کہا، لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی، آنکھوں میں وہ چمک جو صرف اس وقت آتی ہے جب دل کوئی بات ماننے سے انکار نہ کر پائے۔

”آج انہیں کیا ہو گیا ہے؟ ہماری مہندی کا اتنا خیال...انہیں کیسے آ گیا؟“۔

رشا نے اسے دیکھا غور سے، خاموشی سے۔اس کی چمکتی آنکھیں، اس کی معصوم حیرت، اس کی بے خبری۔

وہ مسکرائی ضرور، مگر وہ مسکراہٹ آسان نہ تھی۔

”ہاں...“رشا نے آہستگی سے کہا۔”یہ ایسا ہی ہے۔کب کیا کہہ جائے، پتہ ہی نہیں چلتا“۔

مگر دل کے کسی کونے میں ایک اداس سا احساس سر اٹھا گیا۔ماہ گل نہیں جانتی تھی کہ یہ خیال اچانک نہیں تھا،

یہ حفاظت کسی لمحاتی جذبے کا نتیجہ نہیں تھی۔اور شاید اسی لاعلمی میں اس کی مسکراہٹ اتنی خالص لگ رہی تھی۔

"تم سے میں نے چائے لانے کو کہا تھا...اور تم یہاں بیٹھی ہنسی مذاق کر رہی ہو؟"۔بشریٰ تائی فضا کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہاں جمی محفل، قہقہوں کی ہلکی گونج اور ماہ گل کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر ان کا لہجہ اچانک سرد پڑ گیا۔

"وہ...میں لا رہی تھی..."۔ماہ گل کی مسکراہٹ پل بھر میں سمٹ گئی۔کمرے میں موجود سب لڑکیاں حیرانی سے بشریٰ رحمانی کے بدلتے تیور دیکھنے لگیں۔

"کہاں لا رہی تھی؟ یہاں بیٹھی بیٹھی؟"۔ان کی آواز میں اب سختی اتر آئی تھی۔"اب تم بہو بن چکی ہو۔تمہاری ذمہ داری ہے کہ یہ سب سمجھو،نہ کہ کنواری لڑکیوں کے ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق کرو۔"ان کے الفاظ تازیانے کی طرح برسے تھے۔سب کے سامنے یوں سرزنش کیے جانے پر ماہ گل شرمندگی سے گڑ گئی۔سر جھک گیا،اور آنکھوں کی نمی پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

"ماما،حدیر نے اسے روک دیا تھا۔کل ولیمہ تک یہ کوئی کام نہیں کرے گی۔حدیر نے سختی سے منع کیا ہے۔"رشنا بھابھی نے دھیمے مگر متوازن لہجے میں وضاحت کی۔

ان کی بات سنتے ہی جہاں لڑکیوں کے چہروں پر ہلکی سی روشنی پھیل گئی،وہیں بشری رحمانی کے چہرے پر گہری سائے اتر آئے۔

”حدیر نے اسے چائے بنانے سے منع کیا تھا؟“ان کی آواز میں بے یقینی صاف جھلک رہی تھی۔

”جی...وہ کہہ رہا تھا کہ اس کی مہندی خراب ہو جائے گی۔“رشنا نے ان کے بدلتے تاثرات کو بھانپتے ہوئے کہا۔

”مہندی خراب ہو جائے گی...“ان کے لب آہستہ سے ہلے۔پھر وہ بغیر کچھ کہے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

”بھابھی،آپ تو چھپی رستم نکلیں!“مناہل نے ماحول ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

”حدیر بھائی مہندی کا رنگ گہرا دیکھنا چاہتے ہوں گے،منا“فضا ہنستے ہوئے مناہل کے ہاتھ پر ہاتھ مار گئی۔

ان کی شرارتوں کے باوجود ماہ گلؔ مسکرا نہ سکی۔

آج تک کسی نے اسے یوں نہ ڈانٹا تھا...اس قدر سخت لہجے میں تو اماں نے بھی کبھی بات نہ کی تھی۔

اور آج،بے قصور ہوتے ہوئے بھی،وہ سب کے سامنے اتنی باتیں سن چکی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ماہ گلؑ تھک گئی ہو گی۔ جاؤ، کمرے میں جا کر آرام کر لو۔" رشنا نے اس کے اُداس چہرے کو دیکھ کر نرمی سے راستہ نکالا۔

"جی، بھابھی۔" ماہ گلؑ نے تشکر بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا اور خاموشی سے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

زندگی کی بے فکری شاید شادی سے پہلے تک ہی ہوتی ہے۔ اس کے بعد زندگی ویسی نہیں رہتی۔ شادی فیری ٹیل نہیں ہوتی۔ ماں باپ کے گھر سے بالکل مختلف دنیا ہوتی ہے۔ جہاں قدم قدم پر دھیان رکھنا ہوتا ہے۔ ایک زمہ داری جسے نبھاتے نبھاتے ہمارا وجود تھک جاتا ہے لیکن وہ زمہ داری کبھی مکمل شاید کبھی ہو ہی نہیں پاتی۔

کمرے میں آ کر وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ دیوار سے سر ٹکا کر، بند آنکھوں کے ساتھ، اپنی پچھلی زندگی کے دریچے کھولنے لگی۔

"اداس ہوتی تھی تو باغوں میں بھاگ جایا کرتی تھی۔ پھولوں کے درمیان تتلیوں کے سنگ، کوئل کی کوک میں اپنے دکھ بھلا دیتی تھی۔

ابا کا گھر... کیا گھر تھا؟ سکون، آزادی، خوشبوؤں سے بھرا ہوا۔ یہاں سب کچھ اتنا بند، اتنا گھٹتا ہوا کیوں ہے رب؟ ہم تو باغوں میں گھومنے والے آزاد پنچھی تھے... پھولوں کی نرماہٹ کو

محسوس کرنے والے... کوئل کی میٹھی کوک کی عادی... پھر یہ سخت لہجے، یہ بیزار رویے میری زندگی میں کہاں سے آ گئے؟ ہم تو خرگوش کے نرم لمس کے عادی تھے... پھر یہ کانٹے، یہ کھردرے تیور، یہ اجنبی سختیاں ہمارے حصے میں کیوں آئیں؟"

وہ کھڑکی کے پاس یونہی کھڑی رہی۔ باہر آسمان ویسا ہی تھا۔ سیاہ، خاموش، ستاروں سے بھرا ہوا... مگر اس کے اندر کا آسمان بجھ چکا تھا۔۔ شادی کے بعد سب کچھ بدل جاتا ہے۔

پہلے اداس ہوتی تھی تو روتی تھی، گھر سر پر اٹھاتی تھی، کیونکہ وہاں بابا تھے نا جو مناتے تھے۔

اب اداس ہوتی ہوں تو مسکراتی ہوں۔ پہلے دکھ بانٹ لیتی تھی، شاہینہ سے، ابا سے۔ اب دکھ سلیقے سے چھپا لیتی ہوں۔

یہ کیسی زندگی ہے؟ جہاں خوش رہنا شکر بن جاتا ہے اور خاموش رہنا صبر؟

وہ دیوار سے ٹکی رہی، آنکھیں بند، سانس بھاری۔

حدیر کی بیگانگی، اور ساس کی سختی میں بھی وہ چنچل لڑکی خوش رہنے کی وجہ تلاش کر لیا کرتی تھی۔ لیکن دل کا ایک حصہ کہی اداس ہی رہتا تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

وہ جان چکی تھی کہ شادی کے بعد عورت کی سب سے بڑی آزمائش یہ نہیں ہوتی کہ وہ کیا کر سکتی ہے؟ بلکہ یہ ہوتی ہے کہ وہ کتنا برداشت کر سکتی ہے۔ وہ زندگی... جو باپ کے گھر تک ہوتی ہے، وہیں ختم ہو جاتی ہے۔

ٹورنٹو آئی لینڈز کی خاموش فضا میں، لیک اونٹاریو کے کنارے وقت جیسے سانس روکے ٹھہر گیا تھا۔ پانی کی سطح پر ڈاؤن ٹاؤن ٹورنٹو کی شیشے پوش عمارتیں ٹوٹے ہوئے خوابوں کی طرح بکھرے عکس بنا رہی تھیں، اور ان سب پر حاوی سی این ٹاور آسمان کے سینے میں گڑی ایک خاموش، بے رحم علامت بن کر ایستادہ تھا جیسے وقت کا کوئی گواہ جو سب کچھ دیکھتا ہے مگر کچھ کہتا نہیں۔

لکڑی کے بینچ پر سیاہ کوٹ پہنے دو آدمی بیٹھے تھے۔

"تم جانتے ہو... حدیر رحمانی کی شادی ہو رہی ہے؟"۔ آواز فضا میں تحلیل ہو گئی۔

سامنے دیکھتی نگاہوں میں کوئی جنبش نہ آئی۔

"وہ... ٹھیک ہے؟"۔ یہ سوال تھا یا دل کے کسی بند کواڑ پر ہلکی سی دستک فیصلہ کرنا مشکل تھا۔

"تم واپس کیوں نہیں چلے جاتے؟"۔ ساتھ بیٹھے مرد نے اسے تاسف سے دیکھا۔

Clubb of Quality Content!

''واپس جانے کی ایک شرط ہے... تم جانتے ہو۔'' چہرہ بدستور بے تاثر رہا، مگر آنکھوں میں کوئی پرانی لکیر درد بن کر کھنچ گئی۔

''پچیس برس گزرنے کو ہیں۔اب تک اس نے بلایا نہیں۔تم دونوں نے اپنی انا میں کتنے قیمتی ماہ وسال ضائع کر دیے... کیا تمہیں اپنی اولاد یاد نہیں آتی؟''۔ علی امین کی آواز میں تھکن تھی، وہ تھکن جو

سمجھاتے سمجھاتے انسان کے لفظوں میں اتر آتی ہے۔

انہوں نے اچانک گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔اس پورے لمحے میں پہلی بار چہرے پر کوئی تاثر ابھرا۔

''علی... یہ تم کہہ رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے میں اپنی اولاد کے لیے کتنا تڑپا ہوں؟'' آنکھیں سرخ تھیں۔ان میں کرب تھا، تکلیف تھی، اذیت تھی وہ اذیت جو برسوں

خاموشی میں پلتی رہی تھی۔

''میں نے اپنے حصے کی تمام کوششیں کیں۔اگر آج میں اور میری اولادیں ایک دوسرے سے دور ہیں تو وہ صرف اس عورت کی وجہ سے...'' لفظوں کے ساتھ

آنکھوں میں نفرت اتر آئی۔

وہ مزید وہاں نہ ٹھہرے۔خاموشی سے اٹھے اور جھیل کے کنارے کنارے چلتے چلے گئے۔علی امین نے

ان کے پیچھے جانے کی کوشش نہیں کی۔وہ جانتا تھے اس وقت وہ صرف تنہا رہنا چاہتے تھے۔

وہ چل رہے تھے ٹورنٹو کی سڑکوں پر...اور ان کی سوچیں لاہور کی پروازیں بھر رہی تھیں۔

''میں تمہیں تین روز سے آکر سمجھا رہا ہوں... تم سے کہہ کہہ کر تھک گیا ہوں۔ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہی ہو... پھر تم کیوں یقین نہیں کر لیتی؟''۔وہ مرد

اس لمحے مرد کم اور ٹوٹا ہوا انسان زیادہ لگ رہا تھا جس کے کندھوں پر ذمہ داریوں، وضاحتوں اور صبر کی بے شمار تہیں جم چکی تھیں۔

''مجھے تمہاری کسی بات پر یقین نہیں۔''عورت کٹھور تھی لہجے میں سرد مہری، آنکھوں میں انا کا پرچم بلند تھا۔وہ سننے پر آمادہ نہ تھی، وہ سننے نہیں، صرف سنانے آئی تھی۔۔

''تمہاری یہ ضد...ہمارے بچوں پر برا اثر ڈالے گی''۔

''تو تمہیں افیئر چلانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا''۔لفظ نہیں تھے یہ، یہ خنجر تھے، جو سوچ سمجھے بغیر سیدھا کردار میں اتار دیے گئے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ لفظ مت استعمال کرو... مت کرو... تم جانتی بھی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟"۔آنکھیں سرخ ہو گئیں، ضبط کی سرخی۔ وہ عزت دار مرد تھا، جس نے پوری زندگی اپنا کردار محنت سے تراشا تھا۔اور آج اسی کی بیوی اسی کردار کو سرِ بازار اچھال رہی تھی۔

"تمہیں یقین نہیں؟ ٹھیک ہے... لیکن میں اپنے بچوں کو ایسا ماحول نہیں دے سکتا"۔وہ رکا، سانس سنبھالی۔

"ہم نئے گھر میں شفٹ ہو جاتے ہیں بچوں کے ساتھ۔ پلوشہ کو یہیں رہنے دیتے ہیں ابا اماں کے پاس"۔یہ مصلحت تھی، یہ سمجھوتہ تھا، یہ آخری کوشش تھی رشتوں کو بچانے کی۔

"اب بھی اس کا خیال ہے؟"۔استہزائی مسکراہٹ عورت کے چہرے پر زخم کی طرح پھیل گئی۔

تب ہی ملازمہ کی گھبرائی آواز آئی۔"صاحب جی... پورا گھر دیکھ لیا... پلوشہ بی بی نہیں ہیں بچے بھی رو رہے ہیں۔" وہ پریشانی کے بوجھ تلے دوڑتی آئی۔

"کیا؟ کہاں جاسکتی ہیں وہ؟ یہیں ہوں گی۔"اب اس کے لہجے میں پریشانی تھی حقیقی، بے ساختہ۔

Clubb of Quality Content

"نہیں صاحب... وہ کہیں نہیں ہیں۔" ملازمہ کی آواز لرز رہی تھی۔ پلوشہ بی بی اس کی پسندیدہ بی بی اب کہیں نظر نہیں آرہی تھیں۔

"تم جا کر ٹھیک سے دیکھو"۔ انہوں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا، اور ملازمہ کے کمرے سے جانے کے بعد، فوراً اپنی بیوی کی جانب رخ کیا۔

"کہاں ہے پلوشہ ؟"۔ تین روز سے جو نرمی ان کے لہجے میں تھی، وہ اس لمحے جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئی تھی۔

"مجھے کیا معلوم... کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی ہو گی۔"

"بس... ایک لفظ اور نہیں!" وہ دھاڑا۔

عورت سہم گئی۔ شادی کے برسوں میں یہ پہلا موقع تھا جب اس کی آواز اس قدر بلند ہوئی تھی۔

"کہاں ہے وہ؟ کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ ؟"

وہ چاہتا تو سب کچھ تہس نہس کر دیتا۔ لیکن وہ ایسا نہیں تھا۔

"اب وہ جہاں بھی ہے، واپس نہیں آئے گی۔" نفرت اب زبان پر پوری طرح آچکی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تم نے... میرے کردار پر الزام لگایا، اس معصوم عورت کو در بدر کیا، جس کی زندگی پہلے ہی اذیتوں سے بھری تھی۔ تم نے میری سیلف ریسپیکٹ اپنی انا کے نیچے روند ڈالی۔" وہ لمحہ بھر رکا۔

"اس کے بچے بلک رہے ہیں... کیا تم نے ایک بار بھی ان بچوں کے بارے میں نہیں سوچا؟"۔ ان کے لہجے میں ملال، نفرت، اور درد سب ایک ساتھ جھلک رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی غلطی نے کس طرح طوفان کھڑا کر دیا تھا۔

"میں کیوں سوچوں اس کے بچوں کے بارے میں؟ یہ تو اسے سوچنا چاہیے تھا افئیر چلانے سے پہلے۔"

"خبردار! یہ لفظ دوبارہ کہا تو..." ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا مٹھی بند ہو گئی۔ عورت دنگ سی ان کے بلند ہاتھ کو دیکھتی رہ گئی۔

"دعا کرو وہ مجھے مل جائے... ورنہ جو ہو گا، وہ سب تمہاری ذمہ داری ہو گی۔" وہ تیز قدموں سے نکل گئے

وہ شہر کے سڑک سڑک، گلی گلی چھان مارے۔ ہر گوشہ، ہر چہرہ، ہر شور سب کی پلوشہ تلاش میں بے معنی لگ رہا تھا۔ لیکن پلوشہ کہیں نہیں ملی۔ اور بچے روتے، بلکتے، ماں کو پکارتے رہے۔

وہ تھکے ہارے قدموں سے واپس آئے۔

Clubb of Quality Content

سامنے ننھا سا بچہ، بے بس اور روتا ہوا اپنے معصوم آنکھوں میں سوال لیے کھڑا تھا۔

ان کی آنکھیں نم ہو گئیں، اور دل کے اندر چھپی تھکن، لمحے بھر کے لیے مدھم ہو گئی۔

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور بچے کو سینے سے لگا یا۔

"مجھے معاف کرو، میرے بچے"...

لیکن بچہ مزید رونے لگا، اور ان کے لیے یہ برداشت کی حد سے باہر ہو گیا۔ دھیرے سے اسے بہن کے حوالے کیا اور خود اپنے کمرے کی جانب چل دیے، ہر قدم میں ملال، ہر سانس میں بے چینی۔

"بتادو مجھے؟ کہاں ہے وہ؟ کہاں بھیجا ہے تم نے اسے؟"۔ دروازہ کھلتے ہی وہ ان کے سامنے کھڑے تھے، لہجہ عاجزی اور التجا سے بھرا۔

"مجھے نہیں معلوم..."عورت کی آواز سرد اور بے اثر تھی۔

"تم نے میرے صاف، شفاف کردار پر الزام لگا لیا۔ تم نے اس معصوم عورت کو نہیں چھوڑا، جس کی زندگی پہلے ہی اذیتوں میں گھری تھی۔ میں نے تمہیں لفظ لفظ سچ بتایا، لیکن تم نے میرا یقین نہیں کیا۔ اب میں جا رہا ہوں... میرے بچوں کو سنبھال نہ سکو تو وقت ضائع کیے بغیر بتا

Clubb of Quality Content

دینا، میں انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" ان کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے جذبات کی سنجید گی تھی، ایک ایسی سنجید گی جو ہر لفظ کے ساتھ دل پر وزنی پتھر کی مانند گرتی تھی۔

عورت بے یقینی میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

"کہاں جارہے ہو؟" اس کی آواز میں حیرت اور خوف دونوں موجود تھے۔

"میں یہاں سے دور جارہا ہوں... واپسی تب ممکن ہے جب تم خود بلاؤ، جب تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو، جب تم یہ سمجھ لو کہ تم نے میرے کردار پر ایک نہیں، ہزار سوال اٹھائے ہیں، تم نے میری سیلف ریسپیکٹ ہرٹ کی ہے"۔

وہ رکے نہیں، خاموشی میں اپنے اندر کے طوفان کو قابو میں رکھتے ہوئے الماری کھولی، سوٹ کیس نکالا، کپڑے ترتیب سے ڈالتے گئے۔

ٹوٹے ہوئے دل، بکھرا ہوا وجود، جیسے ہر دھاگہ زندگی کے تانے بانے سے الگ ہو رہا تھا۔

سوٹ کیس کی زپ بند کی اور اٹھانے لگے، تب کانوں میں ٹکرائی وہ آواز۔

"چاہے پوری زندگی گزر جائے، میں تمہیں تب بھی نہیں بلاؤں گی"۔

وہ زخمی سا مسکرائے، وہ انا کی دیوار پر فخر کے ساتھ کھڑی تھی، مگر ان کے اندر ایک خاموش دھواں سا اُبھرا۔

وہ مغرور تھیں، انا کی زندہ مثال، اور وہ، زخمی، ٹوٹے، بکھرے وجود کے ساتھ، لاہور کو الوداع کہہ گئے۔

پورا ہال روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔

برقی قمقمے چھت سے لٹکے یوں لگ رہے تھے جیسے ستارے زمین پر اُتر آئے ہوں۔ ہر طرف روشنی بکھری تھی، اور رنگ برنگے جگمگاتے لباسوں میں ملبوس لڑکیاں ادھر سے اُدھر رواں تھیں، ہنسی کی ہلکی ہلکی لہریں فضا میں تحلیل ہو رہی تھیں۔

اسی لمحے ماہ گل، رشنا اور مناہل کے ہمراہ ہال میں داخل ہوئی۔

ایش گرے رنگ کی میکسی جو اوپر سے نیچے تک نازک نگوں سے مزین تھی۔ اس کے وجود پر یوں سجی تھی گویا شام کا دھندلکا چاندی میں ڈھل گیا۔ ہم رنگ نفیس زیورات، اور ولیمے کی مناسبت سے سادہ مگر دلکش میک اَپ کے ساتھ، ماہ گل واقعی اپنے نام کی مانند لگ رہی تھی نرم، شفاف، کِھلی کِھلی۔

اسٹیج پر مزمل کے ساتھ بیٹھے حدیر رحمانی کی نگاہ جیسے ہی اٹھی، وہ واقعی ٹھہر سی گئی۔ وہ لمحہ مختصر تھا، مگر اثر رکھتا تھا۔

قریب آنے پر اس نے ہاتھ بڑھا کر ماہ گل کو اسٹیج پر چڑھنے میں مدد دی ایک رسمی سا لمس، ایک ذمہ دارانہ حرکت

اور پھر...

اس کے بعد اس کی نگاہ ایک بار بھی ماہ گل کی طرف نہ اٹھی۔

نہ کوئی لفظ، نہ کوئی التفات۔

اس خاموش بیگانگی میں ماہ گل اندر ہی اندر مزید بکھر گئی۔ حالانکہ اسٹیج پر آنے والے ہر چہرے نے اس کی تعریف کی تھی۔ وہ واقعی دلنشین لگ رہی تھی۔

"ماہ گل، ٹھیک ہو؟ آنکھوں میں یہ نمی کیوں ہے؟"۔ رشا نے قریب آکر تشویش سے پوچھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

برابر میں بیٹھا حدیر بھی چونک اٹھا تھا۔

"کچھ نہیں بھابھی، بس... ابا اماں کی یاد آرہی تھی"۔ وہ بروقت مسکرا دی۔

اس کا لہجہ بھرایا ہوا تھا اور حدیر نے اسے محسوس کیا۔

مگر اگلے ہی لمحے ماہ گل خود کو سنبھال چکی تھی۔

مہمانوں سے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ ملتی، تصویریں بنواتی وہ ایک خوبصورت، مکمل دلہن لگ رہی تھی۔

"حدیر، تمہاری دلہن تو آج بالکل گڑیا لگ رہی ہے"۔ مہناز پھوپھو اسٹیج پر آتے ہی محبت سے بولیں۔

"پھوپھو، اتنی بڑی گڑیا کہاں ہوتی ہے؟"۔ حدیر نے ماہ گل کو سرسری سا دیکھتے ہوئے کہا۔۔

پھوپھو ٹھیک کہہ رہی تھیں ماہ گل واقعی گڑیا لگ رہی تھی۔

"یہ کیسی عجیب بات کی ہے؟ پاگل"۔ پھوپھو نے ہنستے ہوئے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"آج تو نہ ماریں"۔ حدیر مسکرایا۔

ماہ گل نے اسے بغور دیکھا وہ گھر میں کسی کے ساتھ یوں مسکرا کر بات نہیں کرتا تھا۔ مہناز پھوپھو کو وہ شادی کے دن کے بعد آج دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے بچے ہو جائیں، میں تب بھی ان کے سامنے ایسے ہی ماروں گی"۔ وہ شرارت سے بولیں۔

حدیر دھیرے سے ہنسا،اور ماہ گل کے گالوں میں حرارت دوڑ گئی۔پھوپھو اور بھتیجے کی بے ساختہ ہنسی پر وہ بے اختیار سی جھجک گئی۔

''اب تو یہ آپ زیادتی کر رہی ہیں''۔وہ مسکراہٹ ضبط کرتے بولا۔

''کل تم ماہ گل کو لے کر گھر آرہے ہو''۔پھوپھو اب سنجیدہ ہو گئیں۔''ویسے بھی تمہاری بڑی شکایتیں مل رہی ہیں''۔

''اب میں نے کیا کر دیا؟''۔وہ معصومیت سے بولا۔

''یہ تو کل کان کھینچ کر بتاؤں گی''۔وہ گھور کر بولیں۔

''یہ مزمل مجھ سے مار کھائے گا''۔وہ مصنوعی خفگی سے بولا

''خبردار! میرے بچے کو ہاتھ بھی لگایا تو''۔۔

''آپ کے بچے کو کوئی ہاتھ نہ لگائے،اور آپ مجھے خوب لگائیں؟''۔اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''اچھا چلو،یہ باتیں کل۔ابھی میں ذرا مہمانوں سے مل لوں''۔وہ کہہ کر آگے بڑھ گئیں۔

''میں نے کل آنے کا کوئی وعدہ نہیں کیا''۔حدیر نے پیچھے سے کہا۔

''تم آرہے ہو،بس میں اتنا جانتی ہوں''۔وہ اپنی بات کہہ کر جا چکی تھیں۔

Clubb of Quality Content

اور ان کے جاتے ہی حدیر رحمانی پھر اپنے خول میں سمٹ آیا۔ ماہ گل نے اس لمحے اس کی کئی تہوں میں لپٹی، بھید بھری شخصیت کو محسوس کیا ایک ایسا شخص جو مسکراتا بھی ہے، مگر صرف چنیدہ لمحوں میں۔

تب ہی سیاہ ساڑھی میں ملبوس، سیدھے اسٹریٹ بالوں کے ساتھ ایک نازک سی خوبصورت لڑکی ہال میں داخل ہوئی۔

اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی، مگر آنکھیں... جیسے شیشے میں پڑی باریک دراڑیں چمکتی ہوئی، مگر زخمی۔

"مبارک ہو، حدیر"۔ اس کی آواز میں نرمی تھی، مگر اس نرمی کے نیچے ایک ٹوٹا ہوا سا لہجہ سانس لے رہا تھا۔

"تھینک یو، مائرہ"۔ حدیر نے حسبِ عادت سنجیدگی سے کہا۔

"تو یہ ہے... ماہ گل؟"۔ مائرہ نے اسے ایک عجیب، پرکھتی ہوئی نگاہ سے دیکھا۔

"حدیر رحمانی مبارک ہو تمہیں"۔ ماہ گل کو دیکھتے اس نے عجیب انداز میں مبارکباد دی۔

ماہ گل نے اس مبارک باد کے جواب میں محض سر ہلا دیا۔

لفظ اس کے گلے میں کہیں اٹک گئے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"حدیر، تم نے پورے ہال میں ایک کلی تک نہیں سجانے دی؟"۔مائرہ نے ارد گرد نظر دوڑاتے ہوئے معنی خیزی سے پوچھا۔

"اور یہ کیا...دلہن کے ہاتھ گجروں کے بغیر؟ لگتا ہے تم نے اسے گلاب بھی تحفے میں نہیں دیا" وہ بے نیازی سے بولتی چلی گئی۔حدیر کے لب بھینچ گئے۔اور ماہ گل چونک سی گئی۔

اسے یاد آیا میک اپ آرٹسٹ نے بھی پوچھا تھا کہ دلہن کے گجرے نہیں ہیں؟ اور رشا نے منع کر دیا تھا۔وہ جو پھولوں کی دیوانی لڑکی تھی، اس بات پر اداس تو ہوئی تھی... مگر خود کو یہ کہہ کر سنبھال لیا تھا کہ شاید اس گھر میں پھول نہیں پہنے جاتے۔یہ نہیں جانتی تھی کہ ان سب کے پیچھے وجہ...حدیر رحمانی ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اوہ، میں تعارف کروانا تو بھول ہی گئی"۔

مائرہ رضا نے جیسے اچانک یاد آنے پر کہا۔

"میں مائرہ رضا ہوں...حدیر رحمانی کی۔۔۔"۔وہ ذرا رکی، پھر نزاکت سے بات کو موڑ دیا۔

"یہ تم حدیر سے پوچھ لینا"۔

وہ ایک جملے میں ماہ گل کو کشمکش کے نئے دائرے میں چھوڑ گئی۔

"مائرہ، فہام نہیں آیا؟"۔حدیر نے اسی سنجیدگی سے پوچھا۔

”آیا ہے نا...“ مائرہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ ”تم اسٹیج پر بیٹھے ہنسنے میں اتنے مصروف تھے، تمہیں کیسے معلوم ہوتا؟“ اس کی نگاہیں حدیر کے چہرے پر ٹھہرتی چلی گئیں اور نرم سے نرم تر ہوتی گئیں۔

”آؤ، اس سے مل کر آتے ہیں“ حدیر اٹھا، اور مائرہ کے ساتھ اسٹیج سے اتر آیا۔ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے مائرہ کا پاؤں ذرا سا لڑکھڑایا۔ حدیر نے فوراً اس کا بازو تھام کر سنبھال لیا۔ اور یہ منظر... ماہ گل کے دل میں خنجر کی طرح اتر گیا۔

مائرہ اب اپنی دوست سنیہ کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو چکی تھی۔

ادھر حدیر اور فہام ایک طرف کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔

”تو نے بس ایک ملاقات کے بعد ہی ان سے شادی کر لی؟“۔

فہام نے اسٹیج کی طرف ایک نظر ڈال کر حیرت سے پوچھا۔

”ایک ملاقات؟“۔ حدیر نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

”تجھے یاد نہیں؟ جب ہم یونیورسٹی ڈگری لینے گئے تھے، اور وہاں تو نے ایک فریشر لڑکی کو ریگنگ سے بچایا تھا“۔

”ہاں... وہ لڑکی کافی سہمی ہوئی تھی“۔ حدیر کو دھیرے دھیرے یاد آنے لگا۔

Club for Quality Content

"ارے پاگل! بھابھی ہی تو وہی لڑکی تھی" فہام نے اس کے تاثرات دیکھ کر کہا۔

"ماہ گل؟" حدیر نے چونک کر اسٹیج کی طرف دیکھا۔

اور پھر...

دیکھتا ہی چلا گیا۔

اس کی نگاہیں گہری ہوتی چلی گئیں۔

اور دور بیٹھی ماہ گل ان نگاہوں کی تپش اپنے وجود پر محسوس کرنے لگی۔

"ہاں، لگ تو وہی رہی ہے... مگر اس کا تعلق تو گاؤں سے ہے، وہ لاہور یونیورسٹی میں کیسے پڑھ سکتی ہے؟"۔

"حدیر، کیسی عجیب باتیں کر رہا ہے؟"۔ فہام جھنجھلا اٹھا۔

"لڑکیاں کیا آج ہاسٹل میں رہ کر پڑھائی نہیں کرتیں؟ تو اب تک بھابھی کو پہچان نہیں پایا؟"

فہام نے حیرت سے دیکھا۔

"میں نے اسے اب تک توجہ سے دیکھا ہی نہیں تھا"۔ حدیر نے بے نیازی سے کہا۔

"کیا؟ تیری شادی کو دس دن بھی ہو گئے ہوں گے، بھائی"۔

"چھوڑ یہ سب..." حدیر نے بات سمیٹتے ہوئے کہا۔

”چل، اس سے پہلے مائرہ اٹھ کر آ جائے“۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ ماہ گل اور اس کی اپنی ذات کسی اور کی گفتگو کا موضوع بنیں۔ خواہ وہ اس کا دوست ہی کیوں نہ ہو۔ فہام نے اس کے لہجے کی حدبندی کو سمجھ لیا اور مزید سوال نہ کیے۔

”مائرہ نے تیری شادی کا سن کر شور نہیں مچایا؟“۔

”تو بھی جانتا تھا؟ مجھے تو کچھ دن پہلے اس کی زبانی معلوم ہوا“ حدیر حیران ہوا۔

”جانتا ہوں تو ڈفر ہے اس معاملے میں“ فہام ہنسا۔

”تجھے کوئی فکر نہیں؟ اگر اس نے کچھ کیا؟“۔

”وہ میری صرف دوست ہے۔ اور یوں بھی وہ سمجھدار ہے ایسی کوئی بیوقوفی نہیں کرے گی۔ اور سب اہم بات میں نے اس سے نہ کوئی وعدہ کیا، نہ کوئی اظہار...نہ کوئی امید دلائی۔ پھر فکر کیسی؟“۔ وہ مدثر چچا کے بلانے پر ان کے پاس چلا گیا۔

وہ الجھی ہوئی سوچوں کے ساتھ آئینے کے سامنے کھڑی زیورات اتار رہی تھی۔ ایک کان کا جھمکا تو اتر چکا تھا، مگر دوسرے کا لاک جیسے ضد پر اڑا ہو کھلنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ تبھی اچانک اس نے اپنے ہاتھوں پر کسی کا لمس محسوس کیا۔

نظریں بے اختیار اٹھیں۔آئینے میں حدیر رحمانی کا عکس اس کے بالکل پیچھے کھڑا تھا۔

وہ نرمی سے اس کا ہاتھ ایک طرف ہٹا کر خود جھمکا اس کے کان سے اتار گیا۔

ماہ گل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی۔

خاموشی کو توڑتی حدیر کی آواز گونجی۔

"تم نے گریجویشن کی ہوئی ہے؟"۔یہ غیر متوقع سوال تھا۔

وہ چونک کر سر اٹھائے، آنکھوں میں ناسمجھی لیے اسے دیکھنے لگی۔۔اس وقت وہ اس سوال کا مقصد نہ سمجھ سکی۔

"بتاؤ۔"وہ اس کی حیران آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔۔۔"وہ ہلکے سے سر ہلا گئی۔

"لاہور یونیورسٹی سے کیا ہے؟"

اس سوال پر ماہ گل ٹھٹھک گئی۔نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اب اسے ان سوالوں کا مقصد سمجھ میں آنے لگا تھا۔

"آپ کو ہماری ذات میں اتنی دلچسپی کیوں ہونے لگی ہے؟"وہ چوڑیاں اتارتے ہوئے، بظاہر لاپرواہی میں سوال کر گئی۔

نولز کلب
Clubb of Quality Content

”دلچسپی؟“ وہ استہزائی مسکراہٹ کے ساتھ ہنسا۔”میڈم، خوش فہمی میں نہ رہیں۔جو پوچھا ہے، اس کا جواب دیں۔“

”ہم بلاوجہ اپنے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتاتے۔“

زیورات سے آزاد ہوتی ہوئی وہ وارڈروب کی جانب بڑھی، مگر اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی وہ ایک قدم میں آگے آیا اور اس کا بازو تھام کر اسے اپنی جانب کھینچ لیا۔

”جو پوچھ رہا ہوں، اس کا جواب دیں۔فضول میں زبان چلانے کی ضرورت نہیں۔“ اب اس کی آواز میں سختی اتر آئی تھی۔

”ہماری تعلیم جان کر آپ کیا کریں گے؟“ وہ بازو چھڑاتے ہوئے دبی دبی آواز سے چیخی۔

”تم بتا رہی ہو یا نہیں؟“ اس کے تیور خطرناک ہو چکے تھے اور ان ہی دنوں میں اس کا غصہ ہی تو تھا جس سے ماہ گل ڈرتی رہی تھی۔

”ہاں! پڑھا ہے لاہور یونیورسٹی سے۔۔۔بس؟ سن لیا؟ اب چھوڑیں مجھے“۔وہ چیختے ہوئے پیچھے ہٹی۔

وہ اس کے چیخنے، چڑنے اور انکار میں بھی کچھ پہچان گیا تھا۔

”مطلب، میں تمہیں یاد ہوں؟“ اس نے دھیمی مگر گہری آواز میں پوچھا۔

"نہیں بھولتے ہم اپنے محسنوں کو۔ سن لیا؟ پڑ گئی ٹھنڈ؟ اب اگر آپ کی اجازت ہو، محترم، تو ہم لباس تبدیل کرنے جائیں؟" آنکھیں گھماتے ہوئے، جھنجھلا کر بولی۔

اور اس کے اس انداز پر وہ اپنی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا۔

"کتنے محسن ہیں تمہارے؟" وہ ڈریسنگ ٹیبل سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔

ماہ گل کے ہاتھ میں لباس تھما ہوا وہیں رک گیا۔

"بد قسمتی سے، زندگی میں صرف ایک بار کسی کی احسان مند ہوئی۔۔۔اور وہ شخص تم نکلے۔" وہ تلملاتے ہوئے مڑی۔

"گڈ۔۔۔اچھی بات ہے۔" وہ ہلکی سی معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "تو پھر یاد رکھنا، میں نے تم پر احسان کیا تھا۔"

اس نے بستر پر رکھا اپنا آرام دہ لباس اٹھایا۔

"کاش، ہم بھول پاتے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

"میں بھولنے نہیں دوں گا۔" ڈریسنگ روم کے دروازے پر رکتا ہوا، اس کی بڑبڑاہٹ سنتے ہی وہ ٹھہر کر بولا۔

دروازہ بند ہوا اور پیچھے کھڑی ماہ گل نے اس بند دروازے کو دیکھ کر منہ چڑایا۔

وہ ماہ گل تھی، اس سے یہ توقع کی جاسکتی تھی۔

ماہ گل اپنے وقت پر جاگ گئی تھی۔

صبح کی نرم روشنی آہستہ آہستہ کھڑکیوں کے پردوں سے پھسلتی، لاؤنج کی سنہری دیواروں پر مائلِ خم سنجیدگی کے ساتھ پھیل گئی۔

سب اپنے اپنے کاموں میں مگن، ناشتے کی میز پر بیٹھے، یونیورسٹی کے لیے نکل پڑے تھے۔

اب وہ لڑکی، جو اپنے ابا کے گھر بے وقت اٹھنے کی عادی تھی، اب خود کو نظم و ضبط کی قید میں ڈھال کر، وقت کی پابندی سے صبح کی رونق میں شامل ہو گئی تھی۔

لوگ یوں ہی کہہ دیتے ہیں، ”لڑکی ہے اسے گھر کے کام سکھاؤ، سسرال جائے گی تو کیا کرے گی؟“

لیکن یہ جملہ شاید ان لوگوں نے گھڑا تھا جنہوں نے عورت کو کبھی ذمہ داری کے لمحے میں نہیں دیکھا۔

وہ نہیں جانتے کہ جب لڑکیاں سسرال جاتی ہیں تو فطری طور پر سب سیکھ جاتی ہیں۔یوں جیسے برسوں سے انہی ذمہ داریوں کے لیے تیار کی گئی تھیں۔یہ ان کی فطرت کا حصہ ہوتا ہے ذمہ داری پڑے تو وہ اسے تھام لیتی ہیں، خاموشی، صبر اور سلیقے کے ساتھ۔

"حدیر آج آفس نہیں گیا؟"۔ہاجرہ رحمانی نے ماہ گل کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، آج انہوں نے آف کیا ہے"۔ماہ گل نے کشن کی تہیں سیدھی کرتے ہوئے جواب دیا،اور اندر ہی اندر ایک سنجیدہ مسکان لبوں پر جا پہنچی۔

"جاؤ، بچے! ساڑھے دس ہونے کو ہیں، اسے اٹھا دو"۔اماں سائیں، تسبیح کی موتیوں کی نرم چھنکار کے بیچ، ماہ گل کی طرف نرمی سے بولیں۔

"حدیر تو آفس سے کبھی چھٹی نہیں کرتا، پھر آج کیوں؟"۔

بشریٰ رحمانی اندر آتی ہوئی، چہرے پر چھپی سنجیدگی کے ساتھ سوال کر گئیں۔

ماہ گل نے نظریں اٹھائیں، وہ عورت جس کے سامنے اس کا دل غیر ارادی طور پر سکڑ جاتا تھا۔کچھ لوگ اونچی آواز سے نہیں، محض اپنی موجودگی سے دباؤ ڈال دیتے ہیں۔

"نہیں کرتا تھا تو کیا ہوا، آج کر لیا۔جاؤ، بچے حدیر کو دیکھو"۔اماں سائیں نے بڑے آرام سے جواب دیا، اور پھر نرمی سے ماہ گل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ماہ گل نے فوراً کچن کی راہ لی۔

کچن میں قدم رکھتے ہی، وہ آہستگی سے چائے کا پانی چڑھانے لگی، پیڑا نکال کر بیلنے لگی۔

ہاتھ چل رہے تھے، دل سوچ میں گم تھا۔ پراٹھا فرائی ہوتے ہوئے سنہری خوشبو بکھیرنے لگا، وہ ساتھ ساتھ چائے پر نظر رکھتی رہی۔ پراٹھا فرائی کر کے ہاٹ پاٹ پر رکھا۔ کباب اور انڈا فرائی ہونے لگے۔

یہ سب کام وہ سلیقے سے کر رہی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہو، تم؟"۔ پیچھے سے آتی آواز نے اس کے خیال توڑ دیے۔

"یااللہ! یہ بار بار کہاں سے نازل ہو جاتی ہیں؟"۔ وہ بڑبڑائی۔ چہرے کے زاویے درست کیے، اور آہستگی سے مڑی۔

"ماما... حدیر کے لیے ناشتہ بنا رہی تھی"۔ ماہ گل نے دھیمی، تقریباً من منائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"یہاں سب نو بجے ہی ناشتہ کرتے ہیں، دوبارہ کس سے پوچھ کر بنائی آپ؟"۔ بشریٰ تائی کے سخت لہجے میں ایک خاموشی بھری تنبیہ تھی۔

Clubb of Quality Content

"حدیرا اگر دیر سے جاگے ہیں تو ناشتہ تو کریں گے نا..." وہ ناگواری کو تہذیب کے پردے میں چھپاتی ہوئی بولی۔۔

"یہ دیر سے جاگنے والا کا مسئلہ ہے، یہ بات یاد رکھنا"۔

کچھ جملے دل پر نہیں لگتے، وہ سیدھا خودداری پر وار کرتے ہیں۔اول تو وہ اپنے لیے کچھ نہیں بنا رہی تھی لیکن پھر اس سے وہ یوں مخاطب تھیں۔ماہ گل کو برا لگا۔

"آپ کا مطلب ہے... آپ کا بیٹا بھوکا رہے؟"۔اس بار وہ خود پر ضبط نہ رکھ سکی۔لہجے میں احترام تھا، مگر ناپسندیدگی صاف جھلک رہی تھی۔بشریٰ رحمانی ایک لمحے کو ٹھٹھک گئیں۔شاید انہیں اس بے ساختہ سچ کی توقع نہ تھی۔

"وہ بھوکا رہے یا جو بھی یہ اس کا مسئلہ ہے۔تم اس گھر کے اصولوں کے مطابق چلو گی"۔۔

"لیکن میں اپنے شوہر کو بھوکا نہیں رکھ سکتی"۔اس نے دوٹوک کہا۔

"ماہ گل بچے، جاؤ... ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" ہاجرہ چچی تیزی سے کچن میں آئیں، اور فضا میں پھیلتی کشیدگی کے آگے دیوار بن گئیں۔

ماہ گل نے کچھ کہے بغیر سر جھٹکا، ٹرے اٹھائی اور کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

پیچھے، کچن میں خاموشی نے ایک تلخ آہ بھری۔

”تم نے دیکھا اسے ؟اور پھر بھی جانے دیا؟“ بشریٰ رحمانی نے ناگواری سے کہا۔

”بھابھی...ابھی وہ نئی ہے۔“

دروازہ ایک ہاتھ سے کھولتی وہ اندر داخل ہوئی۔ سامنے حدیر آئینے کے سامنے کھڑا بالوں میں برش پھیر رہا تھا۔

ماہ گل نے آہستگی سے دروازہ بند کیا، ٹرے میز پر رکھی اور ناشتہ سلیقے سے سجانے لگی۔

”آجائیں...ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ٹرے سے پلیٹ اٹھا کر میز پر سجا رہی تھی۔

حدیر کی نظر بے اختیار اس پر ٹھہر گئی۔

بوٹل گرین تھری پیس سوٹ اس کی رنگت کو اور نکھار رہا تھا۔ لمبے بال پونی ٹیل میں بندھے پشت پر ڈھلک رہے تھے۔

مہندی لگے ہاتھوں میں کانچ کی چوڑیاں ہلکی سی جنبش پر مدھم جھنکار پیدا کر رہی تھیں۔

”یہ ناشتہ کس نے بنایا ہے؟“۔ وہ چلتا ہوا صوفے پر آ بیٹھا۔

”ہم لے کر آئے ہیں تو ہم نے ہی بنایا ہوگا۔“ وہ مصروف سے انداز میں، بنا دیکھے بولی۔

اس کی یہ بے ساختہ جوابی کارروائی نہ جانے کیوں حدید رحمانی کو اچھی لگ گئی۔

"تم ابھی ناشتہ بنا کر لائی ہو؟"۔اسے جیسے یقین نہ آیا۔

"جی...ابھی ہی۔"وہ چونکی، شاید سوال کی تکرار پر۔

"تمہیں بشریٰ رحمانی نے کچھ نہیں کہا؟"۔وہ سامنے رکھے ناشتہ کو دیکھ رہا تھا۔آملیٹ کی خوشبو اس کی بھوک کو اور جگا گئی تھی۔

"کہا تھا..."وہ رکی، پھر دھیمی آواز میں جیسے بے نیازی اوڑھ لی۔

"میری طرف دیکھو اور بتاؤ؟ کیا کچھ سخت کہا انہوں نے؟"۔اس نے نرمی سے اس کی ٹھوڑی اٹھا کر اپنی جانب کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"نہیں...ناشتہ کریں، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"وہ بات ٹال گئی۔

"جلدی سے پوری بات بتاؤ، تاکہ پھر میں ناشتہ کر سکوں"۔

ماہ گل خفگی سے اسے دیکھنے لگی، پھر آہستہ آہستہ لفظوں کو ترتیب دیا۔

"کہہ رہی تھیں ناشتہ دوبارہ نہیں بنے گا...تو ہم نے بھی کہہ دیا آپ چاہتی ہیں آپ کا بیٹا بھوکا رہے؟"۔وہ رکی اس کی جانب دیکھا۔

"پھر؟"۔اس نے آبرو اچکائے

"انہوں نے کہا یہ دیر سے جاگنے والے کا مسئلہ ہے...تو پھر کیا کہہ دیا اپنے شوہر کو بھوکا نہیں رکھ سکتی"۔ یہ کہتے ہی وہ تیزی سے کھڑی ہوئی اور بھاگتی ہوئی اسٹڈی روم میں گم ہو گئی۔ حدیر رحمانی چند لمحے ساکت رہا۔

پھر جیسے بات کے مفہوم نے آہستہ آہستہ دل تک رسائی حاصل کی۔

اس کے لبوں پر ایک خوبصورت، پُر سکون مسکراہٹ اتر آئی۔

وہ اب دل سے ناشتہ کرنے لگا تھا۔ آج نہ جانے کیوں ہر نوالہ پہلے سے زیادہ لذیذ محسوس ہو رہا تھا۔

ماہ گل کے زندگی میں آنے سے پہلے بھی وہ دو تین بار دیر سے جاگا تھا۔ آفس دیر سے جانا تھا، اور وہ دن ناشتہ کے بغیر گزر گئے تھے۔

آج کچھ الگ تھا۔ کچھ اچھا۔ اور شاید یہی احساس زندگی کے بہت سے خلا پُر کرنے کے لیے کافی تھا۔

"بات سنو! تیار ہو جاؤ۔ ہم مہناز پھوپھو کے گھر جا رہے ہیں"۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو ماہ گل اشفاق احمد کی کتاب میں اس طرح ڈوبی ہوئی تھی گویا لفظوں کے بیچ اپنی ذات کی کسی کھوئی

ہوئی تہہ کو تلاش کر رہی تھی۔اس نے چونک کر نگاہ اٹھائی، لمحہ بھر کو جیسے حال میں لوٹی ہو، پھر دیوار پر لٹکی گھڑی کی طرف دیکھا دوپہر کے تین بج چکے تھے۔

"ابھی؟"آواز میں حیرت تھی۔

"جی، ابھی۔"وہ مختصر جواب دے کر وارڈروب کی طرف بڑھا، لباس نکالا اور بدلنے کے لیے اندر چلا گیا۔

ماہ گل نے کتاب بند کی، ایک گہری سانس لی اور وارڈروب کھول کر اس میں جھانکنے لگی۔

"صبح ہی بتا دیتے... کم از کم بھابھی سے پوچھ لیتی کیا پہنوں۔اب تو وہ بھی سو رہی ہوں گی"۔وہ ملبوسات کے درمیان الجھی ہوئی۔

"یہ نیوی بلیو؟ نہیں... بہت ہیوی ہو جائے گا۔یہ لائٹ گرین؟ شاید بہتر رہے..."وہ خود سے باتیں کرتی جا رہی تھی۔

وہ سفید ٹی شرٹ پر سیاہ جینز پہنے باہر آیا تو اسے اسی تذبذب میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"تم سے اب تک ایک لباس منتخب نہیں ہوا؟"۔تحیر سے اسے دیکھا۔

"کہہ تو ایسے رہے ہیں جیسے بہت آسان کام ہے یہ"ماہ گل نے آنکھیں گھمائیں۔ہلکی سی نرمی اور طنز آمیز مسکان کے ساتھ۔

''اس میں کون سی راکٹ سائنس ہے؟''۔وہ گھڑی کلائی میں پہنتے ہوئے مسکرا سا دیا۔

''آپ کو کیا معلوم... لڑکیوں کے لیے یہ کام کسی محاذ سے کم نہیں ہوتا۔''اس کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی

''حد ہو گئی... کوئی ایک نکالو اور جلدی کرو۔''اب کے اس کی آواز میں سختی در آئی۔

''اتنی جلدی ہے تو خود نکال کر دے دیں۔''وہ تپ کر بولی اور وارڈروب سے دور ہٹ کر ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔

''تم مجھے کیا سمجھ بیٹھی ہو؟ میرے پاس فضول وقت نہیں۔''اس کی اس بے تکلفی پر وہ لمحہ بھر کو چونکا۔

''تو پھر آپ اکیلے ہی چلے جائیں''۔۔

''یااللہ... صبر۔''وہ گہری سانس لے کر بولا۔''میں بہت تحمل کا مظاہرہ کر رہا ہوں، ماہ گل۔ اپنی حد سے زیادہ نرمی برت رہا ہوں۔ مجھے مجبور مت کرو کہ سختی کروں۔''

وہ اول روز سے ماہ گل کو لے کر متضاد کیفیت کا شکار تھا؟ یہ نکاح شہاب رحمانی کے حکم پر ہوا تھا تو ان سب میں اس لڑکی کا آخر قصور کیا تھا؟

"میں آج نکال کر دے رہا ہوں۔ پلیز آئندہ نہیں کرنا یہ سب"۔ اس کی اترتی ہوئی صورت دیکھ کر وہ وارڈروب کی سمت قدم بڑھایا تھا۔ وارڈروب میں لٹکتے ملبوسات پر ایک نظر ڈالی، پھر پلٹ کر ماہ گل کو دیکھا۔ دوبارہ رخ وارڈروب کی جانب کیا۔ ایک لباس منتخب کیا۔

"تم پر آسمانی رنگ اچھا لگتا ہے۔" لباس نکالتے ہی اس کے لبوں سے بے ساختگی میں یہ جملہ ادا ہوا۔ جہاں وہ خود چونکا، وہی ماہ گل بھی ساکت رہ گئی۔

شادی کے ان چند دنوں میں اس کی جانب سے کی گئی یہ پہلی تعریف تھی۔ چھوٹی سی، مگر دل کے کسی گہرے گوشے میں جا کر ٹھہر جانے والی۔ وہ تیزی سے لباس اس کے ہاتھ میں تھما کر کمرے سے نکل گیا۔

ماہ گل نے جوڑا دیکھا، ہلکا سا آسمانی رنگ، نفیس سا کام، سادگی میں لپٹا وقار۔ لانگ قمیص، پلازو، اور ہم رنگ دوپٹہ۔

وہ بے اختیار مسکرا دی۔

یہ مسکراہٹ آئینے سے پہلے اس کے دل میں اتری تھی۔

جلدی سے لباس پہن کر آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی۔

چوڑی دار آستینیں کلائیوں کو چھو رہی تھیں۔

آنکھوں میں ہلکی سی لائنر، مسکارا، لبوں پر مدھم پنک، رخساروں پر نرم سا رنگ۔آسمانی رنگ اس کے وجود کو نکھار رہا تھا۔

بال سائیڈ مانگ سے ٹوسٹ کر کے کھلے چھوڑ دیے۔

کلائی میں نازک سی سلور گھڑی، دوسری کلائی میں کانچ کی چوڑیاں، پاؤں میں نازک سی سلور سینڈل۔

وہ اپنی سیاہ مرسیڈیز کے پاس ہلکے ہلکے قدموں سے ٹہل رہا تھا، فون کان سے لگائے کسی سے گفتگو میں محو۔

اچانک اس نے پلٹ کر دیکھا۔

سیڑھیوں سے اترتی ماہ گل...ایک ہاتھ سے دوپٹہ سنبھالتی، دوسرے میں کلچ تھامے، قدموں میں ٹھہراؤ، انداز میں سادگی۔حدیر رحمانی کی نگاہیں وہیں رک گئیں۔

اس نے آسمانی رنگ کو پہلے بھی دیکھا تھا، مگر اتنا حسین...اتنا مانوس...اتنا دل کے قریب اس سے پہلے کبھی نہیں۔اس کی نگاہیں ٹھہر گئیں۔آسمانی لباس میں وہ کسی خاموش صبح کی طرح لگ رہی تھی۔ٹھنڈی، پرسکون، آنکھوں کو بھلی۔ایسا منظر جسے دیکھ کر دل بے اختیار ٹھہر جائے۔

کچھ رنگ واقعی صرف کچھ لوگوں پر ہی جچتے ہیں۔

اور آسمانی...ماہ گل کا رنگ تھا۔ یہ بات حدیر رحمانی نے پہلی بار، بے آواز، دل ہی دل میں تسلیم کی۔

"کہاں جا رہی ہو؟"۔اچانک پڑنے والا وہ سوال نہیں تھا، بلکہ ایک سخت لہجہ تھا جس نے ماہ گل کے قدم وہیں روک لیے۔

"انہیں بڑا شوق ہے ہر وقت ہم پر نظر رکھنے کا..." ماہ گل دل ہی دل میں بڑبڑائی۔ چہرے کے زاویے لمحہ بھر کو بگڑے، پھر اس نے خود کو سمیٹا، ہونٹوں پر نرم سی مسکراہٹ اوڑھی اور پلٹ کر سامنے دیکھنے لگی۔

"جی؟"۔۔۔

"میں پوچھ رہی ہوں، کہاں جا رہی ہو؟"۔اب کی بار سوال میں طنز شامل تھا، اور لہجہ زیادہ واضح۔

"حدیر... مہناز پھوپھو کے گھر لے جا رہے ہیں۔" نرمی سے بتایا۔

"حدیر لے جا رہے ہیں اور تم یوں ہی چل دی؟ کوئی طریقہ، کوئی سلیقہ ہوتا ہے یا نہیں؟"

"تو... کیا نہیں جانا چاہیے؟" ماہ گل نے پلکیں جھپکائیں، آنکھوں میں معصومیت اتاری اور نہایت سادہ لہجے میں بولی۔

"اگر کچھ سیکھ کر آئی ہو تو معلوم ہوتا کہ کسی بڑے کو اطلاع دینا بھی ضروری ہوتا ہے"۔

"اچھا... ہمیں تو لگا کہ اماں سائیں اس گھر کی بڑی ہیں، اسی لیے ہم انہیں بتا چکے ہیں۔" ماہ گل کے چہرے پر حیرت کا ہلکا سا تاثر آیا، جیسے واقعی کسی نئی بات کا انکشاف ہوا تھا۔

"تمہاری زبان جتنی تیز ہے، خیال رکھو... کہیں یہی تمہارے لیے مسئلہ نہ بن جائے۔" وہ لمحہ بھر کو تلملا گئیں۔ یہ نرمی میں لپٹی ہوئی بات انہیں گہری لگ چکی تھی۔ وہ رشا نہیں تھی انہیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔

"ماہی؟... چلیں ہم؟"۔ حدیر رحمانی نے ماہ گل کو بشری رحمانی کے ساتھ کھڑا دیکھا تو چند قدم آگے بڑھ آیا۔ ان کے قریب آتے ہوئے نرمی سے گویا ہوا۔

اور نگاہیں... وہ سنجیدہ، ضبط میں ڈھلی نگاہیں اس لمحے جیسے دنیا بھر کی تھکن اتار کر صرف ماہ گل پر ٹھہر گئی تھیں۔

ماہ گل بیچاری اس نرم لہجے اور نرم نگاہوں کے تضاد سے دنگ رہ گئی۔ وہ لمحہ غیر یقینی اور دلکش ایک ساتھ تھا۔ حدیر نے اسے 'ماہی' کہا تھا۔ کتنی غیر یقینی اور عجیب سی بات تھی نا؟ "ماہی؟"۔ اس نے سوچا۔ ہاں اس کے کانوں نے ٹھیک سنا۔ حدیر رحمانی نے اسے ماہی کہہ کر ہی پکارا تھا۔

وہ بس سر ہلا گئی۔اوراس کے قدم حدیر کے قدموں کے ساتھ چل پڑے۔نگاہیں حدیر کے چہرے پر تھیں۔

''سنیں...''وہ مسلسل اسے دیکھتے ہوئے بولی۔اس کی آواز میں حیرت گھلی ہوئی تھی۔

''کیا ہے؟''وہ کچھ اکھڑا اکھڑا سا بولا۔

جانتا تھا یہ نگاہیں سوال بن کر اس کا پیچھا کیوں کر رہی ہیں۔وہ خود سے جی بھر کر خفا ہوا تھا۔کیا ضرورت تھی ماہ گل کو بشریٰ رحمانی کے ساتھ کھڑا دیکھ کر جذباتیات دکھانے کی؟بشریٰ رحمانی کے سامنے تو اس نے جو کرنا تھا، کر چکا۔لیکن اب ماہ گل نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑنا تھا۔

''آپ نے ابھی ہمیں کیا کہا؟''اس کی آنکھوں میں ایک معصوم سی چمک ابھری۔۔

''کیا؟''وہ جان بوجھ کر انجان بنا۔۔

''آپ نے ہمیں ماہی کہا؟''وہ مسکرادی ایسی مسکراہٹ جو سامنے والے کو لاجواب کر دے۔ماہ گل کی نگاہیں اس کے بگڑتے تاثرات پڑھ رہی تھی۔

''جو سنا ہے، وہی کہا ہوگا۔''وہ جھنجھلا کر بولا۔یہ لڑکی واقعی اس کے صبر کی حدیں آزما رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

"آپ کو کیسے خیال آیا ہمیں ماہی کہنے کا؟ اکثر لوگ ہمیں ماہا کہتے ہیں... لیکن ماہی کسی نے نہیں کہا۔" اس کی مسکراہٹ میں عجیب سی اپنائیت تھی۔ ماہ گل کی مسکان، اس کی نرم اور شرارتی آنکھوں کے ساتھ اس کے دل کو ہلکا سا جھنجھوڑ گئی۔

"کیونکہ ماہی مجھے جو کہنا تھا۔" وہ چڑ کر بولا۔ اور اس کے چڑنے پر ماہ گل بے ساختہ کھلکھلا اٹھی۔

وہ جو مسلسل اسے دیکھتے ہوئے چل رہی تھی اگلے ہی لمحے سامنے بچھے پائپ سے اس کا پاؤں الجھا، وہ سامنے کو گرتی مگر بروقت حدیر نے اسے کمر سے تھام کر سنبھال لیا۔

ایک لمحہ...

بس ایک لمحہ

سانسوں کا فاصلے سے قریب آ جانا۔

دلوں کا بے خبر سا ٹھہر جانا۔۔

"اسی لیے کہتا ہوں زبان کے ساتھ آنکھیں بھی استعمال کر لیا کریں۔" وہ اسے سیدھا کرتا ہوا طنزیہ بولا اور فوراً ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

”غلطی آپ کی ہے۔نہ آپ کیوٹ چڑنے والا ایکسپریشن دیتے اور نہ ہم آپ کو دیکھتے۔“وہ پسینجر سیٹ پر بیٹھتے ہوئے شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”آپ انتہائی بے باک لڑکی ہیں۔“حدیر نے ہلکا غصہ لیے اسے دیکھا۔حدیر رحمانی کو آج تک کسی نے یوں زچ نہیں کیا تھا۔

”اور آپ انتہائی کھڑوس۔کبھی پیشانی سے بلوں کو چھٹی دے کر دل کھول کر مسکرا لیا کریں۔۔قسم لے لیں،زندگی اچھی لگنے لگے گی۔“وہ نرم سی مسکان لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

”آپ اگر خاموشی سے بیٹھ جائیں گی،تو مجھے تب زندگی مزید اچھی لگنے لگے گی۔“اس کے یوں کھلے عام بعزتی پر ماہ گل منہ پھلائی تھی۔

”آپ نہ ذرا خیال رکھنا ڈیزروہی نہیں کرتے۔“وہ خفگی سے رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔

اور ادھر اس کے دل نے ایک بے ترتیب سی دھڑکن لی۔

خیال؟

وہ اس کا خیال کر رہی تھی؟

ماہ گل...حدیر رحمانی کا؟

یہ خیال عجیب حد تک خوب صورت تھا۔۔

اتنا نرم کہ دل کے کسی کونے میں ٹھہر گیا، اتنا سچا کہ لمحہ بھر کو سانس بھول گیا۔

وہ سامنے دیکھتا رہا، مگر لبوں کے کنارے ایک ہلکی سی مسکراہٹ اُتر آئی خاموش، بے آواز، مگر دل نشیں۔

سنبل کے درخت شیشے کے اُس پار جھک آئے، ہوا نے سرگوشی کی "دیکھو نا... قسمت کی کیسی ستم ظریفی ہے"۔

ماہ گل اس لمحے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ بادل، سڑکیں، گزرتے لمحے... سب کچھ دیکھ رہی تھی سوائے اس مسکراہٹ کے جو صرف اس کے نام کی تھی۔

وہ مسکراہٹ جس کی وجہ بھی وہی تھی۔

ہائے قسمت... وہ اسے مسکراتا دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ مسکرایا بھی تھا۔ دل سے۔ خاموشی سے۔ مگر وہ لمحہ... اس کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔

سنبل اور نیم کی شاخیں ہوا کے لمس سے ہولے ہولے ہل رہی تھیں۔ پتے آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے۔ کہیں محبت نے آنکھ کھولی ہے، کہیں احساس نے پہلا قدم رکھا ہے۔

اسی لمحے، اس کے دل کے اندر کہیں ایک مدھم سی آواز ابھری۔ دل اپنی ہی نوائے دل سن رہا تھا، بے لفظ، بے صدا، مگر پوری شدت کے ساتھ۔ اور وہ مدھم گونج... ابھی تک صرف اس کے اندر کی خلوت میں رہ گئی تھی، دوسرے دل کی کانوں تک پہنچنا ابھی باقی تھا۔

مہناز پھوپھو کے گھر کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ایک نرم خوشبو نے ان کا استقبال کیا، گویا گھر کے ہر گوشے میں محبت کے پھول کھلے تھے۔ مہناز پھوپھو، ان کی بیٹی رباب، خیر مقدم مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیں۔ ماہ اس وقت سے اب تک خاموشی رہی تھی۔ اور اس خاموشی کو حدیر کے دل نے بہت زیادہ محسوس کیا۔

"رشنا آپی کو بھی ساتھ لے آتی بھابھی"۔ رباب ماہ گل سے گویا ہوئی۔ رشنا اور رباب دو ہی بہنیں تھیں۔

"ہمیں خود حدیر نے تین بجے چلنے کا کہا تھا، اور اس وقت بھابھی روحان کو سلا کر خود بھی سو جاتی ہیں"۔ گھڑی چار بجا رہی تھی، اور آدھے گھنٹے کا فاصلہ طے کر کے وہ یہاں پہنچے تھے۔

"اس لڑکے کے کام ہی نرالے ہوتے ہیں۔" مہناز پھوپھو نے حدیر کے سر پر ہلکی چپت لگاتے کہا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''آپ کو میرے بالوں سے کیا دشمنی ہے؟ آج آپ بتا ہی دیں۔'' حدیر نے مصنوعی خفگی کے ساتھ پوچھا۔

ماہ گل نے دیکھا کہ مہناز پھوپھو کے سامنے حدیر کا رویہ کتنی نرمی، محبت اور راحت سے بھرا ہوا ہوتا تھا، جو کسی اور کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ واقعی ان کے سامنے ایک الگ ہی روپ میں باہر آتا تھا۔

''آجائیں بھابھی، میں آپ کو اپنا روم دکھاتی ہوں۔'' رباب نے خوش دلی سے کہا، اور ماہ گل بھی ہلکی ہچکچاہٹ کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے رباب کے پیچھے چل پڑی۔

''میرا بچہ، تم اپنے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو؟'' پھوپھو نے ان کے جاتے ہی، نرم مگر پر اثر لہجے میں پوچھا۔

''پھوپھو، مجھ سے نہیں رہا جاتا اس بوجھ کے ساتھ۔۔۔'' وہ آنکھیں بند کرتا ہوا بولا۔

''تم خود کو تھکا رہے ہو، میری جان۔۔۔ یوں اذیت نہ دو خود کو۔ مزمل بتا رہا تھا کہ تم نے کاموں میں خود کو کس حد تک مصروف کر لیا ہے۔'' پھوپھو کی نگاہیں اس کے لیے پریشانی اور محبت کا امتزاج لیے روشن تھیں۔

Clubb of Quality Content

"آپ جانتی ہیں، گھر میں رہنے سے مجھے مزید تکلیف ہوتی ہے۔۔۔" اس کا چہرہ بے تاثر سا تھا، مگر دل کی کیفیت واضح تھی۔

"تمہیں کچھ معلوم ہوا؟" پھوپھو نے ہلکی جھجک کے ساتھ سوال کیا۔

"میں ہر جگہ تلاش کر رہا ہوں، لیکن کوئی سراغ نہیں مل رہا، پھوپھو۔ جہاں لگتا ہے کہ امید باقی ہے، وہاں پھر کچھ نہیں ملتا۔ ہر بار میں زیرو میں آ کر کھڑا ہو جاتا ہوں۔۔۔" اس کی آواز میں درد اور بوجھ کی شدت سمٹ آئی۔

"رشنا کیسی ہے؟" پھوپھو کی آواز مدھم اور نرم ہو گئی۔

"وہ ہنستی ہے، مسکراتی ہے، لیکن پھوپھو، وہ اندر سے تکلیف میں ہے۔ اور سب سے برا یہ کہ وہ خود نہیں سمجھ پاتی کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا جا رہا ہے۔ میں کتنا بے بس ہوں، انہیں روک نہیں پا رہا۔۔۔ کیوں، پھوپھو؟ سب کچھ جان کر بھی میرے ہاتھ بندھے ہیں؟" وہ تکلیف کے انتہا پر تھا۔

"جب تک ان کا سراغ نہ مل جائے، تمہارا خاموش رہنا بہتر ہے۔۔۔ تمہارے بولنے سے بہت تباہی آئے گی۔ رحمانی ہاؤس بکھر جائے گا، اور رشنا کی زندگی بھی مشکل میں آ جائے گی۔"

پھوپھو نے حقیقت کے تلخ پہلو سے اسے آگاہ کیا۔ "یہ انتقام بہت بری چیز ہے۔۔۔ گھروں کے

گھر اجاڑ دیتا ہے، بہار کے درختوں کو خزاں کی قید میں ڈال دیتا ہے۔" وہ برسوں کی تکان لیے بولیں۔ "تم ان کے خلاف جس دن بولو گے، وہاں کے تمام لوگ تم پر چڑھ دوڑیں گے، وہ بھی جو تم پر جان لٹاتے ہیں۔"

"چاہیں پوری دنیا میرے خلاف ہو جائے، پھوپھو، مجھے پرواہ نہیں، لیکن میں رشنا کو اپنی وجہ سے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا"۔

"تو پھر، تمہیں میرا بچہ اپنے آپ کو مضبوط کرنا ہو گا، تاکہ دنیا جب تمہارے خلاف ہو جائے تو تم ان کے لیے چٹان ثابت ہو جاؤ، جو تمہیں گرا نہ سکے۔" پھوپھو نے اس کے ضبط اور سرخ پڑتی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"نفرت کرنا اچھی شے نہیں۔۔۔ لیکن کچھ لوگوں سے نفرت خود بخود ہوتی ہے۔ ان کے عمل کی وجہ سے غصہ اور ناپسندیدگی ہمارے اندر جگہ بنا لیتی ہے۔ لیکن تم اس نفرت کو صرف انہی تک محدود رکھو۔ اس کی آگ کو بے قصور لوگوں تک نہیں پھیلنے دینا۔ یاد رکھو، ماہ گل، ان میں سے کسی ایک کا بھی اپنا انتخاب نہیں ہے۔ یہ ایک احسان تھا، جسے اتارنے کے لیے یہ فیصلہ لیا گیا۔ ورنہ تم تو جانتے ہو، ان کی انا کم پر نہیں آتی۔۔۔ ماہ گل بہت نرم دل کی ہے، نرم موسم

کی۔۔۔اس کے ساتھ سختی مت کرنا، میرے بچے''۔ پھوپھو نے اس کے ہاتھ کو تھپتھپاتے ہوئے نرمی سے سمجھایا۔

''میں ابھی اپنی زندگی میں ایسی کوئی تبدیلی نہیں چاہتا تھا، پھوپھو۔'' وہ بے بس سا ہوا۔

''پھوپھو کی جان، زندگی اسی کا نام ہے۔۔۔وہ ہوتا ہے جو ہم سوچ نہیں ہوتے، غیر متوقع۔۔۔اور ہمیں ان تبدیلیوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔کچھ تبدیلیاں زندگی کے لیے خوبصورت ثابت ہوتی ہیں۔'' پھوپھو نرمی سے کہتی گئیں اور وہ بس خاموشی سے اسے سنتا رہا، دل کے اندر ہر لفظ کو جذب کرتے ہوئے۔

حدیر اس وقت اپنے آفس میں راکنگ چیئر پر نیم دراز بیٹھا تھا۔سامنے بڑی شیشے کی کھڑکی سے شہر کی مصروف دوپہر جھانک رہی تھی، مگر اس کے ذہن میں ایک عجیب سا انتشار تھا۔

مزمل سامنے والی کرسی پر بیٹھا فائلوں کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

''مزمل، مجھے سمجھ نہیں آرہا...اکاؤنٹس میں یہ انٹریز آگے پیچھے کیسے ہو رہی ہیں؟''۔ حدیر نے پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

مزمل نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''کسی پر شک ہے؟''۔

"نہیں یار... سب پرانے، قابلِ اعتماد ملازم ہیں۔ کوئی ایسا کیوں کرے گا؟"۔ وہ بے چینی سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا گیا۔

"یہ باہر کے بندے کا کام نہیں لگتا"۔ مزمل داڑھی سہلاتے ہوئے بولا۔ "یقیناً کمپنی کے اندر سے ہی کوئی ہے... مگر سوال یہ ہے کہ کون؟"۔

"یہ بات فی الحال کسی کو معلوم نہیں ہونی چاہیے۔ تم اکاؤنٹس ڈپارٹمنٹ کے ہر فرد کی مکمل رپورٹ نکلواؤ، اور چند دن ان کی ایکٹیویٹی مانیٹر کرواؤ۔ کون کس سے مل رہا ہے، کہاں جا رہا ہے سب کچھ"۔ خود کو پُرسکون اس نے آگے کا لائحہ عمل تیار کیا۔

"ویسے... آج کل شایان ظہیر رحمانی آفس کے چکر کچھ زیادہ نہیں لگا رہے ہے؟"۔ مزمل نے اثبات میں سر ہلایا، پھر کچھ سوچ کر بولا

"ہو سکتا ہے اب اسے بھی بزنس میں دلچسپی آگئی ہو"۔ حدیر لیپ ٹاپ پر پورٹل کھولتے ہوئے بولا۔

"اس جیسے لاپرواہ انسان کو چچا نے کتنی بار سمجھایا کہ بزنس سنبھال لو، مگر اس نے کبھی کان نہیں دھرے۔ اور اب اچانک اتنی دلچسپی؟"۔ مزمل کے لہجے میں ہلکی سی بے یقینی گھل گئی۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"۔ حدیر نے چونک کر اسے دیکھا۔

"بس یہ کہہ رہا ہوں...اس جیسے شخص کی دلچسپی بغیر کسی مقصد کے نہیں ہو سکتی"۔

"وہ ہمارا کزن ہے، مزمل"۔ حدیر نے گہری سانس لی۔

"اور تمہیں یاد ہے نا، پھوپھو ہمیشہ کیا کہتی ہیں؟ جس دن تم نے سچ بولا، اس دن سب تمہارے خلاف ہوں گے۔ تب کیا وہ تمہارا کزن نہیں ہو گا؟"۔ مزمل نے تلخی سے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر کزن تو تم بھی ہو... مطلب تم بھی میرے خلاف ہو جاؤ گے؟" حدیر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"حدیر کے بچے"۔ مزمل نے میز پر رکھا پیپر ویٹ اٹھایا۔ "یہ تمہارے سر پر دے ماروں گا۔ مجھے ان لوگوں میں شامل مت کرنا۔ میں ٹیم حدیر سے ہوں"۔

"جانتا ہوں"۔ حدیر ہنس پڑا۔

"دنیا خلاف ہو جائے تو ہو جائے"۔ مزمل جذباتی ہو کر بولا۔ "مزمل رحمانی ہمیشہ تمہارے ساتھ کھڑا رہے گا"۔

"اور اگر مدثر رحمانی نے میرے ساتھ کھڑا ہونے سے منع کر دیا تو؟"۔ حدیر نے دھیمے مگر گہرے لہجے میں پوچھا۔

نولز کلب
Clubb of Quality Content

"بابا کی ہر بات سر آنکھوں پر..."۔مزمل نے توقف کے بعد کہا۔"تب تک، جب تک وہ حق پر ہوں"۔

ابھی جملہ مکمل ہی ہوا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"کم اِن"۔حدیر کی بھاری آواز گونجی۔

دروازہ کھلا اور مائرہ رضا اندر داخل ہوئی۔سیاہ ٹاپ، جینز، اور گلے میں لپٹا سیاہ اسکارف وہ ہمیشہ کی طرح پراعتماد اور خوبصورت لگ رہی تھی۔

"لو، آگئی تمہاری دوست۔اب میں چلتا ہوں"۔مزمل نے مسکرا کر اسے دیکھا وہ فقط گھور کر رہ گیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"کہو، مائرہ"۔مزمل کے جاتے ہی حدیر نے رخ اس کی طرف کیا۔

"تم تو بالکل ہی بھول گئے ہو۔کتنے دن ہو گئے، ہم نے فرینڈ ٹائم اسپینڈ نہیں کیا"۔وہ نزاکت سے شکوہ کرنے لگی۔

"مائرہ، آج نہیں۔۔۔"

وہ فوراً بات کاٹ گئی۔"اب یہ مت کہنا کہ تم مصروف ہو۔میں تمہارا پورا شیڈول دیکھ کر آئی ہوں۔چلو کہیں چلتے ہیں"۔

"ہاں، تاکہ تم مجھے پھر کسی پھولوں کی دکان پر لے جاؤ"۔ حدیر نے ہلکا سا طنز کیا۔

"حد ہو گئی، حدیر"۔ وہ خفگی سے بولی۔ "وہ پھولوں کی دکان نہیں تھی، فلاور فیسٹیول تھا۔ بہار کے موسم میں کون نہیں جاتا؟ اور بہار ختم ہوئے تو مہینے ہو گئے نہیں نظر آئیں گے تمہیں پھول"۔

"جو بھی..."۔ حدیر بیزار سا کندھے آچکا گیا۔

"تمہاری پھولوں سے کیا دشمنی ہے؟"۔

"تمہیں چلنا ہے یا نہیں؟"۔ اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ہاں ہاں، چلو بابا، اس سے پہلے مسٹر بورنگ کا موڈ بدل جائے"۔ وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے"۔ حدیر نے کوٹ اسٹینڈ سے سرمئی کوٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "لیپ ٹاپ بھی لے لو اپنا، نیکسٹ پروجیکٹ ڈسکس کر لیں گے"۔

"تم ہر جگہ کام کیوں لے آتے ہو؟"۔ وہ پیر پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔ ناچار، اسے لیپ ٹاپ ساتھ لینا پڑا۔

مائرہ رضا حدیر رحمانی کے ساتھ وقت گزارنے کے لیے کام پر بھی راضی تھی۔ کم از کم وہ اس کے ساتھ تو ہوتا۔

ماہ گل اپنے کمرے کی طرف جا ہی رہی تھی کہ رشنا کے آدھ کھلے دروازے سے ایک دبی دبی، مگر سرد اور کسی قدر سخت آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

وہ چونک گئی۔ قدم خود بخود ٹھٹھک گئے۔ احتیاط سے وہ چند قدم قریب آ گئی۔

"ماما... آپ مجھ سے یہ سب کیوں کرواتی ہیں؟"۔ رشنا کی آواز میں بے بسی رچی ہوئی تھی۔

"میں تمہیں ہزار بار کہہ چکی ہوں، آگے سے سوال مت کیا کرو۔ جو کہا ہے وہ کرو"۔ ان کے لہجے میں غرور اور دھمکی کا عجیب امتزاج تھا۔ "ورنہ جانتی ہو نا... ہریرہ سے بس ایک بار کہوں گی۔ جو تمہارا ہر قدم پر خیال رکھتا ہے، وہ سب نکل جائے گا"۔

"لیکن مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا، ماما..."۔ رشنا کی آواز بھرا گئی۔ "اس طرح آپ مجھے تکلیف دے رہی ہیں۔ جو کام میں کرنا ہی نہیں چاہتی، آپ مجھ سے زبردستی کیوں کرواتی ہیں؟"۔

ماہ گل ساکت کھڑی سب سن رہی تھی۔

"تم چاہتی ہو یا نہیں، تم کرو گی"۔ وہ سفاکی سے بولیں۔ "ورنہ انکار کی صورت میں جانتی ہو، تمہاری شادی شدہ زندگی متاثر ہو سکتی ہے۔ تمہارے پاس خیال رکھنے والا، محبت دینے والا شوہر ہے، شکر کرو۔ ورنہ یہ سب میں ایک لمحے میں بدل سکتی ہوں"۔

''ہریرہ اگر آپ کے بیٹے ہیں تو... میرے شوہر بھی ہیں''۔رشنا نے دبی دبی آواز میں احتجاج کیا۔''وہ آپ کی ہر غلط بات پر یقین کیوں کریں گے؟''

''ایسا ہے؟''۔وہ بے رحم مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

''تو پھر آزمالو۔میری بات نہ مان کر دیکھ لو۔پھر خود دیکھ لینا ہریرہ میرا بیٹا زیادہ ہے، یا تمہارا شوہر''۔چیلنجنگ نگاہوں کے سامنے رشنا پل بھر میں مدھم پڑ گئی۔

وہ جانتی تھی...ہریرہ کی جان اس کی ماں میں بستی تھی۔وہ اندھا یقین کرتا تھا، سوال کیے بغیر۔

''آپ ظلم کر رہی ہیں...''رشنا کی آواز زخمی تھی، ٹوٹی ہوئی۔

''ظلم کیا ہوتا ہے، یہ ظلم سہنے والے سے بہتر کون جانتا ہوگا؟''۔وہ گہرے، ٹھنڈے لہجے میں کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔

ماہ گل تیزی سے دیوار کے ساتھ سمٹ گئی۔دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

ہر ہنستے چہرے کے پیچھے ایک کہانی چھپی ہوتی ہے...رشنا کا وہ ہمیشہ مسکراتا، شوخ چہرہ یاد آتے ہی ماہ گل کا دل بوجھل ہو گیا۔

''یہ عورت اتنی پراسرار کیوں ہے؟''۔وہ اپنے کمرے میں آکر شش و پنج میں مبتلا ہو گئی۔

”آخر کون سی ایسی بات ہے جو رشنا بھابھی کو اس حد تک مجبور کر رہی ہے؟“۔ کمرے میں خاموشی تھی، مگر ماہ گل کے دل میں سوال شور مچا رہے تھے۔

تب ہی اس کا موبائل فون ہلکی سی لرزش کے ساتھ گنگنا اٹھا۔

اسکرین پر جگمگاتا لفظ۔۔اماں۔۔اس کے چہرے پر بے اختیار ایک نرم سی مسکراہٹ بکھیر گیا۔اس ایک لفظ میں ساری تھکن، ساری الجھن، سارا بوجھ تحلیل ہو گیا۔

”السلام علیکم، اماں... کیسی ہیں آپ؟ طبیعت اب کیسی ہے؟ ڈاکٹر نے کیا کہا؟ اور ابا... وہ ٹھیک ہیں نا؟“

وہ کال سنتے ہی سوالوں کی جھڑی لگا بیٹھی۔

دوسری جانب، لندن کے ایک ہسپتال کے سفید اور خاموش کمرے میں ہلکی سی ہنسی بکھر گئی۔

”میرا بچہ... اتنے سارے سوال ایک ساتھ؟“۔ ان کی آواز محبت اور اپنائیت سے لبریز تھی۔

”آپ جانتی ہیں نا، ہم ایک ایک لمحہ آپ دونوں کو یاد کر کے بے چین رہتے ہیں، اماں...“

اس کی آواز میں نمی گھل گئی۔

''میرا بچہ وہاں بے چین ہے، تو سکون سے یہاں ہم دونوں بھی نہیں ہیں''۔ڈِرپ لگے ہاتھ کو ہلکی سی جنبش دیتی وہ لمحہ بھر کو اداس ہوئیں۔

''کب آئیں گے آپ دونوں؟''۔وہ کھڑکی کے پاس آکر باہر پھیلے منظر کو دیکھتے ہوئے بولی۔باہر شام اتر رہی تھی، آسمان پر ہلکے سنہری رنگ بکھیرتے ہوئے۔

''دعا کرو اپنی اماں کے لیے... سرجری کامیاب ہوگئی ہے۔اب جلد ہی تندرست ہو کر تمہارے پاس ہوں گے''۔

''ان شاءاللہ، اماں... ہم بہت دعائیں کرتے ہیں آپ دونوں کے لیے''۔

''اور میرا بچہ... سسرال میں سب ٹھیک ہے؟''ان کے لہجے میں ماں کی ازلی فکر در آئی۔ماہ گل ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ آہ بھر گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

''شادی کے بعد تو لگتا ہے آپ نے ہمیں بھلا ہی دیا ہے...اور رہی بات سسرال کی، تو اماں سسرال کب مکمل آسودہ ہوا ہے؟ یہاں سب کچھ اچھا بھی ہے...اور کچھ بہت عجیب بھی''۔

''اور حدیر؟ وہ کیسا ہے؟''۔آواز میں بے تابی تھی۔

''بدتمیز ہے!''وہ ناک چڑھا گئی۔

''ماہ گل!''ماں کی آواز میں حیرت گھل گئی۔''وہ تمہارا شوہر ہے بچے، کیا تم اس کے سامنے بھی یونہی بولتی رہتی ہو؟''۔

''اماں، وہ جیسا بولتا ہے، ویسا ہی جواب دیتی ہوں''۔وہ بالوں کی ایک لٹ انگلی میں لپیٹنے لگی۔

''بری بات ہے، بچے...وہ تمہارا شوہر ہے۔''انہوں نے نرمی سے ٹوکا۔

''تو اماں، اسے کون سمجھائے گا بری بات ہے حدیر، بیوی ہے وہ تمہاری''۔۔وہ عین ماں کے لب و لہجے میں بولی۔

دوسری طرف اماں کی ہنسی گونج اٹھی۔

''میں جانتی ہوں، تم جتنی شرارتی ہو، حساب بھی خود ہی بے باکی سے لے لیتی ہو گی''۔۔وہ لب دبا کر مسکراہٹ روکنے لگی۔

''اماں، حساب برابر کر لینا چاہیے...ورنہ دل بے سکون رہتا ہے''۔

اس کی نظریں بے اختیار کھڑکی سے نیچے جا ٹھہریں۔

پورچ میں اس کی گاڑی آ کر رکی تھی۔ سرمئی کوٹ بازو میں ڈالے، بکھرے بالوں کے ساتھ وہ کچھ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔یوں لگتا کندھوں پر وقت نے بہت سا بوجھ رکھ دیا تھا۔

Clubb of Quality Content

"اماں..."اس کی آواز ذرا دھیمی پڑ گئی۔"وہ کچھ الجھا ہوا سا لگتا ہے۔ جیسے کسی مسئلے میں پھنسا ہو۔ کچھ تو ہے..."ماہ گل کے چہرے پر سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

ہسپتال کے بستر پر لیٹی ماں کے چہرے پر ہلکی سی تکلیف ابھری۔

"تو بچے، اس کے دل کی سننے کی کوشش کرو۔ دل کی آواز سنی جائے تو لفظ خود راستہ بنا لیتے ہیں"۔

"اماں، زبان کی بات سمجھ آجائے تو بہت ہے...دل کی سننا تو بس کتابوں کی بات لگتی ہے اور کتابوں میں ہی اچھی لگتی ہے"۔ماہ گل نے بے دلی سے مسکراہٹ دی۔

"نہیں، میرا بچہ..."انہوں نے نرمی سے کہا۔"کچھ رشتوں میں لفظ نہیں، نوائے دل بولتی ہے۔ اور جو اس نوا کو سن لے، وہ بہت سی الجھنوں سے بچ جاتا ہے"۔

ماہ گل لمحہ بھر کو خاموش ہو گئی۔

"اچھا اماں، اب میں کال رکھتی ہوں۔ اپنا خیال رکھیے گا"۔

فون بند ہوا، مگر دل کے اندر ایک ہلکی سی صدا باقی رہ گئی جیسے واقعی کہیں دور، کسی خاموش کونے میں، نوائے دل آہستہ آہستہ بجنے لگی ہو۔

”بھابھی یار... آج تو یوں بھی ہفتہ ہے۔ڈنر کے بعد مووی دیکھیں گے نا... پلیز، آپ اپنے شوہر کو راضی کر لیجیے گا“۔ڈنر میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔سب لڑکیاں مناہل کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔کسی کے ہاتھ میں موبائل تھا، کوئی تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور ماہ گل آئینے کے سامنے کھڑی بالوں کو جوڑا بناتے ہوئے انہیں سنتی رہی۔

”تو حدیر کو راضی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟“۔وہ بے نیازی سے بولی۔”ہم سب دیکھیں گے، وہ نہ دیکھیں... ہمیں کیا؟“۔

”ارے بھابھی!“ فضا نے فوراً کانوں کو ہاتھ لگائے۔”حدیر بھائی کو ہمارے ساتھ دیکھنے کے لیے نہیں بلکہ ہمارے دیکھنے کے لیے ان سے اجازت چاہیے۔ان کے ساتھ تو ہم کبھی نہ دیکھیں“۔

”دیکھنا ہمیں ہے تو اجازت ان سے کیوں؟“۔ماہ گل نے چونک کر آئینے میں ان سب کے عکس کو دیکھا۔

”وہ رات گئے یوں مووی نہیں دیکھنے دیتے“۔میرب نے بیچارگی سے بتایا۔آنکھوں میں ہلکی سی مایوسی تیرنے لگی۔

Clubb of Quality Content!

”اداس کیوں ہوتی ہو چندا؟“ ماہ گل اس کی ٹھوڑی تھام کر ہنس دی۔ ”ہم آج پوری تیاری کے ساتھ مووی دیکھیں گے۔ اور دیکھنا ہم سب نے ہے تو کسی کی اجازت کی ضرورت بھی نہیں“۔۔

”لیکن بھابھی...“ مناہل ابھی تک تذبذب میں تھی۔

”دیکھو منا“۔ ماہ گل نے شرارتی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”ہمارے ہوتے ہوئے فکر کی کوئی بات نہیں۔ بس انجوائے کرو“۔۔

”یہ بات تو ہے بھابھی!“ مناہل نے خوش ہو کر اس کے کندھوں کے گرد بازو لپیٹ لیے۔

”یہ اتنا پیار کیوں دکھایا جا رہا ہے؟“۔ رشنا ہنستی ہوئی روحان کو گود میں اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

”بھابھی، آج ہم سب مووی دیکھیں گے۔ آپ بھی روحان کو سلا کر آجایئے گا“۔ فضا چہکتی ہوئی بولی۔

”حدیر کوئی بزنس ٹرپ پر باہر نہیں گیا جو تم لوگ یہ پلان بنا رہے ہو“۔ رشنا ان کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی، آواز میں ہلکی سی تنبیہ تھی۔

"ماہا بھابھی نے کہا ہے، وہ سب سنبھال لیں گی۔ ہے نا بھابھی؟"۔ مناہل نے مزید لاڈ سے پوچھا۔

"بالکل۔"ماہ گل نے مسکراتے ہوئے تائید کی۔

"ماہ گل... تم شیر کے کچھاڑ میں ہاتھ ڈال رہی ہو"۔ رشنا نے اسے محتاط کرنا چاہا۔

"بھابھی، ابّا کہتے ہیں ماہا کسی سے نہیں ڈرتی"۔ وہ ہنستی ہوئی بولی۔"اس لیے بے فکر ہو جائیں۔ اگر وہ شیر ہیں، تو میں بھی پھر شیرنی سہی"۔۔

"یہ ہوئی نا بات، بھابھی"۔ اور اگلے ہی لمحے کمرے میں قہقہوں کی بے ساختہ گونج پھیل گئی۔ اب سب جوش و خروش سے پزا، کولڈ ڈرنکس اور اسنیکس آرڈر کرنے کے منصوبے بنانے لگے تھے۔ کمرے کی فضا ہنسی، لڑکپن کی شوخی سے بھر گئی تھی گویا یہ رات ان کی یادوں میں محفوظ ہونے والی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد جیسے ہی دادا جان، اماں سائیں اور باقی سب نیند کی آغوش میں گئے، لاونج میں مدھم سی روشنی بکھر گئی۔ پیلی سی نرم روشنی دیواروں پر پھیل گئی۔ میز پر پزا، چپس اور کولڈ ڈرنکس تیزی سے سجے، اور مناہل، فضا اور میرب خوشی خوشی ہر چیز اپنی جگہ رکھنے لگیں۔

"چلو مزمل بھائی، شایان بھائی، ہادی اور ریان کو بھی بلا لاتے ہیں"۔ماہ گل سب کچھ سیٹ ہوتے ہی جوش سے بولی۔

"نہیں بھابھی، حدیر بھائی کو معلوم ہو گیا تو۔۔۔"مناہل کی آواز میں ہلکی سی گھبراہٹ اتر آئی۔

"ہم نے تو سنا تھا مناہل حدیر رحمانی کی لاڈلی ہے، پھر بھی اتنا ڈر؟"۔ماہ گل نے شرارت سے اسے چھیڑا۔

"بھابھی، لاڈ تو بے شک کرتے ہیں... مگر اصولوں کے خلاف بات پر ناراض بھی ہو جاتے ہیں"۔وہ بیچارگی سے مسکرائی۔

"کچھ نہیں ہوتا، آؤ ہم بلا لاتے ہیں۔وہ سب بھی انجوائے کر لیں گے۔آؤ میرب"۔ماہ گل میرب کو ساتھ لیے چل دی۔

ابھی وہ گئی ہی تھیں کہ رشنا لاونج میں داخل ہوئی۔مناہل اور فضا کو کشن پر بیٹھے دیکھ کر چونک سی گئی۔

"یہ تمہاری بھابھی کہاں ہیں؟"۔۔

"مزمل بھائی اور باقیوں کو بلانے گئی ہیں"۔۔فضا نے انہیں بتایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یااللہ، یہ لڑکی بھی کمال کرتی ہے"۔ رشنا ہنستے ہوئے ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"ہریرہ بھائی نے کچھ نہیں کہا؟"۔ مناہل نے دھیرے سے پوچھا۔

"نہیں، وہ کچھ کیوں کہیں گے۔ بس اتنا کہا ہے کہ جب حدیر کا طوفان آئے تو مجھے بلا لینا، میں بھی دیکھ لوں گا"۔

رشنا کی مسکراہٹ میں شرارت گھل گئی۔

اسی لمحے ماہ گل مزمل، ہادی اور ریان کو ساتھ لیے اندر داخل ہوئی۔ شایان کام میں مصروف ہونے کے باعث آ نہ سکا تھا۔

"واہ بھابھی! آپ نے تو پورا ماحول بنا رکھا ہے"۔ ہادی شوخی سے بولا تو ماہ گل ہنس دی۔

"بھابھی دیکھ لیں آپ۔۔ حدیر کا غصہ آپ نے دیکھا نہیں ہے"۔ مزمل نے نرمی سے اسے خبردار کرنا چاہا۔ سب کچھ اچھا لگ رہا تھا، بس وہ نہیں چاہتا تھا کہ حدیر کے غصے سے ماہ گل کا خوشگوار موڈ خراب ہو جائے۔

"مزمل بھائی، بے فکر رہیں۔ آپ کے دوست کے غصے سے نہیں ڈرتی"۔ اس کے اعتماد بھرے جواب پر لاونج ایک بار پھر قہقہوں سے گونج اٹھا۔ مدھم روشنی میں ہنسی کے دیے جلنے لگے۔

اور پھر وہ سب کشنوں سے ٹیک لگائے، نیم دراز سے انداز میں مووی دیکھنے لگے۔ اسکرین کی روشنی کبھی چہروں پر پڑتی، کبھی سایوں میں بدل جاتی۔ پزا کے گرم سلائس ہاتھوں میں تھے، کبھی کوئی چپس کا پیک آگے بڑھاتا، کبھی کولڈ ڈرنک کی بوتل گردش کرتی۔ درمیان درمیان میں ہلکی ہنسی، کوئی شرارتی سا جملہ بھی شامل ہو جاتا۔ لاونج میں سکون اور اپنائیت گھلی ہوئی تھی۔

ماہ گل بظاہر مووی میں مگن تھیں، مگر حقیقت میں اس کی نظریں پورے لاونج میں گھوم رہی تھیں۔ کون کہاں بیٹھا ہے، کس کی نظریں کہاں اٹک رہی ہیں۔ کچھ بھی اس کی نگاہ سے اوجھل نہ تھا۔

"ہادی بچے۔۔" ! اچانک وہ ذرا سا جھکیں، کشن کے کنارے سے ہادی کی طرف سرکیں، اور اس کے کان کے قریب جا کر دھیمی سی آواز میں بولیں۔

"ج...جی بھابھی؟"۔۔ وہ اچانک مخاطب ہونے پر گھبرایا تھا۔

"ہم نے تو آپ کو مووی دیکھنے کے لیے بلایا تھا، مگر آپ تو اپنی ہی کوئی الگ مووی دیکھ رہے ہیں"۔ ماہ گل نے ہلکی سی مسکراہٹ دبائی، نظریں اس کے چہرے پر جما کر بولیں۔

"ایک ہی تو مووی لگی ہے، بھابھی..." وہ دھیرے سے بڑبڑایا، آواز میں مصنوعی معصومیت گھولتے ہوئے۔

"مووی تو ایک ہی لگی ہے، مگر آپ نے کسی اور منظر کو اپنی مووی بنالیا ہے"۔ماہ گل نے بھنویں ذرا سی اٹھائیں،اس کی آواز دھیمی مگر پُر مزاح تھی۔۔

"بھابھی، آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"۔ہادی نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔

وہ اب ذرا سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں، نظریں ایک لمحے کو سامنے بیٹھی نند کی سمت پھسلیں، پھر دوبارہ ہادی پر آٹھہریں۔

"یہی کہہ رہے ہیں بچے ہماری نند کو گھورنا بند کریں"۔وہ ہنسی دباتی،اس کی بے حال ہوتی دیکھ کر صاف صاف بولی۔۔ہادی کی حالت دیدنی تھی،کان سرخ ہوئے تھے۔

"نہیں بھابھی، میں نے تو کسی کو نہیں گھورا"۔وہ فوراً بولا۔

حالانکہ سچ یہ تھا کہ یہ چپکے چپکے دیکھنے کا سلسلہ پچھلے نو ماہ سے جاری تھا۔خاموش، محتاط،اور بے آواز۔کسی کو خبر نہ ہوئی تھی... مگر آج؟آج وہ پکڑا گیا۔۔

آہ...ماہ گل بھابھی،آہ!

"ہماری اکلوتی نند کو ہمارے سامنے بیٹھ کر گھور رہے ہیں،اور ہمیں کہہ رہے ہیں کہ ہم تو نہیں گھور رہے۔ہم اڑتی چڑیا کے پر گن لیتے ہیں۔۔پھر یہ تو آپ کی اعلان کرتی ہوئی آنکھیں ہیں"۔وہ دبی آواز میں،مزے لے لے کر کہے جارہی تھیں۔۔

”بھابھی، میری اعلان کرتی آنکھیں نہیں یہ تو آپ کی عقابی نگاہیں ہیں“۔ہادی نے ہار ماننے کے انداز میں سر کشن سے ٹکا دیا، لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔”حدیر بھائی کا تو خدا ہی حافظ ہے! میں وہی تو سوچ رہا تھا، یہ مووی آج لگ کیسے گئی؟“۔وہ شرارتی ہوا تھا۔

”ہماری نند کے لیے تم... برا انتخاب نہیں ہو“۔وہ اسے نیم وا، سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”برا انتخاب؟ نہ کریں بھابھی“۔وہ ذرا ناراضگی سے بولا۔”آپ کی نند کے لیے مجھ سے بہتر انتخاب ہو ہی نہیں سکتا“۔

ہادی کے یوں کہنے پر ماہ گل کا ضبط ٹوٹ گیا۔اور ماہ گل کی ہنسی اب لاؤنج میں بکھر گئی تھی۔اسکرین پر چلتی فلم جیسے ایک لمحے کو پس منظر میں چلی گئی۔سب جو مووی میں محو تھے، چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔

”سوری، سوری“! ماہ گل نے فوراً ہاتھ اٹھاتے ہوئے معذرت کی، مگر آنکھوں میں شرارت کی چمک اب بھی باقی تھی۔

”یہ رات کے بارہ بجے تم لوگوں نے کیا تماشہ لگا رکھا ہے؟“۔

یہ آواز ہنسی کے شور پر اچانک قدغن بن کر گری تھی۔

بشریٰ رحمانی، جو محض پانی پینے کے لیے اپنے کمرے سے نکلی تھیں، مہ گل کے قہقہے پر رک گئیں۔لاونج میں جمی محفل، مدھم روشنی، اسکرین پر چلتی فلم سب دیکھ کر ان کے چہرے پر ناگواری کی لہر دوڑ گئی۔

دادا سائیں کے بعد اگر گھر میں کسی کا رعب قائم تھا تو وہ بشریٰ رحمانی تھیں۔ سخت طبیعت، تیز نگاہیں، اور ایسا لہجہ کہ سامنے والا بے اختیار خاموش ہو جائے۔گھر کا کوئی بچہ ان کے آگے زبان کھولنے کی جرات نہیں کرتا تھا۔

فضا ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔ کشنوں پر نیم دراز جسم سیدھے ہو گئے، نظریں جھکنے لگیں۔

"بھابھی، حدیر بھائی سے بچانے کا تو آپ نے کہہ دیا تھا"...

ہادی نے گردن ذرا سی اس کی طرف جھکاتے ہوئے ماہ گل کو دیکھا، آنکھوں میں شرارت تیر رہی تھی۔"اب یہ جو غیر متوقع نیند سے جاگ کر یہاں آ پہنچی ہیں، ان سے کیسے بچائیں گی؟"۔۔

ماہ گل نے اس کی بات کو مکمل طور پر نظر انداز کیا۔خاموشی سے موبائل اٹھایا، انگلیاں اسکرین پر تیزی سے چلنے لگیں۔۔چہرہ بظاہر پُر سکون، مگر آنکھوں میں ایک واضح عجلت تھی۔

دوسری جانب، اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ پر جھکے حدیر رحمانی کا موبائل اچانک وائبریٹ ہوا۔

اس نے اسکرین پر نظر ڈالی۔ان نون نمبر۔۔

میسج کھولا تو الفاظ جیسے جگمگا اٹھے۔۔

"حدیر، پلیز لاؤنج میں فوراً آ جائیں۔اور ہم سے کوئی سوال مت کیجیے گا۔۔بس ہماری مدد کریں۔غصہ بالکل نہیں کرنا آپ نے"۔۔

وہ بس 'ہم' پڑھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ پیغام کس کی جانب سے ہے۔لیپ ٹاپ بند کیا، بیڈ سے اٹھا، سلیپر پہنے تیزی سے کمرے سے نکلا۔

ذہن میں ایک ہی سوال گونج رہا تھا۔۔وہ تو مناہل کو ٹاپک سمجھانے گئی تھی...پھر لاؤنج میں کیا کر رہی تھی؟

وہ تیز قدموں سے سیڑھیاں اترا، اور لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ٹھٹھک سا گیا۔منظر اس کی توقع سے کہیں مختلف تھا۔

"یقیناً یہ خرافاتی پلان تمہارا ہی ہو گا"۔ بشریٰ رحمانی کی نظریں اب سیدھا ماہ گل پر جمی تھیں۔ "کچھ عقل ہے تم میں؟ یوں رات گئے سب کو اکٹھا کر کے ہنسی مذاق؟ کوئی طور طریقہ ہے؟"۔ وہ ماہ گل پر برہم ہوئی تھیں۔

ماہ گل نے ہونٹوں کو دانتوں تلے دبایا۔ "آپ کو جیسے بہت طریقہ آتا ہے، یوں درمیان میں کسی کی مووی خراب کر دینا"۔ ماہ گل دل ہی دل میں بڑبڑا کر رہ گئی۔

اتنے لوگوں کے درمیان اسے جواب دینا تھوڑا مشکل لگا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں تھی کہ بشریٰ رحمانی یوں اچانک بیچ میں آن ٹپکیں گی۔

"ماہ گل کو میں نے اجازت دی تھی"۔ تبھی لاونج میں ایک بھاری، گھمبیر آواز گونجی۔ سب چونک کر مڑے۔

"اور ابھی بارہ ہی بجے ہیں"۔ حدیر رحمانی نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بچے اگر ہفتے کی رات کبھی ایسا پلان بنا لیں، تو آپ کو اس پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے"۔۔

فضا جیسے ساکت ہو گئی۔

بشریٰ رحمانی نے حیرت سے پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ ان سے شاذ و نادر ہی مخاطب ہوتا تھا۔ اور آج؟ آج وہ ان کے سامنے کھڑا ان سے مخاطب تھا۔

"تم نے... اجازت دی ہے؟"۔ ان کا لہجہ چبھتا ہوا تھا، انہیں یقین ہی نہ آ رہا تھا۔ وہ اس طرح کبھی لیٹ نائٹ مووی کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ اور آج حمایت کر رہا تھا؟۔۔

"آپ کمرے میں جائیں تو بہتر ہوگا۔ مزید یہ کہ مجھے شہاب رحمانی کو بتانا پڑے کہ ان کے عزیز دشمن صرف آپ کی غلطی کی وجہ سے وہ پراجیکٹ جیت گئے ہیں"۔ حدیر نے ان کے قریب آکر آواز دھیمی کی، مگر الفاظ وزنی تھے۔

یہ جملہ تیر بن کر لگا۔ تو وہ جان گیا تھا؟ غلطی بشریٰ رحمانی کی تھی۔ اور پھر بھی خاموش رہا؟

بشریٰ رحمانی کی آنکھوں میں ایک لمحے کو اضطراب ابھرا، پھر وہ خود کو سنبھالتے ہوئے تیز نگاہ سے بولیں۔

"تم بھی اپنی بیوی کو سنبھال کر رکھو"۔

اور بغیر پیچھے دیکھے وہاں سے چلی گئیں۔

خاموشی کے بعد سب کی نظریں ماہ گل پر جم گئیں۔

"یہ آپ نے حدیر بھائی سے اجازت کب لی تھی؟"۔ سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔

"ہم نے کوئی اجازت نہیں لی تھی..." ماہ گل نے بے نیازی سے کہا، مگر حدیر کی نگاہوں کی تپش وہ صاف محسوس کر رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کمرے میں وہ لاپرواہی سے کہتی ہوئی نکل آئی تھی کہ وہ مناہل کو کوئی ٹاپک سمجھانے جارہی ہے۔۔اور اسے یقین تھا جتنا بے پرواہ اس کی ذات سے حدیر رحمانی تھا وہ دوبارہ اس کے پیچھے دیکھنے بھی نہیں آئے گا۔۔حدیر کا معاملہ تو وہ اپنے انداز میں حل کر آئی تھی۔۔ لیکن وہ بھول گئی تھی جہاں ماہ گل ہو وہاں بشریٰ رحمانی کی آمد لازم تھی۔

"ماہ گل، دو منٹ یہاں آئیں، بات سنیں"۔اپنے اندر بہت سا غصہ انڈیلتے ہوئے، اس نے ضبط کے ساتھ اسے پکارا۔

ماہ گل آنکھیں میچتی، ایک لمحہ ٹھہرتی ہوئی اٹھی اور اس کے پاس آکھڑی ہوئی۔۔

"یہ سب کیا تھا؟"۔وہ اسے بازو سے تھام کر ذرا فاصلے پر لے آیا۔آواز دبی ہوئی تھی، مگر لہجے میں تناؤ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"پلیز دیکھیں، ہم نے کہا تھا آپ غصہ نہیں ہوں گے"۔وہ دنیا جہان کی معصومیت چہرے پر سجا کر بولی۔

"آپ کیوں رات کے بارہ بجے ان سب کو لے کر یہاں بیٹھی ہیں؟"۔وہ دانت بھینچ کر بولا۔"خود کو عقل ہے نہیں، اور ان سب کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔اور یہ مزمل۔۔اسے تو بعد میں دیکھوں گا"۔۔وہ بمشکل اپنے غصے پر قابو رکھ پا رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"آپ جیسے زندگی سے بیزار لوگوں کو کیا معلوم کہ سیٹرڈے مووی نائٹ بھی کیا چیز ہوتی ہے؟"۔وہ روانی میں کہہ گئی، مگر جب اس کی نظریں حدیر کے چہرے پر پڑیں آنکھوں میں دبا ہوا غصہ دیکھ کر فوراً لب دانتوں تلے دبا گئی۔

"دیکھیں، ہم سے مناہل نے بہت پیار سے ریکویسٹ کی تھی۔ہم کیسے اس کا مان کیسے توڑ دیتے؟"۔وہ آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے، حتی المقدور اسے منانے کی کوشش کرنے لگی۔"یقین مانیں، روز روز ایسا تھوڑی کرتے ہیں یہ لوگ۔بیشک پوچھ لیں، آج سب کو کتنا مزہ آیا ہے"۔۔

"تم نے وہ جھوٹ کیوں کہا؟"۔اب وہ اسے گھور رہا تھا، نگاہوں میں سختی در آئی تھی۔

"کون سا جھوٹ؟"۔اس نے گھبرا کر تھوک نگلا۔

"یہی کہ تم مناہل کو ٹاپک سمجھانے جا رہی ہو"۔وہ خشمگیں نگاہوں سے اسے مسلسل گھورے جا رہا تھا۔

"کیونکہ ہم جانتے تھے آپ ہمارے پیچھے آئیں گے نہیں اور نہ آپ آئیں گے، نہ آپ کو پتا چلے گا"۔وہ جھنجھلا کر بولی "لیکن ایک تو یہ بشریٰ رحمانی انہیں ہر اس جگہ لازمی انٹری دینی ہوتی ہے جہاں میں ہوتی ہوں"۔۔آخر میں اس نے منہ بنا لیا۔

حدیر نے اسے اپنی طرح "بشریٰ رحمانی" کہتے سنا تو ہونٹوں پر آتی مسکراہٹ بمشکل دبا سکا۔

"ویسے تو تم بڑی زبان چلا لیتی ہو؟ ابھی بولا نہیں گیا تم سے؟" وہ دونوں یوں ہی قریب کھڑے باتوں میں مشغول تھے، جبکہ لاونج میں باقی سب مووی چھوڑ کر انہی کو دیکھ رہے تھے۔ مسکراتے ہوئے، ایک دوسرے کے کان میں کچھ نہ کچھ کہتے ہوئے۔

"اکیلی ہوتی تو ضرور کہتی"۔ وہ صاف گوئی سے بولی۔ "ابھی اگر کچھ کہتی اور یہ سب مجھے غلط سمجھ لیتے تو مسئلہ ہو جانا تھا"۔ حدیر کو اس کا یوں ہر بات دل سے زبان تک لے آنا اچھا لگا۔ یہ نہ سوچنا کہ وہ اس کی ماما ہیں۔۔ بس سچ، بے لاگ، بے ساختہ۔

"تم دونوں کیا ساری باتیں وہیں کھڑے کھڑے کر لو گے؟"۔ رشنا بھابھی کی شرارتی آواز پر دونوں چونک گئے۔

حدیر نے فوراً قدم پیچھے ہٹائے۔

"یہ سب جلدی ختم کر لینا"۔ وہ ماہ گل سے کہتا ہوا مڑنے لگا۔

"پلیز، آ جائیں آپ بھی..." وہ بے اختیار اس کا بازو تھام کر رک گئی۔ "آدھے گھنٹے کی مووی رہتی ہے، مزہ آئے گا"۔

حدیر ایک لمحے کو ٹھہر گیا۔

"ہاتھ چھوڑو میرا"۔ وہ دبی ہوئی آواز میں بولا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ سٹپٹا کر فوراً ہاتھ چھوڑ گئی۔

"چھوڑ دیا... لیکن پلیز آ جائیں نا"۔ وہ پھر بھی اصرار کرنے لگی۔

"ماہ گل، مجھے مزید اپنے ان فضول کاموں میں شامل مت کرو"۔ وہ انتہائی ضبط کے ساتھ گویا ہوا۔

"آپ آ کر تو دیکھیں..." وہ دوبارہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگی۔ "کبھی خود کو انجوائے بھی کرنے دیا کریں"۔

"تم میرا ضبط، میری برداشت سے زیادہ آزما رہی ہو"۔

وہ تنبیہ آمیز لہجے میں بولا۔ "بعد میں کچھ کہوں گا تو پھر مت کہنا کہ آپ طنز کے تیر برسا رہے ہیں"۔۔ بالآخر وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا اسی کے برابر کشن پر بیٹھ گیا۔

اور اس کے بیٹھتے ہی دبا دبا سا شور اٹھا۔

"ماہ گل بھابھی زندہ باد"۔ ہادی اور ریان نے نعرہ لگایا، جبکہ مزمل معنی خیز نگاہوں سے حدیر کو دیکھ رہا تھا۔

"تم لوگوں نے مووی ختم کرنی ہے، یا میں یہ سب بند کر کے تم سب کو کمرے میں چلتا کروں؟"۔ وہ ان کی شرارت پر جھنجھلاتے ہوئے ڈپٹ گیا۔

حدیر رحمانی، ماہ گل رحمانی کے پہلو میں بیٹھا مووی دیکھ رہا تھا۔۔اور ماہ گل رحمانی کے لیے اصل منظر وہ خود تھا۔"مووی اس منظر سے زیادہ اچھی تو نہ تھی"۔دل نے سرگوشی کی تھی۔ ہادی ماہ گل کو دیکھ کر مسکرا دیا۔کچھ دیر پہلے وہ بھی تو اپنے پسندیدہ نظارے کو آنکھوں میں سمیٹے بیٹھا تھا۔

بیزار، بنجر اور خشک دل کے ویران گوشوں میں گل ریزی کے رنگ دھیرے دھیرے اُترنے لگے تھے۔ویرانی میں ہریالی کے ننھے ننھے بیج بُوئے جا رہے تھے، خشکی آہستہ آہستہ نرمی میں بدل رہی تھی،اور ہر خالی جگہ زندگی کی روشنی سے آہستہ آہستہ جھلملانے لگی تھی۔

"اماں سائیں، ہم آجائیں کیا؟"۔ماہ گل کمرے کی چوکھٹ پر کھڑی، ذرا سا جھانکتی ہوئی اجازت طلب کی۔اتوار کی نرم روشنی کمرے میں آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی،اور حدیر صبح سے کہیں غائب تھا۔

"آجاؤ بیٹی... آجاؤ، پوچھنے کی کیا ضرورت؟"۔بیڈ پر سیدھی ہوتی، مسکراتی ہوئی، ہاتھ پھیلائے اسے بلا رہی تھیں۔روشنی ان کے چہرے پر نرم اور پیاری جھلکیاں ڈال رہی تھی۔ماہ گل بھی مسکرا کر قریب آئی اور ان کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''۔ماہ گل نے ان کے پاس جگہ بناتی ہوئی بیٹھ گئی اور نرمی سے استفسار کیا۔

''جب سے تم آئی ہو اس گھر، تب سے کافی بہتر محسوس کر رہی ہوں''۔ان کی نگاہوں میں وہ محبت اور شفقت جھلک رہی تھی جو ہر پل دل کو چھو جائے۔

''اور دادا سائیں، وہ کہاں ہیں؟''۔اس کی آنکھیں کمرے میں ادھر ادھر دوڑیں، تجسس اور نرم فکر دونوں ایک ساتھ جھلک رہے تھے۔

''اتوار کو وہ اپنے دوستوں کے پاس جاتے ہیں''۔ان کے لبوں پر وہ مسکراہٹ تھی جو صبح کی روشنی میں پھولوں کی خوشبو کی طرح پھیل رہی تھی۔

''ماہ گل بچے...''۔۔۔اماں سائیں اب معنی خیزی سے مسکرائی۔

''ج۔۔جی۔۔ کہیں''۔وہ فوراً سے بولی۔

''وہ بات کہیں جس کے لیے یہاں آئی ہیں''۔۔ان کی مسکراتی آنکھیں ماہ گل پر جم گئیں۔

''ہم؟ نہیں تو...آپ کو کیسے معلوم؟''۔ماہ گل سٹپٹائی، خجالت اور حیرت کے ملا جُلا سا اثر چہرے پر واضح تھا۔

''آپ کے آئے ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوا، پھر بھی آپ کے ہر انداز کو پہچان گئے ہیں''۔

انہوں نے محبت سے ماہ گل کے گال کو چھوا۔

''وہ نہ ہمیں آپ سے اجازت چاہیے۔آج نہ ہم سب کا کرکٹ کھیلنے کا پروگرام ہے''۔۔ماہ گل نے جھجھکتے ہوئے اپنی بات بتائی۔

''تو کھیل لو، جاؤلان میں۔اس میں کون سی مشکل ؟''۔اماں سائیں ہنس دی۔

''آپ کو کوئی مسئلہ نہیں؟''۔ماہ گل نے خوشی سے پوچھا۔

''بالکل نہیں...بلکہ ایسا کرو، وہاں میرے بھی بیٹھنے کا انتظام کرو۔میں بھی اپنے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھوں گی۔اور جن لوگوں کی ڈانٹ سے بچنے کے لیے آپ نے اجازت لی ہے، ان کی ڈانٹ سے بھی بچا لیں گے''۔اماں سائیں نے شرارت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''اماں سائیں...''ماہ گل نے احتجاجاً کہا۔''آپ بہت تیز ہیں، آپ سب جان گئ''۔وہ خفگی سے ہونٹ دبائے انہیں دیکھ رہی تھی، اور اماں سائیں بے ساختہ کھل کر ہنس پڑیں، ان کی ہنسی اتنی نرم اور خوشگوار تھی کہ کمرے کا ہر گوشہ سکون اور محبت سے بھر گیا۔گھر کے بزرگ بھی نعمت سے کم نہیں ہوتے۔

"ہمارے کانوں تک آپ کے کل کا کارنامہ بھی پہنچ چکا ہے"۔اماں سائیں اب مسکراہٹ روکنے کی کوشش کررہی تھیں، لیکن ان کی آنکھوں میں چھپی خوشی صاف جھلک رہی تھی۔

"یااللہ"۔۔ماہ گل آنکھیں میچ گئیں۔"کیا کیا معلوم ہوا؟"۔اس نے نیم وا آنکھیں کھول کر اماں سائیں کی طرف دیکھا۔

"آپ کے مووی کے پروگرام کا،اور یہ بھی کہ آپ نے حدیر کو بھی شامل کرلیا تھا"۔اماں سائیں مسکراہٹ روکنے کی کوشش میں سرخ ہورہی تھیں،اوریوں مسکراہٹ روکتی بہت پیاری لگ رہی تھیں۔

"اللہ اللہ اماں سائیں! یہ خبریں آپ تک کس نے پہنچائی؟"۔

ماہ گل خفت کا شکار ہوئی۔

"میرے پوتے نے،اور کس نے؟"۔۔

"کیا؟ حدیر نے؟"۔ماہ گل نے حیرت سے پوچھا،دل میں بس یہ چاہا کہ وہ ابھی وہاں سے غائب ہوجائے۔۔

"نہیں،اس کے دوست نے"۔اوربلآخراماں سائیں کی ہنسی رک نہ سکی،کمرے میں مدھم، نرم ہنسی گونج رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"مزمل بھائی؟"۔ ماہ گل بے یقین ہوگئی، آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ "ہمیں ان سے یہ امید نہیں تھی"۔۔ وہ کچھ خفا ہوئی۔

"لیکن تمہاری اماں سائیں بہت خوش ہوئی۔ تم بس میرے حدیر کو خوش رکھو، اور کچھ نہیں چاہیے مجھے۔ میری آنکھوں کا نور، میرا بچہ بہت اکیلا ہے، ماہ گل، تم اسے کبھی اکیلا مت چھوڑنا"۔ اماں سائیں کی آواز اچانک غمگین ہوگئی، لیکن اس میں محبت کی گہری لہر بھی تھی۔

"اماں سائیں، ہمیں یہاں بہت سی چیزیں عجیب بھی لگیں۔ کیا کچھ ایسا ہے جو ہم نہیں جانتے؟"۔ ماہ گل ہچکچاتے ہوئے سوال کر رہی تھی، تجسس بھری آواز میں۔

"جان جاؤ گی، آہستہ آہستہ سب۔ چلو، کن باتوں پر لگا دیا، یہ جو تمہاری سب سہیلیاں ہیں، باہر بے حال ہو رہی ہوں گی۔ چلو اٹھو"۔ اماں سائیں بات سمیٹتے ہوئے کھڑی ہونے لگیں۔

ماہ گل بے ساختہ ان کے گرد بازو لپیٹ گئی، گرم اور نرم لگاؤ کے ساتھ۔

"آپ جانتی ہیں اماں سائیں، آپ یوں مسکراتی ہوئی اور ہمیں تنگ کرتی ہوئی، بہت کیوٹ لگ رہی تھیں"۔ اس نے کان میں سرگوشی کی، اور اماں سائیں خفت سے سرخ پڑیں۔

دروازہ کھلا، اور چوکھٹ پر کھڑا شخص حیرت سے دیکھتا رہ گیا۔

"چل ہٹ پگلی، دور ہو"۔ وہ اپنی خجالت چھپاتے اسے دور کرنے لگیں۔

ماہ گل تھوڑی سی پیچھے ہوتے ہوئے ان کے گالوں پر بوسہ دے گئی، اور اماں سائیں کے رخسار اور بھی گلابی ہو گئے۔

یہ منظر اتنا نرالا اور پیارا تھا کہ دروازے پر کھڑا شخص دیکھتا رہ گیا۔ انہیں واقعی عادت نہیں تھی کسی کے یوں بے تکلف لپٹ جانے کی۔ نہ کبھی کسی پوتے یا پوتی نے یوں والہانہ اظہار کیا تھا، لیکن وہ ماہ گل تھی، اس سے ہر چیز کی توقع رکھی جا سکتی تھی۔

"ماہ گل"۔۔ اماں سائیں نے ڈانٹنے کی ناکام کوشش کی، لیکن ان کی آواز میں نرمی اور محبت چھپی تھی۔

"ہاہاہا اماں سائیں! دیکھیں، آپ شرماتے ہوئے اور بھی کیوٹ لگ رہی ہیں"۔ ماہ گل کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی، اور کمرے میں خوشی کی نرم لہر پھیل گئی۔

"ارے حدیر، وہاں کیوں کھڑے ہو؟ اندر آؤ"۔ اماں سائیں کی نگاہ دروازے پر کھڑے حدیر کے حیران چہرے پر پڑی، اس کی نگاہیں ماہ گل کا حصار کیے ہوئی تھی، ہنستے ہوئے لب، آنکھوں کے کنارے بھیگے ہوئے، گال گلابی، سانس ذرا بے ترتیب۔ اماں سائیں کی آواز پر اس نے فوراً خود کو سمیٹا۔ نظریں ہٹائیں۔ چہرہ سنجیدہ کیا۔ اور آہستہ قدموں سے اندر آ گیا۔۔ ماہ گل کی کھکھلاہٹ بھی اسے دیکھتے ہی رکی تھی۔

"ہم چلتے ہیں پھر اماں سائیں"۔ماہ گل حدیر کو اماں سائیں کے ساتھ بیٹھتا دیکھ کر فوراً کمرے سے بھاگی تھی۔

"بہت نٹ کھٹ ہے تمہاری بیوی۔۔"اماں سائیں ہنسی سے چھلک پڑیں، جبکہ ان کی نگاہیں حدیر کے چہرے کو دیکھتے ہوئے محبت سے نرم ہو گئیں۔

"حیرت ہے، آپ نے کوئی غصہ نہیں کیا؟"حدیر نے بظاہر سنجیدگی اوڑھے رکھی، مگر اس کے ہونٹوں کے کنارے ہلکے سے کھلے تھے۔۔

"اس کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھی ہے؟ غصہ آئے ناممکن۔۔وہ تو اداس ماحول کو بھی خوشیوں کے رنگوں سے بھر دیتی ہے۔بہت پیاری بچی ہے۔کچھ لوگ غصے کے لیے بنے ہی نہیں ہوتے۔وہ جہاں ہوتے ہیں، وہاں زندگی خود بخود مسکرا دیتی ہے"۔اماں سائیں نے اپنی نگاہیں اس پر جمائیں، اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے کہا۔

"آپ کے بہت قریب نہیں ہو گئی وہ؟"اس نے مصنوعی خفگی کے ساتھ پوچھا۔

"بس دیکھ لو، جو کام تم سب نہیں کر پائے، وہ تمہاری بیوی نے کر لیا۔۔"اماں سائیں نے اس کی آنکھوں کی گہرائی میں چھپی نرمی کو بغور پڑھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہ بہت کچھ کرتی جا رہی ہے، اماں سائیں۔۔" وہ دل ہی دل میں کہہ سکا، مگر الفاظ کی ہمت نہ ہوئی۔

" یہ شور کیسا ہے؟"۔ حدیر چونک سا گیا۔

"ارے ہاں۔۔" اماں نے ہلکے سے سر پر ہاتھ مارا۔ "مجھے تو باہر جانا تھا، تم نے باتوں میں لگا دیا۔۔" وہ پھرتی سے کھڑی ہونے لگیں۔

"آرام سے اماں سائیں۔۔" وہ مسکراتے ہوئے ان کی جلد بازی پر ٹوکا، ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنے ساتھ کھڑا کیا، پھر آہستہ آہستہ باہر کی جانب قدم بڑھا دیا۔

"کہاں؟" کمرے سے نکلتے ہوئے حدیر نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"لان میں لے چلو مجھے۔۔" وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"لان میں؟" وہ آہستگی سے بڑبڑایا، اور آہستہ قدموں سے انہیں لے گیا، لیکن حدیر رحمانی ایک بار پھر حیران رہ گیا۔

اس کے سامنے سبز گھاس پر زندگی بکھری ہوئی تھی۔

ہادی، ریان، مناہل، فضا، میرب، رشنا سب اپنی اپنی پوزیشن سنبھالے کھڑے تھے۔ مزمل باؤلنگ کے لیے دوڑ رہا تھا۔ اور بیچ میں ہر دل عزیز... ماہ گل، سبز لباس میں ملبوس، دوپٹہ دونوں

اطراف سے سمیٹ کر کمر پر گرہ لگا رکھی تھی۔لمبے بال جوڑے میں لپٹے ہوئے،چند لٹیں پسینے سے بھیگ کر گردن سے چمٹ آئی تھیں۔

وہ بیٹنگ کے لیے تیار کھڑی تھی۔

گیند آئی۔

اور اگلے ہی لمحے...

"یاہووو"!

چھکا۔

وہ خوشی سے اچھل پڑی۔بہار کا موسم رخصت ہو چکا تھا۔اور گرم موسم نے شہر کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔

"گریٹ بھابھی!"ہادی دوڑ کر آیا اور مٹھی اس کی مٹھی سے ٹکرائی۔ماہ گل اور ہادی کی دوستی کل کے بعد سے مزید اچھی ہو گئی تھی۔

"اب یہ کیا تماشہ ہے اماں سائیں؟"حدیر نے سر ہلکا سا جھٹکا،ہلکی سی خفگی کے ساتھ پوچھا۔

"دیکھ رہے ہو،کیسی رونق لگائی ہے تمہاری بیوی نے؟سب کے چہرے پر خوشی دیکھو۔"

اماں سائیں نے فخریہ نگاہیں اس کی جانب ڈالیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''یہ کیا بچوں والی حرکتیں ہیں؟ ہر روز کیا گھر میں یوں کھیل تماشہ لگا رہے گا؟ یہ بچے نہیں ہیں، اماں سائیں!'' حدیر ناپسندیدگی سے کہہ رہا تھا، مگر دل میں کچھ اور ہی نرم دھڑکن چل رہی تھی۔

''چپ کر جاؤ تم۔۔ تم بوڑھے ہو گئے ہو لیکن یہ بچے ہی یہ میرے'' اماں فوراً سے اسے ڈپٹ کر خاموش کرا دیا۔

''آپ بھی ان سب کے ساتھ شامل ہو گئیں ہیں'' حدیر خفگی سے بولا، اور انہیں کرسی تک لے آیا۔

''بھائی، آپ بھی آئیں نا۔'' مناہل لپک کر اس کے پاس آئی۔۔ ''دیکھیں، بھابھی ہماری ٹیم کو ہرا دیں گی''۔

''نہیں بچے، میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ آپ سب کھیلو۔۔'' حدیر نے ایک نظر ماہ گل پر ڈالی۔ وہ ہنستے ہوئے اگلی گیند کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ دل کے کسی کونے میں عجیب سی نرمی اتری... مگر چہرہ بدستور سنجیدہ رہا۔ پھر سر جھٹک کر کمرے میں چلا گیا۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے لیپ ٹاپ کھولا۔ فائل سامنے تھی۔ اعداد و شمار قطار میں کھڑے تھے۔ لیکن حدیر رحمانی کا دل کسی بھی کام پر ٹھہرا نہیں رہا۔ فائل کھولی... پھر بند کر

Clubb of Quality Content!

دی۔ آخر کار کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ پردہ ذرا سا ہٹایا۔ سبز گھاس پر دھوپ اب اور نرم ہو چکی تھی۔ درختوں کے سائے لمبے ہو رہے تھے۔ باہر سے آتی ہنسی، شور، قہقہوں کی آوازیں دیواروں سے ٹکرا کر اس کے دل تک پہنچ رہی تھیں۔

اس کی نظر پھر اسی پر جا ٹھہری۔

ماہ گل۔۔۔ وہ دوڑ رہی تھی... ہنس رہی تھی... بالکل بے فکر۔ کچھ لوگ کھیل نہیں کھیلتے... وہ لمحے زندہ کرتے ہیں۔

سبز لباس میں ملبوس ماہ گل بہار کی مانند تھی، جوڑے سے نکلتی لٹیں اس کے چہرے کو مزید دلکش کر رہی تھیں۔ وہ زندگی لگ رہی تھی۔ اور حدیر رحمانی... خاموشی سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔۔۔ بے اختیار۔۔۔ بے آواز۔۔۔ دل کی دھڑکنیں تھم سا گئیں، اور وہ اس منظر میں گم ہو گیا، دنیا کا ہر رنگ اور ہر خوشبو اسی لمحے میں سمو گئی تھی۔۔

حدیر کے دل کے بند دریچوں پر جیسے کسی نے آہستہ سے دستک دی۔ زندگی کبھی کبھی کرکٹ کے ایک چھکے کی طرح ہوتی ہے۔ اچانک، غیر متوقع، اور سیدھا دل کے پار۔

"دیکھ رہی ہیں اپنے دیور کو؟ کام کا کہہ کر گئے تھے...اور کھڑکی پر کھڑے ہیں۔ کھیلنے کا دل ہے لیکن نہ جانے کون سا انا کا پرچم بلند کرنے کا شوق ہے"۔ماہ گل رشنا کے قریب آکر سرگوشی میں بولی۔اس کی آنکھوں میں وہی شوخی تھی جو ابھی کچھ دیر پہلے چھکا لگاتے وقت چمکی تھی۔

رشنا نے ذرا کن اکھیوں سے کھڑکی کی طرف دیکھا۔وہ واقعی کھڑا تھا۔پردے کے پیچھے آدھا چھپا، آدھا ظاہر۔

"یہی بات ذرا تم اپنے شوہر سے جا کر کہو"۔رشنا بھابی کی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔

"تو ہم ڈرتے تھوڑی ہیں اینگری برڈ سے"۔ماہ گل نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

رشنا ہنسی دبانے کی کوشش کی پھر کھڑکی کی جانب چہرہ کرتی بلند آواز میں بولی۔"حدیر! ماہ گل تمہیں۔۔۔"

لیکن جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی ماہ گل نے لپک کر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بھابھی! بالکل نہیں۔آپ کچھ نہیں کہیں گی"۔وہ دونوں یوں الجھ گئیں جیسے دو ننھی بچیاں راز چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔لان میں کھڑے سب چونک کر ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ہادی نے بلا زمین پر ٹکا دیا۔مناہل نے آنکھیں پھیلا دیں۔اور کھڑکی پر کھڑا حدیر بھی سیدھا ہو گیا۔

Clubb of Quality Content

رشنا شرارتی آنکھوں سے اس کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ”چھوڑو مجھے۔ بتانے تو دو اسے“۔

”نہیں بھابھی! ہم ہاتھ ہٹا رہے ہیں، آپ کچھ نہیں کہیں گی“۔ ماہ گل نے تنبیہہ کرتے ہوئے آہستگی سے ہاتھ ہٹایا۔ رشنا کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔ ان دونوں کی یہ معصوم سی کشمکش دیکھ کر سب کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی۔

اسی لمحے ہاجرہ چچی اسنیکس اور چائے کی ٹرے لے آئیں۔ گرم پکوڑوں کی خوشبو فضا میں گھل گئی۔ چائے کی بھاپ شام کی ٹھنڈی ہوتی ہوا سے مل کر ایک مانوس سا احساس جگانے لگی۔

”چلو آ کر پہلے کچھ کھا لو“۔ ہاجرہ چچی سب کو بلانے لگیں۔ اماں سائیں کے سامنے میز سج گئی۔

”بھابھی، نہیں نا پلیز“۔ ماہ گل خفا خفا سی دھیمے لہجے میں کہ رہی تھی۔ رشنا نے پھر سے ماہ گل سے کچھ کہا۔ ماہ گل نے مزید خفا خفا سا چہرہ بنایا۔ بھنویں سکیڑیں۔ لب پھلائے۔ پھر کچھ کہنے لگی۔ اور رشنا ہنستی چلی گئی۔

وہ منظر بہت عام تھا۔ مگر حدیر کے لیے وہ لمحہ غیر معمولی تھا۔ اسے یہ منظر... بہت مکمل لگا.... بہت خوبصورت۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یہ پھول تم نے لا کر کمرے میں رکھے ہیں؟"۔ ماہ گل جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی، اس کی نظر حدیر کے بگڑے ہوئے چہرے پر پڑی۔ کمرہ گلاب کی بھینی خوشبو سے مہک رہا تھا، نرم گلابی پنکھڑیاں گلدان میں یوں سجی تھیں جیسے کسی نے صبح کی روشنی کو قید کر لیا ہو۔

"ہاں..." وہ قدرے حیرت سے اس کے قریب آئی۔ "کیوں؟ کیا اچھے نہیں لگ رہے؟"

"اسے لے جا کر باہر رکھو۔ اور آئندہ کمرے میں کوئی پھول مت لانا"۔ لہجہ سخت نہیں تھا... مگر اس میں ایسی قطعیت تھی جس نے ماہ گل کو چونکا دیا۔

"آئندہ مت لانا" وہ اسی کے انداز میں آواز بھاری کر کے اس کا جملہ دہرائی۔ پھر دونوں ہاتھ کمر پر رکھ لیے۔ "کیوں نہ لائیں؟ ضرور لائیں گے۔ یہ کمرہ ہمارا بھی ہے۔ آپ کو نہیں پسند لیکن ہمیں بہت پسند ہے۔"

وہ تیزی سے بولتی چلی گئی۔ اس کے لہجے میں ضد کم، زندگی زیادہ تھی۔

"بس... چپ"۔ حدیر نے آگے بڑھ کر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ ماہ گل کی زبان یکدم رُک گئی۔ آنکھیں پھیل گئیں۔ اس لمحے میں جیسے وقت تھم گیا تھا۔ گلاب کی خوشبو، سانسوں کی قربت، اور اس کے ہاتھ کی حرارت سب کچھ ایک ہی دائرے میں سمٹ آیا۔

"پھول کیا ایک کلی بھی اس کمرے میں نہیں آئے گی۔ آخری بار کہہ رہا ہوں...اور بہت آرام سے کہہ رہا ہوں۔ اب نہیں سمجھاؤں گا"۔ وہ پیچھے ہٹ گیا۔

ماہ گل نے آنکھیں سکیڑیں۔ "ہم نے کہا ہے آپ سے سمجھانے۔ بڑے آئے سمجھانے والے"۔ آنکھوں کی سیاہ پتلیاں گھمائیں، ابرو اوپر اٹھے۔ وہ یوں آنکھیں گھماتی تو واقعی حد سے زیادہ پیاری لگتی تھی۔

"ماہ گل، زبان کم چلایا کرو"۔ وہ سائیڈ ٹیبل سے چارجر نکالتے ہوئے بولا۔

"زبان ہماری ہے، ہم زیادہ چلائیں یا کم، آپ کو کیا؟"۔ وہ اس کے پشت پر نگاہیں جمائے جوابی کاروائی کی۔

"کان بھی ہمارے ہیں۔ ہم سننا چاہیں یا نہیں، ہماری مرضی"۔

وہ سیدھے ہوتا اس کی جانب مڑ کر کہا۔ دونوں کی آنکھیں ٹکرائیں۔ ماہ گل نے گردن پیچھے پھینکی اور ہنس پڑی۔ ہنسی اتنی بے ساختہ تھی کہ آنکھوں کے کناروں تک نمی آ گئی۔

"آپ پر ہمارا گہرا رنگ چڑھ گیا ہے۔ دیکھیں، بالکل ہماری طرح جواب دینے لگے ہیں"۔

"تمہاری خوش فہمی کا علاج نہیں میرے پاس"۔ وہ تاسف سے سر ہلاتا لیپ ٹاپ اٹھا کر اسٹڈی کی طرف بڑھ گیا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

ماہ گل چند لمحے وہیں کھڑی رہی۔ پھر آہستہ سے گلدان کو دیکھا۔

گلاب... کتنے نرم... کتنے زندہ... کتنے بے قصور۔

وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل دی۔

اسٹڈی میں حدیر لیپ ٹاپ چارج میں لگا رہا تھا۔

"سنیں..." دروازے پر کھڑی وہ نرم آواز میں بولی۔

"اب کچھ فضول مت بولنا، ماہ گل۔" اس نے نظریں اٹھائے بغیر تنبیہ کی۔ وہ چند قدم اندر آئی۔

"آپ کو پھول کیوں نہیں پسند؟ پھول تو اتنے خوبصورت ہوتے ہیں... نرم، خوشبودار... دلنشیں۔ کمرہ زندہ لگتا ہے ان سے"۔ چند لمحوں کی خاموشی۔ حدیر کی انگلیاں کی بورڈ پر رُک گئیں۔ پل بھر کو اس کے چہرے پر کوئی سایہ سا گزرا۔

"ماہ گل، مجھے کام کرنا ہے"۔ آواز اب سخت نہیں تھی... تھکی ہوئی تھی۔ "تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو جاؤ۔ بلکہ ایسا کرو، میرے لیے کافی بنا لاؤ"۔ وہ موضوع بدل رہا تھا۔

ماہ گل نے اسے غور سے دیکھا۔ پہلی بار اسے محسوس ہوا یہ ضد پھولوں سے نہیں کسی یاد سے ہے۔ پھولوں کی خوشبو شاید اس کے لیے خوشبو نہیں، کوئی زخم تھی۔

اس نے آہستہ سے سر ہلایا۔ ”ٹھیک ہے... کافی بنالاتے ہیں“۔

مگر مڑتے ہوئے اس کی نظر ایک بار پھر اس پر ٹھہری اور دل میں پہلی بار یہ سوال ابھرا کہ آخر کون سی بات تھی جس نے اس شخص کے دل میں پھولوں پر بھی قدغن لگادی تھی؟

ماہ گل کے کمرے سے جاتے ہی کمرے میں ایک عجیب سی خالی گونج رہ گئی۔ اور اسی گونج کے بیچ، چند ماہ پہلے کے وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے یوں لہرا گئے جیسے خاموش پانی میں کوئی پتھر گر جائے۔

وہ اسٹور... اور اسٹور میں رکھا وہ پرانا صندوق۔ اس دن بھی وہ اسی طرح تنہا تھا۔ صندوق کے قریب بیٹھا۔ ڈھکن کھولا تو وقت جیسے اندر قید ملا۔

خوبصورت لباس جن کی مہک میں ماضی کی ہلکی سی خوشبو باقی تھی۔ چمکتے زیورات جن پر شاید کبھی خوشی نے ہاتھ پھیرا تھا۔ اور پھر... ان سب کے نیچے دبائی ہوئی وہ ڈائری۔

اس نے ڈائری اٹھائی۔ گرد آلود سرورق پر انگلی پھیری۔

دھول کی ہلکی سی تہہ اڑی اور چھوٹے سے روشن دان سے آتی مدھم روشنی میں ذرات تیرنے لگے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔

اسٹور کی نیم تاریکی میں صرف روشنی کی ایک لکیر تھی جیسے ماضی کی کوئی باریک سی امید۔

اس نے پہلا صفحہ کھولا۔

خوبصورت لکھائی میں لکھا تھا۔

ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے اکثر

لوگ بے درد ہیں، پھولوں کو اکثر مسل دیتے ہیں

اس کے ہاتھ بے اختیار لرز گئے۔اس نے اگلا صفحہ پلٹا۔

"بہار پسند ہے مجھے...پسند؟ نہیں بلکہ محبت ہے...آں ہاں محبت بھی نہیں...بہار سے عشق ہے مجھے۔

موسم پر بھی عاشق ہوا کرتے ہیں...اور میں بھی ہوئی تھی بہار کے نرگس زار پر، جب ہوا نرم اور خوشبو سے لبریز تھی۔

پھول محبت تھے۔

پھول خیال تھے۔

پھول اظہار تھے۔

پھول راز تھے....

پھول، بس محبت کے آفاق نہیں تھے۔۔۔ پھول، خیال کے پیامبر تھے۔۔۔ پھول، راز کی نگہبان۔ ہر خوشبو ایک سرگوشی، ہر رنگ ایک خاموش فریاد"۔

الفاظ جیسے کاغذ پر نہیں، حدیر کے دل پر لکھے جا رہے تھے۔ صفحہ پلٹتے ہی حدیر کے دل کی دھڑکن کچھ دیر کے لیے رک گئی۔ اگلی سطور، گہری سسکیوں اور پرانی یادوں کی خوشبو لیے، اس کے وجود میں اتر گئیں۔

"میں چوکھٹ پر بیٹھی تھی۔ آنکھیں کھلے آسمان کی تاریکی میں گم، ستاروں کی روشنی میں جھلملاتے خوابوں کی مانند۔ میرے بال جوڑے میں بندھے تھے، مگر ہوا نے شرارت کی اور وہ جوڑا ڈھیلا ہوا، چند لٹیں رخسار کو چھو کر مسکرا کر چوم گئیں"۔

وہ پڑھتا گیا...اور منظر آنکھوں میں بنتا گیا۔

"میں ستاروں میں کھوئی ہوئی تھی کہ میرے پہلو میں آ بیٹھے تھے وہ...وہ کون؟

میرے ہمسفر

میرے دلدار

میرے شوہر

میرے محرم

میری روح

میری زندگی

میری سانسیں

میرا سب کچھ..."

وہ لمحے بھر کو رکا۔اس کی سانس بھاری ہونے لگی۔ پھر صفحہ پلٹا۔

"ہوا چلتی، تلسی کے پھول پورے آنگن میں خوشبو بکھیرتے،اور میں نے آہستہ سے اپنے سر کو ان کے کندھے پر رکھ دیا۔

وہ محبت سے مجھے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیے۔میں ستاروں کو دیکھتی رہی اور وہ مجھے..."۔

حدیر کو محسوس ہوا تلسی کے پھولوں کی خوشبو واقعی اسٹور کی گھٹی فضا میں گھل گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

”ہر چلتی ہوا کے ساتھ وہ میرے کانوں میں سرگوشی کرتے، اور میں مسکرا دیتی۔ زندگی نے میرے سینے پر کئی درد کے بوجھ رکھے تھے، مگر میرے پہلو میں بیٹھے اس شخص نے ہر زخم کو چن لیا، اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کے پھول بکھیر دیے۔

کتنی حسین تھی نہ یہ رات؟

کتنی پر سکون؟

کتنی مکمل؟

ایسا لگتا جیسے کائنات نے بھی لمحہ رُک کر ہمیں دیکھا ہو، اور ہر ستارہ ہمارے سکوت کی گواہی دے رہا ہو، اور ہر ہوا کا جھونکا ہمارے سکوت کو سلیقے سے گنگنا تا ہو۔ اس عشق کی کیفیت میں، وقت خود رُک گیا، اور زمین، آسمان، ہوا، ستارے، سب ہمارے لیے ایک سرگوشی بن گئے“۔۔

الفاظ میں ایسی سادگی تھی کہ دل چیرتی چلی گئی۔ پھر تحریر میں ننھے قدموں کی چاپ آئی۔

”ہم دونوں یوں ہی بیٹھے تھے، خاموشی کی تہہ میں اپنے دلوں کی دھڑکنوں کو محسوس کرتے، کہ ہماری محبت کا چھوٹا سا فرشتہ، ننھے قدموں کی نرم چاپ کے ساتھ، ہمارے قریب آیا۔۔ ہمارا بیٹا۔۔ ہمارا پیارا بیٹا... ہماری روح کا حصہ، ہماری محبت کی تکمیل۔

اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں پھولوں کا ایک نازک سا گلدستہ تھا، لان کے تازہ پھولوں کو توڑ کر، اپنی معصومیت سے ترتیب دیا ہوا۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھا، معصوم نگاہیں، شفاف دل، اور ہر سانس میں نرمی لیے، وہ مجھے گلدستہ دے رہا تھا۔ بالکل اپنے باپ کی طرح۔ میں بے اختیار ہنس پڑی تھی... باپ کی طرح بیٹا بھی جان چکا تھا کہ ماں عاشق ہے پھولوں کی۔ میرے شریکِ سفر ہم دونوں کو یعنی اپنی متاع حیات کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ میں نے بیٹے کے ہاتھ سے پھول لیا اور اس کے نرم ملائم کو نرمی سے چوم لیں۔

زندگی کتنی مکمل ہو گئی تھی اس رات؟ کتنی حسین؟ کتنی دل موہ لینے والی؟ دل کی ہر خلش مٹ گئی تھی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

محبت کرنے والا شوہر، پیارا بیٹا، اور یہ لمحہ، جس میں ہر درد کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا"۔

وہ پڑھتے ہوئے رک گیا۔

آنکھوں کے سامنے وہ منظر صاف ہو چکا تھا۔ ایک مکمل خاندان۔ ایک مکمل رات۔ ایک مکمل خوشی۔ پھر الفاظ بدل گئے۔ نرمی سے درد میں ڈھل گئے۔

"تمہیں لگ رہا ہو گا نہ میں کتنی خوش نصیب عورت ہوں؟

شوہر جو ہر لمحے محبت کا سفیر ہو... اور پیارا بیٹا..."۔

اس کے دل میں جیسے کوئی انجانی سی کسک اٹھی۔

اگلی سطر نے سانس روک دی۔

"مگر جیسے اکثر ہوتا ہے، خوشی کے لمحے ٹوٹ کر غم میں بدل جاتے ہیں۔ وہ پھول، جن کی خوشبو سے میری محبت کے رنگ بکھر گئے، ان کے آنے کے اگلے دن، وہی ہوا جو اکثر ہوتا ہے۔ یہ خوبصورت رات، آخری ہنسی کی صدائیں سناتے ہوئے، دوسرے دن سورج کی پہلی کرن کے ساتھ، میرا شوہر، میرا سب کچھ، چُرا گیا"

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسٹور کی مدھم روشنی اب اور دھندلی لگنے لگی۔ الفاظ دھندلا رہے تھے مگر وہ پڑھتا گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میرے بیٹے سے باپ چھن گیا... مجھ سے میرا دوست... میرا ہمسفر"

ہر سطر میں ایک ٹوٹا ہوا سانس تھا۔

"پھولوں سے میری محبت نا ختم ہونے والی تھی۔ لیکن یہ بھی سچ تھا پھول جو کبھی بے مثال خوشی دیتے تھے، وہی آج یادگار لمحے کی طرح دل پر بھاری پڑ گئے۔ تلخ غم کی خوشبو، ہر یاد میں گھل گئی"

اس کے ہاتھوں میں ڈائری اب بھاری ہو چکی تھی۔

وہ اسٹور میں بیٹھا رہا۔ خاموش۔ درد نے آکر اس کے دل میں جگہ بنا لی تھی۔ وہ آگے پڑھنے لگا۔

"کبھی کبھی زندگی سب کچھ ایک ہی رات میں دے دیتی ہے اور اگلی صبح سب کچھ واپس لے لیتی ہے"۔

ڈائری کا آخری جملہ اس کی آنکھوں میں ٹھہر گیا۔

"وہ رات ہماری آخری رات تھی۔ ہم ساتھ بیٹھے تھے، خاموشی میں باتیں کرتے، دلوں کی دھڑکنوں کو ایک دوسرے کی ہلکی سانسوں میں سنبھالتے، اور میں سوچتی رہی کہ جو پھول میں اکثر ان کے ہاتھوں سے لیتی تھی، آج مجھے وہ پھول اپنے ہاتھوں سے ان کی قبر پر رکھنا پڑے۔

میرے دل کی ہر دھڑکن ایک قیامت تھی۔ میری ذات کھو گئی، میری روح ادھوری رہ گئی، اور وہ لمحے جو کبھی محبت کے نشانات تھے، آج درد کے زخموں میں بدل گئے۔

وہ رات، ہماری آخری رات تھی۔ اب صرف یاد کی دھند میں بکھری ہوئی روشنی ہیں، جو کبھی واپس نہ آئیں گی"۔

اس نے ڈائری بند کر دی۔ اس رات کے بعد بہت کچھ بدل گیا تھا۔ حدیر رحمانی کی زندگی پہلی جیسی نہیں رہی تھی۔

''چچی جان! آپ رہنے دیجیے، ہم سبزی بنا دیتے ہیں''۔

کچن کے سامنے کھلے ہال میں ہاجرہ چچی تخت پر بیٹھی سبزی بنا رہی تھیں۔ دھوپ کی نرم کرنیں کھڑکیوں سے آہستہ آہستہ اندر سرک رہی تھیں۔

''ارے بچے، میں بنالوں گی۔ تم ابھی نرگس کے ساتھ پورا گھر صاف کروا کر آئی ہو، بیٹھ جاؤ''۔ ہاجرہ چچی شفقت سے مسکرائی۔

''امی، بھابھی، یہ لیں، ٹھنڈا ٹھنڈا، روح افزا''۔ تب ہی کچن سے فضا نکلی، ٹرے میں جگ اور گلاس سنبھالے۔

''یہ تو بہت زبردست کام کیا ہے تم نے، فضا'' ماہ گل مسکراتے ہوئے اس سے ٹرے لے لی۔

''لائیں، چچی دے دیں ہمیں۔ جب بھی دیکھتی ہوں، آپ ہمیں کوئی نہ کوئی کام ہی کرتے ہوئے نظر آتی ہیں۔ اپنے ہاتھوں کو تھوڑا آرام دیں''۔ ماہ گل نے شربت کے گھونٹ بھرتے ہوئے ساگ کی تھال ان کے ہاتھ سے لے لی۔

''تم نے نہیں سننا''۔ چچی ہنستے ہوئے ہار مان کر ہاتھ پیچھے کر گئیں۔

''میرب کالج گئی ہوئی ہے؟'' ماہ گل ساگ بناتے ہوئے فضا سے پوچھنے لگی۔

''ہاں، وہ کالج گئی ہے، مناہل بھی اپنی یونیورسٹی میں ہے۔اور بھابھی بھی آج پھوپھو کے گھر گئی ہیں''۔ فضا نیم دراز ہو گئی، ساتھ پاس رکھا ڈائجسٹ اٹھالیا۔

''فضا، بھابھی سے کال کر کے کہو، رباب کو بھی لے آئیں۔ ہم پھر اس کے ساتھ کہیں باہر جانے کا پروگرام بنالیں گے''۔ ماہ گل ساگ کے پتے الگ کر کے رکھتی جارہی تھی۔

''زبردست آئیڈیا، بھابھی! ابھی کال کرتی ہوں''۔ فضا تیزی سے اٹھی اور کمرے کی جانب چلی گئی۔

''چچی، کیوں نہ آج ہم کڑاہی بنائیں؟''۔ ماہ گل اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔

''یہ تم کیا ہم ہمیں ہمارا کر کے بات کرتی رہتی ہو؟''۔ بشریٰ رحمانی اندر داخل ہوئی اور سخت لہجے میں ٹوکی۔

''ہم بچپن سے یوں ہی بات کرتے آئے ہیں''۔ ماہ گل کا چہرہ لمحے بھر کے لیے بجھ سا گیا۔ بچپن سے یوں بات کرنے کی عادت تھی، لیکن آج پہلی بار کسی نے اسے ٹوکا تھا۔

''وہ تم شادی سے پہلے کرتی ہو گی۔ شادی کے بعد بدلو اپنا رویہ۔ اب مجھے اس طرح بات کرتے ہوئے نظر نہ آؤ''۔

Clubb of Quality Content

ماہ گل نے صرف سر ہلا کر خاموشی اختیار کی۔ بشری رحمانی چلی گئی اور ہال میں خاموشی چھا گئی۔

''ان کی باتوں کو دل پر مت لینا''۔ ہاجرہ چچی نے اپنا ہاتھ ماہ گل کے ہاتھ پر نرمی سے رکھا۔

''چچی جان، آپ اتنی سوئیٹ ہیں، یہ ایسی کیوں ہیں؟''۔

''سب کا مزاج مختلف ہوتا ہے، بچے۔ چلواب میں ذرا ہانڈی دیکھوں۔ اور تم کیا کہہ رہی تھی، کڑاہی بناؤ گی؟ جلدی سے یہ بنا کر آجانا''۔ ہاجرہ چچی مسکراتی ہوئی کھڑی ہو گئیں، اور ہال میں خوشی کی نرم روشنی پھیل گئی۔

ماہ گل تنہا بیٹھی گنگناتی ہوئی ساگ بنا رہی تھی کہ قدموں کی دھمک پر اس نے سر اٹھایا۔

''السلام علیکم! جی؟'' ماہ گل دو اجنبی چہروں کو دیکھتے ہوئے فوراً کھڑی ہو گئی۔ ''آپ لوگ یہاں لاؤنج میں آکر بیٹھیں، ہم تب تک اماں سائیں کو بلا کر لاتے ہیں''۔ چپل پہنتے ہوئے وہ تیزی سے بولی۔

دروازے پر کھڑے مرد اور عورت، دونوں ہی مہنگے خوبصورت لباس میں ملبوس تھے۔ مرد سیاہ فارمل سوٹ میں، عورت سفید لانگ شرٹ اور سیاہ ٹراؤزر میں، گلے میں سیاہ ڈوپٹہ کئی تہیں لیے ہوئے۔ ان کی موجودگی میں ہال میں خاموشی اور ایک نیا تجسس پیدا ہو گیا۔

"تم کون ہو؟"۔ عورت نے تیز مسکراہٹ کے ساتھ قدم بڑھایا،اور ماہ گل پر اوپر سے نیچے تک ایک عجیب نگاہ ڈالی۔

"آں ہاں، لیٹ می گیس یو آر مسز حدیر رحمانی"۔ان کے لہجے میں ہلکی چبھن تھی۔

"جی... لیکن آپ کون؟"۔ماہ گل کچھ ہچکچا کر بولی۔

"دیکھ رہے ہیں، ظہیر۔"عورت نے گردن موڑ کر شوہر کی جانب دیکھا جو دو قدم پیچھے کھڑے تھے،اور ان کی خاموشی میں بھی ایک گرم مسکراہٹ چھپی ہوئی تھی۔

"اب کچھ دن پہلے آئے ہوئے لوگ ہمیں لاؤنج میں بٹھائیں گے"۔ان کی چبھتی ہوئی نگاہوں میں ہلکی طنز کی آمیزش تھی۔

"بھابھی آپ لوگ کب آئے؟"۔ہاجرہ چچی کچن سے باہر آئیں،اور تینوں کو ہال کے دروازے پر کھڑا دیکھ کر قریب آئیں۔

"بس کچھ دیر پہلے ہی"۔وہ مسکرا کر ان سے ملیں۔

"آپ لوگ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟"۔

"ہم تو اندر ہی جا رہے تھے، لیکن مسز حدیر رحمانی ہم دونوں کو لاؤنج میں بٹھا کر انتظار کروانا چاہتی ہیں"۔۔۔عورت نے ہلکی سی طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"وہ بھابھی، آپ لوگوں کو اس نے دیکھا نہیں ہے نا"۔ہاجرہ چچی نے معاملہ سمجھاتے ہوئے کہا۔"ماہ گل، بچے، یہ حدیر کے سب سے چھوٹے چچا ظہیر اور چچی امرین ہیں۔ یہ دونوں تمہاری شادی میں شریک نہیں ہو سکے، بزنس ٹور پر گئے ہوئے تھے"۔

اوہ۔۔معذرت ہم جانتے نہیں تھے آپ دونوں کو جب ہی"۔وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ وضاحت دی۔

"اب آ گئے ہیں ہم جان جاؤ گی جلد ہی"۔وہ مسکرا کر کہتی اندر چلی گئی۔

"چچی"۔۔وہ تقریباً بے ہوش ہونے والے انداز میں پکاری۔

"یہ تو بشری رحمانی کی کاپی ورژن لگ رہی ہیں۔"۔ماہ گل نے مصنوعی روتے ہوئے انداز میں کہا۔

"صحیح سمجھی"۔ہاجرہ رحمانی نے ہنسی دبائی۔"بشری رحمانی کی چھوٹی بہن ہے امرین رحمانی"۔

"واللہ چچی، اب ہمارا کیا ہو گا؟ دو دو کو برداشت کرنا ہو گا"۔

ماہ گل ساگ کی تھال لیے ان کے پیچھے آئی، اور چچی ہانڈی میں چمچا گھماتے ہوئے اسے چھیڑنے لگی۔"تم ان دونوں کو برداشت کرو گی؟ یا ان دونوں کو تمہیں برداشت کرنا ہو گا؟"

Clubb of Quality Content!

''چچی آپ بھی نا...'' ماہ گل ہنس دی۔ ''ویسے کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ بھی آپ کی طرح سوئیٹ ہوتیں''۔۔ وہ آہ بھرتے ہوئے فریج سے گوشت کا پیکٹ نکالنے لگی۔

''چلو بس ہو گئے ڈرامہ، اب جلدی سے کڑاہی بناؤ، اس سے پہلے بشری رحمانی تمہیں دیکھ لیں''۔ چچی سنجیدگی سے بولیں، مگر ان کی آنکھوں میں نرم محبت چھپی ہوئی تھی۔

''کیا ہو جائے گا اگر وہ دیکھ لیں تو؟'' ماہ گل بے نیازی سے بولی۔

''جس مقصد کے لیے آپ بنا رہی ہیں، اس کے لیے تو ان سے پوشیدہ رہنا بہتر ہے''۔ چچی نے مسکراہٹ روک کر کہا، کچن کی فضاء میں محبت اور تھوڑی سی شرارت کی خوشبو پھیل گئی۔

''ایک منٹ، ایک منٹ... کیا مطلب ہے، چچی؟ کیسا مقصد؟''

ماہ گل تیزی سے قریب آئی، اور چچی نے صرف سر ہلایا۔

''بس جانتی ہوں سب، اب چلو اپنا کام کرو''۔ وہ ٹماٹر کاٹنے لگی۔

''یار، یہ آپ اور اماں سائیں سب جان جاتے ہیں''۔ ماہ گل خفگی سے بولی، تو چچی مسکرا دی۔

''ارے بھابھی! آپ کیا کر رہی ہیں؟''۔ ماہ گل کچن میں داخل ہوتی حیرانی سے سوال کی۔

شام کے پانچ بجے کا وقت تھا، ہلکی سنہری روشنی کھڑکی سے ہال میں داخل ہو رہی تھی۔ رشنا

رباب کے ساتھ گھر آچکی تھی اوراب برنر کے سامنے کھڑی، کٹے ہوئے سبزی کے ٹکڑوں کو دیگچی میں ڈال رہی تھی۔

"وہ...میں سبزی بنارہی تھی۔۔۔"رشنا کی رنگت تھوڑی پھیکی پڑ گئی۔

"لیکن ہاجرہ چچی نے توسب کچھ تیار کر لیا ہے"۔۔۔ماہ گل کی آواز میں اعجاب اور حیرت دونوں جھلک رہے تھے۔

" رشنا کو کوکنگ کا شوق ہے،اسی لیے یہ روزایک نئی ڈش بناتی ہے۔ٹھیک کہ رہی ہوں نہ، رشنا؟"اسی لمحے ایک نرم مگر سنجیدہ آواز نے پیچھے سے فضا میں گھل کر کچن کو بھر دیا،اور ماہ گل چونک کر پیچھے مڑی۔

"جی جی،ماما"۔۔۔رشنا نے بشری رحمانی کی طرف دیکھ کر فوراً سے جواب دیا۔

"واقعی بھابھی؟"۔ماہ گل کی حیرت اور دلچسپی میں اب تجسس بھی شامل ہو گیا۔"آپ کو کوکنگ کا شوق ہے تو ہمیں کیوں نہیں بتایا؟ہم دونوں مل کر کچھ بنا سکتے تھے۔اور یہ کیا،آپ روز سبزی ہی بنارہی ہوتی ہیں؟"۔

" رشنا کو ویجی ڈشز بنانے کا شوق ہے۔ تمہیں کوئی مسئلہ ہے،ماہ گل؟"۔بشری رحمانی بظاہر نرم مسکان کے ساتھ لیکن اندر سے سختی لیے بولیں.

''آں ہاں، ہمیں...یعنی مجھے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے''۔ماہ گل نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

'' ذہین ہو تم۔بس اسی طرح تابعداری دکھاتی رہو''۔۔بشری رحمانی کی آنکھیں اس پر جمی تھیں۔

''جی، کیوں نہیں، ماما''۔ماہ گل نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکی مسکان کے ساتھ کہا۔

''شایان...شایان... کہاں ہو تم؟''۔حدیر رحمانی کی آواز جیسے بجلی کی طرح پورے گھر میں گونج رہی تھی، ہال کی خاموشی کو کچلتی ہوئی، ہر کمرے کے کناروں سے ٹکرا کر واپس آ رہی تھی۔

''باہر آ شایان!''سیڑھیوں کی طرف رخ کیے ہوئے وہ قوت سے دھاڑا۔

ماہ گل، رشا اور بشری رحمانی آواز سن کر فوراً کچن سے باہر نکلی تھیں، ہوا میں ایک ہلکی سی خوف اور اضطراب کی لہر محسوس کی جاسکتی تھی۔

''حدیر، آرام سے، میری بات سنو''مزمل پیچھے سے بھاگتا ہوا آیا، لیکن حدیر کا غصہ ہر منطق سے اوپر تھا۔

حدیر سفید شرٹ میں ملبوس، آستینیں کہنیوں تک موڑی ہوئی، سرمئی پینٹ کے ساتھ، ہاتھوں کی نسیں پھولی ہوئی تھیں۔اس کے چہرے کی کرختگی آنکھوں کی سرخی بے پناہ غصے کی داستان سنا رہی تھی۔

''کیا مسئلہ ہے؟ کیوں شور مچا رکھا ہے؟''۔سیڑھیوں سے اترتے شایان کی نظر میں اضطراب اور ناپسندیدگی صاف جھلک رہی تھی۔

''تو نیچے آ تو صحیح بتاتا ہوں تجھے سارے مسئلے'' حدیر نے گرجتے ہوئے کہا۔

''حدیر ریلکس''۔مزمل نے اس کے بازو پکڑ کر قابو پانے کی کوشش کی۔

''تیری ہمت کیسی ہوئی؟''۔شایان کے قریب آتے ہی، ایک مکا حدیر نے اس کے چہرے پر جڑا۔ماہ گل کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں، اور رشا نے حیرت سے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

''کیا سوچا تھا، تو نے کہ مجھے پتہ نہیں چلے گا؟''۔حدیر بے قابو ہوتا اسے مارتا چلا گیا۔شایان نیچے گرا، لیکن اگلے لمحے خود اٹھا اور حدیر کے چہرے پر مکا مارا۔

''تیری ہمت کیسے ہوئی مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی؟'' شایان نے دوبارہ ہاتھ اٹھایا، مگر حدیر نے ہوا میں ہی شایان کا ہاتھ روک لیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"تو مجھے بتائے گا، میری کمپنی میں اتنے بڑے اماؤنٹ کو تم نے کیسے نکالا؟ کیا سوچ کر یہ ہیر پھیر کی تھی؟"۔ حدیر کے بال پیشانی پہ بکھر سے گئے۔ چہرہ پر پسینہ کی بوندیں چمکنے لگیں۔

"کس اماؤنٹ کی بات کر رہے ہو؟" شایان ہچکچاتے ہوئے اپنے کالر سے ہاتھ ہٹاتا رہا۔

دادا سائیں، اماں سائیں، مناہل، فضا اور میرب بھی ہال میں آ چکے تھے۔ ان کی آنکھوں میں حیرت اور اضطراب دونوں کی جھلک تھی، اور وہ کچھ کہنے کی کوشش کر رہے تھے، مگر الفاظ گم تھے۔ آج تک یوں کسی کزن میں جھگڑا نہیں ہوا تھا۔

"وہی اماؤنٹ جو تم نے میری کمپنی سے غائب کیے ہیں"۔ حدیر نے پھر ایک مکا شایان کے گال پر جڑ دیا۔

"اور تو نے جو میری ایمپلائے مس رمنا کے ساتھ بد تمیزی کی ہے اس کا بھی حساب دے گا"۔ اس کا کالر پکڑ کر کھینچتے خود سے قریب کیے وہ دانت پر دانت جمائے دھیمی آواز میں بولا۔ شایان نے تھوک نگلا۔

"حدیر... حدیر، پلیز، بس کریں"۔ ماہ گل بھیگی آنکھوں کے ساتھ اس کے قریب آئی اور اس کا بازو تھام لیا۔ حدیر پل بھر کے لیے رکا، نگاہیں ماہ گل کے چہرے پر جمیں، پھر ہٹا لیں۔

"دور ہو جاؤ، ماہ گل"۔ اس نے بنا دیکھے کہا، لیکن دل کی دھڑکن میں ایک عجب کیفیت جھلک رہی تھی۔

"کیا ثبوت ہے تیرے پاس کہ تو مجھ پر الزام لگانے آگیا؟"۔

شایان اپنے ہونٹوں سے خون آستینوں سے صاف کرتے ہوئے بولا، اس کی آواز میں دھیمی گھبراہٹ بھی تھی۔

"تم جو کمپنی کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہو، شایان ظہیر...اب اگر کچھ کیا، تو میں جان سے مار دوں گا تمہیں"۔ حدیر پھر بے قابو ہوتا اس پر پل پڑا اور مکے برساتا چلا گیا۔ شایان پھر سے نیچے گرا تھا۔

"حدیر، رک جا بس کر" مزمل نے بازو پکڑنے کی کوشش کی، مگر حدیر نے زور سے جھٹک دیا۔

"حدیر، میری جان، میرا بچہ، نہ کرو" اماں سائیں گلوگیر لہجے میں بولیں۔ دادا سائیں آنکھوں میں حیرت لیے خاموش کھڑے تھے، دماغ ماؤف سا۔ الفاظ تلاش کر رہے تھے، مگر کچھ نہ مل رہا تھا۔ حدیر کا یہ روپ کب دیکھا تھا انہوں نے؟ وہ تو ان کا سب سے سمجھدار سلجھا ہوا پوتا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

''پلیز...'' ماہ گل نے بھیگی آنکھوں میں التجا لیے دونوں ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیے۔ خوف اور محبت کے ملی جلی کیفیت میں وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

اس کے آنسو، اس کی آواز، اور خاموش امید حدیر کے دل میں جیسے تھم گئی۔ اس نے گہری سانس لی، پیچھے ہوا، اور پہلی بار اس بے قابو غصے کے بعد تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

شایان خون تھوکتا ہوا کھڑا تھا، اور حدیر کی چند لمحوں کی بے خبری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس نے اس کے چہرے پر تھپڑ مارا۔ تھپڑ اتنا گونج دار تھا کہ پورا ہال سنسنا اٹھا، خاموشی ٹوٹ گئی اور ہر کونے میں خوف و حیرت کی لہر دوڑ گئی۔

''ہاتھ؟ ہاتھ کیسے اٹھایا تم نے ہمارے شوہر پر؟''۔ ماہ گل کے منہ سے بے قابو چیخ نکلی، آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ وہ شایان کی طرف پلٹی اور اس پوری قوت سے دھکا دیا۔

''کیسے مارا تم نے تھپڑ؟''۔ وہ بلند آواز میں چیخی تھی۔ چہرہ آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا، اور اس کے ہونٹوں کی ہلکی سی لرزش بتا رہی تھی کہ یہ جذباتی کیفیت اس کے دل کے اندر سے اٹھ رہی تھی۔ وہ خود سے قریب، خود سے جڑے عزیز تر لوگوں کے لیے وہ یوں ہی بپھر جاتی تھی۔

''ہٹو سامنے سے اور اپنی آواز قابو میں رکھو، زیادہ اڑنے کی ضرورت نہیں''۔ شایان کی آواز میں بدتمیزی کی چھاپ تھی۔

حدیر رحمانی کے آنکھوں میں آگ کے ساتھ ساتھ محافظانہ حس بھی جھلک رہی تھی۔وہ قدم آگے بڑھا، کالر سے شایان کو تھام لیا۔

"تمیز سے شایان ظہیر... تم میری بیوی سے مخاطب ہو... حدیر رحمانی کی بیوی سے"۔حدیر کے لہجے میں سختی اور اعصابی قابو دونوں کی جھلک تھی ایک مکا اس کے چہرے پر جڑ دیا۔"یہ آخری مکا میری بیوی سے بدتمیزی کرنے کے لیے تھا" وہ ایک جھٹکے سے شایان کو چھوڑا اور ماہ گل کی طرف دیکھا، اس کی آنکھوں میں التجا اور خوف دونوں موجود تھے۔

اور ہال میں موجود ہر شخص نے ایک لمحے کے لیے سانس روک لیا۔

"تم یوں اعتراف نہیں کروگے؟ تو ٹھیک ہے، میں یہ معاملہ کورٹ میں لے جاؤں گا"۔ وہ خود کو پُر سکون کرتا سنجیدگی سے بولا۔

Clubb of Quality Content

اتنے میں، بشریٰ رحمانی آگے بڑھی، اور ان کا اعتراف پورے ہال کو ساکت کر گیا۔

"میں... میں نے شایان سے کہہ کر رقم نکلوائی تھی"۔

حدیر کے بولتے لب ایک لمحے کے لیے رک گئے، آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔

"آپ نے؟" حدیر نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔"آپ نے اتنی بڑی رقم نکلوائی؟"۔

''کیوں، حدیر؟ کیا تمہیں مسئلہ ہوگا اگر تمہاری ماں زیادہ رقم نکلوائے؟'' بشریٰ رحمانی نے پلٹ کر سوال کیا، چہرے پر ایک نرم مگر سنجیدہ روشنی کے ساتھ۔

'' آپ کو اگر چاہیے تھا تو میرے علم میں لائے بغیر یوں آگے پیچھے کر کے کیوں نکلوائی؟ کیا مجھے سیدھا نہیں بتا سکتی تھیں؟''۔ حدیر نے ان کے بے تاثر چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''مجھے کیا معلوم تھا، حدیر؟ تم اپنے کزن پر ہی یقین نہیں کرتے؟ اگر معلوم ہوتا، تو میں ضرور تمہارے علم میں ڈلواتی''۔ وہ بلا جھجک اپنے سنجیدہ چہرے کے ساتھ یہ کہہ رہی تھیں۔

''آپ اسے بچانے کے لیے جھوٹ کہیں گی اور چاہیں گی کہ میں سچ مان لوں؟ تو ٹھیک ہے، میں آپ کے ہر لفظ کو سچ مان لیتا ہوں... لیکن یاد رکھیے، یہ آخری بار ہے۔ آخری بار... اس کے بعد اگر یہ کچھ کرے گا تو اسے پھر مجھ سے کوئی نہیں بچا سکے گا''۔ حدیر نے ایک لمحے کے لیے خاموشی اختیار کی، پھر دھیمی مگر زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

مدثر رحمانی، جو کچھ دیر پہلے آئے تھے اور مزمل نے انہیں پورے واقعے سے آگاہ کیا تھا، انہوں نے ہال میں آکر ماحول کو سنبھالا۔

''حدیر، کل تم میرے آفس آنا، ہم مل کر بات کریں گے۔ ابھی فلحال اس موضوع کو ختم کیجیے۔ اب گھر میں کوئی بات نہیں ہوگی... چلو بچوں، سب اپنے اپنے کام میں لگ جاؤ''۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جی چاچو!" حدیر نے دھیمی سانس بھرتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھایا، اور ہال میں چھائی یہ کشیدگی تھوڑی تھوڑی پھیلتی خاموشی میں بدل گئی۔

ماہ گل بھی اس کے پیچھے تیزی سے آئی، ہر قدم میں دل کی بے چینی اور خوف کا ہلکا سا ارتعاش لیے ہوئے۔

دروازہ کھولا تو حدیر کمرے میں ٹہل رہا تھا، اس کے کندھے پر تھوڑی سی تھکن اور آنکھوں میں بھڑکتی آگ جھلک رہی تھی۔ ماہ گل چھوٹے چھوٹے قدموں سے اس کے پاس گئی، ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ٹی شو اٹھائی اور ہچکچاتے ہوئے اس کی طرف بڑھائی۔

"یہ...یہ خون صاف کر لیں" اس کی آواز میں لرزش اور بے بسی تھی۔ لڑائی کی شدت ابھی تک دل پر چھائی ہوئی تھی، اور اس کے ہاتھوں میں لرزش بھی اس کی بے چینی کی گواہی دے رہی تھی۔

حدیر آگے بڑھا، اس کے ہاتھ سے ٹی شو لی، اور چہرے پر جمے خون کو نرمی سے صاف کرنا شروع کیا۔ پھر پلٹ کر اس کی طرف آیا، آنکھوں میں سختی کے ساتھ ساتھ نرمی بھی جھلک رہی تھی۔

"کیا سوچ کر تم درمیان میں آئی تھی؟"--

"آپ... آپ رک نہیں رہے تھے... اور وہ بھی آپ کو مار رہا تھا... ہم کیسے نہیں روکتے؟"۔

ماہ گل کی آواز یکدم بھر آئی، اور آنکھوں سے چند قطرے گر گئے۔ وہ خوف کے ساتھ، فکر کے ساتھ، اپنے دل کی سچائی بیان کر رہی تھی۔

"دیکھو ماہ گل، آئندہ میں مر رہا بھی ہوں، تو تم درمیان میں نہیں آؤ گی"۔ حدیر نے سانس بھرتے ہوئے اسے دیکھا، آنکھوں میں چھپی محبت اور تحفظ کی نرم روشنی کے ساتھ کہا۔

"کتنی عجیب بات کی ہے نا؟ کیوں اتنے عجیب ہیں آپ؟ آپ یہ کام کر سکتے ہیں، میں مر رہی ہوں، تو مت آیئے گا... لیکن ہم سے یہ امید نہ رکھیں۔ ہمارے اندر احساس ہے، خیال ہے... اور ہم خود کو کبھی نہیں روکیں گے"۔ وہ دونوں ہاتھوں سے تیزی آنسو رگڑتی ہوئی، جذبات کے طوفان میں بول رہی تھی۔

" ماہ گل... ماہ گل..." وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے قابو کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن وہ مزید تیزی سے چہرہ رگڑنے لگی۔

"ماہی"۔ اس کے ہاتھوں کو جھٹکا دیتے نرمی لیے تھوڑی تیز آواز میں پکارا۔ اور ماہ گل؟ وہ تھم گئی۔ رک گئی۔ حدیر رحمانی اسے ماہی کہہ کر پکارے گا تو رک جانا لازم تھا۔ آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیا ہو جاتا اگر وہ آپ پر ہاتھ اٹھا دیتا؟ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میرے کسی جھگڑے میں آپ کو کوئی تکلیف پہنچے"۔ لمحے پہلے جو آنکھیں غصہ لیے ہوئی تھیں اب وہ دنیا جہاں کی نرمی سموئے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ماہ گل کے بھیگی آنکھوں کو دیکھ کر اس کی نگاہیں نرم ہو گئیں، اور دل کی دھڑکن تھوڑی سکون پائی۔

"آپ کا جھگڑا، آپ کی پریشانی، آپ کی خوشی...اب صرف آپ کی نہیں ہے، حدیر"۔ ماہ گل کی آواز میں اضطراب اور بے بسی اب بھی جھلک رہی تھی۔

"آپ ہم سے بے نیاز ہو سکتے ہیں لیکن یہ جان لیں ہم آپ سے نہیں ہو سکتے۔ ہم وہی کریں گے جو ہمارا دل چاہے گا۔ آپ ہمیں نہیں روک سکتے"۔ وہ غصے سے ہاتھ چھڑاتی ڈریسنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔ پیچھے وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ کیسے سمجھ لیا تھا کہ وہ ماہ گل کو سمجھائے گا اور وہ سمجھ جائے گی۔

چند لمحے بعد، ماہ گل دوبارہ ڈریسنگ روم سے نکل کر آئی۔ خفگی اور تھوڑی ناراضگی کے اثرات اب بھی اس کے چہرے پر تھے، مگر اس کے ہاتھ نے حدیر کا ہاتھ تھام لیا۔ نرمی سے آئنٹمنٹ لگاتے ہوئے وہ خاموش محبت کا پیغام دے رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ چند لمحے سر جھکائے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا۔اس کا قد اونچا تھا اور ماہ گل اس کے کندھوں تک آتی تھی۔ماہ گل نگاہوں کے ارتکاز پر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھی۔اس کے دیکھنے پر حدیر نے بھنویں ذرا سا اٹھائی، جیسے کہہ رہا ہو ’’سب ٹھیک ہے؟‘‘۔

’’زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے...ہمارے زخم پر مرہم لگایا تھا، بس ہم نے بھی وہی کیا ہے‘‘۔اس کی نگاہوں سے جزبز ہوتی وہ ڈپٹنے والے انداز میں گویا ہوئی۔

’’میں بالکل بھی خوش نہیں ہو رہا ہوں‘‘۔۔مسکراہٹ روکتا وہ تابعدار بچے کی طرح گویا ہوا۔

ایک تلخ شام کے بعد، رحمانی ہاؤس کے تمام لوگ ڈنر ٹیبل کے گرد جمع تھے، لیکن شایان ظہیر ابھی تک شامل نہیں ہوا تھا۔ ظہیر اور امرین رحمانی اس معاملے سے فلحال لاعلم تھے، اور گھر میں ایک خاموشی اور تھوڑی سی تناؤ کی لہر چھائی ہوئی تھی۔

’’رشنا، جاؤ، حدیر کے لیے تم نے ساگ بنایا تھا نا؟ جلدی سے لے آؤ۔حدیر کام میں اتنا مصروف ہے کہ اپنا خیال بالکل نہیں رکھ رہا‘‘۔بشری رحمانی نے نرم لہجے میں کہا، ان کے چہرے پر شام کے کسی بھی تلخ لمحے کی چھاپ تک نہیں تھی۔

" جی ماما..." وہ بے بسی سے ان کی طرف دیکھنے لگیں۔

"چلو، بچے، جلدی کرو"۔ بشری رحمانی تنبیہ آمیز نگاہوں سے اسے دیکھیں۔ رشنا چار اٹھ کھڑی ہوئی۔

ماہ گل کی آنکھوں میں مسکراہٹ چھپی ہوئی تھی۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسائے تھوڑی کے نیچے رکھی وہ بشری رحمانی کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ لمحے بعد، رشنا کچن سے ساگ کے باؤل کے ساتھ نکلی، اور ماہ گل کی لبوں پر ایک نرم مگر گہری مسکراہٹ کھل گئی۔

"حدیر، آج ہم نے... ہمارا مطلب ہے، میں نے آپ کے لیے کڑاہی بنائی ہے"۔ ماہ گل نے کھڑے ہوتے ہوئے میز سے چھوٹے سے پاٹ کو اٹھاتے ہوئے بتایا، نگاہ بشری رحمانی پر ڈال کر، جو اسے حیران نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"حدیر؟" ماہ گل نے اب محبت کے ساتھ براہ راست حدیر کی طرف دیکھا۔

"آج آپ میرے ہاتھ کی بنی چکن کڑاہی کھا کر بتائیں؟" ماہ گل نے حدیر کی پلیٹ میں سالن نکالنا شروع کیا۔ حدیر بنا پلک جھپکائے، اپنے دل کی دھڑکن سنبھالتے ہوئے، ماہ گل کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جو جھک کر اس کی پلیٹ میں سالن ڈال رہی تھی، اس کے بہت قریب۔

ماہ گل نے ایک لمحے کے لیے نگاہیں اٹھائیں اور اس کی حیرت سے بھری آنکھوں میں جھانکا، پھر پیچھے ہٹ گئی۔

"رشنا، بھابھی، آپ کے ہاتھ کا تو یہ ہمیشہ کھاتے ہیں، لیکن آج حدیر میرے ہاتھ کا بنا کھائیں گے "ماہ گل نے مسکرا کر بشری رحمانی کو دیکھے بغیر کہا، لیکن وہ جان گئی بشری رحمانی اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"اماں سائیں، آپ جانتی ہیں، میری اماں کہتی ہیں میرے ہاتھ میں بالکل ان جیسا ذائقہ ہے۔ آپ کو دوں اماں سائیں؟"۔اب وہ نرم مسکراہٹ لیے اماں سائیں کی جانب دیکھنے لگی۔

"ہاں میرا بچہ، بالکل دو۔ آج اپنی بیٹی کے ہاتھ کا کھاؤں گی"۔اماں سائیں کی خوشی سے چہرہ چمک رہا تھا۔ماہ گل نے اپنی چیئر کھینچی اور اماں سائیں کے قریب جا کر ان کی پلیٹ میں سالن نکالنے لگی۔

"ماہ گل نے ٹھیک کیا نہ اماں سائیں؟"ماہ گل نے سالن نکالتے ہوئے سرگوشی میں پوچھا۔

اماں سائیں نرمی سے مسکرا کر سر ہلا دیں۔

" بھابھی، آپ یہ لے کر کیوں کھڑی ہیں؟ لائیں، مجھے دے دیں۔ آج میں آپ کے ہاتھ کی بنی سبزی کھاؤں گی"۔ حق دق کھڑی رشنا سے وہ مسکرا کر پیالہ ہاتھ میں لے گئی۔

"ماما، آپ کھائیں گی سبزی؟" ماہ گل نے بشری رحمانی کے پاس سے گزرتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ لیے پوچھا۔ بشری رحمانی نے غصے کو ضبط کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ یہ لڑکی ان کا ضبط آزما رہی تھی۔

"آپا، یہ لڑکی تو کافی تیز ہے"۔ امرین رحمانی دھیرے سے بولی۔ بشری رحمانی ہنکارا بھر کر رہ گئیں۔

ماہ گل اپنی جگہ پر بیٹھ کر پلیٹ میں ساگ نکال کر روٹی کے ساتھ کھانے لگی۔

کھانے کے دوران، سامنے بیٹھے ینگ پارٹیز ریان، ہادی، مناہل اور فضا، ماہ گل کو دیکھ کر شرارتی مسکان دے رہے تھے، ماہ گل ان کی جانب دیکھتے مسکراہٹ دباتے انہیں آنکھوں کے اشارے سے منع کرنے لگی۔ اور یہ تمام حرکات حدیر کی نگاہ سے بالکل محفوظ نہیں رہیں۔

"حدیر، کیسا لگا آپ کو؟" اچانک کھانے کے درمیان ماہ گل نے اپنے نرم لہجے میں اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھا..." حدیر نے جواب دیا، مگر یہ دو الفاظ کہنا بھی اس کے لیے مشکل تھے۔ اس لمحے سب کچھ نارمل لگ رہا تھا۔ ماہ گل، بالکل ایک نارمل جوڑے کی طرح برتاؤ کر رہی تھی۔ ماہ گل جس طرح سب کے سامنے اس سے بات کر رہی تھی حدیر رحمانی کو لگا وہ کبھی ماہ گل جتنا

ایکسپریسو نہیں ہو سکتا۔ وہ ریزرو طبعیت کا تھا، وہ سب کی موجودگی میں کبھی ایسا برتاؤ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ کام صرف ماہ گل پر جچتا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آرہا تھا یہ جو اچانک ہوا تھا اس پر کیسا ریکشن دے، وہ اسے صرف دیکھتا رہا، ہر احساس کو دل میں سموتا ہوا۔

کھانا ختم ہوا تو سب بڑے کمرے میں چلے گئے، اور ماہ گل، رشنا برتن سمیٹ رہی تھیں۔

"ماما، آپ نے ٹھیک کہا تھا، ہم واقعی بہت ذہین ہیں" ماہ گل مسکرا کر بشریٰ رحمانی کے قریب آئی، دل جلانے والی، نرم مگر شرارتی مسکان لیے۔ کھانے کے دوران وہ کافی کوششوں سے ہم کی جگہ میں کہتی رہی تھی۔ اور اب ہم کہ کر انہیں مزید تپا گئی تھی۔

"تم مجھ سے ٹکر لے کر اچھا نہیں کر رہی، بہت نقصان اٹھاؤ گی"۔ بشریٰ رحمانی تلخی سے بولی۔

"اوکے ماما..." ماہ گل نے کیوٹ سا انداز اپناتے ہوئے آنکھیں پٹپٹائیں اور وہاں سے چلی گئی۔

چاندنی کی مدھم روشنی میں، رحمانی ہاؤس کے لان میں حدیر رحمانی خراماں چل رہا تھا۔ شام کی تلخی، دن کی ٹینشن، سب جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئی تھیں، اور اس کی روح ایک عجیب

Clubb of Quality Content!

سکون اور خوشی کے سمندر میں بہہ رہی تھی۔ آج کا ڈنر، اس کی اٹھائیس سالہ زندگی کا یہ چھوٹا سا لمحہ، ایک یادگار دن کی طرح دل پر نقش ہو چکا تھا۔

وہ جانتا تھا، اس کے ساتھ کیا ہوتا تھا، لیکن اس نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ وہ خاموش رہا۔ وہ خود کے معاملے میں یونہی بے نیاز تھا۔۔ مگر ماہ گل نے جو خاموشی سے چھوٹی سی محبت اور خیال کے ساتھ یہ کڑاہی اس کے لیے تیار کی تھی، وہ اسے بیک وقت جذباتی اور خوشی سے سرشار کر رہی تھی۔ حدیر کے دل کی دھڑکن تیز تھی، اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی لہریں نہ رکنے کی ضد کر رہی تھیں۔ جتنا وہ خود پر جبر کرتا، اتنا ہی اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں، اور اس کے ہونٹ ایک نرم سا راز چھپا کر ہل رہے تھے۔

مزمل اس کے ساتھ چلنے لگا، ایک کافی کا کپ ہاتھ میں پکڑے ہوئے، اور حدیر کو اچانک چونکا دیا۔

"حدیر رحمانی... یہ تمہاری بیوی نے بھجوائی ہے"۔ مزمل نے شرارت کے ساتھ کہا اور کافی کا کپ تھماتے ہوئے معنی خیز مسکراہٹ دیا۔

حدیر، سیاہ ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس، ایک ہاتھ جیب میں، دوسرے میں کافی پکڑے، سنجیدہ رہنے کی کوشش کر رہا تھا، مگر اس کے چہرے کی وہ مسکراہٹ چھپی نہیں رہی تھی۔

''سنو یار، ایک بات تو بتاؤ''مزمل کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

''ہاں کہو''۔حدیر نے گھونٹ بھرتے ہوئے، بھنویں اٹھا کر دیکھا۔

''یہ شادی کیسی چیز ہے؟انسان کو کیسا لگتا ہے؟کرنی چاہیے یا نہیں؟''۔

''تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے؟''

''ارے بھائی، تیری ابھی شادی ہوئی ہے، تو بہتر بتا سکتا ہے...پھر میں بھی سوچوں، کرنی ہے یا نہیں''۔مزمل بس اسے تنگ کر رہا تھا۔

''اچھا تو یہ بات ہے''۔۔حدیر سمجھ کر سر ہلایا۔''اب جو میں تم سے کہوں گا،یعنی تم اسی کے مطابق فیصلہ لوگے، تو یقین کرو مزمل، شادی بالکل بھی اچھی چیز نہیں ہے...اچھی بھلی زندگی میں مفت کا ٹینشن ہے، میرے مطابق تو بالکل نہیں کرنی چاہیے''۔۔وہ مسکراہٹ دبائے کہنے لگا۔

''میرا خیال ہے ہاجرہ چچی کو بتانا چاہیے کہ ہادی کے لیے لڑکی دیکھنا شروع کردیں، کیونکہ تمہاری شادی کا تو کوئی امکان نہیں''۔۔

''تیرے منہ میں خاک، حدیر! دفعہ ہوجا''۔مزمل نے اسے گردن سے دبوچ کر چیخا۔

''تو چھوڑے گا تو دفع ہوں گا نا''حدیر ہنس کر بولا۔

"خود تو کڑاہی اور کافی کے مزے لے رہا ہے، اور مجھے کنوارا رہنے کی نصیحت دے رہا ہے"۔۔وہ تپا تپا سا کہنے لگا۔۔

" تجھے ہی جاننا تھا"۔۔حدیر نے کندھے اچکائے۔

"ابھی بھابھی کو جا کر تیرے نادر خیالات سے آگاہ کرتا ہوں"۔۔مزمل اپنے شرارتی موڈ میں واپس آتے بولا

" خبردار مزمل"۔حدیر پھرتی دکھاتے اسے پکڑا تھا۔"اگر تو نے کوئی بکواس کی تو تمہاری ٹیبل ایچ آر ہولڈنگ کے آفس کے باہر پڑی ملے گی"۔۔

"ہاہاہا حدیر یار تو کتنا ڈرتا ہے بھابھی سے؟"۔مزمل ہنس دیا۔۔

"ماہ گل سے ڈرنا بنتا ہے" حدیر نے خود سے زیر لب بڑبڑایا"ڈرتا نہیں ہوں بس مجھے اپنے کانوں کا خیال ہے، ورنہ دس گھنٹے نان اسٹاپ اس کی باتیں سننی پڑیں گی"۔۔وہ لہجے میں لاپرواہی سموئے گویا ہوا۔

"اب یہ دونوں باتیں بھابھی کو بتاؤں گا"۔۔وہ اسے مزید تنگ کرنے لگا۔

"اب اگر تونے کوئی مزید بکواس کی مزمل تو جو کانٹیکٹ میں انت الحیات کے نام سے نمبر سیو کرر کھا ہے وہ جا کر چچا اور چچی کو دکھادوں گا ساتھ میں ان شیطان کے چیلوں کو بھی، پھر دیکھنا کیا حال کرتے ہیں تیرا وہ دونوں"۔۔ حدیر نے اب کی بار صحیح والی دھمکی دی۔

"حدیر میں بھابھی کو کچھ نہیں بتارہا ہوں"۔۔ مزمل گھبراتا ہوا فوراً سے بولا۔

"گڈ فاریو"۔ حدیر معنی خیز مسکراہٹ اچھالتا اندر چلا گیا۔

"بدتمیز میرا موبائل بھی اس بندے کے ہاتھوں محفوظ نہیں ہے"۔۔ مزمل بالوں میں ہاتھ پھیرتا بڑبڑایا۔۔ پھر انت الحیات کا خیال آتے ہی سر جھٹکتا مسکرایا تھا۔

دوسرے دن گھر میں سب کچھ بظاہر معمول پر آچکا تھا۔

ظہیر رحمانی اور امرین رحمانی کو گزشتہ روز کے جھگڑے کی خبر مل چکی تھی۔ انہوں نے خاصا شور مچایا، سوال در سوال کیے، لیکن شہاب رحمانی نے اپنی ٹھہری ہوئی آواز اور رعب دار خاموشی سے معاملہ وہیں دبادیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں اپنے اپنے دفاتر کے لیے روانہ ہو گئے، اور بشریٰ رحمانی بھی ان کے ساتھ نکل گئیں۔

گھر میں ایک بار پھر سکون نے آہستہ آہستہ سانس لینا شروع کر دیا۔اب جا کر ماہ گل کو فرصت ملی تھی۔

''رباب، سوری...آپ کو بلا کر ہم کل آپ کو صحیح وقت نہیں دے سکے۔کل سب کچھ اچانک ہو گیا تھا''ماہ گل نے نرمی سے کہا،لہجے میں خلوص صاف جھلک رہا تھا۔

''ارے بھابھی! آپ کیوں سوری کر رہی ہیں؟''۔رباب فوراً بولی، مسکرا کر۔''چلیں،ابھی کچھ کر لیتے ہیں۔میں تو آج ویسے بھی یہیں ہوں''۔

''بھابھی،ایسا کرتے ہیں چھت پر چلتے ہیں''۔فضا نے فوراً تجویز دے ڈالی۔

''ہاں ہاں بھابھی! چلیں نا...آ جائیں سب''۔مناہل سب سے پہلے جوش میں کھڑی ہو گئی۔

''تو چلو،چلتے ہیں''۔ماہ گل بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم سب جاؤ،میں روحان کے ساتھ کمرے میں ہی ہوں''۔رشنا نے مسکرا کر انکار کیا۔

یوں وہ سب گھر کے پچھلے حصے میں بنی سیڑھیوں سے ہوتی ہوئی چھت پر آ پہنچیں۔

چھت کشادہ تھی،آسمان کھلا ہوا۔

شام کے پانچ بج رہے تھے۔ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوائیں دن بھر کی گرمی کا بوجھ اتار رہی تھیں۔

ایک طرف مختلف گملے قطار میں رکھے تھے تلسی، گلاب، موتیا اور دیوار کے ساتھ ایک پرانی سی چوکی رکھی تھی، جس پر دھوپ میں دھلا ہوا قالین بچھا تھا۔

دیوار کے پار درختوں کی گھنی شاخیں جھک کر چھت پر چھاؤں کیے ہوئے تھیں۔

"مناہل، فضا... ہمیں آئے اتنے دن ہو گئے، اور آج ہمیں یہاں لا رہی ہو؟" ماہ گل کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

دیوار کے پار پھیلی ہریالی، شاخوں سے جھانکتی دھوپ، اور کھلا آسمان وہ لڑکی جو کبھی باغات اور کھیتوں میں بے روک ٹوک گھوما کرتی تھی، اب جیسے اس چھت پر آکر دوبارہ سانس لینے لگی تھی۔

"کتنی خوبصورت جگہ ہے یہ" اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔

"بس بھابھی، آج ہی خیال آیا" فضا ہنسی۔

"یہ... یہ املی کا پیڑ ہے نا"۔ ماہ گل اچانک چہک اٹھی۔ "آؤ، املی توڑتے ہیں"۔

"نہیں بھابھی، املی کے پیڑ کے قریب مت جائیں" رباب نے فوراً منع کیا۔

"ارے کچھ نہیں ہوتا، رباب" ماہ گل ہنس پڑی۔ "ہم شاہینہ کے ساتھ مل کر اتنی زیادہ املی توڑا کرتے تھے"۔

"لیکن بھابھی، توڑیں گے کیسے؟" فضا نے نیا مسئلہ کھڑا کر دیا۔

"میرب بچے، ذرا دیکھو چھت پر کہیں چھوٹے پتھر ہوں تو لے آؤ"۔ ماہ گل نے فوراً دوپٹے کے پلو سمیٹے، کمر پر گرہ لگائی۔

"جی میں لاتی ہوں بھابھی"۔ میرب اشتیاق سے بھاگی اور فوراً پتھر لے آئی۔

اور پھر ماہ گل بیگم نے نشانہ باندھنا شروع کیا۔

ٹک... ٹک... کچھ پتھر شاخوں سے ٹکرائے، کچھ ادھر اُدھر جا گرے۔

"بھابھی، ایسے تو نہیں گریں گی... کوئی ڈنڈا چاہیے ہوگا"۔ مناہل نے عقل مندی دکھائی۔

"منا! ہم تمہیں ایسے ہی توڑ کر دکھائیں گے۔" ماہ گل نے فاتحانہ انداز میں کہا۔ اب ماہ گل بیگم پوری سنجیدگی سے نشانہ باندھنے لگیں۔ ایک اور پتھر اچھالا، شاخ ہلی، مگر املی نہ گری۔ دوسرا پتھر ذرا ٹیڑھا جا لگا۔ تیسری بار اس کی کلائی میں ایک پرانی مہارت لوٹ آئی۔

ٹھک!

ایک املی نیچے آ گری۔

"واہ!" میرب خوشی سے لپکی اور اسے اٹھا لیا۔

"شاہینہ کے ساتھ مل کر ریس لگاتے تھے کہ کس کی زیادہ املی گرے گی"۔ چوتھا پتھر گیا اور اس کے ساتھ دو اور املیاں جھومتی ہوئی نیچے آ گریں اور میرب نے فوراً لپک کر اٹھا لیں۔

"بھابھی... بھابھی" دیوار کے ساتھ کھڑی فضا نے دبی آواز میں پکارا، لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

"کیا ہوا فضا؟"۔ ماہ گل مصروف سی بولی، ہاتھ اب بھی املی کی شاخوں کی سمت نشانے باندھ رہے تھے۔

"وہ... برابر والا موسی غصے سے گھور رہا ہے"۔ فضا نے نیچے دیکھتے ہوئے بتایا۔

"کون موسی؟ کیوں گھور رہا ہے؟"۔ ماہ گل کا پتھر ہوا میں معلق رہ گیا۔

"وہی بھابھی... جس کے گھر سے یہ املی کی شاخیں آ رہی ہیں۔ آپ کے مارے ہوئے پتھر لگ چکے ہیں اسے" فضا بدستور نیچے دیکھ رہی تھی جبکہ نیچے صحن میں موسی کھڑا تھا آنکھوں میں طیش، چہرے پر ناگواری لیے فضا کو گھور رہا تھا۔

"اوہ... تو اسے پتھر لگ گئے ہیں؟"۔ ماہ گل نے اطمینان سے کہا۔ مناہل اور میرب بھی آگے بڑھ کر دیوار کے کنارے جھانکنے لگیں۔

"جی جی بھابھی"۔ فضا نے سر ہلایا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

''زندہ ہے نا؟''ماہ گل نے اگلا سوال اس سنجیدگی سے کیا کہ تینوں لڑکیاں چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

''کچھ پوچھ رہے ہیں ہم''۔ان کی بھونچک صورتیں دیکھ کر ماہ گل نے ہنستے ہوئے سر پر ہاتھ مارا۔

''آف کورس بھابھی!''۔مناہل بولی۔

''بس تو پھر ٹینشن کس بات کی؟چِل کرو''ماہ گل کھلکھلا کر ہنسی اور پھر سے نشانہ لینے لگی۔

چھت پر پھیلی مدھم ہوتی دھوپ،ہلکی سی ہوا میں املی کے پتوں میں سرسراہٹ،نیچے اپنے گھر کے صحن میں کھڑا خفا سا موسی اور چھت پر کھڑی ہنستی مسکراتی لڑکیاں۔

''بھابھی،آپ تو فل آف لائف ہیں''۔رباب ہنس پڑی۔''تم تینوں کے تو مزے ہیں...اور میں وہاں گھر میں اکیلی بور ہو رہی ہوتی ہوں''۔

''تو رباب میڈم،آپ بھی یہاں آجائیں نا''ماہ گل نے شوخی سے کہا۔

''میں کیسے رہ سکتی ہوں یہاں بھابھی؟''۔رباب نے اداس سا منہ بنایا۔

''چلو،اس کا بھی کوئی حل نکال لیں گے۔''ماہ گل نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

''فضا،کچن سے چاٹ مصالحہ اور نمک لے آؤ''۔۔

"جی بھابھی"۔۔وہ فوراً سے سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

"پلیٹ بھی لیتی آنا"۔ماہ گل نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"اب یہ کیوں بھابھی؟"۔میرب نے ہنستے ہوئے پوچھا،املیوں کا ڈھیر سامنے رکھ کر۔

ماہ گل نے اسے پیار سے دیکھا۔"میرو، یہ املیاں صرف گرانے کے لیے تھیں کیا؟ کھائیں گے بھی۔اسی لیے تو منگوایا ہے"۔

پھر اس نے دوپٹے کی گرہ کھولی، دوپٹا درست کرتی ہوئی چوکی پر پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

اور شام، ہنسی، املی کی کھٹاس اور اپنائیت میں گھلتی چلی گئی۔

رحمانی ہاؤس کے بلند و بالا گیٹ سے حدیر رحمانی اپنی گاڑی اندر لا ہی رہا تھا کہ سامنے سے موسیٰ آتا دکھائی دیا۔حدیر نے بریک لگائی، گاڑی سائیڈ پر کی اور اتر آیا۔

"کیسے ہو موسیٰ؟"۔اس کے لبوں پر شائستہ سی مسکراہٹ تھی، ہاتھ آگے بڑھا ہوا۔

"ٹھیک ہوں حُدیر بھائی..."موسیٰ نے ہاتھ تو ملا لیا، مگر اس کی مسکراہٹ میں وہ مانوس گرم جوشی نہیں تھی۔"بس...آپ کو یہ دینے آیا تھا"۔۔

"کیا؟"۔حدیر نے بھنویں سکیڑ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

موسیٰ نے بند مٹھی آگے کی... پھر آہستہ سے کھول دی۔اس کی ہتھیلی پر پانچ چھوٹے چھوٹے پتھر رکھے تھے۔سادہ، مگر کسی خاموش شکایت کے گواہ۔

"یہ کیا ہے؟"۔حدیر کی آواز میں حیرت گھل گئی۔

"پتھر ہیں، حدیر بھائی۔"موسیٰ نے خشک لہجے میں کہا۔"جو آپ کے گھر کی چھت سے آکر میرے سر پر لگے ہیں۔"ناخوشگواری سے بتاتا، وہ پتھر حدیر کی ہتھیلی پر رکھ دیے۔

"میرے گھر کی چھت سے؟"۔حدیر چونکا۔

"جی۔"موسیٰ نے ہلکا سا طنزیہ سانس لیا۔"کہیے گا...اگر اگلی بار املی چاہیے تو خان بابا سے کہہ کر لے جایا کریں۔یوں کسی کے سر کو نشانہ بنانے کی ضرورت نہیں"۔۔بات مکمل کر کے وہ پلٹ گیا۔اس کے قدموں میں خفگی کی ہلکی سی ٹھک ٹھک تھی۔۔

حدیر کچھ لمحے وہیں کھڑا رہا۔پھر گاڑی اندر لے جا کر پارک کی۔شام کی دھندلکی روشنی لان میں اتر رہی تھی۔ مٹھی میں پتھر دبائے وہ سیڑھیاں چڑھنے لگا۔

ابھی آخری زینے باقی تھے کہ اوپر سے قہقہوں کی آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں۔ کھنکتی، بے فکری سے بھرپور ہنسی اس کے ہونٹ آپس میں بھنچ گئے۔

جیسے ہی وہ چھت پر پہنچا، منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔ حدیر سیڑھیوں کے دہانے پر کھڑا رہ گیا۔

چھت پر شام کا نرم سا جادو اترا ہوا تھا۔ قالین بچھی چوکی پر سب بیٹھی تھیں۔ شام کی ٹھنڈی ہوا دوپٹوں کے کنارے ہلا رہی تھی۔ املیاں ایک پلیٹ میں ڈھیر تھیں، جن پر چاٹ مصالحہ اور نمک چمک رہا تھا۔ اور بیچوں بیچ اس کی زوجہ محترمہ ماہ گل پورے جوش و خروش سے املی چباتی، مناہل کی کسی بات پر ہنس رہی تھی۔ ماہ گل کے بال گھرے، گھنے اور سیاہی مائل تھے، جنہیں اس نے سلیقے سے چوٹی میں گوندھ رکھا تھا۔ وہ لمبی چوٹی اس کی پشت پر سانپ سی لہراتی جھول رہی تھی۔ مگر چند ضدی لٹیں تھیں جو اس بندھن کی پابند نہ بن سکیں۔ وہ ماتھے کے کناروں سے نکل کر اس کے رخساروں کو چھو رہی تھیں، کبھی ہوا کے دوش پر اڑ کر آنکھوں کے قریب آ جاتیں، کبھی اس کے ہونٹوں کے پاس ٹھہر جاتیں۔ وہ لاپرواہی سے انہیں انگلی کی پور سے کان کے پیچھے سرکاتی، مگر اگلے ہی لمحے وہ پھر چہرے سے لپٹ جاتیں۔ منظر حسین تھا، حسین سے بھی حسین تر۔ حدیر رحمانی گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ خود پر قابو پاتے وہ آگے بڑھا۔

"یہ کیا فضول سی چیز کھا رہے ہو تم لوگ؟"۔ حدیر کی آواز یکا یک شام کی نرم فضا کو چیرتی ہوئی ابھری۔ ہنسی کا فوارہ وہیں تھم گیا۔ املی ہاتھوں میں رُکی رہ گئی۔ سب چونک گئیں۔

"توبہ کریں حدیر!" ماہ گل فوراً تڑپ اٹھی۔ "یہ املی ہے، کھانے کی چیز...اور آپ اسے فضول کہہ رہے ہیں؟"۔اس کی املی پر کی گئی گستاخی پر وہ واقعی تڑپ گئی تھی۔

حدیر کی پیشانی پر شکنیں گہری ہو گئیں۔

وہ خاموشی سے مٹھی کھول کران کے سامنے کر گیا۔ "یہ تم میں سے کس نے پتھر مارے ہیں؟"۔پانچ چھوٹے پتھر اس کی ہتھیلی پر خاموش گواہوں کی طرح پڑے تھے۔سب کی نظریں ایک ساتھ مڑیں اور سیدھی ماہ گل پر جا ٹھہریں۔

"پتھر؟"۔وہ چونکی۔املی کا کھٹا لقمہ حلق میں اٹک گیا۔وہ ہلکا سا کھانسی، آنکھوں میں پانی سا بھر آیا۔حدیر تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"یہ...یہ آپ کو کس نے دیے؟"۔سنبھلتے ہی وہ آنکھیں پھیلائے پوچھنے لگی۔

"جس کو آپ نے مارے ہیں...اسی نے۔" حدیر کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"فضا...نام کیا بتایا تھا تم نے؟"۔ماہ گل نے فوراً فضا کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔لیکن اس سرگوشی سے سب ہی فیض یاب ہوئے تھے۔

"موسیٰ بھابھی...موسیٰ"۔فضا نے دھیرے سے جواب دیا۔

''ہاں وہی موسی''۔ ماہ گل کی بھنویں تن گئیں۔ ''کیا عجیب بندہ ہے۔ نیچے کھڑا ہمیں گھور رہا تھا۔ اگر تکلیف ہوئی تھی تو وہیں بتا دیتا۔ ہم معذرت کر لیتے۔ لیکن نہیں... محلے کی آنٹی شبانہ کی طرح سیدھا آپ کے پاس پہنچ گیا۔ بھلا پتھر لگنے سے مر تو نہیں جانا تھا اس نے''۔

ماہ گل کے انداز پر لڑکیوں کے چہروں پر ہنسی بکھرنے لگی۔ جسے وہ بمشکل حدیر کی موجودگی کے باعث دبائی ہوئی تھیں۔ مگر حدیر کے جبڑے سخت ہو چکے تھے۔

''ماہ گل بی بی'' وہ ضبط شدہ غصے سے بولا۔ ''اپنی زبان کو قابو میں رکھیے۔ کسی دن واقعی میرے ہاتھوں ضائع ہو جائیں گی''۔

''ایویں ضائع ہو جاؤں گی؟'' وہ دوبدو ہو گئی۔ ''ہاتھ لگا کر تو دکھائیں''۔

''یا اللہ صبر'' حدیر نے پیشانی مسلی، گہری سانس بھری۔

''یہ تم سب کے لیے آخری وارننگ ہے۔ یہ جو آج کل تم سب اپنی بھابھی کے ساتھ مل کر حرکتیں کر رہی ہو نا... اگلی بار سزا ملے گی''۔ پھر سب کی طرف دیکھ کر بولا۔ بات مکمل کرتے ہی مڑا اور سیڑھیاں اترنے لگا۔

پیچھے چھت پر پھر سے دبی دبی ہنسی ابھریں، شام کی ہوا میں املی اور شرارت کی خوشبو گھل گئی۔

زاولز کلب
Clubb of Quality Content

رات اپنے سیاہ مخملی آنچل کو آسمان پر پھیلا چکی تھی۔ستارے جیسے کسی نے چاندی کے ذرے چھڑک دیے ہوں۔دن بھر کی گرمی کے بعد لان کی گھاس ٹھنڈی ہو چکی تھی،اور ہلکی ہلکی ہوا تھکے ہوئے جسموں کو بھلی معلوم ہو رہی تھیں۔شام کو وہ سب مزمل کے ساتھ باہر گھوم کر آئے تھے۔آئسکریم، قہقہے، تصویریں...اور اب رات کی خاموش ٹھنڈک۔

لان میں کیرم بورڈ بچھا تھا۔مناہل، فضا، میرب اور رباب گٹیاں سنجیدگی سے چلا رہی تھیں، مگر ہر چند منٹ بعد کسی کی ہنسی فضا میں موتیوں کی طرح بکھر جاتی۔

ماہ گل نے کھیلنے سے انکار کر دیا تھا۔وہ سفید کرسی پر کتاب کھولے بیٹھی تھی، مگر پڑھ کم اور دیکھ زیادہ رہی تھی۔کتاب کے صفحے پر انگلی رکھے وہ جیسے کسی اور ہی منصوبے میں مصروف تھی۔

مزمل بھی قریب ہی کرسی پر نیم دراز سا بیٹھا تھا۔

ہادی اور ریان موبائل پر کرکٹ گیم میں مصروف تھے۔

ہوا میں ایک گھریلو سی بے فکری تھی۔

"مزمل بھائی"۔ماہ گل نے کتاب کے بیچ انگلی رکھ کر صفحہ بند کیا اور سنجیدہ آواز میں پکارا۔

"جی بھابھی؟"مزمل فوراً متوجہ ہوا۔اس کے چہرے پر احترام بھی تھا اور معمول کی بے خبری بھی۔

Clubb of Quality Content

"رباب پیاری ہے نا؟"۔ لہجہ ایسا سنجیدہ تھا کہ سوال کی سادگی پر بھی شک ہونے لگا۔

مزمل ذرا سا گڑبڑایا۔ "جی... کیا مطلب بھابھی؟"

"آئسکریم کھاتے ہوئے بھی...اور ابھی یہاں بیٹھے ہوئے بھی...آپ رباب کو کافی توجہ سے دیکھ رہے تھے۔ تو ہمیں لگا تصدیق کر لیں"۔ ماہ گل نے آنکھوں میں ٹھہری شرارت کو بمشکل چھپاتے ہوئے کہا۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے بھابھی"۔ مزمل فوراً سیدھا ہو بیٹھا۔

"اچھا؟"۔ وہ ہلکا سا مسکرائی۔ "اصل میں ہم رباب کے لیے رشتہ دیکھ رہے ہیں۔ لڑکی پیاری چاہیے۔ اور رباب تو...ماشاءاللہ...بہت پیاری ہے"۔ اس کی آواز سنجیدہ تھی، مگر آنکھوں میں شوخی کا چاند جھلملایا۔

"آپ کیوں رشتہ دیکھ رہی ہیں؟"۔ مزمل کے چہرے کے زاویے یکدم بدل گئے۔ اب بے چینی اس کے لہجے میں صاف جھلک رہی تھی۔

ماہ گل نے جیسے مزید سنجیدگی اوڑھ لی۔

Clubb of Quality Content

"رباب یہاں سب کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ہم نے سوچا شایان بھائی کے لیے بات کریں... مگر اس دن کی لڑائی کے بعد وہ ہمیں سرخ جھنڈا لگے۔تو اب تو وہ لسٹ سے نکل گئے ہیں۔ کہیں اور دیکھ رہے ہیں"۔شایان کا نام لیتے ہوئے اس نے منہ کے زاویے بگاڑے۔

مزمل کی نظریں بے اختیار ہنستی ہوئی رباب پر جا ٹھہریں۔وہ کیرم کھیلتے ہوئے بے خبر قہقہے لگا رہی تھی۔

"وہ...یہاں آنا چاہتی ہے؟"

"ہاں۔وہاں اکیلی بور ہو جاتی ہے"۔ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔

"تو بھابھی...میں ہوں نا۔میں لے آؤں گا اسے ہمیشہ کے لیے یہاں"۔پھر مزمل جیسے کسی اور ہی کیفیت میں بولا۔

الفاظ اس کے لبوں سے بے خیالی میں پھسلتے چلے گئے۔

ماہ گل کا ضبط ٹوٹ گیا۔وہ بے اختیار ہنس پڑی۔وہ ہنسی ایسی تھی جیسے رات کے سکوت میں اچانک گھنگرو بج اٹھیں۔

مزمل چونکا۔پھر اپنے ہی جملے کا مفہوم سمجھتے ہی اس کے کان سرخ ہو گئے۔"بھابھی...میرا مطلب"۔وہ داڑھی کھجاتے ہوئے وضاحت دینے لگا۔

ناول کلب Clubb of Quality Content

''بس بس۔ ہم سارے مطلب سمجھ گئے''۔ماہ گل ہنسی کے درمیان بولی۔

''کیا ہوا مزمل بھائی؟''ہادی نے موبائل ریان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوتے تجسس سے دیکھا۔

''وہی جو تمہارے ساتھ ہوا تھا''۔ماہ گل نے مسکراتے ہوئے فوراً جواب دیا۔

''کیا مطلب؟مزمل بھائی آپ بھی؟ان کے ہاتھوں پکڑے گئے؟''۔ہادی قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''ہادی تم...''مزمل نے گھورا۔

ماہ گل نے بات سنبھالی، مگر انداز اب بھی دلبرا تھا۔

''کوئی بات نہیں مزمل بھائی۔یوں بھی گھر میں کافی بوریت ہو گئی ہے۔ہمارا شادی اٹینڈ کرنے کا دل چاہ رہا ہے۔آپ تو کہیں گے نہیں، ہم ہی اماں سائیں سے بات کر لیتے ہیں''۔۔

''بالکل بھابھی!آخر کب تک سنگل رہیں گے مزمل بھائی؟''ہادی نے فوراً تائید کی۔''اب تو ان کے دوست بھی شادی شدہ ہو گئے''اشارہ صاف حدیر کی جانب تھا۔

''آپ لوگ پلان بناتے رہیں۔میں جا رہا ہوں''۔مزمل نے ہلکی سی جھنجھلاہٹ کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"جی جائیں... فکر نہ کریں۔ آگے ہم سنبھال لیں گے"۔ ماہ گل نے شوخی سے کہا۔ وہ ہادی کے ساتھ مل کر آئندہ کی "منصوبہ بندی" میں مصروف ہو گئی۔ لان میں ہنسی کی لہریں پھیلتی رہیں۔ ستارے خاموشی سے چمکتے رہے۔ چاند مسکرا کر کھلتے چہرے کو دیکھا تھا۔

مزمل دروازہ دھکیلتا اندر آیا تو قدموں میں عجیب سی جھنجھلاہٹ تھی۔

کمرے کی مدھم روشنی میں حدیر صوفے پر نیم دراز بیٹھا تھا، ایک بازو پشت پر پھیلائے، چہرے پر وہی مانوس سا سکون۔ مزمل آ کر اس کے برابر دھپ سے بیٹھ گیا۔

"تجھے کیا ہوا؟"۔ حدیر نے بغور اسے دیکھا۔

"یہ مت پوچھ کیا ہوا؟... بلکہ یہ پوچھ کیا کیا نہیں ہوا"۔ مزمل نے ایک گہری سانس بھری۔

حدیر کے لبوں پر مسکراہٹ تیر گئی۔

"اچھا، وہی سہی۔ بتا دے کیا نہیں ہوا؟"۔ وہ مزید آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا، ابرو ہلکا سا اچکایا۔

"یہ تیری بیوی کیا چیز ہے؟ کوئی بھی محفوظ نہیں ہے اس سے، بھائی"۔ مزمل نے سر جھٹکا۔

حدیر نے ہنسی ضبط کی۔ "اب کیا کر دیا اس نے؟"۔ آنکھوں میں چمک اتر آئی۔

''وہ جان گئی ہے... کہ میں رباب کو پسند کرتا ہوں''۔مزمل نے آواز اور دھیمی کی، جیسے دیواریں بھی سن رہی ہوں۔

ایک لمحے کو خاموشی چھائی۔ پھر حدیر رحمانی کی ہنسی کھل کر فضا میں بکھر گئی۔

''کیا واقعی؟''اس کے قہقہے میں چھیڑ بھی تھی اور لطف بھی۔

مزمل نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''نہ صرف جان گئی...بلکہ نیچے ہادی کے ساتھ مل کر میری شادی کی پلاننگ بھی شروع کر دی ہے۔ایسے بیٹھ کر جیسے نکاح کل ہی ہونا ہو''۔

حدیر نے سر پیچھے ٹکا کر ہنسی روکی۔''میں کیا کہہ سکتا ہوں؟اب تجھے اس کے سامنے سنبھل کر رہنا چاہیے تھا۔دنیا بھلائے کس نے دیکھنے کو کہا تھا؟''۔

''مجھے کیا معلوم وہ یوں پکڑ لیں گی!میں تو بس''مزمل نے بے بسی سے ہاتھ پھیلائے۔

حدیر کی آنکھوں میں ایک لمحے کو عجیب سی چمک آئی

وہ ہلکا سا مسکرایا۔''وہ کچھ بھی کر سکتی ہے مزمل...کچھ بھی''۔اسی لمحے اس کے ذہن میں شام کا منظر ابھرا

Clubb of Quality Content

چھت پر چوکی پر بیٹھی ماہ گل، ہوا میں اڑتے بال، آنکھوں میں وہ شرارتی چمک...اور وہ خود، بے خبر، اس کی باتوں میں الجھا ہوا۔

وہ جانتا تھا۔وہ لڑکی محض ہنستی نہیں تھی دلوں کے بھید پڑھ لیتی تھی۔

مزمل ابھی تک بڑبڑا رہا تھا۔

"اور وہ ہادی کا بچہ مجھے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے نہ جانے کون سا جرم کر دیا ہو میں نے"۔۔وہ سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔

حدیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"عشق جرم نہیں تو اور کیا ہے؟اور عاشق زیادہ دیر چھپ نہیں سکتے میرے دوست" حدیر مسکراہٹ روکتے اسے تنگ کیا۔مزمل نے اسے گھورا، مگر اس کے چہرے کی سرخی سب کہہ رہی تھی۔کمرے میں نرم سی خاموشی اتر آئی۔

باہر رات ابھی جاگ رہی تھی۔

دن دھیرے دھیرے ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسل رہے تھے۔ گرمی اب اپنے شباب پر تھی۔ دوپہر کا سورج صحن کی سفید دیواروں پر یوں چمکتا جیسے کسی نے آگ کی چادر تان دی ہو۔ ہوا میں تپش گھلی ہوتی۔

شام ڈھلتی تو آسمان ہلکے سنہری سے نارنجی رنگ میں ڈوب جاتا، اور کھڑکیوں سے اندر آتی ہوا پردوں کو آہستہ آہستہ جنبش دیتی۔

ماہ گل اب اس گھر میں اجنبی نہیں رہی تھی۔

اماں ابا سے فون پر بات ہو جاتی تو آنکھوں میں نمی سی اترتی، مگر اب یہ گھر بھی اس کے دل کے نقشے پر اپنی جگہ بنا چکا تھا۔

امرین رحمانی سے وہ مہذب فاصلے پر رہتی خاموشی سے، بغیر تلخی کے اور بشری رحمانی کو وہ بڑے سلیقے اور ٹھہراؤ سے سنبھال لیتی۔

زندگی کا نام چلنا ہے...اور وہ چل رہی تھی نرم قدموں سے، مگر پختہ ارادے کے ساتھ۔

رباب اپنے گھر واپس جا چکی تھی، مگر اس کی کھنکتی ہنسی جیسے اب بھی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آتی۔ اسی ہنسی کے پیچھے ایک خیال نے ماہ گل کے دل میں آہستہ سے آنکھ کھولی۔ ایک ایسا خیال جس میں گھر کی رونق، کسی کے دل کی خوشی اور آنے والے دنوں کی چمک چھپی تھی۔

وہ کچھ دیر کھڑکی کے پاس کھڑی رہی۔ باہر نیم کے درخت کے پتے دھوپ میں چمک رہے تھے۔اس نے گہری سانس لی پھر وہ اماں سائیں کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

دروازہ آدھا کھلا تھا۔اندر ہلکی سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔پردے نیم وا تھے اور ہوا کے نرم جھونکوں سے دھیرے دھیرے ہل رہے تھے۔

اماں سائیں بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ہاتھ میں تسبیح، آنکھوں میں برسوں کی دانائی اور چہرے پر شفقت کی روشنی۔ماہ گل آہستگی سے اندر آئی اور ان کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"اماں سائیں... ہمیں آپ سے بات کرنی ہے"

"ہاں کہو بیٹی"۔اماں سائیں نے تسبیح کے دانے روک کر اسے دیکھا۔

"اماں سائیں... ہمارے ذہن میں ایک خیال ہے۔اگر آپ کو برا نہ لگے تو..." وہ لمحہ بھر کو رکی۔

"برا کیوں لگے گا؟ تم کہو بیٹی"۔اماں سائیں کے لبوں پر محبت بھری مسکراہٹ آئی۔

"اگر مزمل بھائی اور رباب کی شادی ہو جائے...؟ دونوں ساتھ میں بہت اچھے لگتے ہیں۔اور گھر میں بھی رونق ہو جائے گی"۔کمرے کی خاموشی جیسے اس تجویز کو اپنے اندر جذب کرنے لگی۔

”مزمل...اور رباب؟“اماں سائیں نے سوچتے ہوئے دہرایا۔

پھر آہستہ آہستہ ان کے چہرے پر پسندیدگی کی نرم روشنی پھیل گئی۔”میرے ذہن میں یہ خیال کیوں نہیں آیا؟“

ماہ گل کی آنکھوں میں امید کی چمک تیر گئی۔

”خیال تو بہت اچھا ہے بیٹی... مگر بچوں کی مرضی بھی تو جاننی ہوگی“۔ماہ گل نے فوراً سر اٹھایا۔

”اماں سائیں، آپ کے بچوں کی مرضی جان کر ہی آئی ہوں۔مزمل بھائی اور رباب...دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں“۔اس کے لہجے میں سچائی بھی تھی اور خوشی کی معصوم سی کھنک بھی۔

Clubb of Quality Content!

اماں سائیں نے تسبیح ایک طرف رکھ دی۔”پھر تو بہت اچھی بات ہے۔جاؤ، ہاجرہ کو بلالاؤ۔ پہلے اس سے بات کرتے ہیں، پھر مہناز کو کال کر کے بھی معلوم کر لیتے ہیں“۔

ماہ گل کے دل میں جیسے پھولوں کی بارش ہو گئی۔

وہ اٹھتے اٹھتے رکی، آنکھوں میں شوخی اتر آئی۔

''لیکن اماں سائیں... پھوپھو سے کہیے گا رباب کو کچھ نہ بتائیں۔ ہم سب اسے سرپرائز دیں گے''۔

''اچھا بھئی، جیسا تم چاہو''۔اماں سائیں ہنس دیں۔

آج رحمانی ہاؤس واقعی کسی خوشی کی دہلیز پر کھڑا محسوس ہو رہا تھا۔

ہر طرف ہلچل تھی سیڑھیوں پر دوڑتے قدم،لاؤنج میں بکھرے رنگین ریپر، کچن سے آتی مہک،اور درمیان میں گونجتی ہنسیوں کی مدھم بازگشت۔

گھر جیسے سانس لے رہا تھا۔

لاؤنج کے عین وسط میں نرم قالین پر رنگ ہا رنگ تحائف قرینے سے سجے تھے۔ریشمی ربن، سنہری کاغذ، باریک جالی دار نیٹ، چھوٹے چھوٹے کارڈز سب ایک ترتیب میں رکھے ہوئے۔

ان سب کے درمیان ماہ گل بیٹھی تھی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

بالوں کا سادہ سا جوڑا گردن کی سپیدائی پر ٹھہرا ہوا، چند نرم لٹیں پسینے اور مصروفیت کے باعث گالوں سے چپک آئی تھیں۔ ماتھے پر باریک سی نمی کی تہہ مگر چہرے پر ایک مطمئن چمک۔ وہ تیزی سے ہاتھ چلا رہی تھی۔

وہ سر جھکائے نہایت انہماک سے تحائف پیک کر رہی تھی۔ کبھی ریپر موڑتی، کبھی ربن باندھتی، کبھی ٹیپ دانتوں سے کاٹ کر کنارے درست کرتی۔

اس کے ساتھ ریان بیٹھا تھا، جو کبھی حیرت سے اسے دیکھتا، کبھی تحفوں کو۔

"ماہا! کب سے تم کاموں میں لگی ہو؟" رشنا روحان کا فیڈر لینے آئی تو اسے اب بھی اسی انہماک سے کام کرتے دیکھ کر رک گئی۔ "جاؤ، اب جا کر تیار ہو جاؤ۔ باقی یہ ہادی اور ریان دیکھ لیں گے"۔

"ہاں بھابھی، کب سے آپ کر رہی ہیں؟ میں یہ کر لوں گا"۔ ریان نے فوراً فیتہ تھام لیا۔ ریان مزاج میں سادہ خاموش طبعیت کا لڑکا تھا۔

ماہ گل نے مسکرا کر ربن کی آخری گرہ مضبوط کی۔

"بس یہ مکمل کر لیں... پھر ہم ہو جائیں گے تیار"۔ اس کی مسکراہٹ میں اپنائیت تھی اور ریان کی آنکھوں میں سچی سی فکر مندی۔

Clubb of Quality Content!

اسی لمحے دروازے سے اندر آتے حدیر کی نظر یہ منظر جذب کر چکی تھی۔وہ چند لمحے وہیں رکا رہا۔وہ شوخ سی ماہا آج ایک باوقار، سلیقہ شعار خاتون کے قالب میں ڈھلی ہوئی تھی۔سر جھکائے، پوری توجہ سے پیکنگ کرتی ہوئی۔اس نے سر اٹھایا تو نگاہ حدیر سے آن ملی۔۔

''آگئے آپ؟''۔آنکھوں میں ہلکی سی چمک آئی۔''ہم نے یعنی...میں نے آپ کے کپڑے پریس کر کے وارڈروب میں ہینگ کر دیے ہیں۔آپ تیار ہو جائیں''۔

لفظ ''ہم'' جیسے خود ہی سنبھل کر ''میں'' بن گیا تھا کیونکہ سامنے سے بشریٰ رحمانی آتی دکھائی دے رہی تھیں۔۔حدیر نے صرف دھیرے سے سر ہلا دیا۔مگر اس کے اندر کچھ اور ہل گیا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

یہ لڑکی...چند لمحے وہ اسے دیکھتا رہا۔

یہ وہی شوخ و شریر ماہا تھی؟جو کبھی لفظوں سے الجھتی، کبھی مسکراہٹ سے اسے بے بس کر دیتی تھی؟وہ اس کے لمحے لمحے پر اثر انداز ہو رہی تھی۔اس کے دل میں اپنی جگہ اور بھی گہری کر رہی تھی۔

یہ وہی لڑکی تھی جو کبھی چنچل لہجے میں الجھ جایا کرتی تھی،اور آج اسی گھر کی نظم و نسق کا محور بنی بیٹھی تھی۔اس کی انگلیوں کی جنبش میں نفاست تھی۔

لاؤنج کی روشنیاں، تحائف کی چمک، فیتوں کی رعنائی سب اپنی جگہ، مگر حدیر کو اس لمحے سب سے زیادہ دلکش وہ سر جھکائے بیٹھی وجود لگا، جو اس کے نام سے جڑا تھا۔اور یوں گہما گہمی کے اس شور میں ایک خاموش سا احساس اس کے دل میں اترتا چلا گیا۔

''چچی دیکھیں، سب ٹھیک ہے نا؟''۔ہاجرہ چچی کو آتے دیکھ کر وہ فوراً سے پوچھی۔ہاجرہ چچی نے تحفوں پر نگاہ ڈالی، پھر اس کے چہرے پر۔

''ہاں بچے، سب بہت اچھا ہے۔تم نے میرا سارا کام سنبھال لیا۔یہ فضا اور میرب تو کسی کام کی نہیں''۔چچی کے لہجے میں واقعی شکر گزاری تھی۔

ریان ایک تحفہ ہاتھ میں لیے گھوما رہا تھا۔''یہ اتنے بہترین پیکنگ کے آئیڈیا کہاں سے آئے بھابھی؟''۔

''یہاں سے...''ماہ گل نے ٹیپ دانت سے کاٹی، ایک ہاتھ میں رول پکڑا، اور دوسرے ہاتھ کی انگلی سے اپنے ماتھے پر ہلکی سی دستک دی۔ریان کھل کر ہنس دیا۔

آپ کو آن لائن بزنس شروع کر دینا چاہیے بھابھی۔سچ میں بہت ٹیلنٹڈ ہیں آپ''.اس کے تعریف کرنے پر وہ ہنس دی۔

سب کچھ سمیٹ کر وہ آہستگی سے کھڑی ہوئی۔

دوپٹے کا پلو سنبھالا، جوڑے کو درست کیا۔

”چلو ریان، یہ تم سمیٹ لو۔ اب ہم تیار ہونے جا رہے ہیں“۔ سیڑھیوں کی طرف بڑھتے ہوئے اس کے قدم ہلکے تھے۔

پیچھے لاؤنج میں اب بھی ہلچل تھی۔

رائل بلو رنگ کے لانگ کمیز پر باریک سلور کام تھا۔ دوپٹہ بائیں کندھے پر نرمی سے پھیلا ہوا، ہر حرکت کے ساتھ ہلکی سی چمک بکھیرتا۔ لمبے بالوں کو اس نے ہلکا سا ٹوئسٹ دے کر کھلا چھوڑ دیا تھا سیاہ ریشمی لہریں کمر پر بکھری ہوئی تھیں۔

لبوں پر شفاف سا گلوس، آنکھوں میں باریک لائنر کی لکیر، جو اس کی نگاہ کو اور گہرا بنا رہی تھی۔ کانوں میں چھوٹے چھوٹے سلور جھمکے پہنتے ہوئے وہ ذرا سا آئینے کے قریب جھکی، جیسے خود کو آخری بار پرکھ رہی ہو۔ پھر کھسہ پہن کر سیدھی ہوئی ہی تھی کہ باہر سے مناہل کی عجلت بھری آواز آئی۔

”جلدی آ جائیں بھابھی! حدید بھائی ورنہ چھوڑ کر چلے جائیں گے“۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ایک تو تمہارے حدیر بھائی۔۔" وہ دوپٹہ سنبھالتی گہری سانس بھر کر رہ گئی، مگر لبوں پر مسکراہٹ دبائے باہر نکل آئی۔

سب جا چکے تھے۔انہیں حدیر کے ساتھ جانا تھا،اس لیے وہ دونوں اس کے انتظار میں بیٹھی تھیں۔گاڑی کے دروازے بند ہوتے ہی وہ خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

پورے راستے ماہ گل کو یوں محسوس ہوتا رہا جیسے کوئی نگاہ بار بار اس پر آ کر ٹھہر رہی ہو۔وہ کھڑکی کے پار دیکھتی رہی روشنیوں میں لپٹے راستے، گزرتے درخت، شہر کی شام۔

کبھی وہ دوپٹہ ذرا سا سنبھالتی، کبھی بال کان کے پیچھے کرتی، جیسے انجانے میں خود کو درست کر رہی ہو۔دل کی دھڑکن بے وجہ تیز ہونے لگتی۔

شاید وہم ہو...یا شاید نہیں۔

اس نے ایک بار بھی براہِ راست اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کی۔نگاہیں مسلسل کھڑکی سے باہر، مگر شعور پوری طرح اس کی موجودگی سے باخبر۔وہ پورے راستے جان بوجھ کر اس کی طرف دیکھنے سے گریز کرتی رہی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یار آپی، اگر نانو، ماموں وغیرہ آئے ہیں تو مجھے اتنا تیار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"۔ رباب کی جھنجھلائی ہوئی آواز کمرے میں ہلکی سی گونج پیدا کر گئی۔

ماہ گل اور مناہل کمرے کے دروازے پر رک کر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائیں۔

دروازہ کھولتے ہی رباب سامنے تھی ہلکے رنگ کے لباس میں سجی، آنکھوں میں گھبراہٹ، ہونٹوں پر ناراضگی۔

"ارے رباب، تم تو پیاری سی دلہن لگ رہی ہو"۔ ماہ گل اندر آتی ہوئی بولی۔

"دیکھا؟" رباب نے فوراً رشنا کو دیکھا۔ "میں کب سے کہہ رہی ہوں مجھے زیادہ تیار کر دیا ہے، مگر یہ مان ہی نہیں رہیں"۔

"بالکل پرفیکٹ ریڈی کیا ہے بھابھی نے۔ بہت پیاری لگ رہی ہو"۔ ماہ گل اس کے قریب آئی، نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"بھابھی، اس کا دوپٹہ سر پر سیٹ کریں، پھر باہر لے کر چلتے ہیں"۔ ماہ گل نے رشنا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رباب نے گھبرا کر نگاہیں اس طرف گھمائیں، دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"یہ آپ سب لوگ کیا کر رہے ہیں میرے ساتھ؟"اُس کی آواز میں حیرت اور ہلکی سی نرمی تھی، جو اُس کے گھبرائے دل کی تصویر بن رہی تھی۔

"ششش۔۔۔دلہنیں نہیں بولتی" ماہ گل نے مسکراہٹ دبائی۔

رباب شاک ہوئی، آنکھیں بڑی ہو گئیں، دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں۔"کون سی دلہن؟"اُس نے حیرت سے سوال کیا۔

"مزمل کی دلہن"۔ماہ گل نے شرارتی سی سرگوشی کی، رباب کے دل پر ایک لہر سی دوڑ گئی، چہرے پر حیرت اور نرم سرخی اکٹھی ہو گئی۔

اور پھر اسے باہر لا کر صوفے پر مزمل کے برابر میں بٹھا دیا گیا۔پہلے بڑوں نے رسم ادا کیا۔ اس کے بعد سارے چھوٹوں نے مل کر خوب ہلا گلا کیا۔

شادی کی تاریخ بھی طے کر دی گئی تھی، گھر کے بچے تھے اس لیے زیادہ سوچ بچار کی ضرورت نہ تھی۔۔پندرہ دن بعد کی رخصتی کی تاریخ طے ہوئی۔آنے والے ہفتے کے فنکشن کی خوشبو پہلے ہی ہر کمرے میں پھیل چکی تھی۔

مہناز پھوپھو نے دروازہ کھولا تو سامنے حدیر کو کھڑا دیکھ کر ایک لمحے کے لیے رک گئیں، پھر نرم، معنی خیز مسکراہٹ لبوں پر کھل گئی۔

"خیریت ہے بھتیجے! یوں تو مہینوں مہینوں شکل نہیں دکھاتے، اور آج ایک ہی ہفتے میں دوسرا چکر؟" پھوپھو نے ہلکی شرارت اور نرمی کے ملا جلا انداز میں کہا۔

"دکھا دیا نہ آپ نے کہ پھوپھو ہیں آپ، بھتیجے کے بار بار آنے پر خوش ہونے کے بجائے سوالوں سے استقبال کرتی ہیں... چچ چچ..." حدیر نے مصنوعی اداسی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

"جیسے میں تو تمہیں جانتی نہیں"۔ مہناز پھوپھو نے ہنستے ہوئے اسے ساتھ لے لیا، اور دونوں لاؤنج میں داخل ہوئے، جہاں نرم روشنی، پردوں سے گزرتی سنہری کرنیں اور ہلکی خوشبو ماحول کو مدھم، پرسکون اور خوشگوار بنا رہی تھی۔

"یہ جس کے لیے اتنے چکر صبح و شام لگ رہے ہیں، اسے معلوم ہے؟" پھوپھو نے ہنسی دباتے ہوئے، آنکھوں میں چمک کے ساتھ پوچھا۔

"کیسے چکر، پھوپھو؟ ایک تو میں اپنی پھوپھو سے ملنے آرہا ہوں، اور آپ ہیں، نا جانے کیا کیا بول رہی ہیں؟"۔ حدیر تھوڑا سا گڑبڑایا پھر ہنستے ہوئے بولا۔

”رہنے دیں بیٹا جی، یہ جو تمہاری آنکھیں ادھر ادھر گھوم رہی ہیں، سب پتہ ہے مجھے“۔ مہناز پھوپھو نے ہنسی دباتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی، آنکھوں میں چمک، اور لبوں پر نرم مسکان۔۔

”پھوپھو!“ حدیر نے مصنوعی خفگی کے ساتھ کہا۔

”وہ تب تک نہیں آئے گی جب تک میں نہیں بلاؤں گی“۔ ان کے لہجے میں نرمی اور شرارت کی مٹھاس دونوں گھلی ہوئی تھی۔۔

”یہ تو غلط بات ہے“۔ حدیر سیدھا ہوا، ہلکی سنجیدگی کے ساتھ بولا۔

”کیوں بھئی، غلط بات کیوں؟ میرا بچہ تو اپنی پھوپھو سے ملنے آیا ہے، اور پھوپھو تو بیٹھی ہیں“۔ مہناز پھوپھو کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں، لبوں پر نرمی اور ہنسی کا امتزاج تھا۔

”ایک تو آپ نے میری بیوی کو اپنے گھر میں روک لیا ہے اوپر سے اسے چھپا بھی دیا ہے، ڈیٹس ناٹ فئیر پھوپھو“۔

آخر کار ہار مان کر وہ اپنی جھنجھلائی ہوئی حالت میں انہیں ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

”ہاہاہا! حدیر، تم جانتے ہو کتنے کیوٹ لگ رہے ہو؟“۔ پھوپھو نے کھل کر ہنستے ہوئے کہا۔

”مجھے نہیں جاننا، آپ اسے بلائیں“۔ حدیر نے خفگی بھری نگاہ سے پھوپھو کو دیکھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تین دن سے ماہ گل شادی کی تیاریوں کی وجہ سے مہناز پھو پھو کے گھر تھی۔

"کیا کہہ کر بلاؤں؟ کہ حدیر اپنی بیوی کو یاد کر رہا ہے، اسے دیکھنے کے لیے بلا رہا ہے؟" پھو پھو نے شرارت بھری مسکان کے ساتھ اسے تنگ کیا۔

"آپ رہنے دیں پھو پھو، بلکہ ایسا کریں آپ میرے لیے چائے پانی کا انتظام کریں، یہ کام میں خود کر لوں گا"۔ وہ صوفے سے کھڑا ہوا۔

"یہ میرا بھتیجا تو بیوی کے بغیر کسی کام کا نہیں رہا"۔ پھو پھو افسوس کرتی کھڑی ہوئیں لیکن ان کی آنکھوں میں خوشی صاف نظر آ رہی تھی۔

"آپ نے ہی کہا تھا ماہ گل کے ساتھ نرمی رکھو، اب آپ کو اچھا نہیں لگ رہا کیا؟" حدیر نے ایک گہری سانس لی، اور پھر پھو پھو کو دیکھ کر کہا۔

"نرمی رکھنے کا کہا تھا، یہ تھوڑی کہا تھا کہ اس کے پیچھے بار بار چکر لگانے پہنچ جاؤ" پھو پھو کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی، اور حدیر کے چہرے پر خفگی کے ساتھ چھپی مسکان اور بڑھ گئی۔

"بنا لیں آپ میرا مذاق"۔ حدیر تھوڑا سا خفا سا، لیکن نرم دل سے، سیڑھیوں کی جانب بڑھا، پیچھے پھو پھو مسکراتی ہوئی اس کی دائمی خوشیوں کی دعا کرتی ہوئی کچن میں گئی۔

اوپر فلور پر لاونج میں رباب اور ماہ گل مصروف بیٹھیں، کپڑے تہہ کر رہی تھیں اور پلاسٹک میں ڈالتے ہوئے ہلکی ہلکی باتیں کر رہی تھیں۔ ہر بار مہارت اور نفاست سے ہر کپڑا ترتیب میں ڈالتے، ہنستی مسکرا دیتی۔

اتنے میں حدیر کے قدموں کی چاپ سن کر دونوں رک گئیں۔ماہ گل حیران آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ارے حدیر بھائی! آپ۔۔السلام علیکم، کیسے ہیں؟" رباب کی خوش دلی سے آواز نے ماحول کو نرم کر دیا۔

"وعلیکم السلام بچے، ٹھیک ہوں، تم سناؤ، ساری تیاری ہو گئی؟"۔حدیر نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا

اس کی نگاہ ماہ گل کی طرف گئی، جو سر جھکائے کپڑے تہہ کر رہی تھی۔

"جی، ماہ گل بھابھی کی وجہ سے سب کچھ مکمل ہو گیا" رباب نے مہربان نگاہوں سے ماہ گل کی جانب دیکھا، اور حدیر بھی چند لمحوں کے لیے اسے غور سے دیکھ کر مسکرا گیا۔

"آپ آفیس سے آئے ہیں؟" رباب نے فارمل سوٹ میں حدیر کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں، سیدھا یہاں ہی آیا ہوں"۔حدیر نے نرم لہجے میں کہا۔

Clubb of Quality Content

"پھر تو آپ نے کچھ کھایا نہیں ہو گا۔ میں آپ کے لیے کچھ لے کر آتی ہوں" رباب نے کہا اور نیچے کی طرف چلی گئی۔

"یہاں آتے ہی لوگ لگتا ہے سلام دعا سے بھی گئے"۔ حدیر نے رباب کے جانے کے بعد گہری آواز میں طنز بھرا تبصرہ کیا۔

ماہ گل نے چونک کر سر اٹھایا۔ "السلام علیکم"۔ جلدی سے سلام کیا، اور پھر نظریں جھکا لیں۔ وہ واقعی حیران تھی۔ کل بھی وہ دو بار آیا تھا صبح بھی، شام بھی۔ اور آج پھر۔

"وعلیکم السلام"۔ حدیر نے آہستہ سے جواب دیا۔ اس کی آواز میں مسکراہٹ تھی، اور نگاہیں... سیدھی اس پر۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

چند لمحے خاموشی کے گزرے۔ کمرے میں بس کپڑوں کی سرسراہٹ اور دونوں کی سانسوں کی ہلکی آہٹ تھی۔

"آپ آئے... کوئی کام تھا؟"۔ آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"میری پھوپھو کا گھر ہے، جب چاہے آؤں"۔ حدیر نے ہلکا سا بھنویں اٹھائیں۔

"ہاں تو ہم نے کب منع کیا؟ ہم تو بس پوچھ رہے تھے"۔ ماہ گل نے منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔ اس کے چڑنے پر حدیر کی مسکراہٹ ذرا اور گہری ہو گئی۔

"تم بتاؤ، یہاں کب تک رہنے کا ارادہ ہے؟""اس نے اب سیدھا سوال کیا۔"گھر جانے کا دل ہے بھی...یا نہیں؟""

"آپ کو کیا؟ہم جب تک چاہیں یہاں رہیں"۔

"اور نہیں تو کیا! رہنے دو اسے یہاں، تمہیں کیا مسئلہ ہے حدیر؟""۔مہناز پھوپھو ٹرے ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوئیں۔آنکھوں میں حسبِ معمول شرارت تھی۔حدیر نے انہیں بس گھور کر دیکھا،اور ماہ گل کے دل کی دھڑکن کچھ تیز ہو گئی۔

"وہ کیا ہے نا، پھوپھو اماں سائیں اپنی بہو کو بہت یاد کر رہی ہیں، تو یہ ابھی میرے ساتھ گھر چل رہی ہیں۔میں اسی لیے آیا ہوں" حدیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ماہ گل حیران آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

"چلو جاؤ، تم کیا ایسے دیکھ رہی ہو؟ جلدی سے پیکنگ کر کے آؤ اپنی"۔ماہ گل کو اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ گھور کر بولا۔ماہ گل بیچاری مزید حیران ہوئی۔

"جاؤ، بچے، جا کر پیکنگ کر لو، خود تو یہ پاگل ہو گیا ہے، تمہیں بھی کر دے گا"۔پھوپھو نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا، مگر لبوں پر ہنسی چھپی نہ رہ سکی۔

پھوپھو اب اس کے کان کھینچ رہی تھیں، اور وہ ہنستے ہوئے کچھ صفائیاں دے رہا تھا۔

رحمانی ہاؤس آج واقعی زرد روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔دیواروں سے لپٹی قمقموں کی لڑیاں یوں چمک رہی تھیں جیسے شام کے آسمان پر ستاروں کی قطاریں اتر آئی ہوں۔لان میں ہر طرف ہلکی ہلکی پیلی روشنی بکھری تھی، جس میں گیندے اور گلاب کی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔اگرچہ حدیر کی وجہ سے مزمل نے پھولوں کی سجاوٹ سے منع کیا تھا، مگر بشریٰ رحمانی نے اپنی ضد پوری کر ہی لی، کم سہی، مگر پھول ہر طرف موجود تھے۔کہیں تھالوں میں سجے، کہیں پردوں کے کناروں سے لپٹے، کہیں اسٹیج کے عقب میں جھکے ہوئے۔

مایوں کا رنگ ہر شے پر غالب تھا زرد، سنہرا، ہلکا سبز۔لڑکیاں سب ایک جیسے پیلے غراروں میں ملبوس تھیں، گھٹنوں تک آتی قمیضیں، ہاتھوں میں مہندی کی مہک اور کلائیوں میں گجرے۔ فرق بس قمیضوں کے رنگ کا تھا۔

ماہ گل گلابی قمیض اور پیلے غرارے میں کسی نرم سے پھول کی مانند لگ رہی تھی۔اس کی لمبی چوٹی کندھے سے ہوتی کمر تک اتر رہی تھی سادہ، بے تکلف، بغیر کسی بیلی کے پھول کے۔نہ ہاتھوں میں گجرے، نہ بالوں میں سجاوٹ۔سب لڑکیوں کی کلائیوں میں بشری تائی نے خود

گجرے پہنائے تھے، مگر ماہ گل نے نہیں پہنے... صرف اس لیے کہ حدیر کو پھول نہیں پسند تھے۔

وہ یعنی حدیر رحمانی خود شاید جان بھی نہ پایا کہ کسی نے اس کی ایک چھوٹی سی ناپسند کو اپنے سنگھار پر ترجیح دے دی تھی۔

رسمیں جاری تھیں، قہقہے بلند ہو رہے تھے، ڈھولک کی تھاپ پر لڑکیاں گا رہی تھیں۔ حدیر نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا۔ آنکھیں کسی خاص رنگ کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

"ابھی تو یہی تھی" وہ زیرِ لب بولا۔

اسٹیج کی طرف دیکھا، نہیں۔ کزنز کے ہجوم میں، نہیں۔ اس کے قدم بے اختیار آگے بڑھ گئے۔

لان کے بائیں جانب، جہاں برقی قمقموں کی لڑیاں درختوں کے گرد لپٹی تھیں اور روشنی مدھم ہو کر نرم سنہری ہالہ بنا رہی تھی، وہ کھڑی تھی۔

اکیلی۔ ہاتھ سامنے باندھے، چہرے پر وہی پیاری سی، بے ساختہ مسکراہٹ۔ اس کے ارد گرد کوئی نہ تھا۔ وہ کسی کو نہیں دیکھ رہی تھی جیسے اپنی ہی سوچ میں گم ہو۔ قمقموں کی روشنی اس کے گلابی لباس پر پڑ کر اور بھی نرمی پیدا کر رہی تھی۔ اس کی چوٹی ہلکی ہوا سے ذرا سی ہل رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

حدیر کی بھنویں حیرت سے اٹھیں۔ ”یہ کیوں اکیلی مسکرا رہی ہے؟“۔ وہ بڑبڑایا۔اس کی نگاہ لان میں سجے پھولوں پر گئی۔ ”شاید پھولوں کو دیکھ کر“۔ دل میں ہلکی سی گرہ پڑی۔

اسی لمحے اس کی نظر اوپر اٹھی۔ چھت کے کنارے پر پندرہ سالہ پڑوس کا سمیر موبائل ہاتھ میں لیے کھڑا تھا اور اس کا کیمرہ سیدھا ماہ گل کی طرف تھا۔

کلک۔

ایک اور تصویر۔

حدیر کی سانس جیسے رک گئی۔

چہرے کی نرمی ایک دم سمٹ گئی۔ جبڑے سخت ہو گئے۔ آنکھوں میں وہ چمک آئی جو غصے سے پہلے آتی تھی اور شاید کچھ اور سے بھی۔ جلن۔

ایک لمحے کو اس نے ماہ گل کی طرف دیکھا وہ اب بھی بے خبر، اسی نرم مسکراہٹ کے ساتھ کھڑی تھی۔ اسے معلوم بھی نہ تھا کہ کوئی چپکے سے اس کی مسکراہٹ چرا رہا تھا۔

حدیر کے اندر عجیب سی کھلبلی مچی۔ وہ مڑا تیز قدموں سے۔ اس سے پہلے کہ ماہ گل اس کی نظریں محسوس کرتی، وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ چکا تھا۔

ہر قدم ذرا زیادہ زور سے پڑ رہا تھا۔ سیڑھیوں کی ریلنگ اس کے ہاتھ میں سختی سے تھام لی گئی۔

یہ صرف غصہ نہیں تھا۔ یہ وہ جذبہ تھا جسے وہ خود نام دینے سے کتراتا تھا مگر جس میں کسی اور کی نظر کا بوجھ بھی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

نیچے قمقمے اب بھی جگمگا رہے تھے۔ ماہ گل اب بھی مسکرا رہی تھی۔

اور اوپر چھت پر ہوا کچھ زیادہ تیز تھی۔ نیچے لان میں مایوں کی گہما گہمی، ڈھولک کی تھاپ اور قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں، مگر یہاں اوپر شام ذرا سنجیدہ تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟ ہاں؟"۔ حدیر چھت پر پہنچتے ہی سمیر کے ہاتھ سے موبائل جھپٹ چکا تھا۔ اس کی آواز میں ایسا غصہ تھا جو خود اسے بھی چونکا رہا تھا۔ سمیر ایک دم گھبرا گیا۔

"وہ... حدیر بھائی"

"کیا حدیر بھائی؟ کیوں تصویریں بنا رہا تھا؟ شرم نہیں آئی؟"۔ حدیر کی رگیں تن گئی تھیں۔ جبڑے سخت، آنکھوں میں غصہ۔

"سنیں تو حدیر بھائی" سمیر واقعی بوکھلا گیا تھا۔

نیچے سے ماہ گل نے جب دونوں کو ساتھ دیکھا تو اس کا دل دھک سے رہ گیا۔اس نے فوراً دونوں ہاتھوں سے اپنا گرارہ تھاما اور سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آئی۔

"حدیر!" وہ پھولی سانسوں میں پکاری۔

آواز سن کر وہ مڑا اور اسے چھت پر دیکھ کر اس کا غصہ اور بڑھ گیا۔گلابی قمیض، پیلا گرارہ، لمبی چوٹی، جھمکے ہلکی ہوا سے جھولتے ہوئے...اور چہرے پر پریشانی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ نیچے جاؤ"۔وہ سختی سے بولا۔

ماہ گل نے سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھا۔"آپ ہمیں بتائیں آپ کیا کر رہے ہیں؟ چھوڑیں اسے۔" وہ سمیر کی گرفت پر نظر ڈالتی آگے بڑھی۔

"اسے تو میں ذوالفقار انکل کے پاس لے کر جاتا ہوں"۔حدیر نے اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا اور ایک جھٹکے سے سمیر کو چھوڑ دیا۔سمیر نے فوراً اپنی قمیض کا کالر سیدھا کیا۔

"ٹھیک ہو تم؟"۔ماہ گل نے فکر سے پوچھا۔

"تمہیں کیوں اتنی ہمدردی ہو رہی ہے؟"۔حدیر کے لہجے میں پھر وہی جلن لوٹ آئی۔

سمیر نے خفگی سے ماہ گل کو دیکھا۔"کیا کرتی ہیں ماہ گل باجی...پہلے اپنے شوہر کو تو بتا دیا ہوتا، ابھی میں مفت میں مارا جاتا"۔

حدیر نے چونک کر دونوں کو دیکھا۔

"آپ کیوں آ گئے تھے درمیان میں؟ یہ ہماری تصویریں بنا رہا تھا"۔ ماہ گل نے خفگی سے اسے دیکھا۔

حدیر کا ماتھا سکڑا۔ "اسی لیے تو آیا تھا کیونکہ یہ تمہاری تصویریں بنا رہا تھا"۔ وہ اتنی سادگی اور بے ساختگی سے بولا کہ ایک لمحے کو فضا ٹھہر گئی۔

ماہ گل کے لبوں پر ہنسی بے اختیار آ گئی۔

"حدیر... دیکھ تو لیا ہوتا اس کے ہاتھ میں موبائل کس کا تھا؟" اس نے آہستہ سے اس کی دائیں کلائی تھامی اور اونچی کی۔ اس لمس میں نرمی تھی اور حدیر کے دل کی رفتار جیسے ایک دھڑکن چھوڑ گئی۔

Clubb of Quality Content!

"یہ دیکھیں۔ یہ ہمارا موبائل ہے۔ ہم نے اسے کہا تھا دو تین تصویریں لے لے"۔ حدیر کی نظریں موبائل پر گئیں... پھر اس کے چہرے پر۔ وہ بری طرح خفت کا شکار ہوا۔ سمیر نیچے جا چکا تھا۔

چند لمحے دونوں خاموش کھڑے رہے۔

ہوا ذرا اور ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ ڈھلتے سورج کی روشنی حدیر کی پشت پر ٹھہر گئی تھی، جیسے وہ انجانے میں ماہ گل کو اپنی اوٹ میں لے آیا ہو۔ چھت کے کنارے وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے سفید قمیض شلوار میں خفا خفا سا لڑکا، اور گلابی گالوں کے ساتھ مسکراتی ہوئی لڑکی۔

''تم یہاں اسے چھت پر کھڑا کروا کر تصویریں بنوا رہی تھیں؟ اور کوئی جگہ نہیں ملی تھی؟''۔

حدیر نے خفت چھپانے کو پھر سے سختی اوڑھ لی۔

ماہ گل نے سنجیدگی سے سر ہلایا۔ ''وپ یہاں سے تصویریں ایستھٹک آتی ہیں نا''۔ وہ ایسے بولی جیسے دنیا کی سب سے اہم دلیل دے رہی ہو۔

''حد ہوتی ہے...'' حدیر نے زیرِ لب کہا، مگر اس کی نگاہیں اس کے کانوں میں جھولتے جھمکوں پر اٹک گئیں جو ہر جھونکے کے ساتھ ہلتے اور اس کے گالوں کو چھوتے۔

وہ کچھ کہنے کو ہوا... مگر رک گیا۔

''آپ نے درمیان میں آکر سب خراب کر دیا...''۔ ماہ گل نے خفگی جتاتے ہوئے موبائل دوبارہ اس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔

''اب ہماری دو تین تصویر آپ کلک کر کے دیں''۔ حدیر نے اسے حیرانی سے دیکھا۔

''مجھے نہیں آتی''۔ آنکھیں واقعی پھیلی ہوئی تھیں۔

"آپ لے رہے ہیں"۔ وہ ہلکے رعب سے بولی اور دو قدم پیچھے ہو کر کھڑی ہو گئی۔

نجانے کیوں وہ منع نہ کر سکا۔

کیمرہ کھلا۔ اسکرین پر وہ تھی گلابی قمیض میں، شام کی روشنی میں نہائی ہوئی، بالوں کی لمبی چوٹی کمر پر ٹھہری، جھمکے ہوا سے ہلتے ہوئے۔

"ایسے؟"۔ وہ بے یقینی سے بولا۔

"ہاں... اور ذرا اینچے سے"۔ وہ ہنسی۔

کلک۔

وہ کبھی کھلکھلا کر ہنستی، کبھی جھمکوں کو چھو کر سر ذرا سا جھکا لیتی، کبھی چوٹی کو آگے لا کر دیکھتی۔ بات دو تین تصویروں کی تھی مگر انگلی بار بار اسکرین پر رکتی رہی۔

کلک۔

کلک۔

کلک۔

حدیر کے ماتھے پر ایک بار بھی بل نہ آئے۔ وہ بس خاموشی سے تصویر لیتا گیا۔

نیچے لان میں رشنا، مناہل اور فضا کی نظر جب اوپر پڑی تو وہ بے ساختہ ہنس دیں۔ غروب ہوتے سورج کے پس منظر میں وہ دونوں واقعی کسی تصویر کا منظر لگ رہے تھے۔ سنجیدہ سا لڑکا، چنچل سی لڑکی۔ ایک کے ہاتھ میں کیمرہ، دوسری کے لبوں پر شام جیسی مسکراہٹ۔

بشریٰ رحمانی نے جب یہ منظر دیکھا تو ان کے چہرے پر ناگواری کی لہر دوڑ گئی، مگر اوپر چھت پر دونوں اپنی ہی دنیا میں تھے۔

"حدیر، اب فرنٹ کیمرا آن کریں"۔ ماہ گل چہکتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔

حدیر نے بغیر سوال کیے فرنٹ کیمرا آن کر دیا۔

وہ اس کے برابر میں آ کھڑی ہوئی اتنی قریب کہ اس کے جھمکے اس کی آستین سے چھو گئے۔

وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"کلک کریں"۔ اس نے بھنویں اچکا کر کہا۔

حدیر نے ایک لمحہ اسے دیکھا۔ شام کی روشنی اس کے گالوں کو اور بھی گلابی بنا رہی تھی۔ آنکھوں میں سیاہ کاجل کی لکیر، لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ۔

نجانے کس لمحے اس نے بے اختیار ایک قدم اور قریب ہو کر موبائل سیدھا کیا اسے اپنے حصار میں لیا اور دونوں کی سیلفی لے لی۔

Clubb of Quality Content

کلک۔

تصویر میں وہ دونوں تھے۔

وہ سنجیدہ، وہ مسکراتی ہوئی۔

وہ انکار کیوں نہ کر سکا؟

کیا یہ کانوں پر ہلتے جھمکے تھے؟

یا آنکھوں کی وہ گہری سیاہی؟

یا سرخ لبوں کی مسکراہٹ؟

وہ فیصلہ نہ کر سکا۔

”ہو گیا“۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے اس نے نظریں چرائیں۔

اور وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا جیسے زیادہ دیر رکنے سے دل کی کوئی بات لبوں تک نہ آ جائے۔

”حدیر“۔ لیکن ماہ گل آگے بڑھ کر اسے بازو سے تھام کر روک گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”آپ کو کیا لگا تھا؟“ وہ آہستہ سے بولی۔ ”ہم کسی کو بھی یوں اپنی تصویریں بنانے دیں گے؟“ حدیر نے چونک کر اسے دیکھا۔وہ بات ہنسی میں کہی گئی تھی... مگر اس کے اندر عجیب سی اپنائیت تھی۔ہوا نے اس کی چوٹی کو ذرا سا اڑایا۔

حدیر نے بے اختیار ایک قدم قریب ہو کر کہا۔”آئندہ...اگر تصویریں بنوانی ہوں نا...تو مجھے کہنا“۔لہجہ اب سخت نہ تھا۔نرمی سمیٹا ہوا۔

”جی؟“۔ماہ گل کی پلکیں جھک گئیں۔

”کم از کم مجھے کسی اور پر غصہ تو نہیں آئے گا“۔وہ ہولے سے کہتا چلا گیا۔ماہ گل وہیں کھڑی رہ گئی حیران سی،پھر دھیمی مسکراہٹ لبوں کا احاطہ کر لی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس نے موبائل کھولا۔

ایک ایک تصویر دیکھتی گئی۔ہر فریم میں وہ اسے دیکھ رہا تھا کبھی سیدھا،کبھی چوری چوری۔ اور آخری سیلفی میں اس کے چہرے پر وہ نرمی تھی جو عام طور پر وہ چھپالیتا تھا۔

شام ڈھل چکی تھی مگر اس کے دل میں ایک نئی روشنی جل اٹھی تھی۔مایوں کی اس زرد شام میں محبت کا رنگ ذرا سا گہرا ہو گیا تھا۔

ہال روشنیوں سے یوں جگمگا رہا تھا جیسے ستارے زمین پر اتر آئے ہوں۔ چھت سے لٹکتے فانوسوں کی سنہری چمک، دیواروں پر پڑتی روشنی کی لہریں، اور گلاب و موتیے کی ملی جلی خوشبو فضا میں ایک مدھم سی سرشاری گھول رہی تھی۔ ہر طرف قہقہے، دعائیں، کیمروں کی فلیش اور خوشیوں کی سرگوشیاں تھیں۔

آج رباب اور مزمل کی بارات تھی۔ بلآخر دو خاموش محبتوں کا ملاپ ہوا تھا۔

ماہ گل ہجوم کے درمیان کسی نرم سی روشنی کی طرح نمایاں تھی۔ اس نے روسسیٹ رنگ کی پاؤں کو چھوتی فراک پہن رکھی تھی، جس کے گلے اور آستینوں پر نگوں کا نفیس کام روشنی پڑتے ہی جھلملا اٹھتا۔ گہرے مہرون جارجٹ کے دوپٹے کے کناروں پر سنہری کرن یوں لہرا رہی تھی جیسے شام کے افق پر ڈھلتی دھوپ۔ بال نیچے سے سلیقے سے رول کر کھلے چھوڑ دیے تھے نرم لہریں کمر تک بہتی جا رہی تھیں۔ لبوں پر مہرون رنگ کی ہلکی سی مسکراہٹ تھی، جو اس کے چہرے کو عجیب سی دلکشی دے رہی تھی۔

وہ رشنا کے ساتھ مہمانوں سے مل رہی تھی۔ ہر ایک کو سلام کرتی، نرم لہجے میں بات کرتی، اور آگے بڑھ جاتی جیسے خوشبو کا ایک جھونکا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دوسری طرف حدیر تھا سنجیدہ، مصروف، دوست کی شادی کے انتظامات سنبھالا ہوا مگر آج کے شور میں بھی اس کی نظریں کبھی کبھار بے اختیار اسی طرف اٹھ جاتیں جہاں روسیٹ رنگ کی جھلک دکھائی دیتی۔

"السلام علیکم! آپ غالباً موسی ہیں؟"۔ ماہ گل فضا کے ساتھ ڈریسنگ روم کی طرف جا رہی تھی کہ سامنے کھڑے نوجوان کو مخاطب کیا۔ اس کی آواز میں شائستگی بھی تھی اور ہلکی سی شوخی بھی۔

"وعلیکم السلام....جی میں ہی ہوں"۔ موسی نے مؤدبانہ جواب دیا، مگر نظریں فوراً فضا پر جا ٹھہریں، ہلکی ہلکی غصیلی سی، کچھ یوں جیسے کوئی پرانا حساب ابھی باقی ہو۔

ماہ گل نے آنکھیں ذرا سی پٹپٹائیں، معصومیت اوڑھ لی۔ "اوہ تو وہ چھوٹے چھوٹے کنکر آپ کو لگ گئے تھے؟ بہت معذرت... ہم تو سوچ رہے تھے آپ کی عیادت کو ضرور آئیں گے۔ جب آپ پتھر لے کر حدیر کے پاس پہنچے تو ہمیں لگا یقیناً بہت سیریس انجریز آئی ہوں گی۔ اب کیسے ہیں آپ؟"۔ اس کے لہجے میں ایسا نرم سا افسوس تھا کہ سننے والا ایک لمحے کو واقعی سنجیدہ ہو جائے مگر آنکھوں کی چمک سب راز کھول رہی تھی۔

فضا نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

موسی پہلی بار اس طرح کی میٹھی میٹھی ''بعزتی'' کا سامنا کر رہا تھا۔ وہ کچھ کہنے کو لب کھولتا، پھر بند کر لیتا۔

''جی بھابھی وہ میں'' وہ الجھ گیا۔ اسے سمجھ نہ آیا کیا کہے۔

''ماہ گل، بات سنیں''۔ اتنے میں حدیر کی آواز آئی۔ وہ قریب ہی کھڑا ماہ گل کی گوہر افشانیاں سن چکا تھا۔ آنکھوں میں مسکراہٹ دبائے وہ آگے بڑھا اور موسی کو اس صورتحال سے باوقار انداز میں نکال لیا۔

''فضا، تم موسی کی امی سے مل لو۔ ہم دو منٹ میں آتے ہیں''۔ ماہ گل نے دوپٹہ ذرا سا سمیٹا، قدموں میں ہلکی سی جلدی مگر انداز میں وہی نزاکت۔ وہ اس کی طرف بڑھی تو اس کے لباس کی مہرون جھلک مدھم روشنی میں اور بھی گہری دکھائی دی جیسے شام کی آخری سرخی۔

وہ ہال کے ایک قدرے پُر سکون گوشے میں جا کھڑا ہوا تھا۔ وہاں روشنی کچھ مدھم تھی، شور کچھ کم، اور فضا میں تھوڑی سی نجی سی خاموشی۔ ماہ گل اس کے پاس آکر رکی۔ دوپٹے کا کنارا ہلکی سی ہوا سے اس کے بازو کو چھو گیا۔

ہال کی روشنیاں اب اور بھی نرم محسوس ہو رہی تھیں۔ ڈھول کی تھاپ کہیں دور پڑ رہی تھی، قہقہوں کی آوازیں آتی تھیں مگر اس گوشے تک پہنچتے پہنچتے مدھم ہو جاتی تھیں۔ یہاں روشنی کم تھی، خاموشی زیادہ... اور ان دونوں کے بیچ ایک عجیب سی بے نام سی کشش ٹھہری ہوئی تھی۔

"ہاں کہیں"۔ ماہ گل نے سر جھکائے اپنا دوپٹہ ٹھیک کر رہی تھی۔ لہجہ بے پروا، پلکیں جھکی ہوئی۔ اور یہی بے نیازی حدیر کے لیے سب سے بڑی آزمائش تھی۔

"یہ آپ نے طے کر رکھا ہے ہر جگہ اپنی زبان چلانے کا؟"۔ وہ خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھتا بولا۔ "کبھی تو کسی کو بخش دیا کریں۔"

ماہ گل نے آہستہ سے سر اٹھایا۔ آنکھوں میں ہلکی سی چمک تیر گئی۔ "زبان بھی ہماری، چلاتے بھی ہم ہیں۔ آپ کو کوئی مسئلہ ؟"۔ اس کے انداز میں تیکھا پن تھا، مگر لبوں کے کنارے ہنسنے کو بے تاب۔

حدیر ایک لمحے کو اسے دیکھتا رہ گیا۔ روشنی اس کی ناک میں پہنی نوز پن سے ٹکرا کر چمکی تو وہ جیسے پل بھر کو ساکت ہو گیا۔

"مسئلہ ؟"۔ حدیر کے لہجے کی سختی ذرا نرم ہوئی، گہری سی۔ "وہ تو بہت سے ہیں... کیا کیا بتاؤں ؟"۔ لفظ سادہ تھے، مگر لہجہ گہرا۔

''آپ کو بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم ڈاکٹر نہیں ہیں'' ماہ گل نے پلکیں جھپکائیں۔

جواب اتنا بے تکا اور اتنا معصوم تھا کہ حدیر کی سنجیدگی خود بخود ٹوٹ گئی۔۔ ساری خماری پل بھر میں ہوا ہوئی۔

''کر لی فضول گوئی؟''۔ وہ تپ کر گویا ہوا۔

''اور سننی ہے؟''۔ وہ پلکیں گرا کر پھر اٹھائی آنکھوں میں نرم سی شرارت لیے۔

''نہیں۔ آج کے لیے اتنا کافی ہے''۔ وہ جلے دل سے بولا۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر ماہ گل نے بے ساختہ پوچھ لیا۔ ''آپ کی وہ مائرہ نہیں آئی؟''۔ لہجہ یوں تھا جیسے محض سرسری سوال ہو، مگر آواز کے نیچے کہیں ہلکی سی کھٹک چھپی تھی۔۔

''تم کیوں پوچھ رہی ہو؟''۔ حدیر نے آنکھیں ذرا سی سکیڑیں۔

''آپ کے ہر وقت ساتھ ہوتی ہے نا... آج نظر نہیں آ رہی۔ تعجب خیز ہے نا''۔ لہجہ ہلکا تھا، مگر دل کی دھڑکن ذرا تیز۔

''تو تم جیلس ہو رہی ہو؟''۔ حدیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی وہ مسکراہٹ جو صرف اسی کے لیے مخصوص تھی۔

ناولز کلب
Clubb Quality Content

"جیلس ؟اور وہ بھی ہم ؟ ناممکن۔" وہ تیکھے انداز میں بولی، مگر اس کے گالوں کی سرخی مدھم روشنی میں اور نمایاں ہو گئی۔ حدیر کو وہ سرخی اچھی لگی۔ بہت اچھی۔

"یہ کچھ دنوں سے تم کبھی 'ہم' تو کبھی 'میں' کیوں بول رہی ہو؟"۔اس نے دھیرے سے پوچھا۔

ماہ گل کی آنکھوں میں حیرت اور شرارت اکٹھی جھلکی۔ "آں ہاں تو حدیر رحمانی ہم پر اتنا غور و فکر ہو رہا ہے؟"۔ وہ ہلکا سا اس کے قریب آئی۔ "نوٹس کر رہے ہیں ہمیں؟"۔اس کے سوال میں شوخی تھی، مگر کہیں اندر ایک نرم سی خوشی بھی۔

"بس ہو گئی شروع؟"۔ وہ سانس بھر کر پیچھے ہوا، مگر نظریں ہٹا نہ سکا۔

"وہ جو آپ کی ماما محترمہ ہیں نا... دی گریٹ بشریٰ رحمانی"۔ وہ لفظوں کو کھینچتی ہوئی بولی۔ "ان کو پسند نہیں ہمارا 'ہم' کہنا۔ تو ان کے سامنے ہم سوچ کر تے رہتے ہیں"۔

حدیر فوراً سنجیدہ ہوا۔ "کوئی ضرورت نہیں سوچ کرنے کی"۔ لہجہ نرم تھا، مگر فیصلہ کن۔

"آپ کو ہمارا 'ہم' کہنا اچھا لگتا ہے؟"۔ ماہ گل نے پہلی بار اسے ذرا ٹھہر کر دیکھا۔

یہ سوال ہوا میں ہلکے سے ٹھہر گیا۔ حدیر کے دل میں کچھ دھڑکا۔ دل کہنا چاہتا 'آپ کے ہم سے ہمیں پیار ہے' مگر لفظ لبوں تک آکر رک گئے۔ شاید وہ ابھی اس احساس کو نام دینے کے لیے تیار نہ تھا۔

''افففف ماہ گل...'' وہ بے بس سا پلٹنے لگا۔

اور ماہ گل ہنس دی کھل کر، بے ساختہ۔ اس کی ہنسی میں چاندنی کی سی نرمی تھی۔ وہ جانتی تھی، وہ اسے یوں ہی بے بس کر دیتی ہے۔ اور اسے اسے تنگ کرنے میں عجیب سا مزہ آتا تھا۔

دور شادی کا شور بڑھ گیا۔ روشنیوں کی چمک پھر سے آنکھوں میں اتری۔ مگر اس گوشے میں ابھی بھی ایک نرم سی دنیا آباد تھی جہاں تکرار بھی محبت جیسی تھی، شکایت بھی مسکراہٹ میں ڈھلی ہوئی، اور ضد بھی دل کو بھانے والی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

رخصتی کے بعد گھر لوٹنے والی خوشیوں کی تھکن ابھی دیواروں سے لپٹی ہوئی تھی۔ لاؤنج میں زرد روشنی پھیلی تھی جو فرش پر بچھے قالین پر سنہری عکس ڈال رہی تھی۔ مہندی، پرفیوم اور گلاب کی پتّیوں کی ملی جلی خوشبو اب بھی فضا میں تیر رہی تھی۔

ماہ گل سب کو چائے بنا کر دی رہی تھی دوپٹہ کندھوں پر ڈھلکا ہوا تھا،اور چہرے پر ایک تھکی ہوئی سی نرمی تھی۔

حدیر دوست کو چھوڑنے گیا ہوا تھا۔

گھر میں ایک نرم، مطمئن سی خاموشی تھی۔

پھر...

دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔آواز نے فضا کا توازن توڑ دیا۔

تین مرد اندر داخل ہوئے۔ان کے قدموں کی چاپ سنگِ مرمر کے فرش پر سخت سنائی دی۔جیسے کسی نے خوشیوں کے آئینے پر پتھر مار دیا ہو۔

دادا سائیں کی آنکھیں پھیل گئیں۔

”تمہاری ہمت کیسے ہوئی، ملک، ہمارے گھر میں قدم رکھنے کی؟“۔ان کی آواز میں برسوں کی تلخی اور زخموں کی پرانی چبھن شامل تھی۔

”ہم تم سے کوئی مطلب نہیں رکھتے، شہاب رحمانی... ہم اپنی بیٹی لینے آئے ہیں“۔ملک کی آنکھوں میں عجیب سی ٹھنڈک تھی۔لبوں پر بے رحم مسکراہٹ۔

بیٹی۔یہ لفظ لاؤنج کی فضا میں تیرتا ہوا جیسے سیدھا ماہ گل کے دل پر گرا۔

Clubb of Quality Content

"تمہاری بیٹی برسوں پہلے اس گھر سے جاچکی"۔داداسائیں کی آواز لرز گئی۔

ملک کی نظریں آہستہ آہستہ گھومتی ہوئیں جاکر ماہ گل پر ٹھہر گئیں۔وہ لمحہ... جیسے وقت رک گیاہو۔

ماہ گل کا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا۔اس کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔انگلیاں کپکپانے لگیں۔دل جیسے سینے سے باہر نکل آناچاہتاہو۔

"ارے شہاب رحمانی...سامنے تو کھڑی ہے میری بیٹی"۔اس کا اشارہ سیدھاماہ گل کی طرف تھا۔

لاؤنج میں موجود ہر شخص کے دل کی دھڑکن جیسے ایک لمحے کو تھم گئی۔ماہ گل کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں ابھر آئیں۔جیسے ماضی کی کوئی بھیانک یاد اچانک زندہ ہو کر سامنے آ کھڑی ہوئی ہو۔

"یہ تمہاری بیٹی نہیں ہے"۔مدثر رحمانی کی آواز گونجی۔

مگر اس سے پہلے کہ کوئی اور کچھ سمجھتا،ملک تیزی سے آگے بڑھااور ماہ گل کی کلائی جکڑلی۔

اس کی گرفت سرد اور بے رحم تھی۔

''چھوڑیں ہمیں!'' ماہ گل جیسے بجلی کا جھٹکا کھا کر اچھلی۔اس کی آواز میں ایسی کپکپاہٹ تھی کہ سننے والے کا دل بھی لرز جائے۔''ہم نہیں جانتے آپ کو! ہمیں نہیں جانا آپ کے ساتھ''۔وہ پوری قوت سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔اس کی سانسیں ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہی تھیں۔آنکھوں میں آنسو جمع ہو کر پلکوں سے لڑ رہے تھے۔

ملک نے سختی سے اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

ماہ گل کی چیخ فضا کو چیرتی ہوئی نکلی۔

وہ چیخ...

جیسے کسی نازک شیشے کو بے دردی سے توڑ دیا گیا ہو۔

لاؤنج کی روشنیاں اب بھی ویسی ہی تھیں، مگر ماحول بدل چکا تھا۔

خوشیوں کی جگہ سرد دھند پھیل گئی تھی۔

دادا سائیں کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

ظہیر اور مدثر آگے بڑھنے کو تھے مگر صدمے نے سب کو ایک لمحے کو جامد کر دیا تھا۔

''ہم یہیں رہیں گے۔ہمیں نہیں جانا'' ماہ گل کی آنکھوں میں بے بسی تھی.

نابل کلب
Clubb of Quality Content

اسی لمحے اوپر سے قدموں کی تیز آواز سنائی دی۔مزمل سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا۔اس کے چہرے پر حیرت اور غصہ یکجا تھے۔

"کون ہیں آپ؟ چھوڑیں انہیں"۔مزمل تیزی سے آگے بڑھا۔مگر انیتس سالہ کامل مالک نے اسے جھٹکے سے قابو کر لیا۔

"چھوڑ مجھے"۔مزمل نے غصے سے خود کو آزاد کیا۔اس کی آنکھوں میں بے بسی اور اشتعال دہک رہا تھا۔

ماہ گل بدستور روتی ہوئی خود کو چھڑا رہی تھی۔اس کے بال مٹھی میں جکڑے ہوئے تھے، آنسو گالوں پر بہتے ہوئے ٹھوڑی تک آرہے تھے۔

اور تب۔۔دروازہ دوبارہ کھلا۔حدیر رحمانی اندر داخل ہوا۔ایک لمحے کو اس کی نظر پورے منظر پر جمی...پھر جا کر ٹھہر گئی ماہ گل کے بالوں پر، جو کسی اور کی مٹھی میں قید تھے۔اس کی رگیں تن گئیں۔جبڑا سخت ہو گیا۔آنکھوں میں ایسا طوفان اترا کہ فضا اور بھی بھاری ہو گئی۔

ماہ گل نے اسے دیکھا۔وہ نگاہ...ڈوبتے ہوئے کی آخری امید جیسی۔

"آپ کی ہمت کیسے ہوئی میری بیوی کو ہاتھ لگانے کی؟"

اس کی آواز میں بجلی کی کڑک تھی۔وہ بے قابو سا آگے بڑھا۔کامل نے اسے روکنے کی کوشش کی، مگر اگلے ہی لمحے حدیر کا مکا اس کے چہرے پر پڑا۔غصے کی شدت اس کی حرکتوں میں جھلک رہی تھی۔

وہ طیش کے عالم میں ماہ گل کو ان کی گرفت سے چھڑاتا اپنے پیچھے کیا۔ماہ گل لرزتی ہوئی اس کے بازو سے لپٹ گئی۔اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔

"تو تجھ سے شادی کروائی ہے اس کی؟"۔ملک نے گہری، معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔"وہ سلطان اپنی چال ٹھیک چل گیا"۔

حدیر نے جواب میں صرف ایک سرد نظر ڈالی۔اس کے وجود سے وقار اور رعب ٹپک رہا تھا۔

"دیکھو حدیر رحمانی، ہم تم سے جھگڑا نہیں چاہتے۔مجھے میری بیٹی دے دو تاکہ میں اسے لے جاسکوں"۔

"کون سی بیٹی؟"۔حدیر کی آواز پر سکون تھی، مگر اندر آگ دہک رہی تھی۔

"یہی...جسے تم اپنے پہلو میں چھپائے کھڑے ہو"۔ملک کی طنزیہ مسکراہٹ ماہ گل کے دل پر تیر بن کر لگی۔اس کی لرزتی انگلیاں حدیر کے بازو پر اور مضبوط ہو گئیں۔

حدیر نے آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹایا اور اپنی انگلیوں میں سمو کر مضبوطی سے تھام لیا۔

وہ اسے اپنے برابر کھڑا کیا، اب وہ دونوں ایک ساتھ تھے جیسے ایک ہی دیوار۔

"پہلی بات، یہ تمہاری بیٹی نہیں۔ اور اگر بالفرض مان بھی لیں... تو یہ اب مسز حدیر رحمانی ہے۔ میری بیوی۔ اور بیوی اپنے شوہر کے پاس رہتی ہے۔ اب تم جا سکتے ہو۔ میں اس سے زیادہ تحمل کا مظاہرہ نہیں کر سکتا"۔ اس کی آواز دھیمی تھی مگر ہر لفظ پتھر کی طرح وزنی۔

"ڈی این اے ثابت کرے گی کہ یہ میری بیٹی ہے۔ اور میں اسے لے کر رہوں گا"۔ ملک نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"ڈی این اے کچھ بھی ثابت کر دے... یہ میری بیوی ہے۔ اور یہاں سے کہیں نہیں جائے گی"۔ حدیر کی آواز بلند ہوئی۔ اس میں اعلان بھی تھا اور عہد بھی۔

چند لمحوں بعد وہ تینوں چلے گئے۔

مگر ان کے جاتے ہی لاؤنج کی فضا اور بھی بوجھل ہو گئی۔

"کون ہو تم لڑکی؟"۔ ظہیر رحمانی کی نگاہیں سوال سے زیادہ الزام لیے ہوئے تھیں۔

"آپ میری بیوی سے اس انداز میں بات نہیں کر سکتے"۔ حدیر نے ناگواری سے ٹوک دیا۔

”آخر کس کی بیٹی ہو تم؟“۔دادا سائیں کی آواز میں بھی اجنبیت اتر آئی۔

ماہ گل کا دل جیسے ٹوٹنے لگا۔اماں سائیں کی آنکھیں بھیگ گئیں، مگر سوالوں کی تیزی کم نہ ہوئی۔

”میں کہہ رہا ہوں کسی کو حق نہیں۔۔۔" حدیر کی آواز مزید سخت ہو گئی۔

”کیوں حق نہیں؟“بشریٰ رحمانی آگے بڑھیں۔ان کے لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا۔”آخر یہ ہے کون؟ جس کی اتنی جلدی شادی کرا کے وہ سلطان ملک سے بھاگ چکا ہے؟“۔

”ہمارے ابا نہیں بھاگے“۔ماہ گل کی آواز ٹوٹ گئی۔”اماں کی سرجری ہوئی ہے...وہ اماں کے پاس ہیں...آجائیں گے...دونوں آجائیں گے“ باپ کے بارے میں یہ الزام اس کے لیے خنجر سے کم نہ تھا۔وہ کپکپانے لگی۔آنسو بے قابو ہو کر بہنے لگے۔

”تو پھر کون تھا وہ جو یہاں کھڑے ہو کر دعویٰ کر رہا تھا؟“۔بشریٰ کی آواز چیخ میں بدل گئی۔

”کون ہو تم؟ کون ہے تمہارا باپ؟ وہ جو ملک سے باہر چلے گیا یا یہ جو کچھ دیر پہلے یہاں کھڑے ہو کر تمہیں لے جانے کی بات کر رہا تھا“۔

”بس!“حدیر کی گرج پورے لاؤنج میں گونجی۔

وہ ایک قدم آگے بڑھا۔ ”یہ ماہ گل حدیر رحمانی ہے۔اور یہی حوالہ آپ سب کے لیے کافی ہونا چاہیے۔اگر کسی نے مزید فضول بات کی... تو مجھ سے اچھائی کی توقع نہ رکھیے گا“۔اس کے لہجے میں ایسی قطعیت تھی کہ چند لمحوں کو سب خاموش ہو گئے۔اماں سائیں کچھ پر سکون ہو کر حدیر کو دیکھی تھی۔

پھر وہ ماہ گل کی طرف مڑا۔اس کی آنکھوں میں نرمی لوٹ آئی تھی۔

”چلیں،ماہ گل۔“ وہ اسے اپنے ساتھ لے کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ماہ گل کے قدم لڑکھڑا رہے تھے، مگر اس کا ہاتھ حدیر کی گرفت میں محفوظ تھا۔

نیچے لاؤنج میں سوالوں کی گرد ابھی تک معلق تھی اور اوپر سیڑھیوں پر ایک رشتہ اپنی پوری طاقت سے ایک دوسرے کو تھامے کھڑا تھا۔خوف، محبت،انا،اور سچ سب ایک ہی چھت کے نیچے سانس لے رہے تھے۔

کمرے میں آتے ہی وہ آہستہ سے بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔

آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔وہ خود کو روکنا چاہتی تھی، بار بار دل کو سمجھاتی تھی کہ بس...اب کافی ہے... مگر جتنا خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتی،رونا اتنا ہی بے قابو ہوتا جاتا۔

آخر کیسے...؟اتنے سال بعد وہ کس حق سے اسے اپنی بیٹی کہہ سکتے تھے؟کیسے ان کے ضمیر نے یہ گوارا کیا؟اور وہ بھی اس قدر دیدہ دلیری کے ساتھ... جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ہر پرانا زخم جیسے آج پھر تازہ ہو گیا تھا۔

وہ کالج کے پہلے سال میں تھی جب اس سچائی کا دروازہ اس پر کھلا تھا۔اس دن وہ بہت روئی تھی...اتنا روئی تھی کہ آنسو جیسے ختم ہو گئے تھے۔پھر آہستہ آہستہ اس نے رونا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس سال اس نے بہت رو لیا تھا...اس کے بعد اس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ اب ماہ گل کو ہنسنا ہے، جینا ہے۔لیکن آج...آج انہیں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر سب کچھ پھر بکھر گیا تھا۔ نہ شرمندگی...نہ ندامت...نہ کوئی پشیمانی...بس ایک عجیب سی بے حسی اور دیدہ دلیری تھی ان کے چہرے پر۔

"یہ لو...پانی پی لو"۔حدیر اس کے پاس آکر بیٹھا تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔پھر جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے۔اس نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر چند گھونٹ پانی کے پیے۔ٹھنڈا پانی حلق سے اترتا گیا مگر دل کی جلتی ہوئی کسک ویسی ہی رہی۔

"ماہی..." حدیر کی آواز نہایت نرم تھی۔"میں جانتا ہوں...نیچے جو کچھ ہوا، تم ان سب حقیقتوں سے واقف ہو۔میں سننا چاہوں گا"۔

ماہ گل نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ ''پلیز''۔اس کی آواز ایک سسکی میں ڈھل گئی تھی۔

حدیر نے اس کے چہرے کو چند لمحے خاموشی سے دیکھا، پھر آہستہ سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔اس کے لمس میں عجیب سی تسلی تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ دھیرے سے بولا۔ ''مت بتاؤ ابھی جب تک تم کمفرٹیبل نہ ہو کچھ نہ بتاؤ لیکن بہتر ہوتے ہی سب کچھ بتاؤ گی ماہ گل۔ میں انتظار کروں گا''۔اس نے ہلکے سے اس کے ہاتھ دبائے۔

''نیچے وہ سب جو کہہ رہے تھے...'' ماہ گل بے بسی سے بھیگی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حدیر نے اس کی ادھوری بات فوراً سمجھ لی۔

''تم حدیر رحمانی کی بیوی ہو...اور تمہیں کسی اور تعارف کی ضرورت نہیں''۔اس نے نہایت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''تم ماہ گل حدیر رحمانی ہو...اور تمہارے لیے بس یہی کافی ہونا چاہیے''۔ماہ گل چند لمحے اسے دیکھتی رہی، جیسے اس کے الفاظ کو اپنے اندر اتار رہی ہو۔

''تھینک یو...'' وہ دھیرے سے بولی۔

اس لمحے اسے پہلی بار محسوس ہوا... کہ کچھ درد ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں کوئی بانٹ تو نہیں سکتا... مگر کوئی خاموشی سے ان کے ساتھ کھڑا ضرور رہ سکتا ہے۔

''اچھا چلو، اب مجھے اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔'' وہ کمبل درست کرتا ہوا اس کے برابر آکر بیٹھ گیا۔ دونوں کی پشت بیڈ کے کرواؤن سے لگی ہوئی تھی۔

''کیا بتاؤں؟'' ماہ گل چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

حدیر ہلکا سا مسکرایا۔

''چلو، میں ہی پوچھ لیتا ہوں۔ تمہاری اماں کو کیا ہوا ہے؟ تم نے بتایا تھا وہ ہسپتال میں ہیں۔''۔

''انہیں برین ٹیومر ہے... اسی کی سرجری کے لیے وہ لندن گئی ہوئی ہیں۔ ابا کو بھی اماں کے ساتھ جانا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے ہماری شادی اتنی عجلت میں کروادی''۔

''ہمم... اب کیسی ہیں وہ؟''۔ حدیر نے آہستہ سے سر ہلایا۔

''ایک سرجری ہو چکی ہے... ایک ابھی باقی ہے۔'' وہ اپنی انگلیاں مروڑتے ہوئے نیچے دیکھنے لگی۔ ''اگلے بہار تک... ان شاءاللہ وہ پاکستان واپس آجائیں گی۔'' یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں سے آنسو پھر بہنے لگے۔

حدیر کو وہ یوں روتی ہوئی بالکل اچھی نہ لگی۔

پورا بہار اور اب تقریباً پوری گرمی اس کے ساتھ گزری تھی۔۔اور اس نے ہمیشہ اسے ہنستے، مسکراتے، شرارتیں کرتے ہی دیکھا تھا۔آج پہلی بار وہ یوں ٹوٹ کر رو رہی تھی۔وہ اس کا دل ہلکا کرنا چاہتا تھا۔

"تمہیں ڈانٹ کس سے زیادہ پڑتی تھی...اماں سے یا ابا سے ؟"۔

ماہ گل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔"ڈانٹ ؟"اگلے ہی لمحے وہ روتے روتے ہنس پڑی۔

حدیر چند لمحے اسے مبہوت سا دیکھتا رہ گیا۔اس کی ہنسی میں ایک عجیب سی معصومیت تھی۔

"اماں سے۔"وہ مسکراتے ہوئے بولی۔"ابا تو ہمارے پروٹیکٹر تھے۔اماں کی ڈانٹ سے بچاتے تھے۔"وہ ہنستے ہوئے یاد کرنے لگی۔"اماں کہتی تھیں،ماہ گل!اب تم گھر بیٹھ جاؤ۔خبردار جو شاہینہ کے ساتھ باہر مٹر گشت کرنے نکلی۔اور جب ہم گھر بیٹھ جاتے تو کہتیں...ماہ گل!باہر کیوں نہیں جاتی؟ایسا کرو،تم باہر چلی جاؤ...دو گھڑی میرے کانوں کو سکون دو۔"وہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھی۔

"میں تمہاری اماں کی بات سے بالکل اتفاق کرتا ہوں۔"حدیر بھی کھل کر مسکرا دیا۔

"حدیر!" وہ ناراضگی سے بولی۔

"اچھا اچھا... میں کچھ نہیں کہتا۔" وہ مسکراہٹ روکتے ہوئے بولا۔ "کہتی جاؤ، میں سن رہا ہوں۔"

"شاہینہ تو ہماری ہر شرارت میں ساتھ ہوتی تھی۔ گرمیوں میں اکرم دادا ہم سے بہت پریشان رہتے تھے۔ ان کے کیری ہم توڑ کر بھاگ جایا کرتے تھے۔" اب وہ اپنے بچپن کے نہ جانے کتنے قصے سنانے لگی تھی۔ اس کی آواز میں کبھی ہنسی گھل جاتی، کبھی شرارت کی چمک۔ اور حدیر... وہ خاموشی سے اسے سنتا رہا۔ نہ اس کے چہرے پر بیزاری تھی، نہ اکتاہٹ۔ کبھی وہ سر ہلا دیتا... کبھی ہلکا سا مسکرا دیتا اور کسی بات پر بے اختیار ہنس بھی پڑتا۔

ماہ گل بول رہی تھی اور وہ خاموشی سے اسے سنتا جا رہا تھا۔ کمرے میں ایک نرم سی سکون بھری فضا پھیل گئی تھی۔ کچھ دیر بعد ماہ گل کی آواز دھیمی پڑنے لگی۔ شاید وہ تھک گئی تھی یا شاید دل ہلکا ہو چکا تھا۔ نیند اسے اپنی آغوش میں لینے لگی تھی۔

حدیر نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر اب بھی آنسوؤں کے ہلکے نشان تھے مگر لبوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ بھی آ چکی تھی۔

کل رات جیسے کوئی طوفان آیا تھا...اور اس کے گزر جانے کے بعد گھر کی خاموشی دیکھنے کے قابل تھی۔وہی گھر جو کل تک ہنسی، قہقہوں اور خوشیوں سے گونج رہا تھا، آج عجیب سی سنجیدہ خاموشی اوڑھے بیٹھا تھا۔

لان میں لگے گلاب کے پودے ہلکی صبح کی ہوا میں آہستہ آہستہ جھول رہے تھے۔ڈائننگ ایریا میں پڑی کرسیاں بے ترتیب تھیں، جیسے رات کی بے چینی ابھی تک دیواروں سے لپٹی ہوئی ہو۔کچن سے برتنوں کی مدھم سی آواز آ رہی تھی، مگر اس میں بھی پہلے جیسی چہل پہل نہ تھی۔

اوپر فلور پر رباب کے کمرے میں ہلکی سی صبح کی روشنی پردوں سے چھن کر اندر آ رہی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے رباب بیٹھی تھی، اور رشنا اس کے پاس کھڑی اس کا میک اپ کر رہی تھی۔

"آپی...اب کیا ہوگا؟"۔رباب کی آواز میں صاف فکر گھلی ہوئی تھی۔رشنا نے آئینے میں اس کی جھلکتی ہوئی آنکھوں کو دیکھا۔

"اتنی آسانی سے نانو اور مامی معاملے کو جانے نہیں دیں گے"۔رشنا نے آہستہ سے کہا اور برش سے اس کے گالوں پر ہلکا سا بلش پھیلایا۔

"ماہ گل بھابھی کیسی ہیں؟"۔ رباب کی پلکیں ذرا جھک گئیں۔ کل رات رباب کمرے سے نکل نہیں سکی تھی، مگر رشنا نے رات ہی میں آکر اسے سارا واقعہ بتا دیا تھا۔

رشنا کے ہاتھ ایک لمحے کو رک گئے۔ "کل رات تو امی نے حد ہی کر دی تھی" اس نے افسوس سے کہا۔ "وہ تو حدیر سب کو خاموش کروا کر ماہ گل کو کمرے میں لے گئے"۔

کمرے میں چند لمحوں کی سنجیدہ خاموشی پھیل گئی۔ باہر درختوں پر بیٹھے پرندوں کی آواز اس خاموشی کو اور نمایاں کر رہی تھی۔

تم فکر نہ کرو۔ بس اپنی زندگی کے ان خوبصورت لمحوں کو انجوائے کرو"۔ رشنا نے اچانک رباب کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا اور مسکرا دی۔ رباب کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی، مگر آنکھوں میں ابھی بھی سوچ کی دھند باقی تھی۔

"چلو اب جلدی سے ناشتہ کے لیے نیچے آجاؤ"۔ یہ کہتے ہوئے رشنا نے دروازے کی طرف دیکھا کیونکہ اسی لمحے مزمل کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

کمرے میں نرم سی خاموشی رہ گئی۔ مزمل آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھا۔ صبح کی روشنی کھڑکی سے آکر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ سرمئی رنگ کے ہلکے کام والے سوٹ میں رباب

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

بہت نفیس لگ رہی تھی۔ ہلکا سا میک اپ، آنکھوں میں باریک سا کاجل، اور چہرے پر نئی زندگی کی جھجک بھری روشنی۔ مزمل خود بھی سرمئی شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔

"پیاری لگ رہی ہو۔" وہ اس کے قریب آکر رکا اور آہستہ سے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"تھینک یو۔" رباب کی پلکیں ذرا سی جھک گئیں، اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے مزمل کا ہاتھ تھاما، پھر دونوں ساتھ ساتھ دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

ماہ گل کھڑکی کے پاس خاموش کھڑی تھی۔ نگاہیں باہر آسمان پر جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ اس نیلے پھیلے ہوئے خلا میں اپنے اندر کے بوجھ کو گم کر دینا چاہتی ہو۔

دروازہ آہستہ سے کھلا۔

حدیر کمرے میں داخل ہوا۔ ایک لمحہ وہ دروازے کے پاس رکا، پھر اس کی نظر سیدھی کھڑکی کے پاس کھڑی ماہ گل پر جا ٹھہری۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی دیکھ کر وہ آہستہ آہستہ اس کے قریب چلا آیا۔

”ماہ گل... یہاں کیوں کھڑی ہو؟ ناشتہ کے لیے نہیں جانا؟“

ماہ گل نے سر نہیں موڑا۔ نگاہیں اب بھی باہر آسمان پر جمی تھیں۔

”آپ چلے جائیں۔“ وہ مدھم لہجے میں بولی۔

”کیوں؟ تم نے ناشتہ نہیں کرنا؟“۔ حدیر کی بھنویں ہلکی سی سکڑ گئیں۔

”آج رباب کا پہلا دن ہے... ہم نہیں چاہتے ہماری وجہ سے اس کا یہ دن خراب ہو۔“ چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر وہ آہستہ سے بولی۔ اس کے لہجے میں عجیب سی خالی پن تھا۔

حدیر نے ایک لمحہ اسے غور سے دیکھا۔ پھر ایک قدم آگے بڑھا۔

”تمہاری وجہ سے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ سمجھیں؟“ اس کی آواز مضبوط تھی، مگر اس مضبوطی میں ایک عجیب سا تحفظ بھی تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

”اب چلو۔“ اگلے ہی لمحے اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”حدیر... پلیز۔“ ماہ گل چونک گئی۔ وہ رک ہاتھ چھڑانے لگی۔

”یہاں دیکھو۔“ وہ ایک لمحہ رکا۔ پھر آہستہ سے اس کی ٹھوڑی تھامی اور اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ دیا۔ ماہ گل کی نظریں بے اختیار اس کی آنکھوں سے جا ملیں۔

"اگر وہاں کچھ بھی ایسا ہوا جو تمہارے وجود کے لیے ناگوار ہو... تو تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہیں وہاں ناشتہ کرنے دوں گا؟"اس کی آواز بھاری، مضبوط اور غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھی۔

ماہ گل چند لمحے ساکت رہ گئی۔

یہ چند دنوں میں حدیر کا ایک نیا روپ تھا سنجیدہ، محافظ اور عجیب حد تک اس کے لیے فکر مند۔

"تو پھر آپ ہمیں لے جا کیوں رہے ہیں؟"اس نے آہستہ سے پوچھا۔آواز میں بے بسی تھی۔

حدیر نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔"کیونکہ کمرے میں بند ہو جانا...ماہ گل حدیر کو جچتا نہیں۔"اس نے گہرے اور گھمبیر لہجے میں کہا اور اسے ساتھ لے کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اس بار ماہ گل نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔وہ بس خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی گئی۔

سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے اس کی نظریں ایک لمحے کو حدیر کے چہرے پر ٹھہریں۔کتنا ٹھیک کہا تھا اس نے... کمرے میں بند کیوں ہوتی ماہ گل؟ وہ کب سے اسے اتنا سمجھنے لگا تھا؟ماہ گل نم نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

وہ دونوں ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے تو میز پر بیٹھے سب لوگوں کی نگاہیں ایک ساتھ ان کی طرف اٹھ گئیں۔ یہ شاید پہلی بار تھا کہ حدیر اور ماہ گل ایک ساتھ ناشتے کی میز تک آئے تھے... اور وہ بھی یوں کہ حدیر کا ہاتھ مضبوطی سے ماہ گل کے ہاتھ میں تھا۔

بڑی سی ڈائننگ ٹیبل پر سفید ٹیبل کلاتھ بچھا تھا، چائے کی بھاپ اٹھ رہی تھی، پراٹھوں کی خوشبو فضا میں پھیلی ہوئی تھی... مگر اس لمحے پورے کمرے میں ایک عجیب سا تناؤ پھیل گیا تھا۔

بشری رحمانی کی تیز نگاہ فوراً ان دونوں کے جڑے ہوئے ہاتھوں پر جا ٹھہری۔ حدیر نے کسی کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی نہ کی۔ وہ خاموشی سے ماہ گل کا ہاتھ تھامے آگے بڑھا۔ کرسی کھینچی اور ہلکے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا۔ ماہ گل خاموشی سے بیٹھ گئی۔ حدیر بھی اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے میز پر عجیب سی خاموشی چھائی رہی۔

"تو پھر کیا سوچا تم نے؟ کل جو شخص آیا تھا... وہ کون ہے؟"۔ پھر بشری رحمانی کی آواز اس خاموشی کو چیرتی ہوئی ابھری۔ ان کی نگاہیں سیدھی ماہ گل پر تھیں، مگر لہجے میں چھپا ہوا طنز اور تیز تھا۔

ماہ گل کے سامنے پلیٹ رکھتے ہوئے حدیر کا ہاتھ ایک لمحے کو رک گیا۔اس نے پراٹھا اس کی پلیٹ میں رکھا، پھر آہستہ سے سر اٹھایا۔"میری بیوی آپ سب کو کل بتا چکی ہے۔"اس کی آواز غیر معمولی طور پر ٹھنڈی اور مضبوط تھی۔"مزید اگر کسی کو بے سکونی ہے...تو وہ اس کا علاج خود کریں۔ماہ گل سے پوچھنے کی ضرورت نہیں"۔اس نے ایک سرد نگاہ بشری رحمانی پر ڈالی اور پھر آرام سے ماہ گل کی پلیٹ میں آملیٹ رکھنے لگا۔

بشری رحمانی جیسے ایک لمحے کو ساکت رہ گئیں۔حدیر نے اس لہجے میں کبھی جواب نہیں دیا تھا۔

"حدیر! یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟"۔دادا سائیں کی آواز میں سختی آگئی۔ناشتے کی میز کا ماحول اب واضح طور پر ناگوار ہو چکا تھا۔

"جب بات ایسی ہوگی تو سوال تو ہوں گے نا، حدیر۔اور تمہاری بیوی سے ہی کیے جائیں گے۔"بشری رحمانی نے ہلکی سی استہزائی ہنسی کے ساتھ کہا۔

حدیر نے آہستہ سے چائے کا کپ میز پر رکھا۔پھر اس نے سیدھا ان کی طرف دیکھا۔

"اگر آپ سوچ رہی ہیں کہ جو پہلے کر چکی ہیں وہ دوبارہ کریں گی...تو اس بار ایسا نہیں ہوگا۔" اس کی آواز اب بھی پر سکون تھی...مگر اس پر سکون لہجے میں ایک خطرناک سنجیدگی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”حدیر رحمانی اپنی بیوی کو آپ کا نشانہ بننے نہیں دے گا۔اس لیے بہتر ہے...خود کو خود تک محدود رکھیں“۔اس کی نگاہیں براہِ راست بشری رحمانی کی آنکھوں میں تھیں۔

ڈائننگ ہال میں ایک لمحے کو مکمل خاموشی چھاگئی۔

ماہ گل نے گھبرا کر حدیر کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔اس کے لمس میں ایک نرم سی التجا تھی جیسے وہ چاہتی ہو کہ بات یہیں ختم ہو جائے۔

مگر آج حدیر کا انداز مختلف تھا۔وہ پیچھے ہٹنے والا نہیں لگ رہا تھا۔بشری رحمانی کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ آیا اور گزر گیا۔وہ الجھی ہوئی نگاہوں سے حدیر کو دیکھنے لگیں۔کیا کہنا چاہتا تھا وہ...؟یا پھر...کیا وہ واقعی کچھ جانتا تھا؟

”تم کس طرح ماما سے بات کر رہے ہو، حدیر؟“۔ہریرہ نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔اس کے لہجے میں سختی بھی تھی اور حیرت بھی، جیسے اسے یقین ہی نہ آ رہا ہو کہ حدیر اس انداز میں جواب دے سکتا ہے۔

حدیر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔اس کی آنکھوں میں اب وہ نرم بے فکری نہیں تھی جو اکثر ہوا کرتی تھی۔

"جس طرح ماما میری بیوی سے سوال کر رہی تھیں۔" اس نے بنا کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا۔

ہریرہ کے چہرے کی سنجیدگی اور گہری ہو گئی۔

"کل جو کچھ ہوا، اس کے بعد تمہاری بیوی سے کوئی بھی سوال کر سکتا ہے۔ اور ماما کا حق بنتا ہے جاننا۔ کوئی بھی گھر میں آکر تماشہ لگا کر چلا جائے اور تم کہہ رہے ہو ماما خاموش رہیں؟"۔ اس کی آواز میں اب واضح ناراضی تھی۔

رشنا کی نظریں بے چینی سے دونوں کے درمیان گھوم رہی تھیں۔ وہ گھبرا کر کبھی ہریرہ کو دیکھتی، کبھی حدیر کو۔

"میری بیوی سے میرے علاوہ کوئی بھی سوال نہیں کر سکتا... کوئی بھی نہیں۔" حدیر نے گہرا سانس لیا۔ پھر اس نے بہت آہستگی سے مگر پوری مضبوطی کے ساتھ کہا

میز کے گرد بیٹھے سب لوگ جیسے ایک لمحے کو ٹھٹک گئے۔

حدیر کی آواز میں نہ غصہ تھا، نہ چیخ... مگر اس کے لہجے کی ٹھہراؤ میں ایسی سختی تھی جو کسی کو بھی خاموش کر دینے کے لیے کافی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ اب دادا سائیں اور بشریٰ رحمانی کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا ''اور آپ نے رشتہ اس کے والدین سے کیا تھا، نا؟ تب ساری باتیں پوچھ لینی چاہییں تھیں۔ اب اگر کوئی تیسرا آدمی آکر کچھ بھی کہہ جائے تو میں آپ سب کو اسے کٹہرے میں کھڑا نہیں کرنے دوں گا''۔ اس نے اپنی بات مکمل کی اور آہستہ سے کرسی پیچھے ہٹا کر کھڑا ہو گیا۔

ماہ گل خاموش بیٹھی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ اتنے لوگوں کے سامنے اس کا نام یوں بار بار آنا اسے اور بھی بے چین کر رہا تھا۔

حدیر نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر پہلی بار وہ سختی ذرا نرم ہوئی۔

اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ ''چلو، ماہ گل۔'' اس کا لہجہ اب پہلے جیسا نرم تھا۔ ماہ گل نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے کوئی سوال تھا... اور ساتھ ہی ایک عجیب سا اعتماد بھی۔ اگلے ہی لمحے اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کی سیدھی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ حدیر نے اس کا ہاتھ تھاما اور بغیر پیچھے دیکھے آگے بڑھ گیا۔

ڈائننگ ہال کی خاموشی اب اور گہری ہو چکی تھی۔

پیچھے میز پر بیٹھے سب لوگ ساکت رہ گئے تھے۔ مگر سب نے ایک بات واضح طور پر دیکھ لی تھی اپنے لیے کچھ نہ کہنے والا حدیر رحمانی اب اپنی بیوی کے لیے ہر حد تک جا رہا تھا۔

وہ پی کاک رنگ کے گھیر دار فراک میں ملبوس تھی۔ ہلکا سا دوپٹہ سر پر لیے وہ حدیر کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہی تھی۔ صبح کی نرم دھوپ اس کے لباس کے رنگ کو اور گہرا بنا رہی تھی۔ حدیر اسے حویلی ریسٹورنٹ لے آیا تھا۔

اوپر چھت والے حصے میں آ کر وہ دونوں ایک کونے کی میز پر بیٹھ گئے تھے۔ نیچے لاہور کی گلیوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، مگر اوپر فضا میں ایک عجیب سا سکون بسا ہوا تھا۔

حدیر نے خاموشی سے ناشتہ کا آرڈر دیا۔

ٹھنڈی ہوا مسلسل چل رہی تھی۔ وہ ماہ گل کے دوپٹے کے ساتھ شرارتیں کرتی کبھی اسے کندھے سے سرکاتی، کبھی اس کی زلفوں کو ہلکا سا چھیڑ دیتی۔

ان کے عقب میں بادشاہی مسجد کا شاندار منظر تھا۔ سرخ اینٹوں کی عظیم عمارت، اونچے مینار، اور صبح کے آسمان کے نیچے پھیلی اس کی شان جیسے تاریخ خود ان کے سامنے سانس لے رہی ہو۔

ماہ گل نے آنکھیں بند کر لیں۔ ”کتنا حسین منظر ہے نا؟“ وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولی تھی۔ اسی دوران دوپٹہ آہستہ سے سر سے سرک کر پیچھے گر گیا۔ چند نرم زلفیں اس کے رخساروں پر بکھر گئیں۔

حدیر کی نگاہیں وہیں رک گئیں۔ ''بہت۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا، اس کی نظریں بادشاہی مسجد پر نہیں تھیں... وہ تو ان زلفوں پر ٹھہری ہوئی تھیں جو ہوا کے ساتھ اس کے چہرے کو چھو رہی تھیں۔

''تھینک یو۔'' ماہ گل نے آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

''کس لیے؟''۔ حدیر جیسے چونک گیا۔

ماہ گل نے ارد گرد نظر دوڑائی۔ نرم ہوا، کھلا آسمان، اور سامنے پھیلا وہ دلکش منظر۔

''ہمیں یہاں لانے کے لیے۔'' اس کی آواز میں سچّا تشکر تھا۔

حدیر نے موبائل اٹھالیا۔ خود کو مصروف ظاہر کرنے کی ناکام کوشش۔ ''اس کی ضرورت نہیں... میرا یہاں سے ناشتہ کرنے کا دل چاہ رہا تھا۔'' وہ لاپرواہی سے بولا۔

ماہ گل کی ہنسی بے اختیار نکل گئی۔ اس کی ہلکی، صاف اور معصوم ہنسی جیسے فضا میں گھل گئی۔

حدیر کی انگلیاں موبائل کی اسکرین پر چلتے چلتے رک گئیں۔ اس نے بے ساختہ سر اٹھایا۔ اس کی نظریں سیدھی اس ہنستے ہوئے چہرے پر جا ٹھہریں۔ آنکھیں جیسے خاموشی سے پوچھ رہی تھیں یہ ہنسی کیوں؟

''پھر آپ کے دل کا ہی شکریہ۔'' ماہ گل نے ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

حدیر نے کچھ نہیں کہا۔اس نے دوبارہ موبائل کی اسکرین میں خود کو مصروف کرنے کی کوشش کی... مگر یہ کوشش ناکام تھی۔ کیونکہ وہ خود جانتا تھا ماہ گل کے سامنے وہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔

''ہم یہاں یونیورسٹی کے دور میں صرف ایک ہی دفعہ آئے تھے...دوستوں کے ساتھ۔'' ماہ گل کی نظریں بدستور بادشاہی مسجد کے بلند میناروں پر جمی ہوئی تھیں۔ صبح کی نرم دھوپ سرخ اینٹوں پر پڑ کر ایک عجیب سی سنہری چمک پیدا کر رہی تھی۔ ''پھر کبھی دوبارہ آنا ہی نہیں ہوا۔'' وہ ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے کھلے بالوں میں الجھ رہی تھی۔ حدیر نے آہستہ سے موبائل میز پر رکھ دیا۔اب وہ مکمل توجہ سے اسے سن رہا تھا۔ ''ہم دوبارہ یہاں آنا چاہتے تھے... مگر کبھی سوچا نہیں تھا کہ آپ کے ساتھ آئیں گے۔'' اس نے گہری سانس لی، جیسے اس لمحے کی خوبصورتی کو اپنے اندر محفوظ کرنا چاہتی ہو۔ ''کچھ خواہشیں...بہت خوبصورت انداز میں پوری ہوتی ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے۔

حدیر کی نگاہیں ماہ گل کے چہرے پر تھیں، جہاں نرم دھوپ اور ہوا مل کر ایک عجیب سی روشنی بکھیر رہے تھے۔

"میرے ساتھ آنا... تمہارے لیے خوبصورت ہے؟"۔ حدیر نے آہستگی سے پوچھا۔اس کی آواز معمول سے کہیں زیادہ دھیمی تھی۔آنکھیں جذبات کی نمی سے بوجھل تھیں۔

"بہت خوبصورت۔"ماہ گل نے مسکرا کر سر ہلایا۔اسی لمحے ایک شرارتی لٹ بار بار اس کی آنکھوں کے قریب آرہی تھی۔وہ ہلکی سی جھنجھلاہٹ کے ساتھ اسے پیچھے کرنے لگی۔

حدیر نے بے اختیار ہاتھ بڑھایا۔اس نے نہایت آہستگی سے وہ لٹ اس کے کان کے پیچھے کر دی۔

ماہ گل کی دھڑکن جیسے اچانک تیز ہو گئی۔

اس کی نظریں مسجد سے ہٹ کر حدیر کے چہرے پر آٹھہریں...اور وہیں رک گئیں۔

کچھ لمحوں کے لیے وقت جیسے سست پڑ گیا۔ہوا اب بھی چل رہی تھی۔مسجد کے مینار خاموش کھڑے تھے...اور اس میز پر بیٹھے دو لوگ جیسے پہلی بار ایک دوسرے کو واقعی دیکھ رہے تھے۔

"اگلی جگہ کہاں جانا چاہو گی پھر؟"۔حدیر کی آواز دھیمی آنچ دیتی ہوئی تھی۔۔

ماہ گل کی پلکیں ہلکی سی جھپکیں۔"آپ لے کر جائیں گے؟"۔اس کے لہجے میں معصوم سا بے یقینی تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حدیر ذرا سا پیچھے ہوا۔ ''ابھی بھی میں ہی لے کر آیا ہوں۔'' اس نے ہلکی سی خفگی کے ساتھ کہا۔ ماہ گل ہنس دی۔ اس کی ہنسی میں معصومیت بھی تھی اور خوشی بھی۔

''جہاں آپ ہمیں لے جانا چاہیں گے۔'' وہ چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

حدیر نے ایک لمحہ اسے غور سے دیکھا۔ ''کہیں بھی؟'' اس نے ہلکی سنجیدگی سے کہا۔ ''سوچ لو... پھر میں کہیں بھی لے جا سکتا ہوں۔''

''آپ ساتھ ہوں گے تو... ہم کہیں بھی جا سکتے ہیں۔ ''

ماہ گل نے بغیر ایک لمحہ سوچے جواب دیا. وہ پورے اعتماد سے مسکرا دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حدیر چند لمحے خاموش رہ گیا۔

جیسے اس کے پاس اس جملے کا کوئی جواب نہ ہو۔ وہ لڑکی... اس پر اندھا یقین کرتی تھی۔ ایسا یقین... جو شاید حدیر نے زندگی میں کبھی کسی کی آنکھوں میں نہیں دیکھا تھا۔

حدیر اسے گھر کے دروازے تک چھوڑ کر خاموشی سے اپنے کام کے لیے نکل گیا تھا۔ ماہ گل چند لمحے وہیں کھڑی رہی... جیسے اس کے جانے کے بعد فضا میں کچھ باقی رہ گیا ہو ایک ہلکی سی اداسی، ایک نامکمل سا احساس۔ موسم سرما کی شروعات ہو چکی تھی۔ ہوا میں خنکی آہستہ آہستہ اتر

رہی تھی۔ صحن میں پھیلی دھوپ اب تیز نہیں رہی تھی، بلکہ نرم اور مدھم ہو کر زمین پر بکھر رہی تھی۔

اس نے بے اختیار دوپٹہ ذرا سا سمیٹا... ہوا کی ٹھنڈک نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ آہستہ قدموں سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔

کل کے بعد... اس کے اندر ایک انجانی سی جھجھک نے جگہ بنا لی تھی۔ ہر قدم جیسے سوچ سمجھ کر اٹھ رہا تھا۔

"میڈم، اگر سیر سپاٹے کر کے آ گئی ہیں تو ابا حضور کے کمرے میں بھی تشریف لے جائیں... بلا رہے ہیں تمہیں" امرین رحمانی کی آواز اچانک اس کے سکون کو توڑ گئی۔

ماہ گل نے چونک کر سر اٹھایا۔ امرین دروازے کے قریب کھڑی تھی، سرد موسم کی طرح ان کا لہجہ بھی ٹھنڈا اور چبھتا ہوا تھا۔

"ہمیں؟"۔ ماہ گل کے لبوں سے ہلکی سی الجھن پھسلی۔

"جی جی، بالکل تمہیں ہی"۔ وہ استہزائی مسکراہٹ کے ساتھ پلٹی اور چلی گئی۔

ماہ گل چند لمحے ساکت کھڑی رہی۔ سرد ہوا کا ایک جھونکا آیا اور اس کے دوپٹے کو ہلکا سا اڑا گیا۔ اس کے لبوں پر ایک مدھم سی، کڑوی مسکراہٹ آئی۔ تئیس سالہ زندگی میں پہلی بار انہوں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

نے اپنا چہرہ دکھایا... پہلی بار ملے اور وہ بھی اسے مشکل میں ڈال کر... یہ خیال اس کے دل میں ایک خراش سا چھوڑ گیا

اس نے گہری سانس لی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے اندر تک اتر گئی۔

پھر وہ بے تاثر چہرہ لیے دادا سائیں کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

دروازے پر پہنچ کر وہ ایک لمحے کو رکی۔ اس نے آہستہ سے دستک دی۔

''ہم اندر آجائیں... کیا؟'' اس کی آواز نرم تھی، مگر اس میں چھپی جھجھک واضح محسوس ہو رہی تھی۔۔

دروازے کے اندر کا منظر اس کی نظروں میں اتر گیا۔ کمرہ کشادہ تھا، بھاری پردے نیم وا تھے، جن سے چھن کر آتی روشنی فرش پر سنہری لکیریں بنا رہی تھی۔

اماں سائیں صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ان کی آنکھیں نم تھیں ان میں ایک عجیب سی شفقت تھی۔

''آؤ۔'' دادا سائیں کی کڑک آواز فضا میں گونجی۔

وہ کمرے کے درمیان ہاتھ پیچھے باندھے آہستہ آہستہ چکر کاٹ رہے تھے۔ ان کے وجود میں ایک ایسی سختی تھی جو سردی کی ٹھٹھرتی ہوا سے بھی زیادہ گہری محسوس ہو رہی تھی۔

ماہ گل نے آہستہ سے قدم اندر رکھا۔

''ملک کیا لگتا ہے تمہارا، لڑکی؟''۔ داداسائیں یکایک رک گئے۔

ان کی آواز میں ایسا غیظ و غضب تھا جیسے برسوں سے دبی آگ اچانک بھڑک اٹھی ہو۔

ماہ گل کے قدم وہیں تھم گئے۔ انگلیاں بے اختیار ایک دوسرے میں الجھ گئیں۔

''ہمیں... نہیں معلوم۔''لفظ اس کے ہونٹوں سے بمشکل نکلے۔ آواز اتنی دھیمی تھی کہ خود اسے بھی اجنبی لگی۔

داداسائیں کی نظریں اس پر جم گئیں۔ ان کی آنکھوں میں سختی تھی۔ اس گھر میں قدم رکھنے کے بعد... سلام دعا کے علاوہ اس کی ان سے کبھی کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ اماں سائیں کی شفقت اور نرمی کے برعکس داداسائیں کا وجود سختی اور جلال کا استعارہ تھا۔

''تمہارا باپ، سلطان''انہوں نے طنزیہ ہنسی کے ساتھ لفظوں کو چبایا۔''نہ جانے ہے بھی یا نہیں... مگر مجھے بیوقوف بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اس نے۔''وہ آہستہ آہستہ ٹہلنے لگے۔ کمرے میں ان کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ ماہ گل کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

”جانتا تھا کہ میں احسان کا بدلہ ضرور اتاروں گا اور اسی احسان کے پردے میں اس نے ہمیں اندھا کر دیا۔ عجلت میں نکاح کا کہا...اور میں مان گیا“۔ وہ رک گئے۔ نگاہیں سیدھی اس پر ٹک گئیں۔ ”میری بھی مت ماری گئی تھی کہ میں یہ تک نہ سوچ سکا کہ آخر اتنی جلدی کیوں؟“۔

ماہ گل کے چہرے کا رنگ آہستہ آہستہ اترنے لگا۔

”احسان؟“ اس کے لب کپکپائے۔ ”ک... کیسا احسان؟“ اس کی آواز میں بے یقینی تھی اور ایک انجانا سا خوف بھی۔

”بند کرو یہ ڈرامہ۔“ دادا سائیں کی آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ ”تمہارے اس باپ نے جو کھیل کھیلنا تھا کھیل چکا...اب تمہیں معصوم بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

ماہ گل کا سانس جیسے حلق میں اٹک گیا۔ ”ہم کچھ نہیں جانتے“ اس کی آواز ٹوٹنے لگی۔ ”سچ میں... ہمیں کچھ نہیں معلوم... اس کی آنکھیں بے اختیار اماں سائیں کی طرف اٹھیں۔ ”اماں سائیں... آپ بتائیں“ آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے، اور لفظ جیسے گلے میں پھنس کر درد دینے لگے تھے۔

دادا سائیں کی تیز نگاہیں ایک لمحے کو ٹھہریں۔ انہوں نے جیسے اس کے چہرے پر پھیلی لاعلمی کو پڑھ لیا تھا۔ پھر ان کا لہجہ بدل گیا۔ سختی برقرار تھی، مگر اب الفاظ ناپ تول کر نکلے۔

"اس نے میری جان بچائی تھی۔" کمرے کی فضا یکدم ساکت ہو گئی۔ "تب میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس احسان کا بدلہ ضرور اتاروں گا۔" وہ ایک لمحے کو رکے۔ "اور تمہارے نکاح سے تین دن پہلے اس کی کال آئی۔ وہ میرے پوتے سے تمہارا نکاح چاہتا تھا۔ اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ میں انکار نہیں کر سکوں گا۔"

ماہ گل کی دنیا جیسے ایک ایک لفظ کے ساتھ بکھرتی جا رہی تھی۔ اس کا گلابی، شاداب چہرہ اب زرد پڑ چکا تھا۔

اماں سائیں تاسف سے دادا سائیں کو دیکھ رہی تھیں۔

"یہ... یہ سچ نہیں ہے" ماہ گل کی آواز بے ربط ہو گئی۔ "نہیں ہے نا؟" اس کی آنکھوں میں یقین ٹوٹنے کی کرچیاں چبھ رہی تھیں۔

"یہی سچ ہے۔" دادا سائیں نے بے رحمی سے کہا۔ ہر لفظ جیسے تیر بن کر اس کے وجود میں پیوست ہو رہا تھا۔ "ورنہ میں کبھی اپنے خاندان میں تمہیں نہ لاتا۔

تمہارا اور ہمارا کوئی جوڑ نہیں، بی بی۔" یہ جملہ اس کے وجود کو چیر گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

''بس کریں... خدا کے لیے بس کریں''۔اماں سائیں یکدم اٹھ کھڑی ہوئیں۔ان کی آواز کانپ رہی تھی، مگر اس میں درد کی شدت صاف محسوس ہو رہی تھی۔''مزید کتنی زندگیاں برباد کریں گے آپ؟ ہاں؟''

''آواز نیچی رکھو، نیک بخت۔'' دادا سائیں سختی سے بولے۔

پھر وہ آگے بڑھے اور ماہ گل کے سامنے آ کر رک گئے۔

ماہ گل نے سر اٹھایا۔ان کی نگاہوں سے ٹکرائی اور پھر وہ نگاہیں برداشت نہ کر سکی۔

''مزمل کا ولیمہ سکون سے گزرنے دو'' ان کی آواز دھیمی تھی، مگر دباؤ لیے ہوئے۔''پھر تمہارا اور ملک کا راز بھی کھلواؤں گا''۔یہ کہہ کر وہ مڑے اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

کمرے میں ایک بھاری خاموشی رہ گئی۔اماں سائیں کی نگاہیں ماہ گل پر پڑیں۔وہ ساکت کھڑی تھی۔چند لمحوں میں جیسے وہ ٹوٹ کر بکھر گئی تھی۔جیسے کوئی سرسبز شاخ اچانک خزاں کا شکار ہو جائے... جیسے سایہ دار درخت سے اٹھا کر اسے تپتے صحرا میں لا کھڑا کیا گیا ہو۔

''ماہ گل... بچے''۔اماں سائیں کی پکار میں ممتا تھی... درد تھا

ماہ گل چونکی۔اس نے خالی نظروں سے انہیں دیکھا۔نہ سوال... نہ شکایت۔پھر وہ آہستہ آہستہ مڑی۔اور شکستہ قدموں سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ماہ گل؟ کیا ہوا... ٹھیک ہو؟"۔ رشنا سیڑھیوں سے اتر رہی تھی۔ بازوؤں میں روحان تھا، جو اس کے کندھے سے لگا نیم سویا سا تھا۔ ماہ گل نگاہیں اٹھا کر رشنا کو دیکھی اور قدم وہیں رک گئے۔ چہرہ... خالی۔ آنکھیں... بجھی ہوئی۔

پھر آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کچھ ہوا ہے کیا؟" رشنا نے ایک قدم نیچے رکھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس کے کندھے کو چھوا۔ وہ لمس جیسے بہت بھاری تھا۔

"بھابھی... پلیز۔" ایک نظر جس میں التجا بھی تھی اور پھر وہ خود کو سمیٹتی اس کے پہلو سے گزر گئی۔ سیڑھیوں پر اس کے قدموں کی ہلکی آواز اوپر کی خاموشی میں گم ہوتی چلی گئی۔۔۔

کمرے کا دروازہ بند ہوا۔ کلک کی ہلکی سی آواز اور بس۔ وہ چند قدم اندر آئی... اور پھر جیسے جسم نے ساتھ چھوڑ دیا وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ اور ضبط... جو اب تک سانسوں میں قید تھا... ایک جھٹکے سے ٹوٹ گیا۔ آنسو یکدم بہہ نکلے۔

"ایسے کیسے؟" لفظ ہچکیوں میں الجھ گئے۔

"ہماری شادی...ایسے کیسے کروادی؟" سینہ تنگ ہونے لگا۔سانس اندر جاتی مگر پوری نہ ہوتی۔

"ہم...کیاان دونوں پر بوجھ تھے؟" آواز خود ہی سنائی دی اسے۔کمرہ خاموش رہا۔وہ روتی رہی۔چند لمحے...یا شاید کئی منٹ...پھر اچانک اسے کچھ یاد آیا۔وہ جھٹکے سے اٹھی۔قدم لڑکھڑائے...مگر وہ سنبھل گئی۔میز...بیڈ...تکیہ...نگاہیں ہر جگہ بھٹکیں۔

"موبائل..." کانپتے ہاتھوں سے اس نے ڈریسنگ کے پاس پڑا فون اٹھایا۔اسکرین جل اٹھی۔انگلیاں خود بخود نمبر پر جا ٹھہریں۔

'اماں'...دل زور سے دھڑکا۔

"وہ بیمار ہیں"...انگلی رک گئی۔کال کا بٹن دبانے سے پہلے ہی سانس اٹک گئی۔وہ کیسے؟ کیسے ان تک یہ بوجھ پہنچائے؟اس نے آنکھیں بند کرلیں۔

"یااللہ..." ہونٹوں پر سرگوشی ابھری۔

"ہم کیا سب پر بوجھ تھے...؟" لفظ آہستہ سے ٹوٹ کر نکلے۔

"پیدا ہوئے تو چھوڑ دیے گئے... جہاں پلے بڑھے... وہاں سے بھی" جملہ مکمل نہ ہو سکا۔ وہ ڈریسنگ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ آنسو پھر بہہ نکلے۔ خاموشی میں اس کی سسکیاں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ کمرے کی دیواریں فرش... ہوا... سب گواہ بنے کھڑے تھے۔

چند لمحوں بعد اس نے گہری سانس لی۔ ایک... پھر دوسری ہاتھ سے آنسو صاف کیے۔ چہرہ سیدھا کیا۔ اور کال ملا دی۔ رِنگ... ایک... دو... اور پھر کال اٹھالی گئی۔

"ارے میری بیٹی... میری جان... کیسی ہو؟"۔ آواز آئی۔ وہی مانوس محبت... وہی اپنائیت... ماہ گل کے ہونٹ ہلے۔ مسکراہٹ آئی... مگر مکمل نہ ہو سکی۔

"اب۔۔ابا...؟ کہاں ہیں وہ؟"۔ اپنی ہی آواز اسے اجنبی لگی۔

"کیا ہوا؟ آج ماں سے زیادہ باپ کی یاد ستا رہی ہے؟"۔ اماں کی آواز آئی۔ ہلکی سی حیرت... ہلکی سی مسکراہٹ لیے۔

اسی لمحے اسکرین میں سلطان صاحب نمودار ہوئے۔ وہی مانوس چہرہ... وہی اپنائیت... ماہ گل کی نگاہ ٹھہر نہ سکی۔ ماہ گل نے خود کو سنبھالا۔

"ہاں... میری گڑیا، بولو"۔

"آپ سے بات کرنی ہے"۔ الفاظ سیدھے نکلے، مگر دل میں جیسے طوفان بند تھا۔

''ہاں تو کرو نا میری گڑیا''۔وہ مسکرائے۔سادگی سے۔بے خبری سے۔

''آپ... باہر تو جائیں''۔۔آنکھیں اب بھی اسکرین سے نہیں مل رہیں تھیں۔

''کیا بات ہے؟ماں سے رازداری؟''۔اماں کی آواز میں خفگی گھل گئی۔کیمرہ ان کی طرف آ گیا۔

ماہ گل نے خود کو سمیٹا...لبوں پر مسکراہٹ سجائی

''پہلی بار تھوڑی ہے...''آواز ہلکی سی نرم ہوئی۔''ابا اور ہمارے تو... کئی راز ہوا کرتے ہیں۔''الفاظ نکل گئے مگر دل میں ایک چبھن رہ گئی۔

''اچھا چلو...کرو بات''۔اماں نے مانتے ہوئے فون دے دیا۔

اسکرین ہلی۔پس منظر بدلا۔اور جیسے ہی سلطان صاحب اکیلے نظر آئے ماہ گل کی مسکراہٹ خاموشی سے بغیر کسی آواز کے اس کے چہرے سے اتر گئی۔

''ہمیں آپ سے ایک بات پوچھنی ہے؟''آواز ایسی تھی جیسے کسی نے تمام احساس نچوڑ کر صرف لفظ چھوڑ دیے ہوں۔

اسکرین کے اُس پار سلطان صاحب چونک اٹھے۔''خیریت ہے ماہا؟''۔ان کے لہجے میں بے ساختہ فکر تھی۔

وہ چند لمحے خاموش رہی... پھر آہستہ سے بولی۔

"آپ نے ہماری شادی... اتنی عجلت میں کیوں کروائی تھی؟" آخری لفظ کے ساتھ اس کی پلکیں بھاری ہو گئیں۔ آنسو لرزے... مگر وہ انہیں بہنے نہ دے سکی۔

سلطان صاحب نے جیسے بات سنی... مگر سمجھے نہیں۔

"جانتی تو ہو بچے" ان کی آواز میں وہی پرانی شفقت تھی۔ "تمہاری ماں کے پاس آنا تھا... اور وہاں کوئی ایسا رشتہ دار نہ تھا جس کے پاس تمہیں چھوڑتے... اور ویسے بھی... تمہاری شادی تو کرنی ہی تھی" وہ نرمی... وہ سادگی... جو ہمیشہ اسے سہارا دیتی تھی آج اسی نے اس کے اندر کچھ توڑ دیا۔

ماہ گل کی نگاہ سخت ہو گئی۔ "تو آپ نے... شہاب رحمانی سے... ان کے پوتے کا رشتہ مانگ لیا؟"۔ آواز اب سیدھی تھی مگر اس میں ایک دبی ہوئی چنگاری تھی۔ "کیا ہم... اتنے ارزاں تھے؟"۔ لفظ جیسے خود اس کے دل کو چیر کر نکلے۔

"کیوں کیا آپ نے ایسا؟" اب کے سوال میں تلخی تھی اور وہ تلخی آنسوؤں سے زیادہ جلا دینے والی تھی۔

"کیا؟ مطلب بچے؟"۔ سلطان صاحب کی آواز لڑکھڑائی۔ جیسے زمین اچانک قدموں تلے سے سرک گئی ہو۔

"جان گئے ہیں ہم... سب"۔ اس کی سانس تیز ہو گئی۔ "کیسے آپ نے ان کے آگے کہا... کہ میری بیٹی کو قبول کر لو" ہر لفظ کے ساتھ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "کیسے آپ نے... ایک احسان کو استعمال کیا" اب آنسو رک نہ سکے۔

"کیوں کیا ایسا؟" آواز بلند ہوئی... بکھر گئی

"اتنے زیادہ بوجھ بن گئے تھے تو... بس ایک بار کہہ دیتے"۔ ہچکیوں نے جملہ توڑ دیا۔ "بخدا... ہم اکیلے رہ سکتے تھے..." آنکھوں سے آنسو بہتے رہے... مسلسل "ہم پہلے بھی... چار سال لاہور میں گزارے تھے... اب آگے بھی... ہم جاب کر کے گزار لیتے" الفاظ میں سچ تھا... اور وہی سچ سب سے زیادہ دردناک ہوتا ہے۔ "کم از کم... ہمیں کسی کے سامنے یوں ہلکا تو نہ کرتے" آخری لفظ کے ساتھ اس کی آواز چیخ میں ڈھل گئی۔ کمرہ گونج اٹھا۔ اور اسکرین کے اُس پار سلطان صاحب ساکت رہ گئے۔

ان کی آنکھوں میں وہی ماہ گل تھی وہی ننھی سی بچی جو کبھی ہنستے ہوئے ان کی گردن میں بانہیں ڈال لیتی تھی... اور آج... وہی بچی... ان پر سوال اٹھا رہی تھی۔

یہ لمحہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

"بولیں... خاموش کیوں ہیں؟"۔ ماہ گل کی آواز پھر ابھری تیز... ٹوٹی ہوئی... بے قرار۔

اسی لمحے اسکرین ہلی۔ منظر بدلا۔اور اب سامنے اماں تھیں۔

انہوں نے سلطان صاحب کو باہر نہیں بھیجا تھا۔بس اسی کمرے میں جگہ تبدیل کروادی تھی۔ کیونکہ وہ ماں تھیں اس کے لہجے کو پہچانتی تھیں...اس کے درد کو...اس کے ٹوٹنے کے انداز کو۔وہ جان گئی تھیں کچھ ہوا ہے۔

"ماہا۔"ان کی آواز سنجیدہ تھی... مگر اس میں وہی پرانی مٹھاس کہیں گہرائی میں چھپی تھی۔ماہ گل خاموش رہی۔

آنکھیں اسکرین پر تھیں... مگر جیسے دیکھ کچھ نہ رہی ہو۔

"تئیس سال گزر گئے..."اماں کی آواز آہستہ سے کمرے میں پھیلی۔"کس لمحے تمہیں لگا...کہ تم ہم پر بوجھ ہو؟"

ہر لفظ ٹھہر ٹھہر کر بولا گیا۔"کیسے کہہ دی تم نے یہ بات...؟"اب ان کے لہجے میں شکوہ تھا...ناراضی نہیں۔وہ دکھ...جو صرف اپنوں سے ملتا ہے۔

ماہ گل کی پلکیں جھک گئیں۔ماہ گل کی آنکھوں میں آنسو اب ٹھہرے نہیں تھے...بہہ رہے تھے بے آواز، مگر اندر شور مچائے۔

اس نے سر اٹھایا...اور جیسے دل میں جمع سارا زہر ایک سانس میں باہر آگیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”چند لمحے قبل...جو ذلت ہم نے محسوس کی ہے نا“۔آواز کانپی...مگر رکی نہیں۔”بس اسی لمحے...اسی لمحے لگا“ سانس ٹوٹی۔”پہلے سگے باپ نے پھینک دیا...پھر آپ دونوں نے ہماری شادی...اس طرح کروادی“ چہرے کے خدوخال سخت ہوگئے...آنکھوں میں نمی کی جگہ ایک جمی ہوئی چمک آگئی۔

”جانتی ہیں کیا کہا جارہا ہے...؟ یہ رشتہ...احسان کا بدلہ ہے“۔لفظ جیسے کسی اور کے تھے مگر زخم اس کے اپنے۔

اسکرین کے اُس پار خاموشی کا ایک وقفہ آیا۔

”کس نے کہا؟...اور کیوں؟“۔اماں کی آواز اسپاٹ ہوئی تھی۔

”آئے تھے وہ...“۔اس کی نظریں خالی ہوگئیں۔”جو پیدا کرکے ہمیں پھینک چکے تھے...اب ساتھ لے جانا چاہتے ہیں“ ایک کڑواہٹ...ایک طنز...آہستہ آہستہ اس کے لہجے میں گھلتا گیا۔

”ہم کون ہیں؟“ آنکھوں میں سوال نہیں...احتجاج تھا۔”کوئی بھیڑ بکری...؟ جس کا جو دل چاہے گا...ہمارے لیے فیصلے کرے گا...اور ہم پر تھوپ دے گا؟“۔آواز اونچی نہیں تھی...ٹوٹی ہوئی...بکھری ہوئی۔

''یہ رشتہ...جو پہلے ہی ہم اتنی مشکلوں سے چلا رہے تھے''۔ لفظ لڑکھڑائے۔ ''آپ دونوں نے...مزید مشکل بنا دیا ہے''۔ آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

''جانتے ہیں؟ جس روز سے اس گھر میں آئے ہیں...تب سے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں...یہ رشتہ مضبوط ہو جائے...یہ رشتہ ٹوٹے نہ'' وہ زخمی نگاہوں سے اسکرین کے پار ان دونوں کو دیکھنے لگی۔

''شادی کروادی آپ لوگوں نے...بنا جانے کے کہ لڑکا راضی ہے یا نہیں'' اب آواز میں تھکن تھی۔

''اور اب...جو رشتہ مشکلوں میں تھا...اس پر ایک اور مشکل لادی آپ لوگوں نے'' آخری لفظ کے ساتھ ہی جیسے اس کے اندر کچھ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ اس نے جواب کا انتظار نہیں کیا۔ ساری بھڑاس نکالی اور کال کاٹ دی۔

کمرہ ایک بار پھر خاموش ہو گیا۔ موبائل اس کے ہاتھ سے ڈھیلا ہو کر ڈریسنگ ٹیبل پر گرا۔

اور وہ...دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر...ایسے روئی...جیسے اب سنبھلنے کی کوئی گنجائش نہ رہی ہو۔ سسکیاں کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ رہی تھیں۔

ہم ہنستے تھے...

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

نہ رونے کے لیے...

ہم مسکراتے تھے...

دکھ چھپانے کے لیے...

اب مسکرایا نہیں جا رہا

کہ اب کی بار اس قدر

ٹوٹ کر بکھرے ہیں ہم

الفاظ اس کے اندر کہیں گونج رہے تھے۔

دہلیز پر ٹھہرا سایہ آہستہ آہستہ اندر بڑھا۔قدموں کی مدھم سی آہٹ۔۔ماہ گل نے سر اٹھایا۔ہچکیاں جیسے اچانک رک گئیں۔آنکھیں پھیل گئیں۔رنگت ایک لمحے میں بدل گئی۔حدیر۔وہ سامنے تھا۔اس کے چہرے سے اندازہ لگانا مشکل تھا...اس نے کتنا سنا کتنا نہیں؟۔اسے اس کی آمد کی خبر کیسے نہ ہوئی اور یہی بے خبری...دل کو اور زیادہ لرزا گئی۔ماہ گل کا دل زور سے دھڑکا۔ایک لمحہ...بس ایک لمحہ اور اگلا لمحہ...اس کے تصور سے کہیں مختلف تھا۔

حدیر نے فاصلے کو مٹایا...اور اسے اپنے حصار میں لے لیا ایسا حصار...جو مضبوط بھی تھا اور نرم بھی۔ماہ گل ساکت رہ گئی۔اس کا دل...اس کی سانسیں...سب جیسے ایک لمحے کو رک گئے ہوں۔

وہ اس کے سینے سے لگی تھی حیران...بے یقین...

"رو لو...جتنا رونا ہے"۔آواز بہت قریب سے آئی...اتنی قریب کہ جیسے دل کے اندر اتر گئی۔

"دل کو پُر سکون کر لو...پھر مسکرانا بھی ہے تم نے۔" یہ محض سرگوشی نہیں تھی۔اس کے لمس میں...اس کے لہجے میں...ایسی اپنائیت تھی کہ ماہ گل سب کچھ بھول گئی۔اور ایک بار پھر...

وہ رو دی۔پہلے سے زیادہ شدت سے۔۔پہلے سے زیادہ بے بسی سے...

حدیر آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا۔

باہر کی دنیا...فاصلے...شکوے سب پیچھے رہ گئے۔

بس ایک لمحہ تھا...جہاں ایک ٹوٹا ہوا دل تھا...اور ایک ایسا سہارا...جو بغیر کچھ کہے اسے تھامے کھڑا تھا۔

کمرے کی روشنی مدھم تھی۔ہلکی سردی سے پردے لرز رہے تھے،اور کھڑکی سے چھن کر آنے والی ہوا میں کچھ نمی تھی ایسی کہ ہر سانس کے ساتھ دل بھی ہلکا ہلکا کپکپا رہا تھا۔حدیر نے اسے

بیڈ پر آہستہ سے بٹھایا۔ چہرے پر وہ سنجیدگی تھی، مگر ہاتھوں میں نرمی...ہاتھوں کی گرفت میں اتنی اپنایت کہ لمحہ ایک لمحے سے کہیں زیادہ دیر تک ٹھہر گیا۔

گلاس میں پانی ڈالا اور تھمادیا۔ ماہ گل خاموشی سے اسے تھامی...دو گھونٹ لیے...اور پھر سر نیچے جھکا لیا۔ حدیر نیچے فرش پر بیٹھ گیا، اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے۔

"کیوں رو رہی تھی؟"۔اس کی آواز دھیمی، مگر ہر حرف میں چھپے سے محبت بھری تھی۔

"آ...آپ؟"۔ماہ گل رک سی گئی۔

"میں کیا؟" وہ نرم لہجے میں بولا، مگر نگاہیں اس کے دل کے اندھیروں تک دیکھ رہی تھیں۔

"آپ جانتے ہیں...یہ شادی...احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے کی گئی تھی..." لفظ ٹوٹ کر بہہ گئے، آنکھوں میں آنسو پھر سے بکھر گئے۔

"جانتا ہوں..." حدیر سر ہلا گیا۔

"ہمیں بتایا کیوں نہیں پھر؟" ماہ گل نے ہاتھ چھڑایا۔

"بتانے سے کیا ہوتا؟" حدیر نے دوبارہ تھام لیا، اور اس کی گرفت میں ایک عجیب سا سکون گھل گیا۔

"ہم... ہم دور چلے جاتے یہاں سے" ماہ گل نظریں جھکائے بولی، دل ابھی تک بے قراری میں تھا۔

"اور دور جانے سے کیا ہوتا؟"۔ حدیر کی آواز پر سکون تھی۔

"کم از کم جو آج ذلت محسوس ہوئی... وہ تو نہ ہوتی" ماہ گل تلخی کے ساتھ بولی، سر جھکا کر آنکھیں چھپائے۔

حدیر چونکا... ہلکی سنجیدگی چہرے پر اتر آئی۔ "کیا مطلب؟... کسی نے کچھ کہا ہے؟... کس نے؟" ماہ گل پلکیں جھکائے لب دانتوں تلے دبا کر ہلکی نفی میں سر ہلا گئی۔

"داداسائیں نے؟"۔ اس نے اندازاً پوچھا... ماہ گل نگاہیں نیچی کر کے ہلکی ہاں میں سر ہلایا۔

حدیر نے سانس گہرا لیا... پھر اس کی ٹھوڑی اٹھائی، اور نرم نگاہوں سے آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ "یہاں دیکھو... یہ نکاح ہمارا ہوا ہے... حدیر رحمانی اور ماہ گل حدیر کا... تم میری بیوی ہو... سمجھ رہی ہو؟ اس کے علاوہ کوئی فضول بات نہ سوچنا... جنہوں نے جو کہا... وہ ان کے دماغ کے خرافات ہیں... ان تک رہنے دو۔ ہمارے رشتے کے درمیان بس وہی بات ہو گی جو ہم دونوں چاہیں گے"۔

ماہ گل کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔"ہم دونوں؟"اس کی آواز میں بے یقینی تھی، دل ابھی تک دھڑک رہا تھا۔

"صرف ہم دونوں۔ تمہارے لیے ہم صرف تم ہو۔ میرے لیے ہم تم اور میں ہوں"۔

حدیر نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔اور پھر وہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔ماہ گل کے گالوں پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی

"ماہ گل...میں تمہاری گفتگو سن چکا ہوں۔"اس کی آواز دھیمی، مگر ہر لفظ میں سنجیدگی تھی۔

"کیا...کیا سن لیا؟"۔ماہ گل نے ہچکچا کر پوچھا۔

"ملک سے تمہارا رشتہ...اور سلطان انکل تمہارے باپ نہیں ہیں"۔

"سچ ہے...ابا اور اماں نے ہمیں پالا... لیکن وہ ہمارے حقیقی والدین نہیں"۔ماہ گل کی نگاہیں دیوار پر جم گئیں،آواز میں تلخی تھی۔

"اور ملک؟ "

"بدقسمتی سے...جو کل وہ بکواس کر کے گئے تھے...وہ سچ ہے"۔اس کے لہجے میں نفرت اور درد کا ملا جلا رنگ تھا۔

ماہ گل کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ آنکھیں بھیگی ہوئی، مگر اس نے سر جھکائے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

''تم نے کل انکار کیوں کیا؟'' حدیر نے آہستگی سے پوچھا، ہر حرف میں تجسس اور فکر کے ساتھ۔

''کیوں کرتے اقرار ہم؟ بتائیں کیوں کرتے؟ کل... پہلی بار ہم نے انہیں دیکھا... تئیس سال کی عمر میں، ایک بیٹی اپنے باپ کو پہلی بار دیکھے... کیا اسے مان لینا چاہیے کہ وہ اس کا باپ ہے؟ پہلے بچی کو پھینک دو، پھر تئیس سال بعد یاد آئے تو آکر دعویٰ کرنے لگ جاؤ... ہم کون ہیں؟ ہمارا وجود کسی کے لیے معنی رکھتا بھی ہے یا نہیں؟ پیدا ہوتے ہی ماں باپ نے قبول نہ کیا... پھر چار ماہ کی عمر سے تئیس سال تک کسی اور کو والدین کہتے ہوئے پلے بڑھو... ابا اماں نے ہمیں پیار دیا... پر آخر میں وہ دونوں بھی ثابت کر گئے کہ ہم بوجھ ہیں۔ ورنہ کیوں ہاتھ پھیلاتے ہمارے رشتے کے لیے؟ کیوں اس طرح شادی کروا دی؟'' آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر چھلک رہا تھا، سانسیں پھول رہی تھیں۔

''سب بچے اپنے گھر میں بڑے ہوتے ہیں... سب کے پاس اپنا گھر ہوتا ہے... اور ہم؟ ہمارا تو اپنا گھر ہی نہیں تھا... کوئی نہیں''۔

حدیر نے آہستگی سے اس کے کندھے کو چھوا، سر ہلکا سا اپنے کندھے پر ٹکایا۔

”ماہی... تم میرے لیے معنی رکھتی ہو۔ تمہارا ہونا قیمتی ہے میرے لیے۔ تم بوجھ نہیں ہو، رحمت ہو“۔ اس کے الفاظ نرم تھے محبت سے لبریز۔

ماہ گل نے آہستہ سانس بھری، آنکھیں بند کیں۔

”اچھا چلو اب بس... سب کو ہنسانے والی... اتنا رو ئیگی تو پھر ہنسائے گا کون؟“ حدیر نے اس کے بال ہولے سے کھینچ کر اسے ہنسنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔

”آہ... کیا کر رہے ہیں؟“۔ ماہ گل نے ہلکی خفگی سے سر اٹھایا۔

”تمہارا پرانا ورژن واپس لانے کی کوشش“۔ حدیر نے کندھے آچکا کر کہا۔

”کیوں آپ کو تو ہمارے بولنے سے مسئلہ ہوتا تھا“۔ وہ آنکھیں چھوٹی کیے گھورنے لگی۔ ماہ گل کی بھیگی آنکھیں اس کے دل میں اتر رہی تھیں۔

”کچھ مسائل... خوبصورت بھی ہوتے ہیں“۔ حدیر نے شرارت سے کہتے ہوئے اس کی ناک کھینچی۔

”ہیں؟ مسائل بھی خوبصورت ہوتے ہیں؟“ ماہ گل نے حیرانی اور ہنسی کے ملا جلا رنگ کے ساتھ پوچھا۔

”تمہارے بس کی بات نہیں...رہنے دو... نہیں سمجھ سکو گی“۔حدیر مسکرایا۔

ولیمہ شہر کے معروف ہال میں تھا۔گھر کے ہر کمرے میں تیاریوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی خوشبو، مہندی اور استری کیے کپڑوں کی ہلکی سی مہک...سب کچھ مل کر ایک عجیب سی رونق پیدا کر رہے تھے۔

دروازوں کے کھلنے بند ہونے کی آوازیں، ہنسی کے چھوٹے چھوٹے فوارے،اور قدموں کی جلدی جلدی چاپ۔

ہر کوئی اپنی تیاری کو آخری شکل دینے میں مصروف تھا۔کوئی آئینے کے سامنے کھڑا بالوں کی لٹ سنوار رہا تھا، کوئی جلدی جلدی الماری کھول کر سینڈل ڈھونڈ رہا تھا،ان سب شور اور ہلچل کے بیچ...ایک کونا ایسا بھی تھا جہاں خاموشی نے آہستہ سے ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔وہاں،ایک سادہ سی کرسی پر ماہ گل بیٹھی تھی۔

ج وہ مایوں اور بارات کے دنوں والی چہکتی، مسکراتی ماہ گل نہیں تھی۔چہرہ وہی تھا مگر آنکھوں میں جیسے تھکن کا ہلکا سا سایہ اتر آیا تھا۔ہونٹ خاموش اور نظریں کبھی موبائل کی اسکرین پر، کبھی خالی فضا میں ٹھہر جاتیں۔

یوں لگتا تھا جیسے وہ اس سارے ہنگامے کا حصہ ہو کر بھی اس سے الگ کھڑی ہو۔

"لڑکیوں... یہاں آ جاؤ۔" تب ہی بشریٰ رحمانی کی آواز ہال کے بیچوں بیچ ابھری۔

وہ اعتماد سے قدم رکھتی ہوئی درمیان میں آ کھڑی ہوئیں،

آنکھوں میں وہی روایتی چمک... اور لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ۔

رشنا، مناہل، فضا، میرب اور باقی کزنز ان کی آواز سنتے ہی ادھر چلی آئیں۔ چوڑیوں کی جھنکار اور ہلکی ہلکی خوشبو کے ساتھ وہ سب ایک دائرے میں سمٹ گئیں۔

"چلو سب... اپنے اپنے گجرے جلدی سے پہن لو"۔ انہوں نے سجے ہوئے تھال کو آگے بڑھایا۔ سفید اور گلابی پھولوں سے بنے گجرے مہک رہے تھے۔

پھر ان کی نگاہ آہستہ سے ماہ گل کی طرف مڑی۔ ایک لمحہ ٹھہری... اور لبوں پر ہلکی سی طنزیہ مسکراہٹ آ گئی۔ "ماہ گل تو پہنے گی نہیں... آخر کو اس کے شوہر کو سخت ناپسند ہیں"۔ لہجہ استہزائیہ تھا۔ ایسا کہ سننے والے کے دل میں چبھن سی اتر جائے۔ ماہ گل نے سر نہیں اٹھایا۔ نہ کوئی جواب دیا... نہ کوئی تاثر ظاہر کیا۔ بس خاموشی سے موبائل کی اسکرین پر نظریں جمائے بیٹھی رہی، یہ الفاظ یہ جملے اس کے لیے نئے نہ تھے وہ جانتی تھی کہ کچھ لوگ دوسروں کے دل کو کو دکھا کر ہی سکون پاتے ہیں۔ وہ سکون جو فقط صرف انہیں ہی سکون محسوس ہوتا ہے۔

اسی لمحے دروازہ پر ریان نمودار ہوا۔

"بابا نے کہا ہے... دس منٹ ہیں آپ لوگوں کے پاس۔اس کے بعد سب پورچ پر پہنچ جائیے گا"۔ریان تیزی سے اندر آتے ہوئے پیغام سنا گیا۔اس کی آواز میں جلدی تھی،اور اس خبر کے ساتھ کمرے میں ہلچل مزید بڑھ گئی۔ لڑکیوں کے ہاتھ تیزی سے حرکت کرنے لگے۔ کوئی جلدی جلدی گجرہ پہننے لگی، کوئی آئینے میں آخری بار خود کو دیکھنے لگی۔

اور پھر دہلیز کے پاس ایک اور سایہ نمودار ہوا۔حدیر رحمانی اندر داخل ہوا۔اس کے قدم پر سکون تھے، مگر نگاہیں بے اختیار اِدھر اُدھر گھوم رہی تھیں۔

وہ نگاہیں جو کسی خاص چہرے کو تلاش کرتی ہیں۔ ہجوم میں بھی نگاہیں صرف ایک وجود کو ڈھونڈتی ہیں۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

نظریں ہجوم میں سفر کر رہی تھیں، مگر دل کی سمت طے تھی وہ صرف اسی کو ڈھونڈ رہی تھیں جس کی موجودگی سے دل کو گھر جیسا سکون ملتا ہے۔

"کسے ڈھونڈ رہے ہو حدیر؟"ہاجرہ چچی کی نرم سی آواز اس کے قریب ابھری۔

حدیر نے پلک جھپکی، پھر ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر آ گئی۔"اپنی والی کو چچی...اور کسے ڈھونڈوں گا؟"۔لہجہ شگفتہ تھا، آنکھوں میں ہلکی سی چمک...اپنے سنجیدہ مزاج کے بالکل برعکس۔"ویسے کہاں ہیں میڈم؟"

چچی بے اختیار ہنس پڑیں۔ان کے چہرے پر ایک مانوس سی شرارت ابھری۔ ”وہ رہی... تمہاری والی۔“انہوں نے گردن ذرا سا موڑی،اور ہال کے دوسرے سرے پر شیشے کی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

”حدیر والی!“ پھر ذرا اونچی آواز میں،سب کی توجہ اپنی طرف کھینچتے ہوئے پکارا۔

حدیر نے مسکراہٹ دبائی، مگر آنکھوں کی چمک چھپ نہ سکی۔ہال میں موجود سب نگاہیں ایک ساتھ اس سمت مڑ گئیں۔ماہ گل چونک کر پلٹی۔ان دونوں کی شرارتی مسکان اور اپنی طرف اٹھتی نگاہوں کو دیکھ کر وہ ایک لمحے کو گھبرا سی گئی۔

”جی؟“وہ نا سمجھی سے بولی،آنکھوں میں ہلکی سی حیرانی۔

”میری والی... جلدی سے یہاں آؤ۔“حدیر نے ذرا سا ہاتھ اٹھا کر بلایا اور وہی شرارتی مسکراہٹ لبوں پر سجالی۔یہ انداز اس کے مزاج کے بالکل برعکس تھا۔اسی لیے سب کی آنکھوں میں حیرت اور ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ آگئی۔

ماہ گل کے گال آہستہ آہستہ سرخ ہونے لگے۔وہ نظریں جھکائے،دھیمی رفتار سے قدم اٹھاتی اس کے قریب آگئی۔

حدیر نے ایک لمحہ اسے غور سے دیکھا۔ نگاہوں میں ایک خاموش سی تعریف، لبوں پر نرم مسکراہٹ۔

"اتنی پیاری لگ رہی ہو... کہ بالکل میری لگ رہی ہو۔" آواز اتنی بلند تھی کہ ارد گرد کھڑے سب لوگ سن سکیں۔ ہوا میں ایک ہلکی سی سرگوشی پھیل گئی۔

ماہ گل کے گال مزید سرخ ہو گئے۔ نظریں جھک گئیں، مگر لبوں پر بے اختیار سی مسکراہٹ آ گئی۔

" یہ لایا ہوں تمہارے لیے۔" حدیر نے ہاتھ میں پکڑا شاپر ذرا سا اوپر کیا

"کیا ہے یہ؟" ماہ گل نے چونک کر دیکھا۔

وہ دونوں لاؤنج کے عین وسط میں کھڑے تھے، اور ارد گرد سب کی نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں۔

حدیر نے آہستہ سے شاپر کھولا، اور اخبار میں لپٹے ہوئے تازہ پھولوں کے گجرے نکالے۔

سفید اور سرخ پھولوں کی خوشبو یکدم فضا میں بکھر گئی۔ نرم، میٹھی اور دل کو چھو لینے والی۔

"پھول کے لیے... پھول ہیں"۔ اس نے ذرا اونچی آواز میں کہا۔ پھر نہایت نرمی سے اس کی کلائی تھامیں اور گجرہ آہستگی سے اس کے ہاتھ میں پہنا دیا۔

ماہ گل ایک لمحے کو ساکت رہ گئی۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔ نہ دکھ کی... نہ حیرت کی... بلکہ اس احساس کی... کہ کوئی اس کی خوشی کے لیے اپنے اصول تک توڑ سکتا ہے۔

"تھینک یو" وہ بمشکل بول پائی۔ نگاہیں محبت اور عقیدت سے بھری اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

بشریٰ رحمانی یہ منظر دیکھ کر ششدر رہ گئیں۔ جسے پھولوں سے خار کھانے کی عادت تھی... وہی آج اپنے ہاتھوں سے پھول پہنا رہا تھا۔

حدیر ذرا سا جھکا۔

اس کے کان کے قریب آکر دھیمی سی سرگوشی کیا۔ "اپنے اصول کے خلاف جا کر یہ گجرے لایا ہوں... بس تم اپنا خیال رکھنا۔ یہ پھول... مجھ سے میرے اپنے چھین لے جاتے ہیں"۔ آواز میں ہلکا سا درد تھا۔

ماہ گل ساکت رہ گئی۔ دل میں اس کے لیے احترام اور محبت کا مقام ایک اور درجہ بلند ہو گیا۔ حدیر نے ایک لمحہ اسے دیکھا... پھر آہستگی سے پلٹا... اور خاموش قدموں سے وہاں سے نکل گیا۔

کچھ لمحے بعد، ماحول میں دوبارہ ہلکی سی شرارت لوٹ آئی۔

"کیا کہا بھائی نے؟" مناہل نے آنکھیں نچاتے ہوئے شرارت سے پوچھا۔

"ہاں دیورانی صاحبہ... بتائیں دیور جی کیا کہہ گئے ہیں؟"۔ رشنا بھی مسکرادی۔

ماہ گل کے لبوں پر ایک کھلی، دلکش مسکراہٹ آگئی۔

آنکھوں میں ابھی بھی نمی کی ہلکی سی چمک باقی تھی۔

"سب کو بتانا ہوتا... تو وہ ہمارے کان میں تھوڑی کہہ کر جاتے"۔ اس کے لہجے میں شوخی تھی، اور چہرے پر وہی پرانی چمک لوٹ آئی تھی۔ یکدم ہی جیسے اس کا موڈ بحال ہو گیا۔

"واہ بھابھی... پارٹی چینج کرلی آپ نے"۔ مناہل نے بناوٹی خفگی سے کہا۔

ماہ گل نے ذرا سا ٹھہر کر پلکیں جھپکیں، پھر شرارت سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کہاں چینج کی؟ ہم تو شروع سے... انہی کی پارٹی میں تھے" یہ کہتے ہوئے وہ ہلکے قدموں سے وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ کلائی میں بندھا گجرہ ہلکا سا جھولا، اور اس کی خوشبو پھیلتی گئی

رباب کا ولیمہ ہو چکا تھا، مگر ماہ گل کے دل میں داداسائیں کا خوف کسی انجانے سایے کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

شادی کی رونقیں ختم ہوگئی تھیں، مگر اس کے دل میں ایک بے نام سی تشویش مسلسل سر اٹھا رہی تھی۔

نہ جانے اب وہ کیا کریں گے؟ اور وہ ملک... اگر وہ دوبارہ آگئے تو؟ وہ اچانک کیوں آگئے تھے؟ جو اسے مار دینا چاہتے تھے، وہ اب اسے اپنے ساتھ لے جانے پر بضد کیوں تھے؟

یہ سوالات اس کے ذہن میں کسی شوریدہ طوفان کی طرح گردش کر رہے تھے، جن کا کوئی سرا اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

صبح سویرے قسمت نے جیسے اس پر ایک لمحے کو مہربانی کی تھی۔ دادا سائیں کو اپنے گاؤں سے ایک ضروری کال آگئی تھی، اور وہ عجلت میں وہاں روانہ ہوگئے تھے۔ ان کے جانے سے گھر میں وقتی سکون تو آگیا تھا، مگر ماہ گل کے دل کا اضطراب کم نہ ہو سکا تھا۔

شام ہوتے ہی فضا میں سردی کی خنکی آہستہ آہستہ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے سوئیٹر پہن رکھا تھا، مگر پھر بھی سرد ہوا اس کے وجود کو ہلکے ہلکے لرزا رہی تھی، کوئی ان دیکھی اداسی اس کے جسم سے لپٹ گئی تھی۔

گھر کے تمام افراد رباب کو لینے گئے تھے۔ رباب کل رات میکے چلی گئی تھی، اور آج رات اسے واپس آنا تھا۔

مناہل اور باقی سب نے بہت اصرار کیا تھا کہ ماہ گل بھی ان کے ساتھ چلے، مگر اس بار وہ ان کا ساتھ نہ دے سکی تھی۔

اس کا دل عجیب سی بے چینی سے بوجھل ہوا اٹھا تھا۔

اس نے ایک گہری سانس بھری، جیسے اپنے اندر کے ہنگامے کو قابو میں لانا چاہتی ہو، اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی لان کے کنارے لگے پودوں کے پاس آکر رک گئی۔

وہاں چند گملے ترتیب سے رکھے تھے، جن میں رنگ برنگے پھول اپنی خاموش خوبصورتی کے ساتھ کھڑے تھے۔

اس نے اپنے دوپٹے کا پلو کمر کے گرد سمیٹا اور وہیں زمین کے قریب بیٹھ گئی۔

یہ پھول...اس کے دل کے بوجھ کو کچھ لمحوں کے لیے ہلکا کر سکتے تھے۔ شاید ان کی خوشبو اس کے اندر پھیلی ہوئی اداسی کو چند سانسوں کے لیے بھلا دے۔

وہ کدالی اور چھوٹے کھرپے کی مدد سے نرم زمین کو آہستہ آہستہ کھودنے لگی۔ مٹی اس کے ہاتھوں میں بکھر رہی تھی۔ پھر اس نے گملوں سے ننھے ننھے پودے نکال کر احتیاط سے اس گڑھے میں لگانے شروع کیے۔ اس کے ہاتھوں کی حرکت میں ایک عجب سی نرمی اور خاموشی

تھی، جیسے وہ مٹی میں صرف پودے نہیں، بلکہ اپنی امیدیں بو رہی ہو۔ وہ لمحہ بھر کو رکتی، پودے کی پتیاں سیدھی کرتی، اور پھر مٹی کو آہستہ سے دبا دیتی۔

وہ اپنے کام میں اس قدر مگن ہو گئی تھی کہ حدیر کے آہستہ آہستہ اس کے قریب آکر کھڑے ہو جانے کا احساس بھی نہ کر سکی۔

"کیا ہو رہا ہے؟"۔ وہ آفس سے آیا تھا۔ اندر جانے کے بجائے اسے یہاں مصروف دیکھ کر بے اختیار اسی سمت چلا آیا تھا، قدموں کو خود بخود راستہ مل گیا تھا۔

"آپ؟ آپ کب آئے؟"۔ وہ چونک کر سر اٹھاتی بولی۔ ہاتھ کی پشت سے ماتھے پر بکھرے چند شرارتی بال آہستگی سے ہٹانے لگی۔

"جب تم اپنے پودوں میں کھوئی ہوئی تھی۔" دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے، وہ آبرو کے ہلکے اشارے سے پھیلے ہوئے اوزار اور گملوں کی طرف دیکھ کر بولا۔

ماہ گل اس کے انداز پر بے اختیار ہنس دی۔ وہ ہنسی سرد شام میں اچانک کھلنے والے کسی ننھے پھول کی مانند تھی۔ جو خاموشی سے دل کو مہکا جاتی ہے۔

"کھانا کھائیں گے؟ چائے بنا دوں؟"۔ اس کے آفس سے آنے کا خیال آتے ہی وہ جلدی سے سامان وہیں چھوڑ کر اٹھنے لگی۔

''نہیں... تم اپنا کام ختم کرلو، پھر اندر جا کر چائے پئیں گے''۔ وہ نہایت ملائمت سے منع کر گیا۔ ماہ گل ایک لمحہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ پھر خاموشی سے دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔

وہ یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا اس طرح جیسے کسی نے اس کے سامنے زندگی کا سب سے خوبصورت منظر رکھ دیا ہو، اور وہ پلک جھپک کر اس منظر کو کھونا نہیں چاہتا ہو۔

کچھ لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ فضا میں صرف مٹی کی مدھم خوشبو اور سرد ہوا کی نرم سرگوشیاں باقی رہ گئی تھیں، جو اس لمحے کو کسی خواب جیسی لطافت دے رہی تھیں۔

''آپ کس موسم میں پیدا ہوئے ہیں؟''۔ اس خاموشی کو ماہ گل کی آواز نے توڑ ڈالا۔

''بہار میں''۔ وہی سنجیدہ، دھیمے اور بھاری لہجے میں اس نے جواب دیا۔ ماہ گل پھر سے چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''بہار میں؟۔۔ بہار میں تو ہم بھی پیدا ہوئے ہیں''۔ وہ خوشی سے چہک کر بولی۔ اس کی آنکھیں یکدم جگمگا اٹھیں۔

وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ وہ مسکراہٹ خاموش تھی، مگر دل تک اتر جانے والی۔

''ہم ملے بھی بہار میں ہی تھے''۔ حدیر سر جھکائے، اس کے من موہنے چہرے کو اپنی نگاہوں میں سمیٹتے ہوئے، مدھم مگر گہرے لہجے میں بولا۔

Clubb of Quality Content

ماہ گل کی پلکیں نہ جانے کیوں اس جملے پر لرز گئیں۔ حدیر رحمانی اس کے لیے ہمیشہ ایک معمہ ساتھا۔وہ کبھی بھی کچھ بھی کہہ جاتا تھا اور اس کا دل دھڑکا جاتا تھا۔اس کے سادہ سے جملے بھی اس کے دل میں ہلچل مچا دیتے تھے۔

وہ نرمی سے اس کے چہرے پر پھیلے رنگوں کو دیکھتا رہا۔

"بہار میں پیدا ہوئے اور پھول پسند نہیں... ہمیں دیکھیں، ہمیں تو پھولوں سے محبت ہے، اسی لیے لگتا ہے کہ ہم واقعی بہار میں پیدا ہوئے ہیں"۔اس کے جملے کا اثر زائل کرنے کے لیے وہ آنکھیں سکیڑ کر، ہلکے سے طنزیہ مگر معصوم انداز میں اسے سنانے لگی۔

وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ پھر آہستگی سے اپنا نیلا کوٹ اتارتے ہوئے اس کے کندھوں پر ڈال دیا۔ماہ گل بولتے بولتے رک گئی۔

"ہم سوئیٹر پہنے ہوئے ہیں"۔وہ ہلکی سی جھینپ کے ساتھ بولی۔

"ٹھنڈ ہو رہی ہے"۔وہ بس اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔الفاظ کم تھے، مگر ان میں چھپی فکر بہت گہری تھی۔ سفید ڈریس شرٹ اور نیلی ڈریس پینٹ پہنے، پیشانی پر بکھرے نرم بالوں کے ساتھ وہ ماہ گل کو بے حد پُر وقار اور دلکش لگا۔وہ بے اختیار نظریں جھکا گئی، اور دوبارہ پھولوں کی طرف دیکھنے لگی مگر اس بار اس کے دل میں کسی انجانی خوشی کے ننھے ننھے پھول کھلنے لگے تھے۔

Clubb of Quality Content

"ہمیں چنبیلی کا پھول بے حد پسند ہے... کتنی اچھی خوشبو ہے نا اس کی؟ اوہ، معذرت... ہم تو بھول ہی گئے کہ آپ کو پھول پسند نہیں، تو خوشبو کیسے اچھی لگے گی؟"۔ وہ چنبیلی کے نازک پودے کو انگلیوں سے آہستگی سے چھوتے ہوئے بولی، اور آخری جملے پر ہلکی سی شرارت بھرا طنز بھی کر گئی۔

"ہاں... پسند نہیں تھے۔ لیکن اب ایک آ گیا ہے، اور اس کی خوشبو بھی بہت پسند ہے"۔ وہ آہستگی سے اپنے بالوں کو ہاتھ سے سنوارتا بولا۔ لہجہ بدستور دھیما، بھاری اور دل میں اتر جانے والا تھا۔

ماہ گل کے ہاتھ ایک لمحے کو رک گئے۔ اس کے چہرے پر حیرت کی ایک نرم سی لہر ابھری، اور وہ بے اختیار سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا ہمارے کان ٹھیک سن رہے ہیں؟ حدیر رحمانی کو پھول پسند آ گیا؟ کون سا خوش نصیب پھول ہے وہ؟"۔ وہ جی بھر کر حیران ہوئی تھی۔ آنکھوں میں تجسس کی چمک تھی۔

حدیر رحمانی نے ایک لمحہ خاموشی سے اسے دیکھا۔

پھر ذرا سا جھکا۔ اس نے اپنی گہری، ٹھہری ہوئی نگاہیں اس کی آنکھوں میں اور بھی گہرا اتار دیں، لبوں پر ایک دلکش، معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی۔

"**چاند کا پھول**"۔اس کے الفاظ نرم تھے، مگر اثر ایسے جیسے کسی نے خاموشی سے دل کے تار چھیڑ دیے ہوں۔نوائے دل سن لی گئی تھی، قبول کر لی گئی تھی،اور خاموشی کی نرم راہوں سے گزار کر دوسرے دل تک پہنچا بھی دی گئی تھی۔

"چاند کا پھول؟"۔ماہ گل نے نا سمجھی سے اس کے لفظ دہرائے۔وہ سر ہلا گیا۔آنکھوں میں ایک روشنی لیے۔

اور اگلے ہی لمحے ماہ گل کے ذہن میں اچانک کوئی چراغ جل اٹھا۔مطلب سمجھ آتے ہی اس کے چہرے کا سارا خون رخساروں پر سمٹ آیا۔گال سرخ ہو گئے۔جیسے کسی نے ان پر شام کے دھندلکے میں کھلتے گلاب کی لالی رکھ دی ہو۔۔اس کا دل ایک دم زور سے دھڑکا۔وہ گھبراہٹ اور شرم کے ملے جلے احساس کے ساتھ ادھوری کھدائی وہیں چھوڑ کر، کدالی اور اوزار جلدی سے ایک طرف پھینکتی اندر کی طرف بھاگ گئی۔

حدیر رحمانی سر جھکاتا ہولے سے ہنس دیا۔وہ ہنسی کسی راز کی طرح اس کے لبوں پر ٹھہر گئی تھی،اور آنکھوں میں ایک نرم سی تسکین اتر آئی تھی۔

ہاں...اب اسے بھی ایک پھول پسند آگیا تھا۔ایسا پھول جس کی خوشبو صرف فضا میں نہیں، بلکہ اس کے دل کے نہایت گہرے گوشے تک اتر گئی تھی۔

چاند کا پھول... یعنی ماہ گل۔

"ماہ گل... سنو ذرا۔" حدیر آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ سفید شرٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے یکدم اسے کچھ یاد آیا تو اس نے قدرے بلند آواز میں اسے پکار لیا۔۔

ماہ گل، جو ابھی کمرے سے باہر جانے کے لیے دروازہ کھولی ہی تھی، اس کی آواز سنتے ہی رک گئی۔ قدموں کی رفتار آہستہ سی تھی، اور وہ خاموشی سے پلٹ کر دوبارہ اس کے پاس آ گئی۔

چہرے پر ہلکی سی حیرت اور آنکھوں میں نرم سی فرمانبرداری لیے۔

"جی... کہیے؟"۔اس کی آواز میں وہی مانوس نرمی تھی

جو ہمیشہ حدیر کے لہجے کو بے اختیار نرم کر دیا کرتی تھی۔

حدیر نے ایک لمحہ اسے غور سے دیکھا۔ چہرے پر ہلکا سا تجسس ابھر آیا۔

"تم نے یہ نہیں بتایا... انکل آنٹی سے تمہارا کیا رشتہ ہے کیسے اڈاپٹ کیا تھا تمہیں؟"۔اس کی آنکھوں میں سادہ سا تجسس تھا، مگر اس سوال کے ساتھ کمرے کی فضا جیسے ذرا سی سنجیدہ ہو گئی۔

ماہ گل کے چہرے پر یکدم خاموشی اتر آئی۔ ہونٹ ہلکے سے بھینچ گئے، اور آنکھوں میں ایک گہری سنجیدگی تیرنے لگی۔

"بتانا ضروری ہے؟"۔اس نے سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔اس کی آواز دھیمی مگر سنبھلی ہوئی تھی، کسی حساس یاد کو چھونے سے پہلے احتیاط برتی ہوئی۔۔۔

حدیر ہلکا سا مسکرایا۔

"تمہاری مرضی...بتانا چاہو تو ٹھیک ہے، ورنہ کوئی زبردستی نہیں۔یوں ہی پوچھ لیا تھا میں نے"۔اس کے ہاتھ بے اختیار کنفکنس ٹھیک کرنے لگے۔

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ایسی خاموشی، جس میں ماضی کی دھند آہستہ آہستہ پھیلنے لگتی ہے۔پھر ماہ گل نے گہرا سانس لیا۔آنکھیں کہیں دور خلا میں ٹھہر گئیں۔

"ہم جب پیدا ہوئے...تو ملک نے ہماری ماں کو کوسا، طعنے دیے"۔اس کی آواز دھیمی تھی، مگر ہر لفظ میں درد تھا برسوں سے دل میں بند کہانی آہستہ آہستہ باہر آرہی تھی۔

"وہ ہمارے وجود سے نفرت کرتے تھے...اپنے گھر میں ہمیں نہیں چاہتے تھے"۔ہونٹ ہلکے سے کانپے،اور آنکھوں میں نمی کی باریک سی تہہ اتر آئی۔

"تب...وہ ہمیں مارنا چاہتے تھے"۔کمرے کی فضا یکدم ساکت ہوگئی۔کھڑکی سے آتی ہوا بھی تھم گئی۔

حدیر کی نظریں اب اس کے چہرے پر جم گئی تھیں۔اس کے ماتھے پر باریک سی شکن ابھر آئی تھی۔

"لیکن وہاں ایک ملازمہ ہوا کرتی تھی... ثمینہ۔وہ ہمیں چھپا کر اپنے گاؤں بھیج دی۔وہاں... چار ماہ تک اس کی ماں نے ہمیں پالا"۔وہ بولتے بولتے رک گئی۔

آواز میں ہلکی سی لرزش تھی،اور آنکھوں میں نمی اب صاف دکھائی دینے لگی تھی۔

"پھر؟"حدیر کی آواز بے اختیار نکل گئی۔لہجہ دھیمی حیرت سے بھرا ہوا تھا۔

ماہ گل نے پلکیں جھکائیں،اور ایک اور یاد کو دل سے نکال کر لفظوں میں ڈھال دیا۔

"تب اس گاؤں میں ہماری پھوپھو آئی تھیں۔ثمینہ آنٹی اور ان کی اماں کو خبر ہو گئی۔اس وقت پھوپھو بھی مشکل حالات میں تھیں"اس نے آہستہ سے آنکھیں بند کیں پھر دوبارہ کھولیں۔

"ثمینہ آنٹی انہیں اپنے ساتھ لے آئیں۔ہمارے ساتھ ہوا واقعہ بتایا...اور یوں اماں یعنی پھوپھو نے ہمیں گود لے لیا"۔آخری الفاظ کہتے ہوئے اس کی آواز بکھر گئی۔

آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی مگر اس نے فوراً پلکیں جھکا کر اسے چھپا لیا۔

وہ یہ جانے بغیر بول رہی تھی کہ اس سچائی نے حدیر کے وجود کو اندر تک ہلا دیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیا کہا تم نے؟" حدیر کی آواز بے یقینی سے بھری ہوئی تھی۔ لہجہ اتنا مدھم کہ الفاظ اس کے گلے میں اٹک گئے۔

ماہ گل نے چونک کر سر اٹھایا۔

اس کی نگاہ حدیر کے چہرے پر پڑی جس کی رنگت یکدم پھیکی پڑ چکی تھی، اور آنکھوں میں ایک عجیب سا صدمہ اتر آیا تھا۔

"کون ہیں وہ... تمہاری؟"۔ اس نے بمشکل الفاظ ادا کیے۔

آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

"پھوپھو ہیں ہماری۔" ماہ گل نے ناسمجھی سے اسے دیکھا، اور سادہ سی سچائی دوبارہ دہرا دی۔

یہ جملہ اس کے لبوں سے اترا اور حدیر کے دل پر ایسے گرا جیسے کسی نے زور سے ہتھوڑا مار دیا ہو۔

"پھوپھو ہیں ہماری..." یہ الفاظ اس کے ذہن میں بار بار گونجنے لگے ایک ہی صدا... جو ہر لمحہ پہلے سے زیادہ بھاری ہوتی جا رہی تھی۔

وہ اچانک رخ موڑ گیا۔ دونوں ہاتھ بے اختیار بالوں میں پھنسا لیے۔ سانسیں بے ترتیب ہو گئی تھیں، اور دل کے اندر ایک طوفان سا اٹھ رہا تھا۔ ماہ گل اس کے اس قدر شدید ردعمل پر حیران کھڑی تھی آنکھوں میں سوال، اور دل میں ایک انجانا سا خوف لیے۔

"کیا ہوا، حدیر؟ آپ ٹھیک ہیں؟"۔ ماہ گل کی آواز میں گھبراہٹ صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ ایک قدم اس کی طرف بڑھی، آنکھوں میں تشویش کی نمی لیے۔

حدیر چند لمحے تک گہری گہری سانسیں لیتا رہا۔ اس کے سینے کا اتار چڑھاؤ واضح دکھائی دے رہا تھا، اندر کوئی طوفان بے قابو ہو کر اٹھ رہا تھا اور وہ پوری قوت سے اسے تھامنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھ مٹھیوں کی صورت میں بھینچے، پھر آہستہ آہستہ خود پر قابو پاتے ہوئے اس کی طرف پلٹا۔

اس کی آنکھیں اب پہلے جیسی نہ تھیں ان میں بے چینی، اور ایک انجان سا درد تیر رہا تھا۔

"تم... تم جانتی ہو وہ کن مشکل حالات میں وہاں پہنچی تھیں؟" اس نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے سوال کیا، جیسے اس کے چہرے پر کوئی چھپا ہوا راز تلاش کر رہا ہو۔

"نہیں..." اس کی آواز دھیمی ہو گئی۔ "ہم نے کئی بار اماں سے پوچھا تھا، لیکن وہ کبھی کچھ بتاتی نہیں تھیں"۔ وہ لمحہ بھر کو رکی۔ اس کی نگاہیں جیسے ماضی کے کسی دھندلے منظر میں کھو گئیں۔

"لیکن..."۔

Clubb for Quality Content

''لیکن کیا؟''۔ حدیر فوراً چونکا۔ اس کے اندر کی بے چینی جیسے اچانک تیز ہو گئی۔ اس نے جلدی سے پوچھا، آواز میں بے صبری نمایاں تھی۔

ماہ گل نے آہستہ سے لب بھینچے، پھر بولنے لگی۔

''لیکن... ہم نے ایک بار ان کی ڈائری پڑھی تھی''۔ اس کی آنکھوں میں یادوں کی ہلکی سی پرچھائیں ابھر آئی۔

''اس میں لکھا تھا کہ وہ اپنے بچوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اپنے سسرال سے نکلنے پر مجبور ہوئی تھیں''۔

وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔

''ہم ابھی یہی سب پڑھ رہے تھے کہ اماں نے اچانک ڈائری ہم سے چھین لی تھی۔ اس کے بعد... پھر کبھی جاننے کا موقع نہیں ملا''۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

حدیر کے چہرے پر ایک گہرا کرب ابھر آیا۔ اس نے آہستہ سے آنکھیں بند کر لیں۔ 'ڈائری لکھنے کی عادت... اب بھی نہیں گئی" ... یہ خیال اس کے ذہن میں بجلی کی طرح کوند گیا۔ اس نے ایک گہری سانس لی، مگر سینے کی گھٹن کم نہ ہوئی۔ چند لمحوں بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور دوبارہ ماہ گل کی طرف دیکھا۔ اس بار اس کی نگاہ میں عجیب سی بے یقینی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”ماہ گل... تم ان سب میں شامل نہیں ہو نا؟“۔اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی جیسے وہ خود بھی اپنے سوال سے ڈر رہا تھا۔

”کس سب میں ؟“۔اس نے نا سمجھی سے پوچھا۔ماہ گل کے چہرے پر الجھن گہری ہو گئی۔۔ دل میں ایک انجانا سا خوف سر اٹھانے لگا تھا۔

”تم نے جو ابھی بتایا... وہ سچ ہے نا؟اس کے علاوہ تم کچھ نہیں جانتیں ؟“۔حدیر نے ایک قدم اس کے قریب آکر اسے غور سے دیکھا،اس کے چہرے کی ہر جنبش سے سچ جھوٹ پر کھنا چاہتا تھا۔

ماہ گل کی بھنویں سکڑ گئیں۔اسے پہلی بار اس کی آواز میں بے اعتباری کی جھلک محسوس ہوئی۔

”ہم جو جانتے ہیں... سب بتا دیا۔“وہ آہستہ سے بولی، مگر دل کے اندر ایک چبھن سی جاگی۔

حدیر کی نظریں اب بھی اس پر جمی تھیں۔”جھوٹ تو نہیں کہہ رہی ؟“۔یہ سوال کمرے کی فضا میں تیر گیا بھاری اور تکلیف دہ۔

ماہ گل کا چہرہ ایک لمحے کو سخت ہو گیا۔آنکھوں میں ہلکی سی اذیت ابھر آئی۔

Clubb of Quality Content!

"ہم آپ سے کیوں جھوٹ بولیں گے ؟"۔اس کی آواز میں اس بار خفگی صاف جھلک رہی تھی۔

حدیر نے فوراً نظریں ہٹالیں۔اسے جیسے اپنی سختی کا احساس ہو گیا تھا۔اس نے ایک گہری سانس لی اور ایک قدم پیچھے ہٹ گیا،ہاتھ بے اختیار ماتھے پر رکھ لیا۔

"ماہ گل"۔اس کی آواز اب مدھم تھی، تھکی ہوئی۔"مجھ سے جھوٹ کبھی بولنا بھی مت"

۔

جو کچھ اسے ابھی معلوم ہوا تھا...اس نے اس کے اندر سب کچھ درہم برہم کر دیا تھا۔اور ماہ گل...وہ وہیں ساکت کھڑی تھی،دل میں بے شمار سوال لیے یہ سمجھے بغیر کہ آخر اس کے الفاظ نے حدیر کے دل میں کون سا زخم چھیڑ دیا ہے۔

"بھائی! بھائی! جلدی چلیں"۔کھلے دروازے سے مناہل حواس باختہ سی اندر داخل ہوئی۔ اس کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں،چہرے پر گھبراہٹ تھی۔

"کیا ہوا ہے،مَنا؟"۔حُدیر صبح صبح اسے یوں گھبرایا ہوا دیکھ کر فوراً تشویش سے پوچھا۔

"نہیں... وہ... نیچے ماما، دادا... سب بہت غصے میں ہیں"۔ مناہل کی آواز کپکپا رہی تھی۔ وہ ایک ہی سانس میں سب کچھ بتادینا چاہتی تھی، مگر الفاظ الجھ الجھ کر نکل رہے تھے۔ حُدیر کے ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھر آئی تھی۔

حدیر نے فوراً اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "پریشان نہ ہو، میرا بچہ... چلو، دیکھتے ہیں۔" وہ اسے ساتھ لے کر دروازے کی طرف بڑھا۔ اس کے قدم تیز تھے، مگر چہرے پر سنجیدگی چھا چکی تھی۔

ماہ گل، جواب تک خاموشی سے سب دیکھ رہی تھی، بے اختیار ان کے پیچھے چلنے لگی۔ اس کے دل میں ایک انجانا سا خدشہ سر اٹھانے لگا تھا۔

"بھابھی... آپ مت آئیں۔ آپ یہی رہیں"۔ مناہل اچانک رک گئی اور پلٹ کر گھبراہٹ سے بولی۔ اس کے الفاظ سن کر دونوں چونک گئے۔

"کیوں؟ ماہ گل کیوں نہ جائے؟"۔ حدیر نے فوراً اسے غور سے دیکھا۔ اس کی آواز میں اب سختی کی ہلکی سی جھلک آ گئی تھی۔

مناہل نے ایک لمحے کے لیے نظریں جھکا لیں، جیسے ہمت جمع کر رہی ہو۔ پھر آہستہ سے بولی۔

”بھائی... بھابھی کی وجہ سے ہی سب غصے میں ہیں۔“ یہ جملہ کمرے کی فضا میں تیر گیا۔ ماہ گل کے قدم وہیں ٹھٹک گئے۔ اس کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کو جیسے رک سی گئی۔

”ماہ گل کی وجہ سے؟“ حدیر کے چہرے پر گہری حیرت ابھر آئی۔ مناہل نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ کمرے میں ایک لمحے کو عجیب سی خاموشی چھا گئی بھاری اور بے چین۔۔

”ماہ گل میرے ساتھ ہی جائے گی نیچے۔“ اس کی آواز اب مضبوط تھی، فیصلہ کن۔

”تم چلو... میں اسے لے کر آتا ہوں۔“ مناہل نے ایک لمحے کے لیے دونوں کو دیکھا، پھر خاموشی سے سر ہلاتی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی۔ اس کے قدموں کی چاپ راہداری میں دور تک سنائی دیتی رہی۔ دروازہ بند ہوتے ہی کمرے میں پھر سکوت اتر آیا۔

حدیر آہستہ آہستہ پلٹ کر ماہ گل کی طرف متوجہ ہوا۔

اس کی نگاہیں گہری اور سنجیدہ تھیں۔

”مجھے نہیں پتہ نیچے کیا ہوا ہے...“ وہ دھیرے مگر واضح لہجے میں بولا۔ ”لیکن میں ایک بار پھر جاننا چاہتا ہوں جتنی باتیں تم نے مجھے بتائی ہیں، وہ سب سچ ہیں نا؟ اس کے علاوہ تم نے کچھ چھپایا تو نہیں؟“

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ماہ گل کے چہرے پر دکھ کی ایک ہلکی سی لہر ابھری۔

اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"آپ ہمارا یقین کیوں نہیں کر لیتے؟"۔اس کی آواز میں تھکن اور اذیت دونوں شامل تھے۔

"آخر کیوں اتنی بے یقینی ہے ہم پر؟ کتنی بار ہمیں یقین دلانا پڑے گا؟"۔اس کے الفاظ میں ایک دبی ہوئی سسکی تھی۔

حدیر چند لمحے خاموش رہا۔اس کے چہرے پر شرمندگی اور اندرونی کشمکش صاف دکھائی دے رہی تھی دل اور دماغ ایک دوسرے کے خلاف کھڑے تھے۔

"سوری..."وہ آہستہ سے بولا۔"میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔"اس نے ایک لمحے کو نظریں جھکا لیں، پھر اچانک اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔اس کی گرفت میں ایک عجیب سی حفاظت تھی۔

"چلو۔"وہ دھیرے سے بولا۔دونوں ساتھ ساتھ دروازے کی طرف بڑھے۔ جیسے ہی وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے، لاؤنج سے بلند آوازوں کا شور صاف سنائی دینے لگا۔

"آ گئی..." بشریٰ رحمانی کی تیز، کاٹ دار آواز لاؤنج میں گونجی۔ انہوں نے ماہ گل کو دروازے پر قدم رکھتے دیکھا تو آنکھوں میں نفرت کی چمک ابھر آئی۔ "پوچھیں، باباسائیں... اس سے کہ کیا مقصد لے کر آئی ہے یہ اس گھر میں؟" ان کے الفاظ تیر کی طرح فضا میں چھوٹے۔

ماہ گل کے قدم وہیں رک گئے۔ اس کے ہاتھ لاشعوری طور پر آپس میں جڑ گئے۔

"کیسا مقصد؟" وہ ہچکچا کر بولی، مگر اس کی آواز میں کپکپاہٹ واضح تھی۔

بشریٰ رحمانی طنزیہ انداز میں ہنسیں ایک ایسی ہنسی جس میں برسوں کی کڑواہٹ گھلی ہوئی تھی۔ "یہ تو تم ہی بتاؤ گی، بی بی..." وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھیں، نظریں شک سے بھری ہوئی۔ "جو منصوبہ تم اور تمہاری اس چالاک پھوپھو نے مل کر بنایا ہے... بتاؤ، کیا مقصد لے کر آئی ہو اس گھر میں؟" ماہ گل چونک کر حدیر کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے ذہن میں ایک ہی سوال گونج رہا تھا یہ بات تو ابھی اس نے حدیر کو بتائی تھی... تو ان سب کو کیسے معلوم ہوئی؟ اس کے دل میں ایک سرد سا خوف اترنے لگا۔

مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھالا۔ آنکھوں میں ایک سختی ابھر آئی۔ "اگر آپ ہماری اماں کا ذکر احترام سے نہیں کر سکتیں... تو بہتر ہے ان کا ذکر نہ کریں" اس کی آواز اب مضبوط تھی۔ "اور ہاں... ہم یہاں کوئی مقصد لے کر نہیں آئے"۔

یہ جملہ سن کر بشریٰ رحمانی کا چہرہ مزید سرخ ہو گیا۔ ”تمہاری ماں نے تمہیں بدلہ لینے کے لیے بھیجا ہے“۔

وہ غصے سے چیخیں اور اچانک آگے بڑھ کر اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑ لی۔ ”اور تم اس گھر کو برباد کرنا چاہتی ہو... یہی چاہتی ہو نا تم؟“۔ان کی گرفت سخت تھی اتنی سخت کہ ماہ گل کے چہرے پر تکلیف کی لہر دوڑ گئی۔

”چھوڑیں ہمیں“۔وہ جھٹکے سے کلائی چھڑائی۔

”کس بدلے کی بات کر رہی ہیں آپ؟ ہاں... کون سا بدلہ؟“۔اس کی آواز اب بلند ہو گئی تھی۔”ہماری اماں نے تو ہمیں کوئی بدلہ لینے نہیں بھیجا... لیکن اب آپ بتائیں گی ایسا کیا کیا تھا آپ لوگوں نے ہماری اماں کے ساتھ... کہ انہیں بدلہ لینا چاہیے تھا؟“۔اس کے الفاظ لاؤنج کی فضا میں گونج اٹھے۔چند لمحوں کے لیے سب ساکت رہ گئے۔

بشریٰ رحمانی کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھری غصے، انتقام اور شکست کی ملی جلی چمک۔

"گھر برباد کرنے والی عورت ہے تمہاری ماں"۔ وہ دانت پیستے ہوئے بولیں۔ "اور تمہاری بھی ویسی ہی تربیت کی ہے" یہ جملہ جیسے زہر بن کر فضا میں پھیل گیا۔ ماہ گل انہیں کوئی جواب دیتی کہ۔۔۔

"بس، بشریٰ رحمانی... بس"۔ حدیر کی بلند، گمبھیر آواز پورے لاؤنج میں گونجی۔۔ سب کے چہرے اس کی طرف مڑ گئے۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، جبڑے بھینچے ہوئے تھے، اور سانسیں تیز چل رہی تھیں۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا۔

"اب ایک لفظ اور نہیں۔" اس کے لہجے میں ایسی سختی تھی کہ چند لمحوں کے لیے فضا منجمد ہو گئی۔ اس نے سیدھا ان کی آنکھوں دیکھا نظروں میں برسوں کی دبی ہوئی ناپسندیدگی اور دکھ صاف جھلک رہا تھا۔

"آپ چاہیں گی کہ دوبارہ وہی سب کچھ دہرائیں...اور اس بار بھی جیت جائیں تو ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" اس کی آواز سرد اور کاٹ دار تھی۔

"آپ پہلے کی طرح میری ماں کو ذلیل کرنا چاہیں گی...اور سوچیں گی کہ ان کے لیے بولنے والا کوئی نہیں ہو گا تو اس بار آپ کی بھول ہے" اس نے ایک لمحے کو ماہ گل کی طرف دیکھا اس نظر میں حفاظت بھی تھی اور عزم بھی۔

Clubb of Quality Content

"آپ نے جو میری ماں کے ساتھ کیا... اگر وہی میری بیوی کے ساتھ کرنے کی کوشش کی تو میں ایسا کچھ کرنے نہیں دوں گا۔" لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔ سب حیرانگی کی عملی تفسیر بنے تھے۔

"کس ماں کی بات کر رہے ہو؟" دادا سائیں کی گرج دار آواز سنائی دی۔ وہ صدمے سے باہر آ چکے تھے، چہرے پر غصہ واضح تھا۔

"یہ ہے تمہاری ماں... جس سے تم بات کرنے کی تمیز بھول چکے ہو"۔ وہ بشری رحمانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جتاتے لہجے میں بولے۔

حدیر چند لمحے انہیں بے تاثر نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

پھر اچانک وہ ہنسا ایک ایسی ہنسی... جس میں درد بھی تھا اور طنز بھی۔

"یہ؟ یہ میری ماں ہیں؟"۔ اس کی آنکھوں میں نمی چمکنے لگی تھی، مگر وہ خود کو سنبھالے کھڑا تھا۔

"جو بچپن سے اب تک ہر لمحہ مجھے اذیت دینے کا موقع تلاش کرتی رہی... یہ میری ماں ہو سکتی ہیں؟"۔ اس کی آواز میں دکھ بچپن سے اب تک کی تکلیف سمیٹ آئی تھی۔

"میری ماں کو اس گھر سے نکالنے والی عورت... وہ میری ماں تو کیا میرا اس عورت سے کوئی رشتہ نہیں ہو سکتا"۔ اس کے الفاظ میں ایسا کرب تھا کہ پورا کمرہ جیسے ساکت ہو گیا۔

ماہ گل سن ہو کر کھڑی تھی۔اس کے کانوں میں شور گونج رہا تھا، دل بے ترتیب دھڑک رہا تھا۔

رشنا، مناہل، فضا اور میرب سب کے چہرے زرد پڑ چکے تھے۔

ابھی تو وہ اس بات سے سنبھلی بھی نہ تھی...جب امرین رحمانی نے آکر دھماکہ کیا تھا کہ ملک...ماہ گل کا باپ ہے۔اور ماہ گل کی اماں...اصل میں اس کی پھوپھو ہیں۔اور اب یہ نیا انکشاف۔۔ماہ گل کی پھوپھو حدیر کی ماں تھیں؟سب کچھ گڈمڈ ہو رہا تھا۔

دنیا جیسے اس کے قدموں تلے سے سرک رہی تھی۔وہ لڑکھڑاتے قدموں سے حدیر کے سامنے آکر رک گئی۔ہونٹ خشک ہو چکے تھے، آواز بمشکل نکلی۔

"ہما...ہماری اماں...پھوپھو...آپ کی؟"۔الفاظ بے ربط ہو کر لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔

حدیر نے آنکھیں بند کر لیں۔چہرے پر شدید کرب کی لکیر ابھر آئی۔

"ماں ہیں وہ...میری"۔اس کی آواز بھاری تھی، جیسے ہر لفظ سینے سے کھینچ کر نکالا جا رہا تھا۔ماہ گل کی آنکھیں پھیل گئیں۔سانس جیسے رک گئی۔

"اماں...آپ اماں کے بیٹے ہیں؟" وہ بے یقین ہو کر سرگوشی کی طرح بولی۔اور لاؤنج میں ایک ایسا سناٹا اتر آیا...کہ وقت خود بھی اس انکشاف پر ٹھہر گیا۔

"باباسائیں! یہ لڑکی نہیں رہے گی اس گھر میں۔ نکالیں اس کو یہاں سے"۔ بشریٰ رحمانی کی چیخ پورے لاؤنج میں گونج اٹھی۔ان کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں، سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں، برسوں کا جمع غصہ آج ایک ہی لمحے میں باہر نکل آیا تھا۔انہوں نے کانپتی انگلی سے ماہ گل کی طرف اشارہ کیا۔

"اس عورت نے مجھے نیچا دکھانے کے لیے اسے بھیجا ہے یہاں...یہ میرے گھر کو برباد کرنے آئی ہے"۔لاؤنج کی فضا بھاری ہو چکی تھی۔ہر چہرے پر تناؤ صاف دکھائی دے رہا تھا۔

"میری بیوی کو نکالنا تو دور...کوئی ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔" حدیر کی سرد، ٹھہری ہوئی آواز فضا کو چیرتی ہوئی ابھری۔اتنی سرد...کہ گویا برف کا ٹکڑا آگ میں ڈال دیا گیا۔

وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا، مگر ہر قدم میں ایک فیصلہ کن مضبوطی تھی۔

"آپ میرے ساتھ جو کرتی آئی ہیں...میں خاموشی سے برداشت کرتا رہا ہوں"اس کی آواز بھاری تھی، مگر ہر لفظ صاف سنائی دے رہا تھا۔"لیکن اب...آپ کی زیادتی پر خاموش نہیں رہوں گا"اس نے سیدھا بشریٰ رحمانی کی آنکھوں میں دیکھا ایسی نظر، جس میں برسوں کا دکھ، نفرت اور سوال سب اکٹھے تھے۔"اندھیری رات میں میری ماں کو گھر سے نکال کر آپ کو

سکون نہیں ملا؟"۔اس کے الفاظ میں لرزش آگئی تھی۔"کس قسم کی عورت ہیں آپ؟"۔یہ جملہ فضا میں بجلی کی طرح گرا۔

"حدیر! تمیز سے بات کرو... آواز نیچی رکھو"۔ہریرہ تیزی سے آگے آیا اور بشریٰ رحمانی کے پاس کھڑا ہو کر انہیں اپنے حصار میں لے لیا۔ مگر حدیر اب رکنے والا نہیں تھا۔

"یہ سب کچھ ہونے کے بعد... تمیز سے بات کرنے کی توقع مجھ سے مت رکھیں"۔اس کی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی، مگر غصہ اس سے کہیں زیادہ شدید تھا.اس کی آواز بلند ہوتی چلی گئی۔

"بات جب کھل گئی ہے تو پوری طرح ہوگی"۔وہ ایک قدم اور آگے بڑھا۔"کیوں نکالا میری ماں کو اس گھر سے؟ کیوں مجھے میری ماں سے الگ کیا؟ بتائیں کس نے حق دیا تھا آپ کو ہماری زندگیوں سے کھیلنے کا؟"۔وہ سرخ، بھیگی آنکھوں کے ساتھ چیخ رہا تھا۔

اماں سائیں ایک طرف کھڑی تھیں۔جھکے کاندھے لیے۔ان کی آنکھوں سے خاموشی سے آنسو بہہ رہے تھے، چہرہ جھکا ہوا۔ان کی خاموشی آج بچوں کو آمنے سامنے کھڑے کر چکی تھی۔

بشریٰ رحمانی نے ہونٹ بھینچ لیے۔ان کے چہرے پر نفرت کی سخت لکیر ابھر آئی۔"تمہاری ماں نے افیئر چلا کر میرا گھر برباد کر دیا"۔وہ زہر اگلتی ہوئی بولیں۔"میرا شوہر کئی سالوں سے مجھ

سے اور میرے بچوں سے دور رہا ہے...وہ عورت اس سے کہیں زیادہ کی مستحق تھی‘‘۔یہ جملہ ابھی فضا میں گونج ہی رہا تھا کہ۔۔۔

’’خبردار‘‘۔حدیر کی گرج دار آواز اچانک پورے لاؤنج میں پھٹ پڑی۔’’خبردار....جو میری ماں کے بارے میں ایک لفظ بھی غلط کہا۔خبردار جو میری ماں کے کریکٹر کے بارے میں کچھ کہا‘‘۔اس کی آنکھیں شعلوں کی طرح دہک رہی تھیں۔

’’آپ تو میری ماں کے خاک برابر بھی نہیں ہیں‘‘۔اس کے الفاظ کاٹ دار تھے،سیدھے دل میں اترنے والے۔’’میری ماں آپ جیسی سازشی نہیں... نفرت پھیلانے والی نہیں تھیں‘‘اس کی آواز بھاری ہوگئی تھی،پورا وجود غصے اور دکھ کے درمیان لرز رہا تھا۔۔

’’حدیر‘‘ہریرہ کی آواز میں سختی اور غصہ دونوں شامل تھے۔وہ تیزی سے آگے بڑھا اور حدیر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے قدرے زور سے پیچھے کیا۔’’تم اب حد سے بڑھ رہے ہو۔ میرے سامنے تم میری ماں سے بدتمیزی نہیں کر سکتے"اس کی آنکھوں میں ناراضگی تھی۔

’’تمہاری ماں تمہیں چھوڑ کر گئی تھی۔اتنی محبت تھی تو ساتھ لے کر جاتی نا...؟‘‘اس کے الفاظ تیز اور کاٹ دار تھے۔’’یہ میری ماں تھیں جنھوں نے تمہیں پالا ہے‘‘۔یہ جملہ فضا میں تیر کی

طرح لگا۔ حدیر کے چہرے کے تاثرات ایک لمحے کو سخت ہو گئے آنکھوں میں درد کی جھلک ابھری۔

"ایک منٹ، بھائی" ماہ گل کی سنجیدہ مگر مضبوط آواز اچانک درمیان میں ابھری۔ سب کی نظریں اس کی طرف مڑ گئیں وہ ایک قدم آگے بڑھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا، مگر آنکھوں میں ایک عجیب سی ثابت قدمی تھی جیسے اب وہ سچ چھپانے والی نہیں۔

"اپنی ماں سب کو پیاری ہوتی ہے" اس نے دھیرے مگر واضح لہجے میں کہا۔ "لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک طرف کی نامکمل بات جان کر یوں کسی پر بھی الزام لگا دیا جائے" لاؤنج میں ایک گہرا سناٹا اتر آیا۔

ماہ گل نے گہری سانس لی اور پھر وہ سچ بول دیا جو برسوں سے دبایا گیا تھا۔

"ہماری اماں بھاگی نہیں تھیں... نہیں بھاگی تھیں" اس کی آواز میں اب لرزش تھی، مگر الفاظ مضبوط تھے۔ اس نے آہستہ سے ہاتھ اٹھا کر بشریٰ رحمانی کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ جو آپ کی ماں یہاں کھڑی ہیں نا...

انہوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر وہ اس گھر کو چھوڑ کر نہیں گئیں... تو وہ ان کے دونوں بچوں کو ماردیں گی"۔ یہ جملہ جیسے بجلی بن کر لاؤنج پر گرا۔ سب کے چہرے ساکت رہ گئے۔ ماہ گل کی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، مگر وہ رکی نہیں۔ ”اور اس وقت... جس قدر آپ کی ماں معذرت کے ساتھ پاگل پن کی حد تک غصے میں تھیں... ہماری اماں کو ڈر تھا کہ وہ واقعی یہ قدم نہ اٹھا لیں“۔اس کی آواز اب بھاری ہو چکی تھی۔ ”وہ بھاگی نہیں تھیں... وہ اپنے بچوں کی زندگی محفوظ کرنے کے لیے یہ گھر چھوڑنے پر مجبور کی گئی تھیں“ آخری لفظ کہتے ہوئے اس کا گلا بھر آیا۔

پورے لاؤنج میں سناٹا چھا گیا۔

ہریرہ کا چہرہ یکدم زرد پڑ گیا۔۔اس کی آنکھوں میں بے یقینی ابھر آئی۔۔۔اور حدیر وہ بالکل ساکت کھڑا تھا۔اس کی نظریں ماہ گل کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، ایسی نظریں... جن میں بے یقینی تھی دکھ تکلیف سب کچھ تھا۔اس کا دل ٹوٹا تھا۔

یہ وہ سوال تھا جس کا جواب وہ اس دن سے ڈھونڈ رہا تھا جس دن پھوپھو نے اسے حقیقت کا پہلا سرا دیا تھا۔وہ اپنی ماں کو تلاش کرتا رہا تھا...اور دل ہی دل میں سوچتا رہا تھا جب وہ ملیں گی... تو پہلا سوال یہی کرے گا۔ مگر اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ جواب اس طرح، اتنے لوگوں کے سامنے، اور اتنے درد کے ساتھ ملے گا۔اس کے ہونٹ ہلکے سے کھلے مگر آواز نہ نکل سکی۔ صرف اس کی آنکھوں میں ماہ گل کے لیے ایک گہرا، ٹوٹتا ہوا یقین ابھر آیا تھا۔

"اورایک منٹ..." ماہ گل اچانک چونک کر بولی۔ "اماں کے تو دو بچے تھے... حدیر... اور..." وہ ایک لمحے کو رکی۔ "اماں کی بیٹی کہاں ہے؟" اس کی آواز میں بے چینی بڑھ گئی تھی۔ وہ ایک دم تڑپ کر آگے بڑھی۔ "کہاں ہیں اماں کی بیٹی؟ کیا کیا ہے آپ لوگوں نے اس کے ساتھ؟"۔ اس کے سوال نے پورے لاؤنج کو جیسے منجمد کر دیا۔ سب ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے نظریں چراتے ہوئے۔

ماہ گل نے تیزی سے داداسائیں کی طرف قدم بڑھائے۔

اس کی آنکھوں میں اب خوف اور غصہ دونوں شامل تھے۔

"بتائیں" وہ تقریباً چیخ اٹھی۔ "آپ کے تو بیٹے کی بیٹی تھی نا؟ بولیں... کہاں ہے وہ؟" اس کے الفاظ دیواروں سے ٹکرا کر واپس گونجنے لگے۔

"رشنا..." حدیر کی بھاری، آنسوؤں سے بوجھل آواز ابھری۔ سب کے سر ایک ساتھ اس کی طرف مڑ گئے۔ وہ چند لمحے خاموش کھڑا رہا، پھر دھیرے مگر واضح لہجے میں بولا۔ "رشنا... میری بہن ہے"۔ یہ جملہ جیسے بم بن کر فضا میں پھٹ گیا۔

ماہ گل بے یقینی سے مڑی۔ اس کے لب ہلکے سے کھلے رہ گئے۔ "رشنا... بھابھی؟" اس کی آواز سرگوشی سے بھی دھیمی تھی۔

Clubb of Quality Content

رشنا ساکت کھڑی تھی آنکھیں پھیلی ہوئی، چہرہ زرد، سانسیں بے ترتیب۔ وہ حدیر کو ایسے دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار اسے پہچان رہی تھی۔

اور حدیر اس کی بھیگی آنکھوں میں عجیب سی محبت جھلک رہی تھی، ایک ایسی محبت... جو برسوں بعد اپنی کھوئی ہوئی بہن کو پا لینے پر جاگ اٹھی تھی۔

ماہ گل نے لرزتی آواز میں پوچھا۔ ''آپ...؟ آپ جانتے تھے؟''

حدیر نے آہستہ سے سر جھکا لیا، اعتراف اس کے دل پر بوجھ بن کر بیٹھ گیا۔

''میں...؟''۔ رشنا کی آواز ٹوٹ کر نکلی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے حدیر کے قریب آئی، آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ ''میں آپ کی بہن ہوں؟''۔ اس نے بے یقینی سے پوچھا، اسے خود اپنے الفاظ پر یقین نہ آ رہا تھا۔

''بابا... ماما... پھر کون ہیں؟ میں کس کی بیٹی ہوں؟''۔ اس کے سوالوں میں ایسا درد تھا کہ سننے والے کا دل بھی کانپ اٹھے۔ وہ حدیر کے بالکل سامنے آ کر رک گئی۔ اس کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔

حدیر نے آہستہ سے ہاتھ بڑھایا، اس کے گال پر بہتے آنسوؤں کو نرمی سے صاف کیا۔

Clubb of Quality Content

"تم میری بہن ہو" اس کی آواز میں ایک عجیب سی شفقت تھی۔ "حدیر رحمانی کی بہن۔" یہ جملہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی اور مسکراہٹ دونوں ایک ساتھ جھلک گئے برسوں کی جدائی کے بعد ایک رشتہ دوبارہ زندہ ہو گیا تھا۔ مگر اگلے ہی لمحے اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ نرمی کی جگہ سختی آ گئی۔ آنکھوں میں محبت کی جگہ غصے کی چنگاریاں بھڑک اٹھیں۔

وہ آہستہ آہستہ مڑا اور دوبارہ سے بشریٰ رحمانی کے سامنے آ کر رک گیا۔

"اتنی زندگیاں برباد کی ہیں آپ نے" حدیر کی آواز بھاری تھی، مگر اس میں ایسی سختی تھی کہ لاؤنج کی فضا کانپ گئی۔ "مجھے اور میری بہن کو الگ کر دیا... میری ماں کو ہم سے دور بھیج دیا" وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کر بول رہا تھا۔ پھر اچانک اس کی نظر دادا سائیں پر جا ٹھہری

نظروں میں سوال بھی تھا اور شکوہ بھی۔

"اور آپ...؟" اس کی آواز مزید بھاری ہو گئی۔ "آپ کیسے دادا تھے... جو اس عورت کا ساتھ دیتے رہے؟" یہ جملہ سید ھا دل میں اترنے والا تھا۔

"آپ کو اپنے ہر کیے کا بدلہ دینا ہو گا... ہر چیز کا حساب دینا ہو گا بشریٰ رحمانی۔ میں چھوڑوں گا نہیں۔ میری ماں آئیں گی... اور آپ کی سزا وہ خود تجویز کریں گی۔" یہ اعلان تھا صاف، دو ٹوک اور فیصلہ کن۔

Clubb of Quality Content

بشریٰ رحمانی کے چہرے پر نفرت کی تلخ مسکراہٹ ابھری۔۔"وہ عورت اس گھر میں قدم نہیں رکھ سکتی"ان کی آواز میں غرور اور حقارت دونوں شامل تھے۔"وہ میرا مقابلہ کیا کرے گی؟اگر آنے کی غلطی کرے گی...تو نقصان بھی اٹھائے گی"ان کے الفاظ زہر کی طرح فضا میں پھیل گئے۔

حدیر کی آنکھوں میں ایک لمحے کو شعلے بھڑک اٹھے۔"اور میں آپ کو چھوڑوں گا؟"وہ دھیرے مگر خطرناک لہجے میں بولا۔"آپ نقصان پہنچانے کی کوشش کریں...میں آپ کو اگلی سانس لینے کی مہلت نہیں دوں گا"۔اس کے الفاظ میں ایسی سرد دھمکی تھی کہ چند لمحوں کے لیے سب کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"حدیر! دور ہو جاؤ میری ماں سے"ہریرہ کی آواز تیز اور سخت تھی۔"تمہاری ماں کی وجہ سے ہم بن باپ کے بڑے ہوئے ہیں۔میری ماں نے اکیلے زندگی گزاری ہے"اس کے الفاظ میں برسوں کی تلخی تھی۔"اگر تم نے اب ان کے سامنے آواز اونچی کی...تو میں ہاتھ اٹھانے سے دریغ نہیں کروں گا"۔یہ صاف دھمکی تھی۔

حدیر ہنسا۔پہلے ہلکی سی ہنسی...پھر وہ ہنستا چلا گیا۔ایسی ہنسی...جس میں درد بھی تھا،طنز بھی،اور ٹوٹے ہوئے اعتماد کی چبھن بھی۔سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

وہ آہستہ آہستہ ہریرہ کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ’’کیا کہتے تھے آپ...؟ حدیر، تم میری جان ہو... میرے بھائی ہو‘‘ اس کے لبوں پر ایک تلخ مسکراہٹ آگئی۔ ’’بس وہ سب لفاظی باتیں تھیں‘‘ وہ ایک قدم اور قریب آیا۔ ’’اور حدیر کیا کرتا تھا؟ آپ کی ایک پکار پر اپنے سارے کام چھوڑ دیتا تھا... آپ کا ہر مسئلہ حل کر دیتا تھا‘‘۔ اس کی آواز میں اب دکھ کی ایک گہری لہر تھی۔

’’حدیر رحمانی اپنا نقصان قبول کرتا تھا... لیکن کبھی ہریرہ رحمانی کا نقصان نہیں ہونے دیا‘‘۔

ہریرہ کے چہرے پر بے چینی ابھرنے لگی۔

حدیر نے نظریں اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ ’’آپ کے پاس انویسٹر نہیں تھے... میں نے اپنا انویسٹر آپ کے پاس بھیج دیا‘‘۔ اس نے ہلکے سے سر نفی میں ہلایا۔ ’’لیکن کوئی بات نہیں... میں آپ کے رویے سے حیران نہیں ہوا‘‘۔ اس کے لبوں پر ایک تھکی ہوئی مسکراہٹ ابھری۔ ’’دکھ بھی نہیں ہوا... کیونکہ میری ایک جان سے عزیز ہستی مجھے ان سب چیزوں کے لیے پہلے ہی تیار کر چکی تھی‘‘ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کو نرمی آئی۔

’’اب تم احسان جتاؤ گے؟‘‘۔ ہریرہ نے تلخی سے کہا۔

حدیر نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔" بالکل نہیں۔احسان جتانا حدیر رحمانی کی فطرت کا حصہ نہیں"اس کی آواز پر سکون مگر فیصلہ کن تھی۔"بس...اب میں اپنے انویسٹر واپس بلالوں گا اور اپنے ان ورکرز کو بھی جو آپ کے پراجیکٹ پر کام کررہے ہیں"۔یہ جملہ سن کر فضا ایک بار پھر بھاری ہوگئی کسی نے طاقت کا پلڑا اچانک الٹ دیا تھا۔

بشریٰ رحمانی معاملہ بگڑتا دیکھ کر تیزی سے درمیان میں بولیں۔"تم مجھ سے معافی مانگو...ابھی اور اسی وقت اور اس معاملے کو ختم کرو"۔ان کی آواز حکم دینے والی تھی۔

حدیر نے آہستہ سے سر اٹھایا اور انہیں استہزائی نگاہوں سے دیکھا۔"معافی...؟اور آپ سے ؟"اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔"کس خوشی میں ؟"۔یہ جملہ تیر کی طرح لگا۔

"بہو ٹھیک کہہ رہی ہے، حدیر...تم معافی مانگو گے اس سے۔"داداسائیں نے گہری سانس لی اور سخت لہجے میں بولے۔

"اور میں بھی ٹھیک کہہ رہا ہوں...میں معافی نہیں مانگوں گا"۔حدیر نے سیدھا داداسائیں کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوٹوک انداز میں کہا۔اس کے لہجے میں ایسی ضد اور یقین تھا کہ ایک لمحے کو فضا ساکت ہوگئی۔

دادا سائیں کے چہرے پر سختی کی لکیریں ابھر آئیں۔ ”تم معافی مانگو گے...اور اس لڑکی کو بھی اس گھر سے نکالو گے“ انہوں نے ماہ گل کی طرف نفرت بھری نظر ڈالی۔ یہ لڑکی ہی ساری فساد کی جڑ تھی ”ملک کے خاندان سے نہ پہلے کوئی لڑکی اس گھر میں بس سکی ہے...اور نہ اب بسے گی“۔ یہ جملہ سن کر ماہ گل کے دل میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی، مگر حدیر کی گرفت اس کے ہاتھ پر مزید مضبوط ہو گئی۔

”میں یہ دونوں کام نہیں کروں گا“۔ حدیر کا جواب پہلے سے بھی زیادہ پختہ تھا۔ وہ اپنے موقف پر ڈٹا کھڑا تھا۔

دادا سائیں نے دانت بھینچ لیے۔ ”اگر تم نہیں کرو گے...“ انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

حدیر نے ہلکا سا ابرو اٹھایا، نگاہ میں چیلنج تھا۔ ”تو...؟“ یہ ایک لفظ پورے لاؤنج میں گونج گیا۔

”تو تمہارا اس گھر سے کوئی تعلق نہیں رہے گا۔“ دادا سائیں نے گہری سانس لی اور سخت لہجے میں بولے یہ اعلان تھا رشتہ توڑنے کا اعلان۔

چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر حدیر کے لبوں پر ایک جلتی ہوئی مسکراہٹ ابھری۔

”آپ کو لگتا ہے...آپ مجھے اس گھر سے نکال دیں گے تو میں ان سے معافی مانگ لوں گا؟“

اس نے ہلکا سا سر جھٹکا۔ ”شہاب رحمانی صاحب میں اس وقت کامیاب بزنس چلا رہا ہوں۔ ایک

کیا... میں ابھی اسی وقت دو تین گھر آرام سے خرید سکتا ہوں"۔اس کی مسکراہٹ دل جلانے والی تھی اعتماد سے بھری، مگر اندر کہیں درد بھی چھپا ہوا۔

ظہیر رحمانی یکدم چونک اٹھے۔"تم تب سے ساری بات جانتے ہو... جب تم نے اپنا بزنس الگ کیا تھا؟"ان کی آواز میں گہرا صدمہ تھا۔

حدیر نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا۔"دیر سے... مگر سمجھ گئے آپ۔جی بالکل میں تب سے جانتا ہوں"۔اس نے آہستہ سے نظریں موڑیں اور پھوپھو کی طرف بڑھ گیا۔

"میری عزیز جان کا شکریہ"وہ ان کے سامنے کھڑا ہوا،دونوں ہاتھ تھامے اور احترام سے جھک کر انہیں چوما۔"جنہوں نے مجھے پہلے ہی خبردار کر دیا تھا...کہ یہ سارے لوگ جو بظاہر میرے اپنے ہیں میرے سچ کہنے پر میرے خلاف ہو جائیں گے"یہ کہتے ہوئے اس کی نظر ہریرہ پر ٹھہر گئی۔ایک افسوس بھری نظر کسی قریبی رشتے کے ٹوٹنے کا تکلیف لیے۔

"میری جان..."پھوپھو نے نم آنکھوں سے اس کا ماتھا چوما۔

بشریٰ رحمانی نے تلخی سے کہا۔"دیکھیں باباسائیں... سانپ تو آپ نے اپنی آستین میں پال رکھا تھا"لاؤنج کی فضا ایک بار پھر بھاری ہو گئی۔

''بس کریں، بھابھی... آپ کو ذرا احساس ہے ان دو بچوں کو تکلیف پہنچانے میں آپ نے کوئی کسر نہیں چھوڑی؟''۔ پھوپھو نے گہری سانس لی اور افسوس بھرے لہجے میں بولیں

بشریٰ رحمانی فوراً بھڑک اٹھیں۔ ''کیا کیا ہے میں نے؟''۔ ان کی آواز میں دفاعی غصہ تھا۔

''ایک تو اسے اپنے بیٹے کی بہو بنا کر لائی... اسے ہر آرام دیا... کون سی تکلیف پہنچا دی میں نے؟''۔ ان کا اشارہ رشنا کی جانب تھا۔

''آپ میرے ذریعے میرے بھائی کو تکلیف دیتی رہی ہیں''۔ رشنا اچانک پھٹ پڑی۔ اس کی آواز لرز رہی تھی، مگر الفاظ آگ کی طرح نکل رہے تھے۔ ''مجھے ذہنی اذیت میں مبتلا رکھا... اور آپ پوچھ رہی ہیں آپ نے کیا کیا؟''۔ اس کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ وہ ایک قدم آگے بڑھی۔ ''میرے بھائی کے منہ سے گوشت کے نوالے چھین کر سب کو بتاتی رہیں یہ ویجیٹیرین ہیں''اس کے الفاظ کانپ رہے تھے۔ ''سب کو ٹیبل پر چکن، بیف، مٹن کھلا کر میرے ہاتھ سے سبزی بنوا کر میرے بھائی کو کھلاتی رہیں''۔ کمرے میں موجود ہر شخص ساکت ہو گیا۔ اماں سائیں نفرت سے بشریٰ رحمانی کو دیکھتی رہیں۔ ہاجرہ چچی دنگ کھڑی تھیں وہ کیوں نہیں جان پائیں حدیر ویجیٹیرین نہیں تھا؟ اور حدیر اس نے کبھی احتجاج کیوں نہیں کیا؟

''میں آپ کے آگے منتیں کرتی رہی...پوچھتی رہی آپ ایسا کیوں کرتی ہیں؟''۔ گلے میں تکلیف سی ہونے لگی تھی۔ ''اور آپ مجھے دھمکی دیتی رہیں کہ آپ میرا میرے شوہر کے ساتھ رشتہ ختم کروادیں گی''اس نے آنسو پونچھے، مگر آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ ''اب بھی پوچھ رہی ہیں کیا کیا آپ نے؟ کیسے کرلیا آپ نے اتنا کچھ؟''۔اس کے الفاظ میں ایسا درد تھا کہ فضا خود بھی بوجھل ہوگئی۔اماں سائیں صدمے سے صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھی تھیں رباب فوراً سے ان کی جانب بڑھی۔ مناہل بھاگ کر ان کے لیے پانی لینے بھاگی

''میری ماں سے تمیز سے بات کرو، رشنا''۔ہریرہ اچانک دھاڑا۔اس کی آواز میں غصہ تھا، مگر اندر کہیں بے چینی بھی چھپی ہوئی تھی۔

رشنا نے فوراً اس کی طرف رخ کیا۔اس نے اپنے ہاتھ باندھے اور سیدھا اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی آنکھوں میں آنسو، مگر لہجے میں مضبوطی۔

''آپ کی ماں نے جو کیا ہے...اس پر نظرِ ثانی کرنا چاہیں گے آپ، مسٹر ہریرہ؟''اس کی آواز میں چیلنج تھا۔ ''بولیں''؟

''رشنا...''حدیر نے آگے بڑھ کر اسے روکنا چاہا۔ مگر وہ اب رکنے والی نہیں تھی۔

"آپ بار بار کہہ رہے ہیں میری ماں سے تمیز سے بات کرو... تو یہ بھی بتائیں انہوں نے جو کچھ کیا... اس پر آپ کیا کہیں گے؟" اس نے ہریرہ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

ہر نگاہ اب ہریرہ پر ٹکی تھی۔

"جو میری ماں کے ساتھ ہوا، یہ سب اسی کا ردِ عمل ہے" رشنا کے بولنے پر ہریرہ ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا تھا، مگر اگلے ہی لمحے وہ سخت لہجے میں یہ الفاظ ادا کر گیا۔

اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس کی ماں نے اپنی پوری زندگی شوہر کے ہوتے ہوئے بھی شوہر کے بغیر گزاری تھی۔ مگر اپنے بچوں پر ایک آنچ تک نہ آنے دی۔ اکیلے ہی ان کی پرورش کی، ہر ذمہ داری اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھی۔ باپ نے تو پلٹ کر کبھی پوچھا بھی نہیں تھا۔ وہ اپنے ننھے بچوں کو جیسے بھول ہی گئے تھے۔ اسکول کے کتنے ہی موقعوں پر اس نے اپنے باپ کو شدت سے یاد کیا تھا، دل چاہا تھا کہ وہ بھی دوسرے بچوں کی طرح اپنے باپ کا ہاتھ تھامے۔ مگر ہر بار بشریٰ رحمانی نے ہی اسے سنبھالا تھا اس کے آنسو پونچھے تھے، اسے امید دی اس کا حوصلہ بڑھایا۔ وہ اپنی سے قریب ہو گیا تھا۔ اور آج وہ انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ماں کی جانب سے بھی غلطی ہوئی تھی، مگر اس لمحے وہ جان بوجھ کر اندھا اور بہرا بن رہا تھا کیونکہ کچھ محبتیں کبھی کبھی انصاف سے زیادہ طاقتور ہو جاتی ہے۔

”واہ... کیا انصاف ہے آپ کا“۔ نرم اور میٹھے لہجے میں بات کرنے والی رشنا کا طنزیہ اور استہزائیہ انداز ہریرہ کے دل میں کسی نوکیلے تیر کی طرح پیوست ہو گیا۔

”رشنا... تم ان سب معاملات سے دور رہو“ وہ ضبط سے بھری سختی کے ساتھ بولا۔

”یہ لڑکی بھی ملک کے گھرانے سے ہے، اور سونے پہ سہاگا یہ کہ اس کی پرورش بھی اسی عورت نے کی ہے۔ باباسائیں، آپ خود سوچ لیں کس کو رکھیں گے، کیونکہ اس کے یہاں رہتے ہوئے میں اپنے بچوں کے ساتھ اس گھر میں نہیں رہوں گی“۔ معاملے کو وہیں ٹھہرا دیکھ کر وہ اب شہاب رحمانی کی طرف متوجہ ہوئی، اور جذباتی مگر فیصلہ کن انداز میں اپنی بات کہنے لگی۔

”حدیر، اس لڑکی کو واپس بھیجو“ شہاب رحمانی بارعب اور قطعی لہجے میں بولے۔ بشریٰ رحمانی ان کی وہ بہو تھی

جن کی بات سے انکار کرنا وہ کبھی سیکھ ہی نہ سکے تھے۔

”آپ جب چاہیں گے کہیں گے نکاح کر لو، اور جب چاہیں گے کہیں گے چھوڑ دو... تو یہ آپ کی بھول ہے۔۔“ حدیر نے چند لمحے خاموشی سے انہیں دیکھا، پھر آہستگی سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ ”نکاح کی بات اس لیے مان گیا تھا کیونکہ میں نے اپنی زبان دے رکھی

Clubb of Quality Content

تھی۔ مگراب میں کسی کی کوئی بات نہیں سننے والا‘‘اس کے لہجے میں ایسی سختی تھی گویا کسی نے پتھر پر لکیر کھینچ دی تھی۔ وہ شہاب رحمانی کا ہی پوتا تھا، ضد اور انا میں بالکل انہی پر گیا تھا۔

’’چلو، ماہ گل‘‘۔اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھاما

اور اسے ساتھ لے کر اوپر والے پورشن کی طرف بڑھ گیا۔ سیڑھیوں کے پاس پہنچتے ہی اس نے اچانک اس کا ہاتھ چھوڑ دیا، اور تیز قدموں سے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔اندر جمع غصہ اب ضبط سے باہر ہونے کو تھا۔

ماہ گل اس کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ دل میں ایک انجانی سی تشویش نے سر اٹھایا، اور وہ جلدی جلدی اس کے پیچھے چل پڑی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ خطرناک حد تک سخت تاثرات لیے کمرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چکر کاٹ رہا تھا۔اس کے قدم بھاری تھے، اور چہرے پر پھیلی سختی اس کے اندر اٹھتے طوفان کی گواہی دے رہی تھی۔ ماہ گل چھوٹے، محتاط قدموں کے ساتھ آہستگی سے کمرے کے اندر داخل ہوئی۔

’’آپ...‘‘کچھ دیر اسے یوں بے چین انداز میں ٹہلتے دیکھ کر وہ آخرکار مخاطب ہوئی، مگر وہ سرخ آنکھوں میں سلگتے غصے کے ساتھ اچانک اس کی جانب مڑا۔

"خاموش رہو۔ مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔" وہ سخت خفگی سے کہتا ہوا صوفے پر جا بیٹھا۔ سر صوفے کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں، اور دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبانے لگا۔

ماہ گل اسے اس قدر غصے میں دیکھ کر بری طرح پریشان ہو گئی۔ ابھی چند لمحے پہلے تک وہ اس کے ساتھ بالکل ٹھیک تھا، پھر اچانک ایسا کیا ہو گیا تھا کہ اس کے چہرے پر اتنی سختی اور آنکھوں میں اتنی خفگی اتر آئی تھی؟

وہ چند لمحے یونہی ساکت کھڑی رہی، پھر ہمت جمع کر کے آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھائے۔ صوفے کے پاس پہنچ کر وہ محتاط انداز میں اس کے سامنے کھڑی ہوئی، اور ہچکچاتے ہوئے اپنا ہاتھ آہستگی سے اٹھایا۔ اس کی انگلیاں دھیرے دھیرے اس کی پیشانی کی طرف بڑھیں، مگر عین اسی لمحے دل میں ایک انجانا سا خوف جاگا، اور اس نے ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

"آہ ماہ گل... تم کب سے اتنی ڈرنے لگی؟"۔ وہ دل ہی دل میں خود پر خفا ہوئی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر ہمت جمع کی، اور اس کی پیشانی کو نہایت نرمی سے دبانے لگی۔

حدیر نے اچانک پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ وہی تیز، گھورتی ہوئی نگاہیں سیدھی اس کے چہرے پر آ ٹھہریں۔ ماہ گل کا گلا خشک ہو گیا، اور اس نے بے اختیار تھوک نگلا۔

"ماہ گل، تنگ مت کرو۔ پلیز... مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ میں غصے میں تمہیں کچھ سخت نہیں کہنا چاہتا۔" وہ اس کا ہاتھ ہٹاتا ہوا اپنا رخ دوسری جانب موڑ گیا۔

"آپ اس قدر خفا کیوں ہیں؟ بتائیں تو سہی... ہم سے کیا غلطی ہوئی ہے؟" وہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

آج ماہ گل کو پہلی بار شدت سے محسوس ہو رہا تھا کہ محبوب انسان کی ناراضگی دل پر کس قدر بھاری پڑتی ہے۔

"اب یہ بھی میں تمہیں بتاؤں؟"۔ وہ اسے گھور کر رہ گیا۔

"پلیز..." وہ آہستگی سے اسی کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔ چہرے پر معصوم سی بے بسی پھیلی ہوئی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تم سے کہا بھی تھا جھوٹ مت بولنا... اور کچھ مت چھپانا"۔ حدید نے ایک گہری سانس بھری، مگر اس کے لہجے کی سختی اب بھی کم نہ ہوئی۔

"ہم نے کب جھوٹ بولا؟"۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''تم اب بھی اس ڈھٹائی سے پوچھ رہی ہو؟''۔وہ مزید خفا ہو گیا۔اس وقت اس کا ذہن بیک وقت کئی الجھنوں میں الجھا ہوا تھا غصہ، دکھ،اور بے اعتمادی سب ایک ساتھ اس کے اندر شور مچا رہے تھے۔

''میں نے تم سے پوچھا تھا تمہاری پھوپھو کو کن مشکلات میں وہاں پہنچی تھیں،اور تم نے صاف انکار کر دیا کہ تم کچھ نہیں جانتی...اور اب نیچے سب کے سامنے تم خود سب کچھ بتا رہی تھی''۔اس کے لہجے میں ضبط کرنے کے باوجود غصہ صاف جھلک رہا تھا۔

''پھوپھو کی وہ ذاتی باتیں تھیں۔انہوں نے ہم سے وعدہ لیا تھا۔ہم کیسے بتا دیتے؟''۔اس کی ناراضگی کی اصل وجہ سمجھ آتے ہی وہ دھیمی پڑ گئی۔چہرہ جھکائے وہ انگلیوں کو آپس میں الجھا گئی۔

''تم سب جانتی تھی نا...تم جانتی تھی یہ تمہاری پھوپھو کا سسرال تھا،ان کے دو بچے ہیں...اور پھر بھی تم خاموش رہی؟''۔وہ اچانک غصے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہم نہیں جانتے تھے،حدیر، کہ یہ گھر پھوپھو کا سسرال رہ چکا ہے۔قسم سے نہیں جانتے تھے۔ورنہ ہم اتنے دن خاموش کیوں رہتے؟''۔اسے بدگمان ہوتا دیکھ کر وہ تڑپ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہم بس اتنا جانتے تھے کہ پھوپھو کو ان کے سسرال سے نکالا گیا تھا۔ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ سسرال یہی تھا۔ ہم یہ جانتے تھے کہ ان کے دو بچے ہیں... مگر یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ دو بچے آپ دونوں ہوں گے"۔ وہ اس کے بالکل سامنے آکر رک گئی۔

حدیر چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر بغیر کچھ کہے وہ مڑ کر وارڈروب کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے جھٹکے سے دروازہ کھولا، اندر سے سوٹ کیس نکالا، اور تیزی سے اس میں اپنے کپڑے بھرنے لگا۔

"کک، کہاں جا رہے ہیں آپ؟"۔ ماہ گل کی آواز میں گھبراہٹ اور ہلکی لرزش تھی۔

حدیر نے ایک لمحے کے لیے رک کر اسے دیکھا، اس کی آنکھوں میں غصے کی سختی نہیں تھی، اور نہ ہی وہ پہلے جیسی معمولی نرمی تھی۔

"ماہ گل... تم سے آکر بات ہو گی"۔ اس نے دھیمی مگر سنجیدہ آواز میں کہا۔ یہ ایک ایسا ٹھہرا ہوا، سوچتا ہوا لہجہ تھا، جس میں فیصلہ اور احتیاط دونوں جھلک رہے تھے۔

اپنا پاسپورٹ اور کاغذات سنبھالتے ہوئے اس نے سوٹ کیس بند کیا، اور ایک جانب رکھ دیا۔ موبائل ہاتھ میں اٹھا کر خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

Clubb of Quality Content

رات کے گیارہ بجے جب وہ واپس آیا تو کمرے کا منظر کچھ یوں تھا ماہ گل بیڈ پر بیٹھی، گردن ایک طرف ڈھلی ہوئی، اور آنکھیں بند، شاید انتظار میں تھک کر نیند کے عالم میں جا پہنچی تھی۔

حدیر نے ایک لمحے کے لیے اسے دیکھا، ایک ہلکی سی مسکان لبوں پر آگئی، پھر کپڑے چینج کرنے کے لیے واشروم میں گھس گیا۔ باہر آکر ایک نظر اسے دیکھتا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہوا، اور بالوں میں برش چلانے لگا۔۔

شیشے میں اپنی عکس کے ساتھ ساتھ ماہ گل کو بھی دیکھتا رہا، اس کی بند آنکھیں ان پر سایہ فگن پلکیں۔

پھر اس نے پرفیوم اٹھاتے خود پر خوشبو چھڑکی، تیار ہوتے ہی سوٹ کیس اٹھا کر اس کے قریب آکر رک گیا۔

آہستہ سے اس نے ماہ گل کے سر کو تکیہ پر رکھ دیا، کمفرٹر اوڑھا کر وہ سیدھا ہو گیا۔۔

ماہ گل کی نیند اتنی گہری تھی کہ وہ ایک بار سو گئی تو اسے اٹھانا مشکل ہوتا۔ حدیر نے خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے اپنی محبت، اپنی حفاظت اور اپنی فکر کا سب کچھ اس چھوٹے سے لمس میں سمیٹ دیا۔

Clubb of Quality Content

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس نے نیم وا آنکھوں سے کمرے کو دیکھا، مگر اگلے ہی لمحے جیسے کسی انجانے احساس نے دل کو جھنجھوڑ دیا، وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر سیدھی بیٹھ گئی۔ حواس آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگے تو اس کی بے قرار نگاہیں بلا ارادہ اس جگہ جا ٹھہریں جہاں کل حدیر کا سوٹ کیس رکھا تھا۔ وہ جگہ...اب بالکل خالی تھی۔ کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔

کھڑکی کے پردے ہلکی ہوا سے مدھم مدھم ہل رہے تھے، اور باہر سے آتی صبح کی نرم روشنی کمرے کے فرش پر سنہری لکیروں کی صورت بکھر رہی تھی۔ مگر اس روشنی میں بھی اسے ایک انجانی سی اداسی محسوس ہو رہی تھی۔

"حدیر..." اس کے لب آہستگی سے ہلے، آواز اتنی مدھم تھی گویا دل کی گہرائی سے نکلی ایک سرگوشی۔

اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے کھڑی ہوئی، جلدی جلدی چپل پہنی اور بے اختیار دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

راہداری میں صبح کی ٹھنڈی ہوا کا ہلکا سا لمس تھا، دور کہیں کچن سے برتنوں کی ہلکی سی آواز آ رہی تھی، اور لان میں لگے نیم کے درخت سے پرندوں کی چہچہاہٹ

Clubb of Quality Content

ایک عام سی صبح کا منظر پیش کر رہی تھی مگر اس کے دل کے اندر سب کچھ غیر معمولی سا لگ رہا تھا۔

وہ تیزی سے پورچ کی طرف آئی۔ پورچ میں حدیر کی گاڑی بدستور کھڑی تھی، شیشوں پر شبنم کے ننھے ننھے قطرے جمے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے دل میں ایک لمحے کو امید کی ہلکی سی کرن جاگی۔

"خادم بابا... خادم بابا" وہ حواس باختہ سی پکارنے لگی، آواز میں بے چینی صاف جھلک رہی تھی۔

"جی بیٹی، بولیں؟"۔ چند لمحوں بعد خادم بابا اپنے چھوٹے سے کمرے سے باہر نکلے، چہرے پر ہلکی سی حیرت اور شفقت کا رنگ تھا۔

ماہ گل نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی، مگر اس کے چہرے کے تاثرات اب بھی الجھے ہوئے تھے، دل اور دماغ ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہ ہو پا رہے تھے۔

"بابا... آپ نے حدیر کو جاتے ہوئے دیکھا؟ ان کی گاڑی تو یہی کھڑی ہے"۔ وہ بظاہر پرسکون لہجے میں بولنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر اس کے اندر کی بے چینی ہر لفظ کے ساتھ ظاہر ہو رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

"بیٹی، وہ تو کل رات گیارہ بجے ہی نکل گئے تھے۔ڈرائیور انہیں ائیر پورٹ چھوڑ آیا تھا"۔

خادم بابا نے حیرت سے اسے دیکھا، پھر آہستہ سے بولے۔

یہ الفاظ سن کر جیسے وقت ایک لمحے کے لیے رک سا گیا۔ماہ گل کے دل پر کسی نے خاموشی سے ایک بھاری پتھر رکھ دیا۔

"آں...ہاں... صحیح..." وہ جلدی جلدی بولی۔اپنے بکھرتے ہوئے احساسات کو لفظوں کے پیچھے چھپانا چاہتی تھی۔"ہم ابھی نیند سے جاگے ہیں، عادت نہیں ہے نا...تو بس گھبرا گئے۔یاد ہی نہیں رہا"۔وہ مصنوعی سی مسکراہٹ لانے کی کوشش کر رہی تھی، مگر اس کی آنکھوں کی نمی اس کی اصل کیفیت کو چھپا نہ سکی۔

"کوئی بات نہیں بیٹی، ہو جاتا ہے"۔خادم بابا ہلکے سے مسکرا دیے۔مگر وہ... مسکرا بھی نہ سکی۔غائب دماغ سے قدم اٹھاتی وہ آہستہ آہستہ واپس اندر کی طرف چل پڑی۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی خاموشی نے اسے پھر سے اپنی آغوش میں لے لیا۔وہ دھیرے سے کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔باہر آسمان پر صبح کی ہلکی نیلی چادر پھیلی ہوئی تھی، دھوپ کی نرم کرنیں درختوں کے پتوں سے چھن کر زمین پر بکھر رہی تھیں۔

"کہاں چلے گئے آپ؟" اس نے آہستگی سے خود سے کہا، آواز میں ایک گہری اداسی تھی۔

"ہمیں تو لگا تھا آپ بات کر کے جائیں گے...اس قدر خفا کیوں ہو گئے ہیں؟ایک بار تو ہماری بات سن لیتے..."اس کی نظریں کھڑکی کے پار کہیں دور جم گئیں،اور دل میں جمع ہوتے دکھ کو آخر کار آنکھوں نے راستہ دے دیا۔

آنکھوں سے نکلتے آنسو گالوں پر خاموشی سے بہنے لگے،دل کے بوجھ کو لفظ نہ ملے تو جذبات نے پانی کی صورت اختیار کر لی تھی۔

اس لمحے اسے پہلی بار شدت سے احساس ہوا کہ کسی اپنے کی خاموش جدائی انسان کے دل میں ایسی ویرانی چھوڑ جاتی ہے جسے کوئی شور،کوئی مصروفیت بھر نہیں سکتی۔

"ماہا،دنیا جہاں سے بیگانہ ہو کر کون سوتا ہے؟بدلو اس عادت کو"۔اماں کی آواز میں ہلکی سی جھنجھلاہٹ اور فکر کی آمیزش تھی۔وہ کئی بار اسے پکار چکی تھیں،مگر جب وہ نہ اٹھی تو آخر کار انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا

اور زبردستی بٹھا دیا۔

"کیا ہے اماں؟یہی تو پیاری نیند ہوتی ہے۔اب کیا سوتے ہوئے بھی دنیا کی خبر رکھیں؟"۔وہ روہانسی سی آواز میں بولی،آنکھیں اب بھی نیند کے بوجھ سے نیم وا تھیں،اور لہجے میں ایک بچگانہ سی ضد جھلک رہی تھی۔

اماں نے آہستگی سے اس کی چادر سمیٹی، پھر ایک ماں کی مخصوص شفقت اور تجربے سے بھری نصیحت کے ساتھ بولنے لگیں۔ ”بس نیند ایسی لو کہ اگر آس پاس کوئی ہلکا سا کھٹکا بھی ہو تو آنکھیں کھل جائیں۔ اتنا بے خبر ہونا بھی اچھا نہیں ہوتا، بیٹی“۔ ان کے الفاظ میں زندگی کی ٹھوکروں کا نچوڑ چھپا تھا، مگر اس وقت وہ ان باتوں کی گہرائی سمجھنے کے لیے تیار نہ تھی۔

”اماں، آپ کو ہماری نیند سے بھی مسئلہ ہے؟“۔ وہ ہلکی سی ناراضی کے ساتھ بولی اور بیڈ سے اترنے لگی، وہ ان نصیحتوں سے بچ کر جلدی سے اس لمحے سے نکل جانا چاہتی تھی۔

”تمہارے لیے ہی کہہ رہی ہوں، تاکہ آس پاس کا ہوش رہے اور کسی مسئلے میں نہ پڑ جاؤ“۔

اماں کی آواز میں خلوص اور فکر دونوں شامل تھے، مگر وہ ان باتوں کو سنی اَن سنی کرتی واشروم کی طرف بڑھ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

”اب کیا نیند میں بھی ہم فکریں پالیں؟ اماں بھی ناں“ وہ سر جھٹکتے ہوئے آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی اور برش کرنے لگی۔

بیتے ہوئے لمحے جیسے کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگے۔

ماہ گل نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں، دل میں ایک چبھن سی محسوس ہوئی، جیسے کسی نے خاموشی سے دل کے نرم حصے کو چھو لیا ہو۔

"آہ ماہ گل... دیکھ لیا اپنی نیند کا نتیجہ؟ وہ تیار ہوئے ہوں گے، اپنی چیزیں سمیٹی ہوں گی، اور تم... تم اتنی بے خبر سوئی رہی کہ آنکھ تک نہ کھل سکی"۔ اس نے سامنے دیوار پر لگے آئینے میں خود کو دیکھا، اپنی ہی آنکھوں میں ایک ملامت اور پچھتاوا محسوس کیا۔

"اور... ایک منٹ... ہم... ہم تو تکیے پر نہیں سوئے تھے" اچانک اسے کچھ یاد آیا۔ "اففف ماہ گل... وہ تمہارا سر تکیے پر رکھ کر چلے گئے، اور تمہیں تب بھی خبر نہ ہوئی" اس نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں، اور دل ہی دل میں خود پر جی بھر کر خفا ہونے لگی۔

"تو کیا... وہ ہم سے ناراض نہیں؟" اس نے آہستگی سے خود سے سوال کیا۔ "لیکن وہ تو بہت نرم دل کے مالک ہیں... کائنڈ ہارٹڈ... شاید خفا ہو کر بھی ہمیں نظرانداز نہ کر سکے ہوں گے"۔ اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی، اور دل میں ایک نرم سی کسک جاگ اٹھی۔

"لیکن ہم اب کیا کریں؟ کہاں گئے... یہ بھی تو نہیں معلوم" پریشانی کے بوجھ سے وہ ایک لمحے کو دوہری سی ہو گئی۔

چند لمحے خاموش کھڑی رہنے کے بعد اس نے گہری سانس لی الماری سے لباس نکالا اور ٹھہر سی گئی۔ آسمانی رنگ۔ وہ آسمانی رنگ میں اسے اچھی لگی تھی۔ کچھ یادیں خوبصورت ہوتی ہیں اتنی کہ درد بھرے لمحات میں مسکراہٹ دے جاتی ہیں۔

Clubb of Quality Content

فریش ہونے کے بعد وہ آہستگی سے کمرے سے باہر نکلی۔ راہداری میں خاموشی کا ایک ہلکا سا سایہ تھا، اور اسی لمحے سامنے والے کمرے کا دروازہ کھلا رشنا اپنے کمرے سے باہر نکل رہی تھی...

"بھابھی...؟" ماہ گل نے فوراً سے اسے پکارا۔ آواز میں ہلکی سی جھجھک لیے۔

"آپ سے بات ہو سکتی ہے؟"۔ یہ پہلی بار تھا کہ وہ رشنا سے مخاطب ہوتے ہوئے لہجے میں ایک انجانی سی جھجک اور احتیاط تھی۔

"ہاں، کہو... کیا کہنا ہے؟"۔ رشنا ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے قریب آئی۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک نرم سی شفقت تھی، مگر آنکھوں کے نیچے ہلکے سیاہ حلقے اور پلکوں کی سرخی رات بھر کی بے خوابی کی گواہی دے رہے تھے۔

"کمرے میں چلیں؟"۔ ماہ گل نے آہستگی سے اپنے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ رشنا نے خاموشی سے سر ہلایا اور اس کے ساتھ قدم بڑھا دیے۔

"سب ٹھیک ہے؟ حدیر کہاں ہے؟"۔ رشنا نے کمرے کے ارد گرد نگاہ دوڑاتے ہوئے سوال کیا۔

ماہ گل نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ سرخی جو رتجگے کی تھکن سے پیدا ہوتی ہے صاف دکھائی دے رہی تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں، بھابھی؟"۔وہ فکر مندی سے اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

"ٹھیک ہوں..."رشا بدقت مسکرائی۔جو حقیقت اس پر آشکار ہوئی اور اس پر ہریرہ کا رویہ، وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔

"تم بتاؤ، کیا کہنا ہے؟اور حدید صبح صبح کہاں چلا گیا؟ٹھیک ہے وہ؟"اس کی آواز میں بے اختیار پریشانی شامل ہو گئی تھی۔

"بھابھی...وہ کل بہت خفا تھے۔ہم نے ان سے بات کرنے کی کوشش کی، لیکن انہوں نے کہا بعد میں بات کریں گے...پھر رات کو بغیر بتائے چلے گئے"۔اس کی آواز دھیرے دھیرے بھاری ہونے لگی۔

"ابھی خادم بابا سے معلوم ہوا کہ رات کو ڈرائیور انہیں ایئر پورٹ چھوڑ آیا تھا۔وہ کہاں گئے...کچھ نہیں معلوم۔آپ کو بتا کر گئے ہیں؟آپ جانتی ہیں وہ کہاں گئے ہیں؟"بولتے بولتے اس کی آواز بھیگ گئی،اور آنکھوں کے کناروں پر نمی چمکنے لگی۔

"ایئر پورٹ؟یوں اچانک؟"رشا حیران ہو کر بولی۔چند لمحے وہ سوچ میں ڈوبی رہی، پھر نرم لہجے میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''سنو... وہ جہاں بھی گیا ہے واپس تمہارے پاس ہی آئے گا۔''اس کے الفاظ میں یقین کی مضبوطی تھی۔

''اس لیے پریشان نہ ہو۔اس نے کل جس طرح تمہارا ساتھ دیا وہ اپنے آخری سانس تک تمہارا ساتھ دے گا، تمہارا خیال رکھے گا،اور تمہاری حفاظت کرے گا''۔وہ آہستگی سے بول رہی تھی، مگر ہر لفظ میں ایک گہری سچائی کی بازگشت تھی۔

''رہی بات ناراضگی کی...وہ وقتی طور پر خفا ہوا ہو گا محبت میں ناراضگیاں بارش کی طرح ہوتی ہیں کچھ دیر برستی ہیں پھر خود ہی تھم جاتی ہیں''۔اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔''اور اگر نہ مانے...تو جب وہ آئے تو منا لینا''۔

''لیکن وہ گئے کہاں ہیں؟''۔ماہ گل کی آواز میں اب بھی بے چینی باقی تھی۔

''وہ بے مقصد تو نہیں گیا ہو گا۔یقیناً کوئی ضروری کام ہو گا پریشان نہ ہو...رابطہ کر لے گا۔میں بھی اسے کال کرتی ہوں''۔وہ سمجھداری سے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

''تھینک یو، بھابھی''ماہ گل کی آواز میں شکر گزاری تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

رشنا اچانک رک گئی، اور اس کے چہرے پر ایک عجیب سی نرمی ابھر آئی۔ ”بھابھی نہ کہو... آپی کہو“۔ اس نے جذباتی ہو کر کہا۔ ”ویسے میں ہوں تو حدیر سے ڈھائی سال چھوٹی، بھابھی تو مجھے کہنا چاہیے لیکن تم سے تو ایک دو سال بڑی ہوں گی۔ بس... مجھے حدیر کے رشتے سے پکارو“۔

”آپ اور ہریرہ بھائی ٹھیک ہیں؟“۔ ماہ گل نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔

”جب تک وہ انصاف سے بات نہیں کریں گے تب تک کچھ ٹھیک نہیں ہو سکتا“۔ رشنا کا چہرہ یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

”یہ سب کچھ... ہماری وجہ سے ہوا ہے نا؟“۔ ماہ گل کی آواز میں اداسی تھی، اور آنکھوں میں ایک انجانا سا احساسِ جرم۔

رشنا نے فوراً اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

”تمہاری وجہ سے کیسے؟ یہ بات ایک نہ ایک دن یوں بھی سامنے آنی تھی“۔ اس نے نرمی مگر یقین کے ساتھ کہا۔ ”کل دیکھا تھا تم نے... حدیر ساری باتوں سے پہلے ہی واقف تھا پھر وہ ایک دن تو کہتا، تب بھی یہی ہونا تھا“

وہ آہستگی سے بولی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"خود کو کمزور مت کرو۔ جو ماہ گل شروع سے لے کر کچھ دن پہلے تک تھی بالکل ویسی ہی رہو"۔اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔"ابھی تمہیں اور بھی ہمت اکٹھی کرنی ہو گی۔ حدیر نہیں ہے... تو تم نے اکیلے ہی ان سب لوگوں کو ہینڈل کرنا ہے"

"تھینک یو، آپی" ماہ گل بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی اس لمحے اسے پہلی بار زندگی میں بہن ہونے کا حقیقی احساس ہوا تھا۔دل میں ایک نرم سا خیال ابھرا اگر اس کی بھی کوئی بڑی بہن ہوتی تو شاید وہ بھی یوں ہی اسے سمجھا رہی ہوتی۔

"جانتی ہو... مجھے حدیر سے پہلی ہی ایک عجیب سی کشش محسوس ہوتی تھی۔ریان اور ہادی کا بھی خیال رکھتی ہوں، مگر حدیر کے لیے میرے دل میں ہمیشہ ایک خاص سی نرمی رہی"۔وہ دھیرے دھیرے بول رہی تھی، دل کے بند دریچے کھلنے لگے۔

"پھر جس طرح کا رویہ ماما کا حدیر کے ساتھ تھا وہ سب مجھے تکلیف دیتا تھا۔اب سمجھ آیا ہے اس کی ہر تکلیف مجھے اتنی شدت سے کیوں محسوس ہوتی تھی... بہنوں کو بھائیوں کی تکلیف محسوس نہیں ہو گی تو کسے ہو گی؟۔اس کی آنکھیں بھیگنے لگی۔

"اور اسی نسبت سے تم بھی مجھے اور پیاری ہو گئی ہو"۔ل اس نے محبت سے اس کا ماتھا چوم لیا۔

پھر خود کو سنبھالتے ہوئے آہستگی سے کھڑی ہوئی۔

"اب چلو... جلدی سے نیچے آ جاؤ"۔اس کے لہجے میں معمول کی نرمی واپس آ چکی تھی۔ماہ گل سر ہلا گئی۔

صبح کے ٹھیک پانچ بجے جہاز نے ہلکے سے جھٹکے کے ساتھ رن وے کو چھوا تو حدیر نے بے اختیار کھڑکی کے پار جھانکا۔ باہر اندھیری سی صبح تھی آسمان پر بادلوں کی دبیز چادر تنی ہوئی تھی اور بوندا باندی شیشے پر نرم نرم دستک دے رہی تھی۔

چند لمحوں بعد جہاز آہستہ آہستہ رکتے ہوئے Heathrow Airport کے وسیع و عریض میدان میں ٹھہر گیا۔

حدیر نے گہری سانس لی۔

جب وہ جہاز کی سیڑھیاں اتر کر اندر داخل ہوا تو ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔

Clubb of Quality Content

ایئرپورٹ کے اندر ہلکی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی، اور لمبے شیشے کے راستوں پر مختلف قوموں کے لوگ خاموشی سے چل رہے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں کافی کا کپ تھا، کسی کے کندھے پر بیگ...اور ہر چہرے پر نینداور مصروفیت کا عجیب سا امتزاج تھا۔

حدیر نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا۔۔

یہ وہی شہر تھا جہاں کہیں اس کی ماں سانس لے رہی تھی وہ ماں جس کی کمی اس کے دل میں ہمیشہ ایک خاموش خلا بن کر رہی تھی۔ اس کے قدم آہستہ تھے، مگر دل کی دھڑکن تیز۔ ہر قدم کے ساتھ ایک سوال اس کے اندر سر اٹھا رہا تھا کیا وہ حدیر کو پہچان لیں گی؟ کیا برسوں کی دوری ایک لمحے میں سمٹ سکے گی؟

اس نے اپنی جیکٹ کو ذرا مضبوطی سے تھاما، جیسے اس ٹھنڈی صبح میں خود کو سنبھالنے کی ایک خاموش سی کوشش کر رہا ہو۔ پھر آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا امیگریشن کی قطار کی طرف چل پڑا۔

لاؤنج کی فضا عجیب سی سرد مہری اور دبی دبی تلخی سے بوجھل تھی۔ بھاری مخملی پردوں سے چھن کر آتی دھندلی روشنی کمرے کے کونے کونے میں ایک سنسان سی اداسی بکھیر رہی تھی۔

دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک اس خاموشی میں یوں سنائی دے رہی تھی۔

بشریٰ رحمانی صوفے پر اکڑی بیٹھی تھیں، ان کے چہرے پر ناگواری اور دل میں بھری خفگی صاف جھلک رہی تھی۔

انہوں نے قدرے جھنجھلاہٹ سے امرین رحمانی کی طرف دیکھا اور تلخ لہجے میں بولیں۔

"جس طرح حدیر کی ماں نے شوہر کو سب کے سامنے لا کھڑا کیا تھا، امرین... یہ لڑکی بھی شروع سے وہی کچھ کرتی آ رہی ہے۔ بس ہم ہی نہ سمجھ سکے۔ اس کا ہر انداز، ہر لہجہ... سب کچھ ویسا ہی تھا، مگر ہم ہی آنکھیں بند کیے رکھیں"۔ ان کے الفاظ میں ایک ایسا زہر گھلا ہوا تھا جو آہستہ آہستہ فضا میں پھیل رہا تھا۔

"جس طرح یہ جواب دیتی ہے، اور اس دن میرے بیٹے سے جو بدتمیزی کی تھی... میں تو شروع سے ہی سمجھ گئی تھی، آپا۔ آپ کو کہا بھی تھا، مگر آپ نے توجہ ہی نہیں دی"۔ امرین رحمانی نے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ سجائی اور فوراً ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولیں۔

اچانک بشریٰ رحمانی نے گردن موڑی، ان کی نظریں وہاں سے گزرتی ہوئی ماہ گل پر جا ٹھہریں۔

"سنو لڑکی"۔ انہوں نے اسے ایک سرد، کھوجتی نگاہ سے دیکھا اور کرخت لہجے میں پکارا۔ ماہ گل نے آہستہ سے قدم بڑھائے۔ اس کے قدموں کی چاپ قالین پر دب گئی۔ اس کے دل میں ہلکی سی بے چینی جاگی، مگر چہرے پر ضبط کی نرم چادر برقرار رہی۔

"جی؟" وہ ان کے سامنے آکر ٹھہری، چہرے پر ضبط کی ایک نازک سی چادر اوڑھے، اور نرم مگر باوقار لہجے میں بولی۔

"حدیر کہاں گیا ہے؟"۔ بشریٰ رحمانی کی نظریں اس کے چہرے کو پرکھ رہی تھیں۔

" ہمیں نہیں معلوم"۔ اس نے آہستگی سے جواب دیا، یہ الفاظ سادہ تھے، مگر ان کے پیچھے ایک انجانا سا اضطراب چھپا ہوا تھا۔

"یہ تو تم نے تب بھی کہا تھا جب ملک کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔ تم تو نہیں جانتی تھی کہ وہ شخص کون ہے... پھر کیسے حدیر کو بتانے لگی تھی اپنے آباؤ اجداد کے بارے میں؟"۔ امرین رحمانی نے طنزیہ قہقہہ نما مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے کہا۔

"جھوٹ بولنے کی عادت جو ہے"۔ بشریٰ رحمانی نے سرد طنز کے ساتھ جملہ پھینکا۔

ماہ گل کے دل میں ایک لمحے کو غصے کی چنگاری بھڑکی، مگر اس نے ضبط کا دامن نہ چھوڑا۔

''ہم نے اگر وہ بات نہیں بتائی، تو یقیناً کوئی وجہ تھی۔ ہم نہیں جانتے وہ کہاں گئے ہیں... اگر پتہ ہوتا، تو ضرور بتادیتے''۔ اس نے سر ذرا سا بلند کیا، آنکھوں میں ایک ہلکی سی چمک ابھری، اور نہایت تحمل سے بولی۔ اس کے لہجے میں نہ عاجزی تھی نہ بغاوت صرف ایک باوقار انداز۔

امرین رحمانی کے چہرے پر ناگواری کی پرچھائیاں گہری ہو گئیں۔ ''معصوم بننا تو کوئی تم سے سیکھے۔ ساری بات معلوم ہوتی ہے، اور بس 'ہمیں نہیں معلوم' کا راگ الاپتی رہتی ہو۔ بہت اچھا سکھایا ہے تمہاری پھوپھو نے''۔ انہوں نے تیکھی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ یہ جملہ تیر کی طرح آیا اور سیدھا دل میں پیوست ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

ماہ گل نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں، دل میں اٹھتے طوفان کو قید کرنے کی کوشش۔ پھر اس نے نظریں اٹھائیں وہ نظریں اب نرم نہیں تھیں۔

''کسی کے کمرے کے باہر کھڑے ہو کر باتیں سننا نہیں سکھایا... کیا آپ ہمیں یہ سکھادیں گی؟''۔ وہ امرین رحمانی کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت میٹھے مگر کاٹ دار لہجے میں بولی۔ یہ الفاظ دھیمے تھے، مگر ان کی گونج کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آئی۔

"تم لڑکی...!"امرین رحمانی کا چہرہ اہانت اور غصے سے سرخ ہو گیا۔اچانک بشریٰ رحمانی طیش میں آکر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ان کے قدموں کی آواز کمرے کی خاموشی کو چیرتی ہوئی گونجی۔

"بہت زبان چل رہی ہے تمہاری۔دو منٹ نہیں لگاؤں گی ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکالنے میں"۔ان کے لہجے میں دھمکی کی سختی اور غصے کی تپش صاف محسوس ہو رہی تھی۔

ماہ گل کے دل میں ایک لمحے کو خوف کی ہلکی سی لہر اٹھی، مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

" ہم اپنے شوہر کے گھر میں ہیں...اور آپ دونوں میں سے کسی کا حق نہیں بنتا کہ ہمیں اس گھر سے نکالے"۔وہ نہایت مضبوط لہجے میں بولی۔

"اے لڑکی! کیا بد تمیزی لگا رکھی ہے؟ یہ دونوں میری بہوئیں ہیں،اور تم کیا حیثیت رکھتی ہو ان کے آگے جو زبان چلا رہی ہو؟ یاد رکھو، تمہارے باپ نے دھوکے سے شادی کی ہے...اور وہ تمہارا شوہر تمہیں یہاں چھوڑ کر ملک سے ہی چلا گیا ہے۔یہاں رہنا ہے تو تمیز سے رہو"۔شہاب رحمانی دروازے سے اندر آتے ہی گرج دار، حقارت آمیز لہجے میں بولے۔ان کے الفاظ کسی تیز دھار خنجر کی مانند ماہ گل کے دل میں پیوست ہوتے چلے گئے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ماہ گل کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے کانوں سے دھواں اٹھنے لگا ہو۔آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے تھے، مگر وہ انہیں روکنے کی بے سود کوشش کر رہی تھی۔

ان دونوں عورتوں کے سامنے تو وہ جواب دے گئی تھی، مگر شہاب رحمانی کے رعب دار وجود اور تلخ لہجے کے سامنے اس کے سارے الفاظ جیسے اچانک گم ہو گئے تھے۔

شہاب رحمانی اپنی بات مکمل کر کے مڑے اور سخت قدموں سے وہاں سے چلے گئے۔ان کے پیچھے پیچھے ان کی لاڈلی بہوئیں بھی فاتحانہ انداز میں سر اٹھائے چلتی بنیں،اور کمرے میں ایک ایسی خاموشی چھوڑ گئیں جو ذلت اور بے بسی کی بو سے بھری ہوئی تھی۔

ماہ گل کی آنکھوں سے اب آنسو بے اختیار بہنے لگے تھے۔اس قدر بلند آواز...اس قدر سرِ عام ذلت...وہ نرم لہجوں،نرم رویوں کی عادی لڑکی یہ سختی،یہ تحقیر برداشت نہ کر پائی تھی۔

”بھابھی...بھابھی،آپ ٹھیک ہیں؟“۔مناہل گھبراہٹ میں دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔

مگر ماہ گل نے جواب دینے کی بجائے منہ پر ہاتھ رکھا،اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ تیزی سے باہر کی طرف بھاگ گئی۔اس جگہ کی فضا اس کے لیے سانس لینا بھی دشوار کر رہی تھی۔گھر کے پچھلے حصے میں پہنچتے ہی اس کا ضبط ٹوٹ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ دیوار کے قریب آکر گھاس پر بیٹھتی چلی گئی، اور اگلے ہی لمحے سسکیوں کے ساتھ روتی چلی گئی۔

چند لمحوں بعد فضا اور میرب بھی وہاں پہنچ گئیں۔ انہوں نے اسے اس حال میں دیکھا تو ایک دوسرے کی طرف بے بسی سے دیکھا، اور فوراً اس کے قریب آ گئیں۔

ماہ گل نے رونے پر قابو پانے کی کوشش کی، مگر سسکیاں اور بھی بلند ہوتی چلی گئیں۔

"بھابھی...پلیز نہ روئیں"۔ میرب اس کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔ اس کا اپنا لہجہ بھی بھرا ہوا تھا، آنکھوں میں نمی صاف جھلک رہی تھی۔

ماہ گل کے ایک طرف میرب بیٹھی تھی، دوسری طرف فضا،

جبکہ مناہل گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گئی چہرے پر گہری شرمندگی اور آنکھوں میں بے بسی کی نمی لیے۔

"بھابھی، آئی ایم سوری...پلیز یوں نہ روئیں"۔ مناہل جھکی ہوئی نظریں لیے آہستگی سے بولی۔

ماہ گل کا روتا ہوا وجود لمحہ بھر کو ساکت ہوا۔ اس نے آہستہ سے اپنی بھیگی ہوئی نگاہیں اٹھائیں اور مناہل کے شرمندہ چہرے کو دیکھا وہ چہرہ جو خود بھی آنسوؤں سے تر تھا۔

"منا..." وہ سسکیوں پر قابو پاتے ہوئے اسے پکاری۔ مناہل نے فوراً نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تم کیوں سوری کر رہی ہو، بچہ؟ تمہاری کوئی غلطی نہیں ہے"۔ ماہ گل زخمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ مناہل یہ سن کر مزید رونے لگی

اور بے اختیار اس کے گلے سے لگ گئی۔ ماہ گل نے اپنے دل کے اندر چھپے بے شمار دکھ کو دباتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور اسے چپ کروانے کی کوشش کرنے لگی حالانکہ خود اس کا دل اندر ہی اندر ٹوٹ رہا تھا۔

"بھابھی، مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے۔ وہ میری ماما ہیں... لیکن میں جانتی ہوں وہ غلط کر رہی ہیں۔ میں کیسے انہیں سمجھاؤں؟ آپ رو رہی ہیں، بھابھی... مجھے بہت ہرٹ ہو رہا ہے"۔ مناہل سسکیوں کے درمیان بولتی چلی گئی۔

"تمہیں شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں، چندا" ماہ گل نے نرمی سے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا، حالانکہ خود کو سنبھالنا اس کے لیے بھی آسان نہیں تھا۔

اسی لمحے نرم قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ رشا وہاں آ پہنچی تھی۔ اس نے ایک نظر ماہ گل کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے پر ڈالی، اور دوسری نظر ان تینوں لڑکیوں پر جن کے چہروں پر فکر اور بے بسی صاف لکھی ہوئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"لڑکیوں، تم تینوں اندر جاؤ۔ پریشان نہ ہو، میں ہوں ماہ گل کے ساتھ"۔ وہ سمجھداری سے بولی۔ پھر وہ آہستہ سے ماہ گل کے قریب آئی، اس کے کندھے پر تسلی بھرا ہاتھ رکھا، اور نہایت شفقت سے اسے سہارا دیتے ہوئے اس کے کمرے کی طرف لے چل دی۔

"منا، کیا ہوا؟ رو کیوں رہی ہو؟" کاریڈور سے گزرتا ہادی اچانک رُک گیا۔ شام کی مدھم روشنی لمبی کھڑکیوں سے اندر اتر رہی تھی اور فرش پر سنہری لکیریں بنا رہی تھی۔ اسی خاموش فضا میں مناہل کی دبی دبی سسکیاں اس کے قدموں کو تھام گئیں۔

"ہادی..." وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔ آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"بولو منا، کیا ہوا ہے؟ یار اس طرح تو نہ رو"۔ ہادی نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے آہستہ آہستہ ساتھ لے کر بالکونی کی طرف بڑھا۔ بالکونی میں ہلکی سی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ سامنے باغیچے کے درخت شام کی نرم روشنی میں ساکت کھڑے تھے، اور کہیں دور سے پرندوں کی واپسی کی مدھم آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ہادی نے مناہل کو کرسی پر بٹھایا اور خود اس کے پاس نیچے بیٹھ گیا۔

Club for Quality Content

"ہادی...ماما نے بھابھی ساتھ اتنا مس بی ہیو کیا، اور پھر دادا...انہوں نے بھی..." وہ بولتے بولتے پھر رو دی۔ اس کی آواز میں شرمندگی اور دکھ دونوں گھل گئے تھے۔

"ادھر دیکھو، حدیر بھائی ہیں نا...وہ سب ٹھیک کر دیں گے"۔ ہادی نے نرم لہجے میں کہا۔

"لیکن وہ تو چلے گئے نا...ماما اس طرح کر رہی ہیں، مجھے بہت شرمندگی ہو رہی ہے"۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ آنسو پلکوں پر ٹھہرے ہوئے ننھے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

"حدیر بھائی ایسی کہیں نہیں جاتے، یہ بات ہم سب جانتے ہیں۔ اور ماہ گل بھابھی کو حدیر بھائی سنبھال لیں گے۔ جب تک وہ نہیں ہیں، کوشش کرو بھابھی تائی کے سامنے نہ آئیں۔ اور دیکھو، تم اس طرح روگی تو بھابھی کو کون سنبھالے گا؟ تم تینوں اپنا موڈ اچھا کرو، اور بھابھی کے پاس جا کر ان کا موڈ بھی اچھا کرنے کی کوشش کرو"۔ ہادی اس وقت غیر معمولی سنجیدگی اور سمجھداری سے بات کر رہا تھا۔ اس کے لہجے میں ایک عجیب سی پختگی تھی۔

وہی شوخ، ہنستا کھیلتا ہادی اس لمحے نہ جانے کیوں بہت میچور اور پُر سکون لگ رہا تھا۔

مناہل اسے خاموشی سے دیکھتی رہ گئی۔ اس کی نگاہوں میں حیرت بھی تھی اور ایک نیا سا احساس بھی، جو دل میں آہستہ آہستہ جنم لے رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' ہادی نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''تم بہت اچھے ہو، ہادی''۔ مناہل نے چہرے پر معصومیت لیے دل کی بات زبان پر لا دی۔ آواز میں خلوص تھا۔

''بالکل اپنی مناہل کی طرح''۔ وہ گہرا مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں ایک عجیب سی کشش تھی۔ مناہل کے گالوں پر ہلکی سی لالی اتر آئی، شام کی سرخی اس کے چہرے پر ٹھہر گئی ہو۔ ہوا نے آہستہ سے اس کے بالوں کو چھوا، اور لمحہ ایک نرم سی خاموشی میں بدل گیا۔

''میری ہونا چاہو گی، مَنا؟ ہمیشہ کے لیے؟''۔ ہادی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دھیرے مگر گہرے لہجے میں سوال کیا۔

''ہادی... تم...'' مناہل گھبرائی۔ دل کی دھڑکن بے ترتیب ہونے لگی۔

''جواب دو، مَنا''۔ وہ آہستہ سے بولا، مگر اس کی آنکھوں میں انتظار صاف دکھائی دے رہا تھا۔ مناہل نے ایک گہری سانس لی۔ چند لمحوں کے لیے اس کی نظریں ہادی کی آنکھوں میں ٹھہر گئیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"میں... تمہاری ہونا چاہوں گی، ہادی۔ ہمیشہ کے لیے"۔ پھر جیسے دل نے ہمت جمع کی ہو، وہ دھیرے سے بول گئی۔ جملہ لبوں سے نکلتے ہی وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ شرم اور گھبراہٹ کے ملے جلے احساس کے ساتھ تیزی سے وہاں سے بھاگ گئی۔

ہادی چند لمحے وہیں بیٹھا رہ گیا۔ پھر اس نے بے اختیار اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرا اور دلکشی سے مسکرا دیا۔ اس کے دل میں ایک نرم سی روشنی اتر آئی تھی۔ محبت کو آخر کار محبت سے جواب مل گیا تھا۔

لندن کے ہسپتال کے باہر قدم رکھتے ہی اس نے ایک گہری سانس بھری تھی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی تو وہ ایک لمحے کو وہیں ٹھہر گیا۔ نگاہ بے اختیار اپنے ہاتھ میں تھامے پھولوں کے گلدستے پر جا ٹھہری۔ نرم، تازہ پھول... جن کی خوشبو میں ایک عجیب سی مانوسیت تھی۔

بلآخر وہ پھول لے ہی آیا تھا۔ وہی پھول... جن سے جڑی یادوں نے کبھی اس کے دل کو زخمی کیا تھا۔ آج وہی پھول اس کے ہاتھ میں تھے۔ جہاں سے پھولوں کے ساتھ اس کی یادیں بکھری تھیں، آج وہ وہیں سے ان بکھری یادوں کو سمیٹنے آیا تھا... انہیں دوبارہ خوبصورت بنانے آیا تھا۔

اس نے آہستہ سے نظریں اٹھائیں۔اس کے سامنے ہسپتال کی بلند و بالا عمارت خاموشی سے کھڑی تھی سفید دیواریں، شفاف شیشے،اور اندر پھیلی ہوئی ایک سنجیدہ سی فضا۔

اس کا دل ایک لمحے کو زور سے دھڑکا۔پھر اس نے ہمت سمیٹی اور عمارت کے اندر قدم رکھ دیا۔اندر داخل ہوتے ہی ایک مانوس سی بو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی ادویات اور جراثیم کش محلول کی ملی جلی خوشبو۔

خاموش راہداری میں اس کے قدموں کی ہلکی سی چاپ گونجنے لگی۔ہر قدم کے ساتھ دل کی دھڑکن ذرا تیز ہو رہی تھی جیسے جیسے منزل قریب آتی جا رہی تھی دل کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔

مطلوبہ کاریڈور پر پہنچتے ہی اس کی نظر ایک مانوس چہرے پر جا ٹھہری۔سلطان صاحب۔وہ کرسی کے پاس کھڑے تھے۔ں آنکھوں میں انتظار کی ایک ہلکی سی چمک لیے۔حدیر کو دیکھتے ہی ان کے چہرے پر راحت کی ایک لہر دوڑ گئی۔وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھے۔

انہوں نے قریب آتے ہی اسے مضبوطی سے گلے لگا لیا۔وہ آغوش گرم تھی... محفوظ تھی....

"السلام علیکم، انکل... آپ کیسے ہیں؟"۔ حدیر نے ان کے اس قدر والہانہ استقبال پر ہلکی سی جھجک کے ساتھ کہا، اور مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"میں ٹھیک ہوں... تم خیریت سے پہنچ گئے نا؟ کوئی مسئلے تو نہیں ہوا؟"۔ ان کے لہجے میں خالص فکرمندی تھی۔ حدیر کے دل میں ایک نرم سی تشکر کی لہر اٹھی۔

"کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔ آپ کا بہت شکریہ، انکل"۔ اس نے سچے دل سے کہا۔ یہاں کا ایڈریس دینے سے لے کر ہر چھوٹی بڑی بات سمجھانے تک انہوں نے جس خلوص سے اس کی رہنمائی کی تھی، وہ واقعی ان کا ممنون تھا۔

سلطان صاحب نے اس کی طرف ایک مطمئن سی نظر ڈالی،

پھر آہستہ سے مسکرا دیے۔

"جاؤ... اپنی ماں سے مل لو"۔ انہوں نے نرم لہجے میں کہا اور ہاتھ کے اشارے سے کمرے کی طرف رہنمائی کی۔

حدیر کا دل ایک دم زور سے دھڑکا۔ گلے میں جیسے کچھ اٹک گیا۔

"انہیں... معلوم ہے؟"۔ اس نے جھجکتے ہوئے سوال کیا۔ وہ پُراعتماد دوٹوک بات کرنے والا انسان آج ماں سے ملنے سے پہلے کئی بار جھجک چکا تھا۔ گھبرا چکا تھا۔

Clubb of Quality Content

سلطان صاحب نے دھیرے سے سر نفی میں ہلایا۔ ”نہیں...

میں چاہتا ہوں، تم خود ملو“۔ انہوں نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئے۔

وہ جانتے تھے اب ماں اور بیٹے کو اس لمحے میں اکیلا چھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔ راہداری میں اب صرف وہ رہ گیا تھا... اور اس کے ہاتھ میں تھامے وہ پھول۔

عشاء کی نماز کے بعد وہ گھر کے پچھلے حصے میں لان میں مخصوص جگہ آ کھڑی ہوئی جہاں کئی سال پہلے ایک ننھا سا بچہ اپنی ماں سے معصومیت سے پوچھ رہا تھا "مام آپ اتنی تیز بارش میں یہاں کیا کر رہی ہیں؟“۔

آج وہی جگہ تھی، مگر وقت بدل چکا تھا۔ کھڑی ہونے والی شخصیت بدل چکی تھی۔ مگر یہاں کھڑے ہونے کا سبب دونوں کا ایک ہی تھا۔ دونوں ہی اداس تھیں۔ فضا میں خاموشی کی ایک اداس چادر تنی ہوئی تھی۔

وہ اداس تھی... بے حد اداس۔ دونوں ہاتھ کو باندھے، وہ آسمان پر نگاہیں جمائے ہوئے تھی، گویا بادلوں کے اس ہجوم میں اپنے دل کا بوجھ تلاش کر رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کے دوپٹے کو ہلکے ہلکے ہلا رہے تھے، اور رات کی نمی دل کے اندر تک اترتی محسوس ہو رہی تھی۔

"اگر ہم بھی اپنے گھر میں بڑے ہوتے... ان کے درمیان جن کی ہم اولاد ہیں... تو آج ہمیں یوں باتیں نہ سننی پڑتیں۔ کوئی ہم سے سوال نہ کرتا کہ ان لوگوں نے ہمیں قبول کیوں نہ کیا؟"۔ ایک آنسو چپکے سے اس کی پلکوں سے پھسل کر گال پر بہہ گیا۔ آسمان پر سیاہ بادلوں نے ڈیرہ جما لیا تھا، گہرے، بوجھل بادل پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھے۔

"اللہ... ہم نے کبھی شکوہ نہیں کیا۔ پندرہ سال کی عمر میں یہ جان لینے کے بعد بھی کہ جنہوں نے ہمیں پالا ہے، وہ ہمارے سگے ماں باپ نہیں... ہم روئے، بہت روئے... مگر شکوہ نہیں کیا۔ ہم نے خود کو سنبھال لیا، ہنستے مسکراتے رہنے لگے... پھر یہ باتیں ہماری زندگی میں دوبارہ کیوں ہونے لگیں؟ جن پر ہمارا کوئی قصور نہیں... حدیر... کیا وہ بھی ہمیں قبول نہیں کریں گے؟ ہمیں ہر کوئی کیوں چھوڑ جاتا ہے، اللہ؟" اب بارش برسنا شروع ہو چکی تھی۔ پہلے چند بوندیں خاموشی سے گریں، پھر یکدم بادل جیسے دل کا بوجھ اتارنے لگے۔ بارش کے قطرے اس کے چہرے پر گرنے لگے، اور دوسری جانب اس کے اپنے اشک بھی رواں ہو گئے۔ دل میں ایک چبھتی ہوئی

تکلیف اٹھنے لگی، سینے میں گھٹن سی محسوس ہونے لگی۔آنکھ آنسو بہاتی گئیں...اور آسمان برستا چلا گیا۔

"بھابھی! بھابھی! آپ یہاں کہاں بیٹھی ہیں؟ اتنی تیز بارش ہو رہی ہے"۔ریان کنارے کنارے قدم رکھتا، بارش کے تیز بوچھاڑ سے بچتا بچاتا اس کی طرف آیا۔اس کے ہاتھ میں شاپر تھا،اور چہرے پر خالص فکر کی جھلک۔ماہ گل چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔پھر جلدی سے ہاتھ چہرے پر پھیرا۔

"کچھ نہیں...ہم تو بس بارش انجوائے کر رہے تھے"۔وہ زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجا گئی، مگر آنکھوں کی نمی ابھی بھی چھپی نہ تھی۔

"جاڑے کی بارش ہے، بھابھی۔حدیر بھائی ابھی آپ کو دیکھ لیتے نا، تو سخت خفا ہوتے۔وہ ہرگز کسی کو بھی جاڑے کی بارش میں نہیں نہانے دیتے تھے"۔ریان فکرمندی سے بولتا چلا گیا۔

"وہ جاڑے کی بارش میں کیوں نہیں نہانے دیتے تھے؟"۔ماہ گل مسلسل بارش میں بھیگتی ہوئی ریان کو دیکھتی، کھوئے کھوئے انداز میں سوال کرنے لگی۔

"بس... وہ کہتے تھے، جاڑے کی بارش میں نہیں نہایا کرتے"۔ ماہ گل کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی ایک ایسی مسکراہٹ جس میں یاد بھی تھی اور درد بھی۔

"جانتے ہو... بالکل یہی جملہ ہماری اماں بھی کہا کرتی تھیں"۔ وہ آہستہ سے ہنس دی۔

"اچھا! تو پھر تو آپ کو فوراً اندر چلنا چاہیے۔ دونوں جان کر آپ سے بہت خفا ہوں گے"۔

ریان ہنستے ہوئے بولا۔

"اور یہ دیکھیں... میں آپ کے لیے چاٹ، فرائز اور برگر لایا ہوں"۔ اس نے شاپر اس کے آگے بڑھایا۔

"چاٹ، فرائز، برگر؟ لیکن ہم نے تو آج کچھ بھی نہیں منگوایا"۔ ماہ گل قدرے اچھنبے سے بولی۔ اس کی بھنویں ہلکی سی سمٹ گئیں۔ "تمہیں کتنی بار منع کیا ہے نا، ریان... جب میں پیسے دیا کروں، تب ہی لایا کرو۔ اور اتنی ساری چیزیں لے آئے ہو"۔ ماہ گل اب ہلکی سی ناراضی کے ساتھ بولنے لگی۔

یہ اس کی عادت تھی جب بھی ریان عشاء کی نماز پڑھنے جاتا، تو وہ مسجد کے باہر لگے نانا چاٹ کے ٹھیے سے کبھی چاٹ، کبھی گلی کے کارنر سے فرائز، اور کبھی انڈے والا برگر منگوا لیتی۔ وہ

ریان کو پیسے دے کر یہ سب منگواتی، اور پھر عشاء کے بعد جب سب اپنے اپنے کمرے میں آرام سے بیٹھے ہوتے، تو دونوں مل کر کچن میں مزے سے یہ ساری چیزیں کھاتے۔

ریان اس کا اسنیک پارٹنر تھا۔ کم گو سا ریان اسی دوران اپنے کالج کے چھوٹے بڑے قصے اسے سنایا کرتا، اور وہ دونوں ہنستے ہنستے ایسی گپ شپ کر لیتے کہ وقت کا پتا ہی نہ چلتا۔ وہ اپنے کزنوں میں انٹروورٹ اور شرمیلا سا بچہ مشہور تھا۔ کزنوں کی محفل میں خاموش رہنے والا۔ لیکن ماہ گل جان گئی تھی وہ بول سکتا ہے اور گھنٹوں بول سکتا ہے یہی وجہ تھی وہ کچھ وقت ریان کے ساتھ مخصوص کر گئی۔ تا کہ وہ اپنی دن بھر کی ہر بات اسے بتائیں۔ تا کہ باہر کسی بری صحبت میں نہ پڑ جائے۔ ہر انسان مختلف ہوتا ہے ہم ان کی نفسیات سمجھے بغیر انہیں اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ ان کو وہ کمفرٹ نہیں دیتے جن میں وہ خود کو کھل کر ظاہر کر سکے۔ جو چاٹ کبھی وہ شاہینہ کے ساتھ کھایا کرتی تھی وہ اب ریان کے ساتھ کھانے لگی۔ اور کم گو سا ریان اس وقت تک بولتا رہتا جب تک ماہ گل خود اسے بس نہ کہہ دے۔

"یہ... میں تو لایا ہوں، بھابھی، لیکن مجھے حدیر بھائی نے کہا تھا۔ اور انہوں نے میرے منع کرنے کے باوجود میرے اکاؤنٹ میں پیسے بھی ٹرانسفر کروا دیے ہیں"۔ ریان نے اسے ناراض ہوتا دیکھ کر فوراً وضاحت دی۔

ماہ گل اس انکشاف پر ساکت رہ گئی۔ کسی نے اچانک دل کے بند دروازے پر دستک دے دی تھی۔

”حدیر نے کہا تھا؟“۔ وہ بے یقینی سے بولی۔ دل ایک دم تیز دھڑکنے لگا۔

”کیا تم نے انہیں بتایا تھا کہ ہم چاٹ کھاتے ہیں؟“۔ وہ اب ریان سے پوچھنے لگی، جبکہ اس کے ذہن میں ایک الگ ہی خیال سر اٹھانے لگا تھا۔ چند دن پہلے کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے ابھر آیا جب وہ کچن میں ریان کے ساتھ بیٹھ کر چاٹ کھا رہی تھی۔ اسی دوران کچن کے دروازے تک کسی کا سایہ ساد کھائی دیا تھا... مگر پھر کوئی اندر آنے کے بجائے خاموشی سے پلٹ گیا تھا۔ وہ اس وقت ریان کی باتوں میں اتنی مگن تھی کہ اس لمحے کو اہمیت نہ دے سکی۔ تو کیا... وہ حدیر تھا؟ تو کیا وہ جانتا تھا کہ اسے یہ ساری چیزیں پسند ہیں؟

”میں نے کبھی کسی سے ذکر نہیں کیا، بھابھی۔ لگتا ہے حدیر بھائی پہلے سے جانتے ہیں۔ انہوں نے کال کر کے ڈائریکٹ مجھے انہی تین چیزوں کا کہا تھا“۔ ریان نے سادگی سے جواب دیا۔ ماہ گل چند لمحے خاموش کھڑی رہی۔ دل میں ایک عجیب سی نرمی اترنے لگی ایسی نرمی، جو شکایت کو آہستہ آہستہ پگھلا دیتی ہے۔

"چلو... آجاؤ، مل کر کھاتے ہیں"۔ وہ لمحے بھر کو اپنی ساری اداسی بھلا کر مسکرا دی، اور اس کے ہاتھ سے شاپر لے کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

"ریان، ایسا کرو... یہ تم نکالو، ہم تب تک کپڑے چینج کر کے آتے ہیں"۔ وہ کچن میں پہنچ کر شاپر اس کے حوالے کی، پھر آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتی اوپر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

کمرے میں پہنچ کر اس نے وارڈروب کھولا، لباس نکالا، مگر ہاتھ چند لمحوں کے لیے وہیں ٹھہر گیا۔ کوئی خیال دل کے دروازے پر آکر رک گیا۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے موبائل اٹھایا۔ انگلیاں اسکرین پر چند لمحے رکی رہیں، پھر اس نے مختصر سا پیغام ٹائپ کیا۔

"تھینک یو"۔ اور سینڈ کر دیا۔ وہ جلدی سے لباس تبدیل کرنے چلی گئی۔ چند لمحے بعد واپس آئی تو بے اختیار موبائل اٹھالیا۔

اسکرین پر ایک نیا پیغام جگمگا رہا تھا۔ "اینی تھنگ فار یو" حدیر کے نمبر سے آیا ہوا یہ مختصر سا پیغام

ماہ گل کے چہرے پر ایک نرم سی مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"تو... آپ ہم سے ناراض نہیں ہیں؟"۔ اس نے فوراً سے ٹائپ کر کے بھیج دیا۔

Clubb of Quality Content

چند لمحے بعد جواب آیا۔ ”میں آکر بات کروں گا، ماہ گل“۔ پھر وہی جملہ... ماہ گل نے لب بھینچ لیے۔ دل میں ہلکی سی بیزاری سی ابھر آئی۔

”آپ کہاں گئے ہیں؟“۔ اس نے ایک اور پیغام بھیج دیا۔ پانچ منٹ تک وہ موبائل کو دیکھتی رہی ہر گزرتے لمحے کے ساتھ امید ذرا سی کم ہوتی گئی۔

مگر اس بار کوئی جواب نہ آیا۔ منہ کے زاویے بگاڑتی، ہلکی سی ناراضی اور ادھورے انتظار کو دل میں لیے، وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

”رشا آپی... ہم گاؤں جانا چاہتے ہیں“۔ ماہ گل نے آہستہ مگر ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

آج پھر تائی کے ہتک آمیز رویے نے اس کے دل کے نازک حصے کو زخمی کر دیا تھا۔ وہ بظاہر پر سکون کھڑی تھی، مگر آنکھوں کی نمی اور چہرے کی تھکن اس کے اندر اٹھنے والے طوفان کا پتہ دے رہی تھی۔

رشا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک لمحے کو فکر کی لہر دوڑ گئی۔

”گاؤں کیوں، ماہا؟ اور ابھی تو حدیر بھی نہیں ہے۔ نہ وہاں تمہارے اماں ابا ہوں گے... تم اکیلی کیسے جاؤ گی؟“۔ وہ فکر مندی سے اسے دیکھنے لگی۔

ماہ گل نے ایک گہری سانس لی۔ "بھابھی... ہم کچھ وقت کے لیے یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔ ہم ایک آزاد پنچھی کی طرح تھے کھلی فضا میں سانس لینے والے، ہریالی میں گھومنے والے، اپنے لوگوں کے درمیان ہنستے مسکراتے رہنے والے۔ پھر ہم یہاں آئے... بالکل انجان لوگوں کے درمیان۔ جن سے ہم نکاح کے بعد پہلی بار ملے۔ ہم نے پوری کوشش کی... اپنے ماحول سے بالکل مختلف اس جگہ میں خود کو ڈھالنے کی، ہر بات برداشت کرنے کی، ہر رویے کو مسکرا کر قبول کرنے کی۔ لیکن بھابھی... اب دادا سائیں اور ماما کی باتیں ہمیں تکلیف دینے لگی ہیں۔ ہر جملہ دل پر ایک بوجھ بن کر اترتا ہے"۔ اس کی آواز دھیرے دھیرے بھاری ہونے لگی تھی۔ آنکھوں میں جمع نمی اب صاف دکھائی دینے لگی۔

"ابا کی خالہ ہیں وہاں... ان کی نواسیاں ہماری سہیلیاں ہیں۔ ہم کچھ وقت ان کے پاس گزار آئیں گے۔ یوں بھی... سال ہونے کو آرہا ہے، ہم ان سے ملے نہیں"۔ یہ کہتے ہوئے ماہ گل کے چہرے پر ایک تھکی ہوئی سی مسکراہٹ ابھری۔ ان گزرے مہینوں میں شاید یہ پہلی بار تھا جب وہ اتنی کھل کر اپنی کیفیت بیان کر رہی تھی۔ وہ لڑکی، جو ہمیشہ اپنے دکھوں کو مسکراہٹوں کے پیچھے چھپا لیتی تھی، آج پہلی بار اپنے دل کا بوجھ لفظوں میں بہا رہی تھی۔ نرشا خاموشی سے اسے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دیکھتی رہی۔اس کے چہرے پر ہمدردی کی ایک نرم سی جھلک تھی۔وہ آہستہ سے آگے بڑھی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

”میں جانتی ہوں...ایک لڑکی کے لیے کتنا مشکل ہوتا ہے کسی دوسری جگہ،دوسرے ماحول میں خود کو ایڈجسٹ کرنا“۔اس نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔”میں تو بچپن سے اس گھر کو جانتی تھی،پھر بھی شادی کے بعد یہاں آکر مجھے بہت مشکل ہوئی تھی...اور سچ کہوں، اب تک ہورہی ہے۔پھر تم تو بالکل انجان لوگوں میں آئی ہو“۔

”تو پھر...ہمیں جانے دیں“۔ماہ گل کی آنکھوں میں نمی مزید گہری ہوگئی۔وہ چند لمحے خاموش رہی،پھر آہستہ سے بولی۔

”اچھا...میں ڈرائیور سے کہتی ہوں،وہ تمہیں چھوڑ آئے گا“۔رشنا نے ایک لمحے کو اسے غور سے دیکھا،پھر آہستہ سے سر ہلا دیا۔”اور سنو...مجھ سے رابطے میں رہنا۔اپنا بہت خیال رکھو گی“۔اب وہ واقعی ایک بڑی بہن کی طرح ہدایت دے رہی تھی فکرمند،نرم،اور محبت سے بھری ہوئی۔

ماہ گل کے ہونٹوں پر ایک نم سی مسکراہٹ آگئی۔

آنکھوں میں نمی جھلملانے لگی۔۔ ”آج ہمیں محسوس ہورہا ہے... ہمارے پاس بھی ایک بڑی بہن ہے“۔ وہ بھیگی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی“۔ رشنا کے چہرے پر شفقت بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آگے بڑھی اور نرمی سے اس کے بال سنوارنے لگی۔ ”چلو... اب اپنی چیزیں لے لو۔ اس وقت ماما آفس گئی ہوئی ہیں، تو تم آرام سے جاسکتی ہو“۔ رشنا کھڑی ہوتے ہوئے بولی۔ ماہ گل نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

حدیر سفید کمرے کے ایک کونے میں رکھے ٹو سیٹر صوفے پر بیٹھا خاموشی سے سفید پیشنٹ بیڈ پر سوئے وجود کو دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں ہلکی سی دواؤں کی مہک رچی ہوئی تھی۔ وہ کل سے یہیں موجود تھا۔ ایک لمحے کے لیے بھی کہیں نہیں گیا تھا۔ اس کی نگاہیں مسلسل اسی وجود پر ٹھہری ہوئی تھیں، مگر نہ آنکھیں تھک رہی تھیں نہ دل ہار ماننے کو تیار تھا۔

ان کی ذرا سی آہٹ پر وہ فوراً چونک کر ان کے قریب جا کھڑا ہوتا بے چین، مضطرب، دل میں دعاؤں کا ہجوم لیے حدیر رحمانی کے لیے ساری دنیا اب اسی کمرے میں سمٹ آئی تھی۔ باہر کی دنیا، اس کی مصروفیات، اس کے معمولات سب کچھ جیسے کہیں بہت دور رہ گیا تھا۔

وہ باقی دنیا کو بھلا کر اپنی اسی ایک دنیا میں گم ہو گیا تھا۔ جہاں صرف ایک وجود تھا اور اس وجود سے جڑی اس کی ساری سانسیں۔ اس وقت اٹھائیس سالہ حدیر رحمانی کسی مضبوط مرد کی طرح نہیں، بلکہ ایک ننھے بچے کی طرح محسوس ہو رہا تھا وہ بچہ جس کے دل کے کسی کونے میں یہ خوف چمٹ گیا ہو کہ کہیں اس کی ماں اسے ایک بار پھر چھوڑ نہ جائیں۔ یہ خیال اس کے دل کو اندر تک ہلا دیتا تھا۔ وہ انہیں اس بار جانے نہیں دے سکتا تھا۔ ہر گز نہیں۔ ایک بار پھر وہ اپنی زندگی کی سب سے قیمتی ہستی کو کھونے کا تصور بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے دل میں ماں کے لیے بے پناہ محبت، اور انہیں کھو دینے کا گہرا خوف ایک ساتھ موجزن تھا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

اس کے ذہن میں گزشتہ روز ماں سے کی گئی گفتگو بار بار تازہ ہو رہی تھی ہر لفظ، ہر جملہ، ہر نظر۔ وہ باتیں اس کے دل میں کسی قیمتی متاعِ حیات کی طرح محفوظ ہو گئی تھیں، جنہیں وہ بار بار یاد کرتا۔ بار بار اس منظر کو محسوس کرتا۔

اپنی پوری زندگی میں وہ کبھی اتنا نہیں گھبرایا تھا جتنا اس وقت گھبرا رہا تھا۔ اس ٹھنڈے موسم میں بھی اس کی پیشانی پر پسینے کی باریک بوندیں چمک رہی تھیں سانسیں ذرا بے ترتیب ہو گئی

تھیں، دل کی دھڑکن بے قابو سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ لرزتے ہاتھوں سے دروازے کے دھاتی ہینڈل کو تھام کر ں آہستگی سے دروازہ کھولتا ہوا

اندر داخل ہوا۔

کمرے میں ہلکی سی خاموشی تھی۔ بیڈ پر لیٹا ہوا کمزور سا وجود دروازہ کھلنے کی مدھم سی آواز پر آہستگی سے اپنی نظریں دروازے کی سمت موڑ گیا۔ نگاہیں ملیں اور وقت ایک لمحے کو ٹھہر سا گیا۔ وہ ساکت رہ گئیں۔ آنکھوں میں حیرت کی روشنی ابھری، اور اگلے ہی پل وہ روشنی نمی میں بدلنے لگی۔

حدیر رحمانی بھی دروازے کے قریب ہی ٹھہر گیا۔ قدم جیسے زمین سے جڑ گئے تھے۔ وہ انہیں دیکھ رہا تھا بے یقینی، محبت اور برسوں کی تڑپ لیے۔

ان کی حیرانی آہستہ آہستہ آنسوؤں میں ڈھل گئی۔

"ح_دی-ر..." ان کے لب کپکپائے۔ آواز کمزور تھی، مگر محبت سے لبریز۔ یہ ایک لفظ اس کے دل کے نہایت گہرے حصے میں اتر گیا۔ حدیر نے بے اختیار آنکھیں موند لیں۔ برسوں سے بے چین دل اچانک سکون سے بھر گیا تھا۔ وہ آواز جسے سننے کے لیے وہ اتنے سال تڑپتا رہا، بالآخر

اس کی سماعت تک پہنچ گئی تھی۔ دل کو قرار تو ملا، مگر سننے کی خواہش اور بڑھ گئی تھی۔ وہ اس آواز کو اپنے دل میں بھر لینا چاہتا تھا بار بار، بے انتہا۔

"میرا حدیر..."۔ وہ دوبارہ بولیں۔ ان کے لہجے میں برسوں کی جدائی کا درد بھی تھا، اور اچانک مل جانے کی خوشی بھی۔ حدیر نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں اور ان کی طرف بڑھ آیا۔

بیڈ کے قریب اس نے نرمی سے ان کے پاس پھول رکھے، پھر جھک کر ان کا نحیف سا ہاتھ اپنی ہتھیلی میں لے لیا۔ اس نے اس ہاتھ کو بے اختیار اپنے لبوں سے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو قطرہ قطرہ ان کے ہاتھ پر گرنے لگے۔

اپنے خوبرو، جوان بیٹے کو اس طرح روتا دیکھ کر ان کا دل تڑپ اٹھا۔ وہ کمزوری کے باوجود اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں، مگر حدیر فوراً سنبھل کر انہیں سہارا دیتے ہوئے نرمی سے بٹھا گیا۔

اگلے ہی لمحے انہوں نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیے اور اپنے لختِ جگر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اس بار حدیر خود کو روک نہ سکا۔ وہ کھل کر رو پڑا بالکل کسی ننھے بچے کی طرح۔ وہ بچہ جو میلے کی بھیڑ میں اپنی ماں سے بچھڑ جائے، اور دوبارہ ملنے پر ان کے آغوش میں چھپ کر دل بھر کر رونے لگے۔

وہ آہستگی سے اس کی پشت تھپتھپاتی رہیں، اس کے بالوں میں نرمی سے انگلیاں پھیرتی رہیں۔ خود ان کے رخسار بھی آنسوؤں سے بھیگ چکے تھے۔ برسوں بعد بیٹے کا لمس محسوس کر کے ان کا دل بھی بکھر رہا تھا، مگر وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھیں صرف اس لیے کہ ان کا بیٹا ان کی آغوش میں پھر سے سکون پا سکے۔

"مام..." وہ ذرا سا پیچھے ہوتے ہوئے انہیں پکارا بالکل ویسے ہی جیسے بچپن میں پکارا کرتا تھا۔ اس ایک لفظ میں برسوں کی دوری، اور بچپن کی ساری مانوس یادیں سمٹ آئی تھیں۔

"اتنی دیر لگا دی آنے میں؟"۔ وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگیں۔ آواز میں ہلکا سا شکوہ تھا، مگر لہجے میں ماں کی وہی پرانی شفقت بسی ہوئی تھی۔

حدیر کی آنکھوں میں نمی اور گہری ہو گئی۔

"میں آپ کو تلاش کرتا رہا... بہت تلاش کیا۔ لیکن آپ جانتی تھیں... آپ کو سب معلوم تھا۔ پھر آپ کیوں نہیں آئیں؟" اس نے ان کے شکوے کا جواب اپنے شکوے سے دیا۔ آواز میں دکھ کی دھیمی سی لرزش تھی، اور دل میں برسوں کی بے چینی کا بوجھ۔

"بھیجا تھا تو ماہ گل کو... تاکہ اس کے ذریعے تم مجھ تک پہنچ آؤ"۔ وہ نرمی سے اس کے ہاتھوں کو سہلاتے ہوئے بولیں۔

"اسے بغیر بتائے بھیجا...اور چاہتی تھیں کہ میں آپ تک پہنچ جاؤں؟ لیکن آپ خود اتنے سال مجھ سے دور رہیں"۔ وہ آہستگی سے شکوہ کر رہا تھا۔

"ناراض ہو مجھ سے؟"۔ وہ اس کی بھیگی آنکھوں کو اپنی نرم انگلیوں سے صاف کرتے ہوئے دھیرے سے بولیں۔

حدیر نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"جس ہستی سے ملنے کے لیے میں کئی ماہ سے پاگل ہوا پھر رہا ہوں...آپ کو لگتا ہے میں آپ سے ناراض ہو سکتا ہوں؟"۔ وہ شکایتی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں محبت بھی تھی اور برسوں کے سوال بھی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

وہ ہلکا سا مسکرا دیں۔ وہ ناراض نہیں تھا ہاں، اس کے دل میں شکوے بہت تھے۔ اور وہ شکوے حق بجانب بھی تھے۔

"تم مجھے بھول گئے تھے...یا میں اب بھی یاد تھی تمہیں؟" وہ اب دھیمی اداسی سے بولنے لگیں۔ ان کی انگلیاں اس کے چہرے پر آہستگی سے پھرنے لگیں۔ وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھیں اپنے بیٹے کو۔ وہ ہو بہو اپنے باپ کا عکس تھا۔ وہی مضبوط قد، وہی بھوری آنکھیں، وہی مانوس سی آواز۔ ان کی نگاہوں میں یادوں کی ہلکی سی نمی اتر آئی۔

"جب آپ ہم دونوں کو چھوڑ کر گئی تھیں..." وہ کہنا شروع ہوا۔

"چھوڑ کر نہیں... نکالا گیا تھا... چھوڑنے پر مجبور کی گئی تھیں"۔ وہ اداسی سے اسے ٹوک گئیں۔ بیٹے کی زبان سے یہ لفظ سننا ان کے دل کو چیر گیا تھا۔ مائیں اپنے بچوں کو نہیں چھوڑتیں۔ انہوں نے بھی اپنے بچوں کو نہیں چھوڑا تھا۔

"آئی ایم سوری..." احساس ہوتے ہی وہ فوراً بول اٹھا۔ آواز میں سچی ندامت تھی۔ وہ اسے دیکھتی رہ گئیں خاموش، بھیگی آنکھوں کے ساتھ۔ وہ بالکل اپنے باپ کی طرح تھا غلطی نہ ہونے پر بھی اپنے عزیز ترین لوگوں سے فوراً معافی مانگ لینے والا۔

اور پھر وہ آہستگی آہستگی انہیں سب کچھ بتاتا چلا گیا اپنے دل کی ساری باتیں، برسوں کی ساری کہانیاں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مام... میری مام کہاں ہیں؟"۔ چھ وہ ننھا سا بچہ روتے روتے پورا گھر سر پر اٹھا چکا تھا۔ چیخ چیخ کر اس کا گلا بیٹھنے لگا تھا، اور آنکھیں مسلسل بہتے آنسوؤں سے سوج گئی تھیں۔ اسے بس اپنی ماں چاہیے تھی، اپنی مام۔

"چپ ہو جاؤ! وہ چلی گئی ہے۔اب کبھی نہیں آئے گی"۔بشریٰ رحمانی اس کے مسلسل رونے پر جھنجھلا کر تنفر بھرے لہجے میں بولیں۔یہ الفاظ ننھے دل پر کسی تیز دھار وار کی طرح لگے۔

"مجھے...میری...ماما کے پاس جانا ہے"۔بچے کی ہچکیاں بندھ گئیں۔الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر لبوں سے نکل رہے تھے آنکھیں دروازے کی طرف جمی ہوئی تھیں شاید اگلے ہی لمحے اس کی ماما اندر آ جائیں۔مگر وہاں اسے سینے سے لگا کر چپ کروانے والی اس کی ماں موجود نہیں تھیں۔

وہ روتے روتے بخار میں مبتلا ہو گیا۔جسم تپنے لگا،ہونٹ خشک ہو گئے،اور آنکھوں میں مسلسل نمی تیرتی رہی۔پھوپھو آئیں تو اس ننھی جان کو فوراً اپنے سینے سے لگا لیا۔نرمی سے اس کے بال سہلائے،دوائی پلائی،اپنے ہاتھوں سے نوالے توڑ توڑ کر کھلائے۔مگر وہ اب بھی ایک ہی لفظ دہراتا رہا۔"ماما...ماما..."اس کی آواز کمزور ہوتی جا رہی تھی،مگر اس پکار میں ماں کی طلب ویسی ہی شدید تھی۔

چند دن بعد جب بچہ پھوپھو کی دیکھ بھال سے ذرا سنبھلا تو گھر میں ایک نیا فیصلہ سنایا گیا۔

"حدید کی پرورش تم کرو گی،بہو"۔دادا سائیں بشریٰ رحمانی کی طرف دیکھتے ہوئے دوٹوک انداز میں بولے۔آواز میں ایسی قطعیت تھی جس میں کسی انکار کی گنجائش نہ تھی۔

''ہر گز نہیں، بابا سائیں! میرا ان بچوں سے کوئی تعلق نہیں''۔ بشریٰ رحمانی ان کی بات سن کر فوراً بھڑک اٹھیں۔ لہجے میں ناگواری صاف جھلک رہی تھی۔

''میں نے تمہاری ساری باتیں مانی ہیں۔ اب تمہاری باری ہے میں دونوں بچوں کی بات نہیں کر رہا صرف حدیر کی۔ رشنا کے بارے میں تم جو چاہو فیصلہ کر لو، لیکن حدیر اس گھر سے کہیں نہیں جائے گا۔ وہ تمہارا بیٹا بن کر بڑا ہو گا''۔ دادا سائیں تحمل سے بول رہے تھے، مگر انداز میں ایسی مضبوطی تھی کہ وہ اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے والے نہیں تھے۔

آخر کار بشریٰ رحمانی کو ماننا پڑا۔ رشنا کو وہ کسی اور کے حوالے کرنے جا رہی تھیں، مگر پھوپھو فوراً آگے بڑھ کر اسے اپنی گود میں لے گئیں۔ دل تو ان کا حدیر کو لینے کا بھی تھا، مگر نہ جانے شہاب رحمانی کے دل میں کون سی ضد تھی کہ وہ حدیر کو اس گھر سے جانے دینے پر آمادہ نہ تھے۔

کچھ دن بعد جب حدیر پھر سے رونے لگا تو بشریٰ رحمانی اس کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔

''میں تمہاری ماما ہوں''۔ انہوں نے ناگواری دبائے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ حدیر نے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا اور فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

''نہیں... آپ میری ماما نہیں... میں... میری مام کو بلائیں'' وہ پھر سے زور زور سے رونے لگا۔

”وہ تمہاری چاچی تھیں جواب چلی گئی ہیں۔ میں تمہاری ماما ہوں“۔اس بار ان کا لہجہ ڈانٹنے والا تھا سخت، بے لچک۔ بچہ اس اچانک غصے پر سہم گیا۔ آنکھوں میں خوف اتر آیا، اور ہچکیاں لیتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ وہ فوراً تو اس رشتے کو قبول نہ کر پایا، مگر وقت کے ساتھ اس کے ذہن میں بار بار ایک ہی بات ڈالی جاتی رہی۔ آہستہ آہستہ اس نے انہیں 'ماما' تو کہنا سیکھ لیا، مگر دل کے اندر جو خلا پیدا ہوا تھا وہ کبھی پُر نہ ہو سکا۔

وہ بڑا ہوتا گیا، اور وہ خالی پن اس کے اندر اور گہرا ہوتا چلا گیا۔ بشریٰ رحمانی نہ کبھی اسے وہ محبت دے پائیں نہ وہ شفقت جس کی ایک بچے کو ضرورت ہوتی ہے۔ اور حدیر یہ کمی ہر روز شدت سے محسوس کرتا رہا۔ کھانے کے وقت بچپن سے ایک عادت بن گئی تھی وہ اس کے ہاتھ سے گوشت یا چکن نکال لیتیں اور اس کے سامنے سبزی کی پلیٹ رکھ دیتیں۔ ان کی سخت آواز ہی کافی ہوتی تھی۔ اور وہ بچپن ہی سے اس معاملے میں ڈھیٹ سا ہو گیا تھا۔ بغیر کوئی چون چراں کیے چپ چاپ وہی سبزی کھا لیتا جو اس کے لیے بنائی جاتی۔ آہستہ آہستہ گھر کے سب لوگ اسے ویجیٹیرین سمجھنے لگے۔

وہ ان سب باتوں کو، کھانے کی بات حذف کر کے، خاموشی سے بیان کرتا چلا گیا اپنی زندگی کے وہ زخم جو برسوں سے اس کے دل میں چپ چاپ سانس لے رہے تھے۔

"ان لوگوں نے مجھے تمہارے دل ودماغ سے مٹانے کی کوشش کی...اور تم..."ان کی آواز دھیرے دھیرے لرزنے لگی۔الفاظ جیسے لبوں پر آکر بوجھل ہو گئے تھے۔۔آنکھوں میں برسوں کا دکھ،اور دل میں ایک ماں کی بے بسی سمٹ آئی تھی۔

"اور میں آپ کو بھلا نہیں سکا..."۔حدیر نے نہایت نرمی سے ان کی بات اچکتے ہوئے کہا۔ ان کے ہاتھ اس کے ہاتھوں میں محفوظ تھے،۔اور اس کی انگلیوں کی گرفت میں۔ایک انجانی سی یقین دہانی تھی کہ وہ اب کبھی انہیں کھونے نہیں دے گا۔

"میں بہادری نہیں دکھا سکی،حدیر..."وہ افسردہ لہجے میں بولیں۔آنکھوں کے کناروں پر نمی لرزنے لگی تھی۔"مجھے اس وقت وہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جانا زیادہ بہتر لگا۔میں تم لوگوں کے لیے کوئی مضبوط قدم نہیں اٹھا سکی... کوئی اسٹینڈ نہیں لے سکی۔وہاں سے نکلتے وقت مجھے خود نہیں معلوم تھا میں کہاں جاؤں گی... کہاں رہوں گی... کس در پر پناہ ملے گی۔میں تم دونوں کو اپنے ساتھ لے کر در در کی ٹھوکریں کھاتے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔اور وہاں رہ کر تم دونوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے تڑپتا ہوا بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔وہ بہت جنونی ہو رہی تھی...بہت خطرناک۔میں بہت سر گئی تھی،حدیر۔مجھے خوف تھا کہ وہ اپنے پاگل پن میں تم دونوں کو نقصان نہ پہنچا دے۔میں...میں تم دونوں کو ان لوگوں کے درمیان اکیلا

چھوڑنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ مجھے معاف کر دو، میرے بیٹے... میں وہ بیٹی تھی جس کا کوئی میکانہ تھا کہ شوہر کی وفات بچوں کے ساتھ وہاں جا سکتی''۔ آخری لفظ ادا کرتے ہوئے ان کی آواز مکمل طور پر بکھر گئی۔ آنکھوں میں وہی پرانا درد دوبارہ زندہ ہوا تھا وہ درد جسے انہوں نے برسوں پہلے تنہا جھیلا تھا۔

حدیر کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے فوراً ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا، جیسے وہ اس لمحے ان کے سارے زخم اپنے حصے میں لے لینا چاہتا تھا۔

''آپ جانتی ہیں...'' وہ دھیرے سے بولا۔ آواز میں عجیب سی ٹھہراؤ بھری نرمی تھی۔ ''اگر آپ کی غلطی ہوتی بھی...

تب بھی میں آپ سے ناراض نہیں ہوتا۔ مجھے اس وقت اگر کسی چیز سے مطلب ہے تو وہ صرف آپ ہیں۔ میں پرانی باتوں میں آج کے اس قیمتی لمحے کو ضائع نہیں کر سکتا مجھے... مجھے میری ماں بہت یاد آئی ہے۔ اور اب میں آپ سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں...'' وہ بالکل کسی معصوم بچے کی طرح ان کا ہاتھ تھامے بول رہا تھا۔ اس کے لہجے میں برسوں کی محرومی تھی۔

وہ اسے نم آنکھوں سے دیکھتی رہیں اپنے بیٹے کو، اپنی زندگی کے سب سے قیمتی حصے کو۔

ناولز کلب
Clubb for Quality Content

"تم جانتے ہو؟"۔ انہوں نے آہستگی سے کہا۔ "تم بالکل اپنے باپ کی طرح ہو۔ وہ بھی ایسے ہی نرم مزاج تھے... ہر حال میں مثبت پہلو تلاش کرنے والے۔ وہ کبھی مجھ سے ناراض نہیں ہوئے۔ کبھی شکوہ نہیں کیا۔ اور آج تمہیں دیکھ کر مجھے یوں لگتا ہے جیسے وہی میرے سامنے کھڑے ہوں۔ تم... تم بالکل ان کا عکس ہو، حدیر" ان کی آواز محبت اور یادوں کی نمی میں ڈوب گئی۔

"بابا اتنی جلدی کیوں چلے گئے، مام؟ ہم کیوں ایک فیملی کی طرح نہیں رہ سکے؟ نہ بابا تھے... نہ آپ... نہ میری بہن ہم سب کیوں بکھر گئے؟" اس کے لبوں سے نکلنے والا ہر سوال صرف ایک جملہ نہیں تھا بلکہ برسوں سے دل میں دبے ہوئے اس خلا، اس تنہائی، اور اس محرومی کی آواز تھا جو بچپن سے لے کر آج تک اس کے اندر خاموشی سے پلتی رہی تھی۔

وہ چند لمحے خاموش رہیں۔ ان کی آنکھوں میں یادوں کی ایک دھند سی اتر آئی۔

"بس... شاید یہی ہماری قسمت میں لکھا تھا" انہوں نے گہری سانس بھری۔ آواز میں تھکن بھی تھی اور تقدیر کے آگے بے اختیاری کا اعتراف بھی۔ پھر اچانک ان کے لہجے میں ہلکی سی امید کی روشنی جھلکنے لگی۔ "اور اب تو تم مجھے مل گئے ہو۔ میں جلد پاکستان واپس آجاؤں گی... پھر تم رشنا کو بھی لے آنا۔ میں، تم... اور رشنا ہم سب ایک بار پھر ساتھ رہیں گے"۔ وہ کہتے ہوئے اس

کے چہرے کے تاثرات کو بغور دیکھ رہی تھیں جیسے دل میں کسی انجانے خدشے کی ہلکی سی پرچھائیں موجود ہو۔

"اور جانتے ہو؟ تمہارے انکل بھی بہت اچھے ہیں۔ وہ بھی بہت نرم دل کے مالک ہیں" ان کے لہجے میں ایک محتاط سی خوشی تھی، مگر آنکھوں میں بیٹے کے ردِ عمل کا انتظار۔

"جانتا ہوں... وہ اچھے ہیں"۔ حدیر نے آہستگی سے جواب دیا۔ آواز میں احترام بھی تھا اور ایک پختہ سمجھداری بھی۔

وہ چند لمحے خاموش رہیں، پھر جیسے دل کا ایک بوجھ لبوں تک آ گیا۔

"تم ناراض تو نہیں... کہ میں نے دوسری شادی کر لی؟" انہوں نے دھیرے سے پوچھا۔ آواز میں ہلکی سی جھجھک تھی، اور دل میں بیٹے کو کھو دینے کا اندیشہ۔

حدیر نے فوراً ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا نہایت احترام اور محبت کے ساتھ۔

"نہیں، مام..." اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "یقیناً کوئی نہ کوئی وجہ رہی ہو گی۔ اور یہ آپ کا حق تھا۔ میں کیوں ناراض ہوں گا؟"۔ یہ کہتے ہوئے وہ جھک کر ان کے ہاتھ پر آہستگی سے بوسہ دے گیا۔ اس ایک لمس میں محبت بھی تھی، قبولیت بھی، اور برسوں کی جدائی کے بعد ماں کو مل جانے کی شکر گزاری بھی۔

ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔دل جیسے بھر آیا تھا۔وہ بار عقیدت سے ان کے ہاتھ چومتا انہیں نہال کر رہا تھا۔

”حدیر...میری ساری تکلیفوں کا صلہ مجھے تم جیسے فرمانبردار بیٹے کی صورت میں مل گیا ہے“۔

”ماہا...تو؟“۔شاہینہ نے اسے اپنے گھر کی دہلیز پر کھڑے دیکھا تو اس کے چہرے پر خوشگوار حیرت پھیل گئی۔

اگلے ہی لمحے وہ بے اختیار بھاگتی ہوئی اس کی طرف آئی

اور اسے زور سے گلے لگالیا۔

”ہم ہی ہیں،شاہینہ...“اس کے بے یقین تاثرات دیکھ کر ماہ گل ہلکے سے ہنستے ہوئے بولی۔

اس کی ہنسی میں تھکن بھی تھی اور اپنوں کو دیکھ لینے کی ایک نرم سی راحت بھی۔

”اماں...اماں!دیکھو،ماہا آئی ہے“۔شاہینہ وہیں کھڑی زور زور سے پکارنے لگی۔

Clubb of Quality Content

اندر باورچی خانے کی طرف سے چولہے پر جلتی لکڑیوں کی ہلکی سی خوشبو آرہی تھی۔ برتنوں کی مدھم سی کھنک سنائی دی اور اگلے ہی لمحے خالہ جلدی جلدی قدم اٹھاتی باہر آگئیں۔ چہرے پر بے ساختہ خوشی، آنکھوں میں اپنائیت کی چمک۔

"ہائے میری بیٹی آگئی"۔ وہ نہال ہوتی ہوئی بولیں اور آگے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگالیا۔

پھر اچانک انہوں نے شاہینہ کی طرف دیکھا اور ہلکے سے جھڑک دیا۔ "اور تو کیا اسے دہلیز پر ہی کھڑا رکھے گی؟

اندر بھی لے آئے گی یا ساری باتیں یہیں کھڑے کھڑے ہی کرے گی؟"۔

"آؤ ماہا، اندر آؤ..." شاہینہ فوراً راستہ چھوڑتے ہوئے ہنس پڑی۔

خالہ نے اس کا ہاتھ تھاما اور اسے صحن سے گزار کر اندر لے چلیں۔ صحن کے ایک کونے میں مٹی کا گھڑا رکھا تھا، جس کے گرد پانی کے چھینٹے پڑے تھے۔

رسی پر دھلے ہوئے کپڑے دھوپ میں سوکھ رہے تھے، اور دور کہیں مرغیوں کی ہلکی ہلکی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ گھر کی ہر چیز اسے برسوں پرانی یادوں کی طرف لے جا رہی تھی۔۔

"اور سناؤ... اکیلی آئی ہو؟ تمہارا شوہر نہیں آیا ساتھ؟"۔ چلتے چلتے خالہ نے حسبِ عادت وہی پہلا سوال پوچھ لیا جو ہر ماں، خالہ یا پھوپھی کے دل میں آتا ہے۔

ماہ گل نے ایک لمحے کو اپنی اندر کی کیفیت چھپانے کی کوشش کی، پھر سادہ لہجے میں جواب دیا۔

"وہ ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں..." اس نے بات مختصر رکھی، مگر آنکھوں میں ہلکی سی تھکن اور اداسی چپکے سے جھلک گئی۔

"شادی کے اتنے مہینوں بعد آئی ہو اور وہ بھی شوہر کے بغیر..." خالہ بیٹھک میں داخل ہوتے ہوئے ہلکے شکوے کے انداز میں بولنے لگیں۔

"خالہ، اب کیا بیٹی کو گھر آنے کے لیے شوہر کو ساتھ لانا ضروری ہے؟"۔ ماہ گل نے مسکراتے ہوئے الٹا سوال کر دیا۔ آواز میں ہلکی سی شرارت تھی اور اپنے پن کا بے تکلف انداز بھی۔ خالہ نے فوراً جواب دیا۔

"بیٹی تو ہزار بار آئے، یہ تو اس کا اپنا گھر ہے۔ لیکن شوہر کے ساتھ آئے تو دل کو اور زیادہ اچھا لگتا ہے۔ اور تو آئی بھی ہے پہلی پہلی بار... کتنا بلایا تجھے، اور اب جا کر نظر آئی ہے"۔ وہ نیچے بچھے

نرم گدوں پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔ جن پر رنگ برنگی چادریں بچھی تھیں اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے گاؤں تکیے رکھے تھے۔

"ارے، شاہی! تو یہاں کہاں بیٹھ رہی؟ پہلے جا بہن کے لیے کچھ چائے پانی تو لا۔ اتنے دن بعد آئی ہے" شاہینہ بھی وہیں پاس بیٹھنے لگی تھی کہ خالہ نے فوراً ٹوک دیا۔

شاہینہ نے منہ بنایا اور باورچی خانہ کی طرف بڑھ گئی۔

اتنے دن بعد سہیلی آئی ہے، اور اماں ہیں کہ بیٹھنے بھی نہیں دے رہیں۔

"بس خالہ... وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ ابھی وہ یہاں نہیں ہیں، تو آپ لوگوں کی یاد بہت ستانے لگی... اسی لیے چلے آئے۔

ایک دو دن رکیں گے یہاں..." ماہ گل نے دھیمے، ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کی آواز میں وہی پرانی نرمی تھی، مگر اب اس نرمی کے پیچھے زندگی کے کچھ نئے تجربوں کی تھکن بھی چھپی تھی۔

خالہ اسے بڑی گہری نظر سے دیکھنے لگیں۔ ان کی آنکھوں میں ایک انجانی سی خوشی بھی تھی اور دل میں ابھرتا ہوا اشتیاق بھی۔

"ایسا کیا دیکھ رہی ہیں؟"۔ ماہ گل کی نظر جب ان پر پڑی

تو وہ ہلکی سی چونک گئی۔

خالہ مسکرادیں۔ ”میں یہ دیکھ رہی ہوں...“ وہ آہستگی سے بولیں۔ ”جو شوخ لہجے میں بولنے والی، لاابالی سی ماہا ہوا کرتی تھی نا...اب کتنی ٹھہری ہوئی، کتنی سمجھدار لگنے لگی ہے“۔ان کے لہجے میں سچی تعریف تھی۔

ماہ گل چند لمحے خاموش رہی۔اس کی نظریں نیچے جھک گئیں۔ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر آنکھوں میں ایک انجانی سی نمی اتر آئی۔

”خالہ...“ وہ آہستگی سے بولی۔ ”یہ سفر شاید ایسا ہی ہوتا ہے...شوخ لہجوں کو بدل دیتا ہے“۔

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔دل میں بہت کچھ تھا، مگر لفظوں میں ڈھل نہ سکا۔وہ کچھ اور کہنا چاہتی تھی... مگر لفظ جیسے اندر ہی کہیں ٹھہر گئے۔دل کے کونے میں کوئی بات تھی جو باہر آتے آتے رک گئی۔

خالہ نے اس کی بات کا مطلب مکمل طور پر نہ سمجھا،

بس ہلکے سے سر ہلا دیا۔

”ہاں...شادی کے بعد لڑکیوں میں سمجھداری آ ہی جاتی ہے“۔وہ سادہ سے انداز میں بولیں اور اپنی بات کو عام زندگی کے تجربے میں لپیٹ دیا۔

اسی دوران شاہینہ موسم کی مناسبت سے گرم قہوہ، گاجر کا حلوہ بسکٹ اور نمکو لے کر آ گئی۔

خالہ نے آہستگی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''تم دونوں بیٹھو، باتیں کرو... میں ذرا دوپہر کا کھانا دیکھ لوں...'' اور وہ آنگن کے کچے فرش پر اپنی چادر سنبھالتی ہوئی اندر چلی گئیں۔

''کہا تھا نا تجھ سے... دولہا بھائی کے ملتے ہی تو بے وفا ہو جائے گی۔ سال ہونے کو آ رہا ہے، اب آئی ہے۔ اب بھی نہ آتی، تو دو چار بچے ہو جاتے پھر آتی''۔ ماہا کے برابر میں وہ ''دھپ'' سے آ بیٹھی تھی۔ انداز وہی پرانا سا بے فکری، شوخی اور زبان کی تیزی کے ساتھ۔ ماہ گل نے فوراً گردن موڑ کر اسے گھورا۔

''چپ کر، شاہی''۔ وہ خفگی سے بولی، مگر اس خفگی کے پیچھے ہلکی سی جھینپ بھی چھپی تھی۔ اس کے گال نا جانے کیوں ہلکے سے تپنے لگے۔

شاہینہ نے فوراً آنکھیں پھیلائیں۔ ''اچھا یہ بتا... دولہا بھائی کیسے ہیں؟''۔ اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''پہلے یہ 'دولہا بھائی' کہنا بند کر...'' ماہا نے فوراً ٹوکا۔ ''وہ صرف شادی کے دن دولہا تھے ان کا نام حدیر ہے۔ حدیر بھائی بول''۔

شاہینہ نے آنکھیں گھما دیں۔

"واہ واہ واہ... شہر جا کر ماہا بی بی کے انداز و اطوار ہی بدل گئے ہیں۔ بھول رہی ہے کہ یہاں سب بہنوئی کو دولہا بھائی ہی کہتے ہیں"۔ وہ بسکٹ کا ایک ٹکڑا اٹھا کر بے فکری سے منہ میں ڈالتی ہوئی بولی۔

"ہمیں شروع سے پسند نہیں یہ لفظ... سمجھی؟"۔اس نے خفگی سے کہا۔

شاہینہ نے شرارت سے اسے دیکھا، پھر گاجر کے حلوے کی پلیٹ اس کے سامنے رکھ دی۔

"اچھا چھوڑ یہ سب... یہ بتا وہ کیسے ہیں؟ اور یہ کھا کیوں نہیں رہی؟ پہلے گاجر کا حلوہ دیکھا نہیں شروع ہو جاتی تھی"۔ماہا کے ہاتھ میں چمچ پکڑا کر اس نے نرمی سے اسے کھانے پر مجبور کیا۔

"اچھے ہیں" ماہا نے چمچ میں حلقہ لیتی جیسے ہی منہ کے قریب لے گئی شاہینہ کی تیز آواز پر رکنا پڑا۔

"بس اچھے؟"۔ وہ صدمے سے چیخی۔ ماہا نے اسے گھورا۔

"نہیں تو کیا؟ پورا دیوان سنائیں؟"۔ وہ بگڑتے ہوئے بولی۔

"سنا دے"۔ شاہینہ فوراً شرارت سے مسکرائی۔

Clubb of Quality Content

"ہم تجھ سے بہت ضروری بات کرنے آئے ہیں"۔ پلیٹ دستر خوان پر رکھتے ہوئے ماہ گل نے سنجیدگی سے کہا۔ کمرے کی فضا جیسے ایک دم بدل گئی۔ گرم چائے کی خوشبو، برتنوں کی ہلکی سی کھنک... سب پیچھے رہ گیا۔ صرف اس کے لہجے کی سنجیدگی رہ گئی تھی۔

"سب ٹھیک ہے نا، ماہا؟"۔ شاہینہ فوراً چونکی۔ اس کے لبوں سے مسکراہٹ سمٹی۔

ماہ گل نے ایک لمحہ اسے دیکھا، پھر دھیرے سے پوچھا۔ "تو جانتی ہے ابا نے ہماری شادی اتنی عجلت میں کیوں کی تھی؟"۔ اس نے آواز کو اتنا دھیما رکھا کہ کہیں باہر خالہ تک یہ بات نہ پہنچ جائے۔ مگر اس کے اندر بے چینی کی ایک لہر واضح تھی۔

"ہسپتال جانا تھا انہیں... تجھے اکیلا یہاں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اس لیے" شاہینہ نے پل بھر سوچ کر جواب دیا۔

ماہ گل کی آنکھیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

"اور کوئی وجہ؟"۔ اس کی آواز اور نرم مگر زیادہ تیز ہو گئی۔ "دیکھ شاہی... ہم سے جھوٹ مت بولنا"۔

"اور کیا وجہ ہو گی؟"۔ اس نے نظریں چرا لیں۔

ماہ گل کے چہرے پر ایک لمحے میں تبدیلی آئی سنجیدگی کی ایک سرد تہہ اتر آئی۔

Clubb of Quality Content

''شاہی...''اس نے آہستہ مگر واضح لہجے میں کہا۔''ہم نے کہا نا جھوٹ نہیں''۔

اس کے اس انداز پر شاہینہ ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی۔

یہ وہ ماہا نہیں تھی جو ہنستی تھی، چمکتی تھی، ہر بات پر شرارت سے پلٹ جاتی تھی...یہ کوئی اور ہی خاموش سا روپ تھا جس میں جذبات اندر ہی کہیں بند تھے۔ایسی سنجیدگی تو ماہا کی کبھی نہیں دیکھی تھی۔

شاہینہ نے آہستہ سانس لیا، پھر حقیقت بتاتے ہوئے بولی۔

''تیری شادی کے کچھ دن بعد پتا چلا تھا...ملک تیرے ابا تجھے واپس لے جانا چاہتے تھے۔وہ ماموں مامی کو تنگ کر رہے تھے۔تب ہی تیری شادی کا فیصلہ لیا گیا تھا''۔کمرے میں جیسے وقت تھم گیا۔

ماہا نے پلک بھی نہیں جھپکی۔بس ایک لمبا سا سناٹا اس کی آنکھوں میں اتر گیا۔

''تو...''اس کی آواز بہت دھیمی، بہت گہری ہو گئی۔''ہمیں اس سے بچانے کے لیے...تم لوگوں نے حدیر کے دادا کے سامنے ہاتھ پھیلا دیا؟''۔س کے لفظوں میں حیرت سے زیادہ تلخی تھی۔

Clubb of Quality Content!

شاہینہ فوراً آگے ہوئی۔ ''سن ماہا... تمہیں لے جانے سے روکنے کا بس ایک ہی راستہ تھا۔ وہ یہ کہ تمہاری شادی کر دی جاتی''۔

''وہ یہاں آ کر باپ ہونے کا دعویٰ کر کے تمہیں لے جا سکتا تھا... مگر تمہیں تمہارے شوہر سے نہیں لے جا سکتا تھا''۔ شاہینہ اسے حقیقت بتا رہی تھی۔

ماہا نے پلکیں جھکا لیں۔ کچھ نہ بولی۔ بس خاموش بیٹھی رہی۔

''کچھ ہوا ہے کیا ماہا؟'' شاہینہ نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا، اس کی آواز میں فکر کی ہلکی سی لرزش تھی۔

ماہ گل نے ایک لمحہ اسے دیکھا... پھر آہستہ سے ہاتھ چھڑا لیا۔

''کچھ نہیں... بہت کچھ''۔ اس کے لہجے میں وہ ٹوٹا ہوا سا سکوت تھا جو الفاظ سے زیادہ بھاری لگتا ہے۔

''ہمیں طعنہ دیا گیا ہے شاہی...'' اس کی آواز اچانک بھر آئی، برسوں کا دباؤ ایک ہی سانس میں باہر آ گیا۔ ''کہ یہ رشتہ ایک احسان کا بدلہ ہے۔ ہمارے ابا نے ایک احسان کیا تھا... اور وقت آنے پر اس کا بدلہ لے لیا'' وہ رکنے کے بجائے بولتی چلی گئی' دل کے بند دروازے ایک دم کھل

گئے، اور اندر چھپی سب باتیں باہر بہنے لگی۔ وہ شروع دن سے لے کر سب بتاتی چلی گئی۔ شاہینہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی، اس کی انگلیاں اب بھی ماہ گل کے ہاتھ کے گرد تھیں۔

''حدیر مامی کا بیٹا ہے، ماہا...'' شاہینہ اس کی ساری بات سن کر نرمی سے بولی۔ ''وہ تمہیں کبھی نہیں چھوڑے گا''۔ شاہینہ ماہ گل کے لہجے میں خدشے بھانپ گئی تھی۔

''تم سب جانتے تھے... بس ہمیں بے خبر رکھا''۔ ماہ گل نے اس کی طرف دیکھا، مگر اس بار آنکھوں میں شکوہ تھا۔

''میری جان مجھے بھی تیری شادی کے بعد پتا چلا تھا... اور تو خود بھی نہ آئی، نہ کوئی رابطہ رکھا... تو بتا میں کیسے بتاتی تجھے؟''۔ شاہینہ نے آہستہ سے اس کی ٹھوڑی تھام لی۔

ماہا خاموش ہو گئی۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔

''بس اب اتنا مسکا نہ لگا... تین چار دن یہی ہوں، خوب خدمتیں کرواؤں گی''۔ پھر اچانک وہ ہلکی سی خفگی کے ساتھ بولی۔

''بالکل کریں گے''۔ شاہینہ ہنسی۔ اور اس بار گرمیوں میں کیریاں میں اکیلے توڑی... کہا بھی تھا شوہر کے ساتھ آنا لیکن تو آئی نہیں''۔ یکدم یاد آتے ہی شاہینہ شکوہ کی

ماہانے گہرا سانس لیا۔ ”وہاں کے معاملات سے سنبھلتی تو آتی نا...“اس کی آواز میں اب وہی پرانا سادرد اور تھکن دونوں تھے۔

”تجھے دیکھ کر تو لگ رہا ہے شادی ہی نہ کروں۔ کیسی بوڑھی روح بن گئی ہے“۔ شاہینہ نے اسے اوپر سے نیچے دیکھا، پھر ڈرامائی انداز میں جھرجھری لی۔

”چپ کر“۔ ماہانے فوراً اس کے بازو پر ہلکی سی دھپ لگائی، ”چھ ماہ بعد شادی ہے تیری، خالہ نے سن لیا تو پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے“۔ ماہ گل آنکھیں دکھائی۔

”آہ“ شاہینہ نے بازو سہلاتے ہوئے گھورا۔ ”بلاوجہ ہی کہا تھا بدل گئی ہے...ہاتھ تیرے اب بھی ویسے ہی چلتے ہیں“۔ یہ کہتے ہی وہ مصنوعی خفگی سے اسے گھورنے لگی۔ اور اگلے ہی لمحے...ماہ گل کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”ہم نے تجھے بہت یاد کیا، شاہی...“ ماہ گل بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی، آواز گلوگیر ہو گئی۔

شاہینہ نے فوراً مصنوعی خفگی سے اسے ہلکا سا پیچھے دھکا دیا۔

”چل جھوٹی...سامنے دیکھ کر دکھاوے کی ضرورت نہیں“۔ مگر اس کے لہجے میں وہی پرانی محبت چھپی تھی۔

ماہانے اسے چھوڑا نہیں، اور زیادہ مضبوطی سے تھام لیا۔

Clubb of Quality Content

"ماہا..."شاہینہ کی آواز نرم ہوگئی۔"" تئیس برس کا ساتھ ہے ہمارا۔ کسی اور رشتے کو جگہ دیتے ہوئے ہمیں مت بھولنا...ہفتہ نہ سہی، مہینے میں ایک بار ضرور ملنے آنا"۔ وہ اس کے کندھے پر سر ٹکاتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

"بچپن کی یادیں...اور لڑکپن کی شرارتیں...انہیں کبھی مت بھولنا۔ میں تیرا بچپن ہوں، تو میری تو پھر ہم کیسے بھول جائیں؟ ہمیں تو بوڑھاپا بھی ساتھ ہی بنانا ہے"۔ آخری لفظوں میں اس کی آواز ہلکی سی بھیگ گئی۔

ماہا نے آنکھیں بند کر لیں۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے تو..." ماہ گل نے آہستہ سے کہا، اس کی آواز بھی نرم ہوگئی تھی۔"یہ مہینوں کی نہیں...سالوں کی دوستی ہے۔ اسے ہم یوں نہیں بھلا سکتے"۔ آنکھوں میں نمی صاف جھلکنے لگی۔" نئے رشتوں کو جگہ دیتے ہوئے...پرانے رشتوں کو زندگی سے نکالنا نہیں چاہیے"۔

حدیرا ابھی انہی خیالوں میں گم تھا کہ ماں کے وجود میں ہلکی سی جنبش ہوئی تو وہ فوراً چونک کر حال میں واپس آگیا۔ لمحہ بھر ضائع کیے بغیر وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھا اور نرمی سے سہارا دے کر انہیں بٹھا دیا۔

''کچھ چاہیے، مام؟''اس کی آواز میں غیر معمولی نرمی تھی۔ کل سے اب تک وہ ان کا خیال ایک ننھے بچے کی طرح رکھ رہا تھا۔ ہر آہٹ پر چونک کر ان کے پاس پہنچ جانا، ہر سانس پر نگاہ رکھنا۔ وہ بار بار کہہ کر تھک چکی تھیں کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں، مگر وہ تھا کہ ایک لمحہ بھی غفلت برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ رات بھی انہی کے پہلو میں جاگ کر گزاری تھی۔ سلطان صاحب کے رشتے دار کے گھر جانے سے بھی انکار کر دیا تھا، اور ہوٹل جانے کا خیال تک دل میں نہ لایا۔

''پانی...''وہ اسے محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولیں۔ اس نے فوراً میز سے گلاس اٹھایا، پانی انڈیلا اور بڑے احتیاط سے ان کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''یہ لیں''۔ پھر گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے نرمی سے کہا۔''آپ کے لنچ کا وقت بھی ہو گیا ہے، میں نرس کو بلا کر لاتا ہوں''۔

''ایک ہی دن میں وقت بھی حفظ کر لیا؟''وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

''میں آپ کی کسی بھی چیز میں کوتاہی نہیں کر سکتا، مام''۔ وہ سنجیدہ سا ہو گیا۔

وہ بے اختیار مسکرا دیں، مگر اس مسکراہٹ میں ممتا کی تھکن بھی گھلی ہوئی تھی۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور نرس اندر داخل ہوئی، ہاتھ میں لنچ ٹرے تھی۔

''You can go, I'll manage''۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حدیر نے ٹرے لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ نرس نے ایک پل کو دونوں کو دیکھا، پھر کچھ حیرانی سے حدیر کی طرف دیکھا۔ مختصر سا توقف کیا، پھر ٹرے اس کے حوالے کر کے باہر نکل گئی۔

گزشتہ رات کی ڈیوٹی والی نرس اسے دیکھ کر مسکرا دے رہی تھی اس کی بے لوث توجہ اور بے چین سی خدمت گزاری پر۔

وہ اب کرسی بیڈ کے قریب کھینچ کر بیٹھ گیا۔ احتیاط سے سوپ کا چمچ اٹھایا اور ماں کے لبوں تک لے آیا۔ کمرے میں ہسپتال کی مدھم سی خاموشی تھی، سفید روشنی دیواروں پر بکھری ہوئی تھی۔

"میری بیٹی کیسی ہے، حدیر؟" وہ کچھ اداسی سے پوچھنے لگیں۔ ماہ گل واقعی خفا تھی اور بہت زیادہ خفا تھی۔ کافی عرصے سے ان سے دور بھی تھی۔

"کون سی والی بیٹی کا پوچھ رہی ہیں؟"۔ اس نے ہلکے سے ابھتے ہوئے کہا۔

"میری ماہا..." ان کی آنکھیں نمی سے بھر آئیں۔

یہ نام سنتے ہی اس کے چہرے پر ایک نرم سی جنبش آئی، مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"ٹھیک ہے..." وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔ "مگر آپ کی بیٹی زبان بہت چلاتی ہے"۔

"میری بیٹی صرف وہاں بولتی ہے جہاں بولنا چاہیے"۔ وہ ہنس دیں۔

"دوبدو جواب دیتی ہے، بالکل بے خوف ہو کر"۔ حدیر نے فوراً اگلا تیر چلایا

"تو پھر تم اسے تنگ کرو گے تو وہ جواب دے گی نا" انہوں نے فوراً اس کا دفاع کیا۔

"آپ ہمیشہ اس کی طرف داری کریں گی"۔ حدیر نے بھنویں اٹھا کر انہیں دیکھا، خفگی کا ایک مصنوعی سا رنگ چہرے پر آ گیا۔

"بالکل اور تمہیں ڈانٹوں گی بھی اگر میری بیٹی کو ذرا سا تنگ بھی کیا تو"۔

"آپ کی بیٹی کے لیے تو میں ایسے ہزار ڈانٹ سن سکتا ہوں"۔ وہ مزے سے بولا۔

"تو مطلب تم اسے تنگ کرنا نہیں چھوڑو گے؟" وہ خفگی سے دیکھنے لگیں۔

"اسے تنگ کرنے کا بھی اپنا مزا ہے۔ لیکن پھر بھی آپ کی بیٹی زیادہ تنگ کرتی ہے"۔ لبوں پر نرم سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں اس کا عکس اتر آیا تھا۔

"تو تم اب میری بیٹی سے تنگ ہونے لگے ہو؟"۔ وہ اسے گھورتی ہوئی مصنوعی غصہ دکھانے لگی۔ بیٹے کو محبت میں مبتلا دیکھ کر ان کا دل اندر تک شاد ہوا تھا۔

"ہونے لگا ہوں اور اس سے تنگ ہونے کے لیے میں اپنا آپ اس پر ہار چکا ہوں"۔ وہ بھاری ہوتے لہجے میں محبت کا اعتراف سا کر گیا۔

"یہ بات میری بیٹی سے کہوتا کہ اسے بھی سکون آئے"۔وہ شرارت سے مسکرائی۔حدیر چونکتا ہوا جھینپ گیا۔وہ انہیں یوں شرماتا ہوا بہت پیارا لگا۔

"ویسے اس کا اچھا ہے ساس ایسی ملی جو ساس کم ماں زیادہ ہے۔آپ تو ہمیشہ اس کی سائیڈ لیتی رہیں گی"۔وہ جھینپ مٹانے کو بناوٹی لہجے میں خفگی جتایا۔

"خبردار حدیر وہ میری بیٹی ہے۔میں کوئی اس کی ساس نہیں۔ضرورت پڑی تو تمہیں داماد بنالوں گی"۔وہ فوراً اسے ہری جھنڈی دکھادی۔ان کے اتنے واضح الفاظ پر منہ کھولے حیرانی سے دیکھنے لگا۔

"یہ تو فاؤل ہے۔آپ میری مام ہے"۔وہ بچوں کی طرح ضدی لہجے میں بولا۔

"دونوں کی ہوں"۔وہ ہلکے سے مسکرائیں۔مگر آنکھوں میں فکر اب بھی باقی تھی۔"ماہا ناراض ہے مجھ سے...بہت زیادہ۔میں نے اس کو بتایا نہیں حدیر"۔

"وہ ناراض نہیں ہے،بس ضدی ہے..."اس نے نرم لہجے میں کہا۔"اور ضدی لوگ بھی اپنے لوگوں سے ہی خفا ہوتے ہیں،غیروں سے نہیں۔آپ منا لیے گا وہ مان جائے گی"۔یہ جملہ سن کر ان کی آنکھوں میں نمی اور گہری ہو گئی۔انہوں نے بیٹی کے لیے بالکل ٹھیک ہمسفر چنا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حدیر نے آہستہ سے سوپ کا چمچ دوبارہ ان کی طرف بڑھایا، مگر اس بار اس کی نظریں کہیں دور تھیں۔۔ کہیں دور ماہی کے پاس۔

"ماہا مختلف ہے...وہ کبھی بھی تمہیں یہ نہیں بتائے گی کہ وہ ہرٹ ہوئی ہے یا اسے کسی بات کا دکھ ہے۔ وہ ہمیشہ تمہیں ہنستے مسکراتے ہی ملے گی۔ وہ کہتی تھی، اماں ہمیں دکھوں کا اشتہار لگانا پسند نہیں۔ ہمیں لوگوں کی سمپیتھی نہیں چاہیے"۔ وہ لمحہ بھر کو رُکیں، الفاظ کے درمیان کہیں ماہ گل کا عکس لرز گیا۔

"وہ کبھی بتاتی نہیں تھی، لیکن میں محسوس کرتی تھی کہ وہ اندر ہی اندر کتنا سب کچھ سہہ رہی ہے...خاص طور پر جب وہ دوسری لڑکیوں کو اپنے والدین کے ساتھ دیکھتی تھی۔ وہ کچھ کہتی نہیں تھی، مگر میں جانتی ہوں...وہ اپنی ماں کے بارے میں سوچتی تھی وہ کیسی تھی، کیسے بولتی تھی"۔۔ان کی آواز بھرا گئی۔ آنکھوں میں نمی اب ٹھہرنے کے بجائے بہنے کو بے تاب تھی۔

"ہم دونوں نے اسے بہت پیار دیا... مگر ظاہر ہے، کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جو زندگی بھر ساتھ رہتے ہیں"۔ وہ گہرا سانس لے کر لمحہ بھر کو خاموش ہو گئیں۔

"حدیر..."ان کی آواز اب اور بھی نرم، اور زیادہ التجا سے بھری ہوئی تھی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

”تم اس کا بہت خیال رکھنا۔اسے سمجھنا۔کبھی وہ ہرٹ ہو تو اسے سنبھال لینا...وہ تمہیں بتائے گی نہیں، مگر تم پھر بھی سمجھ جانا“۔ان کے الفاظ کمرے کی خاموش دیواروں سے ٹکرا کر جیسے اور بھی گہرے ہو گئے۔باہر لندن کی سرد ہوا شیشے سے سرگوشی کر رہی تھی۔

”وہاں پھوپھو کہتی رہتی ہیں ماہ گل کا خیال رکھنا اور یہاں آپ... کسی کو میرا خیال بھی ہے یا نہیں؟“وہ مصنوعی خفگی سے بولا ماں کا موڈ بحال کرنے کے لیے، مگر آنکھوں میں ہلکی سی چمک تھی۔

”تمہارا خیال تھا اسی لیے تو ماہ گل کو تمہیں دیا“۔وہ ہنس دیں، نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ۔

یہ جملہ سن کر حدیر ایک لمحے کے لیے رُک گیا۔دل کے کسی گوشے میں کچھ گداز سا پگھل گیا ۔واقعی...یہ ماں نے ہر خیال سے بڑھ کر خیال کیا تھا۔

”اور اس خیال کے لیے میں ساری زندگی آپ کا مشکور رہوں گا“۔وہ مسکرایا، آنکھوں میں کہیں دور ماہ گل کا عکس ٹھہر سا گیا تھا۔یوں ٹھہر گیا جیسے کوئی پسندیدہ خواب جاگتی آنکھوں میں آ کر بیٹھ جائے۔

نولز کلب
Clubb of Quality Content

"میری زندگی میں ماہ گل کو ہی ہونا چاہیے تھا...اور شکر ہے وہی ہے۔ وہ نہ ہوتی تو میرا کیا ہوتا؟" اس کی آواز اب ذرا دھیمی ہو گئی تھی، جیسے الفاظ نہیں، احساس بول رہا ہو۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

کمرے میں ہلکی سی خاموشی چھا گئی۔ باہر لندن کی سرد ہوا کھڑکی سے ٹکرا کر جیسے وقت کو آہستہ کر رہی تھی۔

وہ مسکرائیں، مگر اس مسکراہٹ میں ماں کی بصیرت تھی، ممتا کی روشنی تھی۔

"ماؤں کو معلوم ہوتا ہے اولاد کو کیا چاہیے..." وہ آہستہ سے بولیں۔ "مجھے معلوم تھا میرے حدیر کو میری ماہا ہی مکمل کر سکتی ہے۔" انہوں نے نرمی سے اس کے ماتھے پر بکھرے بال انگلیوں سے پیچھے کیے۔ حدیر کچھ نہ کہہ سکا۔ کیونکہ کہیں دل کے بہت اندر...وہ جانتا تھا، وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ اس کی ہر کمی ہر خلا کا جواب...واقعی صرف ماہ گل ہی تھی۔ صرف وہی۔

اس کے ذہن میں اس کی ہنسی کا عکس ابھرا وہ ہنسی جو بنا اجازت دل کے بند کمروں میں جھانک لیتی تھی۔ وہ شرارتیں، وہ ضد، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پلٹ کر جواب دینا... جیسے کسی نے اس کی بے رنگ سی دنیا میں اچانک رنگ بکھیر دیے ہوں۔ حدیر نے آہستہ سے سانس لیا۔ صرف وہی تھی جو اس کی بے رنگ زندگی کو اپنی شرارتوں کے رنگوں سے بھر سکتی تھی۔ اسے پہلی بار یوں

محسوس ہوا جیسے اس کی زندگی صرف چل نہیں رہی تھی... بلکہ کسی کے آنے سے مکمل ہو رہی تھی۔

"تم ہمیں زبردستی نہیں لے جا سکتے۔۔ گاڑی روکو"۔ ٹویوٹا فورچیونر کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ماہ گل چیخ اٹھی۔ اس کی آواز گاڑی کے بند شیشوں سے ٹکرا کر واپس گونج رہی تھی، مگر اس کے لہجے میں خوف سے زیادہ غصہ تھا۔ باہر سڑک کے کنارے گزرتی روشنیوں کا عکس شیشوں پر ٹوٹ کر بکھر رہا تھا۔

سامنے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا وہ شخص ایک لمحے کے لیے بھی متاثر نہ ہوا۔

"خاموشی سے بیٹھو"۔ سفید ٹی شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس، چوڑے کندھوں والا وہ شخص سڑک پر نظریں جمائے بیزاری سے بولا۔

ماہ گل نے دانت بھینچ لیے۔ اس کی انگلیاں مٹھی میں جکڑ گئیں، اور آنکھوں میں بغاوت واضح تھی۔

"تم گاڑی روکو گے یا نہیں؟"۔ ماہ گل نے دانت پیسے، آنکھوں میں غصہ جلنے لگا۔

"نہیں"۔ اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے جواب دیا۔

یہ ایک لفظ ماہ گل کے صبر کی آخری حد ثابت ہوا۔ وہ چند لمحے اسے گھورتی رہی، گہری سانس لی... ایک بار... دو بار... جیسے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر آہستہ سے نظریں جھکائیں، اور خود کو پر سکون کیا۔

”ہمارے ہاتھ کھولو“۔ اس بار اس کی آواز میں چیخ نہیں تھی، مگر لہجہ خطرناک حد تک پر سکون ہو چکا تھا۔

”کیوں؟“۔ وہ شخص بیک ویو مرر میں اسے دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے چونکا۔

ماہ گل نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

”کھولو گے تو بتائیں گے نا“۔ اس بار اس کی آواز بے قابو ہو گئی تھی۔

”ہاں، کھول دوں تاکہ تم بھاگ جاؤ؟“۔ وہ طنزیہ مسکرایا۔

ماہ گل نے ایک لمحے کو گاڑی کے اندر نظر دوڑائی، پھر تلخی سے ہنسی۔

”نیچے دیکھو، بیوقوف انسان“۔ اس نے دانت کچکچا کر کہا۔

”پاؤں میں رسی باندھ رکھی ہے تم نے، اور ہم ہاتھ کھولنے کا کہہ رہے ہیں اگر تھوڑی سی بھی عقل ہو ہم کیا ہاتھ سے بھاگ کر جائیں گے؟ ابھی تک ہم نے ہاتھوں سے چلنے کا فلحال کوئی تجربہ نہیں کیا“۔ اس کا طنز گاڑی کی فضا میں ہلکی سی چبھن چھوڑ گیا۔۔

وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا، پھر گاڑی آہستہ کرتے ہوئے سائیڈ پر روکی۔

"کھول رہا ہوں... لیکن کوئی چالاکی کرنے کی ضرورت نہیں"۔ وہ پیچھے مڑا اور ہاتھ بڑھا کر ماہ گل کے ہاتھوں سے رسی کھولنے لگا۔

ابھی وہ رسی کھول کر پیچھے بھی نہیں ہوا تھا کہ اچانک ایک تیز، کرارا کے دار تھپڑ فضا میں گونجا۔

ماہ گل کے نازک مگر مضبوط ہاتھ نے اس کے چہرے پر زور سے وار کیا تھا۔ اور گاڑی کے اندر ایک خطرناک خاموشی چھا گئی۔

"تم...؟" وہ بے یقینی سے ماہ گل کو گھورنے لگا۔ لمحہ بھر پہلے جو سفید رنگت تھی، وہ اب غصے اور ضبط کے ملاپ سے سرخی میں ڈھل گئی تھی۔ سرمئی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ توہین کا احساس بھی گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

ماہ گل نے ٹھوڑی اٹھا کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں خوف ضرور تھا، مگر لہجے میں ہار نہیں تھی۔

"تم بدتمیز انسان! شرم نہیں آئی ایک لڑکی کو اغوا کرتے ہوئے؟"۔ اس نے تیز لہجے میں کہا۔ "یہ صرف ایک تھپڑ تھا تم اس سے بھی زیادہ ڈیزرو کرتے ہو"۔ اندر کہیں وہ لرز رہی تھی، مگر اپنی گھبراہٹ کو آواز پر غالب نہ آنے دیا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ گاڑی میں اکیلی ہے... مگر پھر بھی اس کی ہمت کم نہیں ہوئی تھی۔

"تمہیں صرف تھپڑ مارنا تھا؟ اسی لیے ہاتھ کھلوایا تھا؟"۔ وہ شخص چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھتا رہا، پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

ماہ گل نے ایک سنجیدہ نظر اس پر ڈالی۔ اس کے چہرے پر نہ غصہ تھا، نہ کوئی عجیب تاثر... بس ایک غیر معمولی سی خاموشی تھی۔

وہ جواب کے لیے منتظر رہا۔ ماہ گل نے اسے گھورا۔ اس نے بھنویں اچکائیں تو ماہ گل نے سر ہلا دیا۔

وہ کچھ نہ بولا۔ بس ایک لمبی، ٹھنڈی سی نگاہ اس پر ڈال کر دوبارہ اس کے ہاتھوں پر رسی باندھنے لگا۔ گرہیں پھر سے سخت ہو گئیں، اور اس بار اس کے انداز میں پہلے جیسی بے پروائی نہیں تھی۔

"اب سکون ہے؟"۔ رسی باندھ کر وہ پیچھے ہٹتے ہوئے ٹھنڈے لہجے میں طنز کر گیا۔

ماہ گل نے ایک لمبی سانس لی اور پچھلی سیٹ پر سر ٹکا دیا۔ "ایک تھپڑ سے کہاں سکون ملتا ہے..." اس نے بیزاری سے کہا۔ گاڑی دوبارہ چلنے لگی۔ باہر سڑک کی روشنیاں تیزی سے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔

"ابھی تم مجھے کیا کہہ رہی تھی؟ بیوقوف؟"۔ اس نے سڑک پر نظریں جمائے پوچھا۔

Clubb of Quality Content!

ماہ گل نے فوراً سر اٹھایا، آنکھوں میں ضد چمک اٹھی۔

”ہاں، تو تم ہو“۔اس نے بے جھجک کہا۔وہ ہلکا سا طنزیہ سا ہنسا۔

”مجھے اپنا نہیں پتا، لیکن تم یقیناً بیوقوفوں کی سردار ہو۔ تھپڑ مار کر تم نے صرف یہ ثابت کیا ہے کہ تم کتنی بے وقوف ہو“۔ایک لمحہ رُک کر اس نے آئینے میں اس کی طرف دیکھا، پھر دوبارہ سڑک پر نظریں جمادیں۔”شکر کرو کہ میں ہوں جس نے تمہیں برداشت کیا ہے... کوئی اور ہوتا تو تم ابھی زبان چلانے کے قابل بھی نہ رہتیں“۔اس کی بات فضا میں ایک برف کی طرح جم گئی۔اس کی آواز میں خطرہ نہیں تھا... مگر ایک سخت حقیقت تھی، جو فضا میں دیر تک لٹکی رہی۔گاڑی تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

”تم ہمیں ڈرانا چاہ رہے ہو؟“۔ماہ گل نے پیشانی پر ہلکی سی تیوری چڑھائی۔اس کی آنکھوں میں اب بھی بغاوت تھی، مگر اندر کہیں ہلکی سی بے چینی بھی چھپی ہوئی تھی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا وہ شخص بیک ویو مرر میں اسے دیکھتے ہوئے ہلکا سا نفی سر ہلا گیا۔

”نہیں... میں تمہیں سمجھا رہا ہوں“۔اس کی آواز میں سکون تھا۔وہ اس صورتحال میں بھی کمال کا ضبط دکھا رہا تھا۔

ناولز کلب
Club for Quality Content

"جس طرح میں تمہیں زبردستی لے جا رہا ہوں اسی طرح مجھے زبردستی تمہیں لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ورنہ مجھے کوئی شوق نہیں کہ تم سے تھپڑ کھاؤں"۔ اس کے الفاظ واضح تھے... جیسے وہ کسی بھی غلط فہمی کی گنجائش نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس نے صاف اور واضح لہجے میں بات ختم کی۔

ماہ گل نے فوراً جھک کر اس کی طرف دیکھا۔ آنکھوں میں حیرت اور طنز دونوں تھے۔

"واہ... تو تم جیسے لمبے چوڑے مرد پر بھی زبردستی ہو سکتی ہے؟"۔ اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تمہارے منہ پر زبان نہیں تھی کہ انکار کر دیتے؟ کہہ دیتے کہ میں کسی خاتون کو اغوا نہیں کر سکتا؟ لیکن نہیں... تم بہادر ہوتے تب نا"۔

"کتنا بولتی ہو تم، یار..." اس نے بیک ویو مرر سے اسے دیکھا۔ "چپ کر کے بیٹھ جاؤ، پلیز"۔

ماہ گل نے فوراً منہ کھولا، مگر وہ اس سے پہلے ہی سخت لہجے میں بول پڑا۔ "یہ اپنی زبان ان کے سامنے جا کر کھولنا جنہوں نے تمہیں بلوایا ہے۔ اور اب اگر ایک لفظ بھی کہا نا..." اس نے ہلکی سی تنبیہ کی۔ "تو بتا رہا ہوں، منہ پر ٹیپ لگا دوں گا"۔ یہ سنتے ہی ماہ گل کا منہ ایک لمحے کے لیے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ پھر وہ بادلِ نخواستہ پیچھے ٹیک لگا کر خاموش ہو گئی، مگر اس کی آنکھوں میں اب بھی بے شمار سوال اور غصہ تیر رہا تھا۔

گاڑی کی کھڑکی سے باہر گزرتی سڑکوں کو دیکھتے ہوئے اچانک اس کے ذہن میں ایک چہرہ ابھرا۔۔حدیر کا۔

ماہ گل کو حدیر شدت سے یاد آیا جو اس کی بے تکی باتیں کئی کئی گھنٹے بنا تھکے سنتا تھا۔ گھنٹوں خاموش رہ کر بھی اسے محسوس کرواتا تھا کہ وہ سنی جا رہی ہے۔

"اماں، کیا کریں گے اب ہم؟"۔شاہینہ کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

ماہ گل کی ضد پر شام ڈھلے وہ دونوں گاؤں کے پرانے باغ کی سیر کو نکل گئے تھے۔خالہ نے کئی بار منع کیا تھا، بار بار سمجھایا بھی تھا... مگر شہر کی فضا میں کئی ماہ سے رہنے والی وہ آزاد مزاج لڑکی گاؤں کی کھلی فضا میں آتے ہی جیسے کسی پنچھی کی طرح بے تاب ہو گئی تھی۔

اور آج اسی بے تابی نے اسے ایک ایسے مشکل میں دھکیل دیا تھا، جس کا تصور بھی کسی نے نہ کیا تھا۔

کمرے میں خوف کی دبیز فضا پھیلی ہوئی تھی۔ باہر صحن میں شام کی سرمئی روشنی آہستہ آہستہ اندھیرے میں بدل رہی تھی، اور دیواروں پر پڑتے سائے جیسے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اور لمبے ہوتے جا رہے تھے۔

"شاہی، تونے دیکھا تھا چہرہ... کون تھا وہ؟"۔ خالہ کی آواز کپکپا رہی تھی۔ پریشانی نے ان کے چہرے کا رنگ زرد کر دیا تھا، اور ہاتھ بے اختیار ایک دوسرے میں الجھتے جا رہے تھے۔

"ملک کا بھتیجا تھا، اماں..."۔ شاہینہ نے بھرائے ہوئے لہجے میں بمشکل الفاظ ادا کیے۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

"ملک کا بھتیجا؟"۔ اماں کی آنکھیں حیرت اور غصے سے پھیل گئیں۔ "وہ تو اپنے گاؤں کا بہت سلجھا ہوا مرد مشہور تھا... اپنے چچا سے بالکل مختلف۔ پھر وہ یہ گھٹیا حرکت کیسے کر گیا؟"۔ ان کی آواز میں غصہ بھی تھا اور بے یقینی بھی۔

"اماں، یہ بتائیں اب کیا کریں گے ہم؟"۔ شاہینہ کی آواز اب مزید لرز گئی تھی۔ "اماں... ماہا کو وہ لوگ کوئی نقصان تو نہیں پہنچائیں گے نا؟"۔ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں خوف صاف جھلک رہا تھا۔ اماں نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں، خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔ پھر اچانک چونک کر بولیں۔

"اس کا سامان دیکھ... فون تو ساتھ لائی ہوگی نا؟ اس کے شوہر کو فوراً فون کر کے بتا"۔ ان کی آواز میں اب فیصلہ کن سختی آ گئی تھی۔

"اماں... لیکن اس کا شوہر تو ملک سے باہر ہے"۔ شاہینہ کمرے کے اندر جاتے ہوئے فکر مندی سے بولی۔ اس کے قدم تیز تھے، مگر دل کی دھڑکن اس سے کہیں زیادہ تیز۔

"ملک سے باہر ہو یا ملک میں، ہے تو اس کا شوہر ہی نا"۔ اماں بے چینی سے کمرے میں چکر کاٹنے لگیں۔

" جلدی ملا فون... دیر نہ کر"۔ ان کے لہجے میں بے صبری صاف جھلک رہی تھی۔

"اللہ غارت کرے ان لوگوں کو... اپنی ہی بیٹی کو اغوا کر کے لے گئے"۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے بددعائیں دے رہی تھیں۔

ادھر شاہینہ نے کانپتے ہاتھوں سے بیگ کھولا اور جلدی جلدی چیزیں الٹنے پلٹنے لگی۔ کچھ لمحوں بعد اسے موبائل فون مل گیا۔ اس نے کانٹیکٹس کی فہرست کھولی۔ انگلیاں بری طرح کپکپا رہی تھیں۔ اس کی نظر ایک نام پر آکر ٹھہر گئی۔

'Ice Heart Husband'

کوئی اور وقت ہوتا تو یہ عجیب سا نام دیکھ کر وہ ضرور ہنس پڑتی... شاید ماہ گل کو چھیڑتی بھی۔ مگر اس لمحے ہنسی جیسے اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے غائب ہو گئی تھی۔ اس نے گہری سانس لی... اور کپکپاتے ہاتھوں سے نمبر ڈائل کر دیا۔

دوسری جانب لندن میں ہسپتال کے باہر پھیلے ہوئے گارڈن میں حدیر خراماں چل رہا تھا۔ سرد ہوا درختوں کے پتوں سے ٹکرا کر ایک مدھم سی سرسراہٹ پیدا کر رہی تھی، مگر اس کے اندر ایک عجیب سی خاموشی تھی جیسے دل کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو۔

اسی لمحے اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے لانگ بھورے رنگ کے کوٹ کی جیب سے موبائل نکالا اور اسکرین پر نگاہ ڈالی۔

ماہ گل کا نمبر دیکھ کر وہ لمحے بھر کو ٹھٹھک گیا۔

چند لمحے وہ اسی طرح کھڑا رہا... جیسے فیصلہ کر رہا ہو کہ کال اٹھائے یا نہیں۔ پھر کسی انجانے احساس کے تحت اس نے کال ریسیو کر لی۔

"السلام علیکم..." اس نے سنجیدگی سے سلام کیا۔ دل سے ختم ہو چکی ناراضگی کو لہجے میں برقرار رکھا۔

"حدیر بھائی... میں شاہینہ..."۔ دوسری طرف ایک اجنبی، کانپتی ہوئی نسوانی آواز آئی۔ وہ فوراً رک گیا۔ چہرے پر ہلکی سی الجھن اتر آئی۔

"ماہ گل کہاں ہے؟"۔ اس نے بغیر کسی تمہید کے سیدھا سوال کیا۔

"حدیر بھائی...اسے ملک کا بھتیجا زبردستی لے گیا ہے..."۔دوسری طرف خاموشی کے بعد لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

یہ جملہ سنتے ہی جیسے وقت رک گیا۔حدیر کو یوں محسوس ہوا جیسے ارد گرد کی فضا جم گئی ہو۔ گارڈن کے لوگ دھندلے پڑنے لگے...آوازیں دور ہوتی چلی گئیں...درختوں کی سرسراہٹ بھی مدھم ہو گئی۔بس ایک جملہ اس کے ذہن میں مسلسل گونجنے لگا ماہ گل اغوا ہو گئی ہے۔اس نے خود کو زبردستی سنبھالا۔"ماہ گل تمہارے گھر آئی تھی؟ کب آئی تھی؟"سانس گہرا لیا اور سخت لہجے میں پوچھا۔اس کا چہرہ اب بالکل سپاٹ ہو چکا تھا، جذبات جیسے کہیں اندر دفن ہو گئے تھے۔

"آج صبح ہی آئی تھی...دو تین دن ٹھہرنے کے لیے۔وہ بہت دکھی تھی...شام کو باغ میں گئی تھی، وہیں سے وہ اسے زبردستی لے گئے..."ہر لفظ حدیر کے اندر کسی چیز کو توڑ رہا تھا، مگر وہ خاموش تھا۔مکمل خاموش۔اس نے بغیر کچھ کہے کال بند کر دی۔

اگلے ہی لمحے اس کے قدم خود بخود تیز ہو گئے۔وہ ہسپتال کے اندرونی حصے کی طرف تیزی سے بڑھا۔ہاتھ مسلسل موبائل کی اسکرین پر چل رہے تھے...کوئی نمبر ڈائل کیا جا رہا تھا، مگر اس کی نظریں کسی ایک جگہ نہیں ٹھہر رہی تھیں۔

وہ کاریڈور کے موڑ پر پہنچا ہی تھا کہ سامنے سلطان انکل نظر آ گئے۔

"انکل..." حدیر نے انہیں پکارا تو وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور تیزی سے اس کے قریب آ گئے۔

"مجھے پاکستان جانا ہو گا۔ آپ پلیز مام کو بعد میں بتا دیجیے گا۔ ابھی مجھے ٹکٹ وغیرہ ارینج کرنا ہے۔ اور کچھ ضروری کالز کرنی ہے تو میں فلحال ہوٹل جا رہا ہوں وہی سے ائیر پورٹ کے لیے نکل جاؤں گا..." اس کی آواز میں واضح بے چینی تھی۔ الفاظ جلدی جلدی نکل رہے تھے۔

"سب خیریت تو ہے نا؟ اتنی جلدی کیوں جا رہے ہو؟"۔ ان کی آواز میں فطری سی فکر تھی۔

سلطان صاحب نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

حدیر نے لمحہ بھر کے لیے آنکھیں بند کیں... جیسے اندر کا طوفان سنبھال رہا ہو۔ پھر دھیمی مگر بھاری آواز میں بولا۔ "ماہ گل کو ملک کے بھتیجے نے اغوا کر لیا ہے..." یہ جملہ فضا میں گونج کر رہ گیا۔

سلطان صاحب جیسے ایک لمحے کو ساکت ہو گئے۔

چہرے پر رنگ بدل گیا، آنکھوں میں شدید پریشانی اتر آئی۔

نولز کلب
Clubb of Quality Content

"کیا؟ لیکن کیسے؟ حدیر... وہ تمہارے گھر میں محفوظ تھی نا؟" ان کی آواز کانپ گئی۔ وہ باپ نہیں تھے، مگر انہوں نے ہمیشہ اسے بیٹی کی طرح پالا تھا۔ ماہ گل ان کے لیے صرف نام نہیں تھی... وہ ان کی اپنی اولاد جیسی تھی۔ جس کے لیے وہ راتوں کو جاگتے رہے تھے، جس کی ہر بیماری پر ہسپتال کی بینچوں پر راتیں گزارتے تھے، اور جس کی ہر خواہش کو انہوں نے اپنی ذمہ داری سمجھا تھا۔

حدیر نے گہری سانس لی، مگر آواز مضبوط رکھی۔ "وہ گاؤں چلی گئی تھی... آپ پریشان نہ ہوں، میں اسے لے آؤں گا۔ آپ پلیز مام کو ابھی کچھ نہ بتائیے گا..." وہ ان کا ہاتھ ہلکے سے تھپتھپا کر تیزی سے مڑا۔

اب اس کے قدم پہلے سے بھی زیادہ تیز ہو چکے تھے۔

اس کے ہاتھ دوبارہ موبائل پر تھے... اور وہ کسی نئے نمبر کی تلاش میں تھا۔

"کہاں ہو تم؟" فون ملتے ہی حدیر نے بے تاثر مگر سخت لہجے میں پوچھا۔

"اوہ جناب! پردیس جا کر تو بالکل بدل گئے ہو... سلام دعا سے بھی گئے تم تو۔" دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی، پھر مزمل کی ہلکی سی شرارتی آواز آئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"جو پوچھا ہے وہ بتاؤ۔"اس نے سڑک پر آتی ایک ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روکا اور دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔

"گھر پر ہوں۔"مزمل کو اس کے لہجے کی سردی محسوس ہوئی تو وہ فوراً سنجیدہ ہو گیا۔

مزمل کے ارد گرد بیٹھے مناہل، ہادی، ریان، فضا اور رباب سب ایک دم خاموش ہو گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"اور باقی سب؟"۔حدیر نے اگلا سوال کیا۔آواز اب اور بھی کنٹرول میں تھی، مگر اندر کا طوفان صاف جھلک رہا تھا۔

"سب یہیں میرے سامنے بیٹھے ہیں..."مزمل نے الجھ کر جواب دیا۔

"ماہ گل کہاں ہے؟"۔چند لمحے خاموشی رہی... پھر حدیر نے وہ سوال کیا جس نے فضا کا رنگ بدل دیا

"وہ اپنے کمرے میں ہوں گی..."مزمل نے کندھے اچکا دیے۔

بس اتنا کہنا تھا کہ حدیر کے چہرے پر ایک تلخ، طنزیہ ہنسی ابھری۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ہوں گی؟"اس کی آواز میں اب درد اور طنز دونوں شامل تھے۔"کب سے 'ہوں گی' مزمل؟ کیا تم یہ بات اپنے سامنے بیٹھے لوگوں سے پوچھ کر بتا سکتے ہو؟"۔اس کے لہجے میں اب بیگانگی اتر آئی تھی۔

"یار وہ صبح سے اپنے کمرے میں ہے...ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ گے؟"۔مزمل اب پوری طرح سنجیدہ ہو چکا تھا۔

حدیر کی سانس تیز ہو گئی۔

"تم میں سے کسی نے ایک بار جا کر چیک کرنے کی زحمت نہیں کی؟"۔آواز بھاری ہو گئی۔

"وہ ناشتہ میں نہیں تھی...دوپہر کے کھانے میں نہیں تھی...اب وہاں رات ہونے کو آئی ہے... اور کسی کو خیال تک نہیں آیا؟"۔وہ لمحہ بھر رکا، پھر بکھرے ہوئے لہجے میں بولا۔"مزمل، تم سے یہ امید نہیں تھی...تم رباب کو تو بھیج سکتے تھے نا..."اس کے الفاظ میں دکھ تھا...اور وہ دکھ سیدھا دل سے نکل رہا تھا۔

"یار تائی سے سامنا ہونے پر...وہ بھابھی کو باتیں سنانے لگ رہی تھیں... ہمیں لگا بہتر ہے وہ اپنے کمرے میں رہیں، اس لیے کسی نے دھیان نہیں دیا..."دوسری طرف مزمل اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی آواز اب دھیمی مگر سنجیدہ تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یہ سنتے ہی حدیر کے ہاتھ میں فون مضبوط ہو گیا۔ چہرہ ایک لمحے میں سخت پتھر کی طرح ہو گیا۔

"میری بیوی صبح سے تمہارے اس رحمانی ہاؤس میں نہیں ہے...اور اب وہ اغوا ہو چکی ہے... ملک اسے لے گیا ہے"۔اس کی آواز تلخ ہوتی چلی گئی۔۔چند لمحے خاموشی چھا گئی۔

پھر وہ دھیمی، زخمی آواز میں بولا۔"بہت شکریہ تم سب کا... کہ میں نے تم سب پر بھروسہ کیا..."اور بغیر کسی مزید لفظ کے اس نے کال کاٹ دی۔

فون ہاتھ میں ہی رہ گیا، مگر اس کی گرفت ڈھیلی ہو چکی تھی۔ بھوری آنکھوں کے کنارے آہستہ آہستہ بھیگنے لگے... مگر چہرہ کے تاثرات اب بھی سخت تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

انگلیاں پھر سے تیزی سے اسکرین پر چلیں۔

"Rehan, I need an urgent ticket to Pakistan. Tonight. Any airline. Any route."

پیغام send کرتے ہی اس نے سر سیٹ کے ساتھ ٹکا دیا۔

آنکھیں بند کیں... مگر ذہن کے پردے پر بار بار ایک ہی منظر ابھر رہا تھا۔

ماہ گل...

خوفزدہ...بے بس... کسی اجنبی جگہ پر۔

اس کے جبڑے سخت ہو گئے۔

"میں آ رہا ہوں ماہی..."اس کے لبوں سے دھیمی مگر پُرعزم سرگوشی نکلی۔

ٹیکسی تیزی سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔

''کیا ہوا ہے، مزمل؟''فون بند ہوتے ہی رباب نے بے چینی سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا اور فکرمندی سے پوچھا۔

مزمل نے ایک گہرا سانس لیا، پھر سب کو سنجیدگی سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔''تم میں سے کسی کو پتا ہے کہ ماہ گل بھابھی گھر پر نہیں ہیں؟''۔اس کے سوال پر کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔سب کے چہروں پر حیرت کے سائے پھیل گئے۔

''ماہ گل بھابھی گھر پر نہیں ہیں؟''۔مناہل نے ناسمجھی سے دہرادیا۔

''مزمل...بھابھی کہاں ہیں؟''۔رباب کی آواز میں پریشانی بڑھ گئی۔

مزمل نے افسوس سے سر ہلایا۔

"اگر تم میں سے کوئی ایک بھی کمرے میں جھانک لیتا تو ہمیں پتا چل جاتا کہ وہ اپنے کمرے میں نہیں ہیں"۔اس کے لہجے میں ہلکی سی مایوسی تھی، لاپرواہی پر دل دکھا تھا۔

"لیکن بھائی... بھابھی ہیں کہاں؟ وہ ٹھیک تو ہیں نا؟"۔ریان فوراً اٹھ کر اس کے قریب آگیا، آواز میں اضطراب صاف جھلک رہا تھا۔

"وہ صبح اپنے گاؤں گئی تھیں...اور وہاں سے انہیں ملک نے اغوا کر لیا ہے"۔مزمل نے ایک لمحہ توقف کیا، پھر بھاری لہجے میں بولا۔ یہ جملہ کمرے میں گونج کے ساتھ پھیلا، اور ہر چہرے پر ایک نیا خوف اتر آیا۔

"یہ بات ابھی گھر کے بڑوں کو نہیں بتانی۔حدیر پہلے ہی ہم سے ناراض ہے... یہ نہ ہو کہ وہ مزید خفا ہو جائے"۔مزمل نے لب بھینچ لیے، پھر سب کو سختی سے تنبیہ کی۔

کمرے میں پھیلی ہوا بھی جیسے تھم سی گئی تھی۔ سب ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، مگر کسی کے پاس کوئی لفظ نہیں تھا۔صرف ایک ہی احساس تھا پریشانی، اور ایک انجانا سا خوف جو لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔

ہوٹل کے کمرے کا دروازہ بند ہوتے ہی حدیر نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اس نے کوٹ کرسی پر پھینکا اور سیدھا کھڑکی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ باہر لندن کی دوپہر آہستہ آہستہ شام میں بدل رہی تھی۔

فون بجنے لگا تو اس نے بے صبری سے کال ریسیو کی۔

"یس ریحان؟"۔

"سر میں نے تمام ائیر لائنز چیک کر لی ہیں۔ آج رات کی کوئی ڈائیریکٹ فلائٹ اویلیوبل نہیں ہے۔ سب سیٹ فل ہیں"۔

یہ سن کر اس کے چہرے پر ایک لمحے کو کوئی تاثر نہ آیا۔

"پھر...؟" اس نے دھیمی مگر سخت آواز میں پوچھا۔

"سر earliest flight کل صبح سات بجے کی ہے۔ میں نے ٹکٹ بک کروا دی ہے۔ آپ صبح سات بجے Heathrow airport پہنچ جائیں"۔

حدیر نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔

وقت... ہمیشہ کی طرح اس لمحے بھی اس کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اور یہی بے بسی سب سے زیادہ تکلیف دے رہی تھی۔

“Rehan, check every possible option. Private charter, emergency route...

کچھ بھی ہو، مجھے آج رات ہی پاکستان کے لیے نکلنا ہے“۔

اس نے ایک لمحہ رُک کر واضح، کنٹرولڈ لہجے میں کہا۔

“Sir... earliest commercial flight is already booked for you, but I am still checking private options. It may take a few hours.”

حدیر کی انگلیاں فون پر سخت ہو گئیں۔

وہ کھڑکی کے شیشے سے باہر گھورتا رہا... مگر نظریں کہیں اور تھیں۔

“I don’t have hours, Rehan.”

اس کی آواز دھیمی تھی، مگر اس میں دبائی ہوئی آگ صاف محسوس ہو رہی تھی۔

”مجھے کل کے لیے نہیں... آج رات کے لیے ہر possible option چاہیے“۔

دوسری طرف ایک لمحے کی خاموشی چھا گئی۔

“Understood, sir. I’ll contact aviation agents”۔

"Do it."

کال ختم ہو گئی۔ کال ختم ہوتے ہی اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے۔ دل چاہ رہا تھا ابھی اسی لمحے اڑ کر پاکستان پہنچ جائے... مگر حقیقت نے اس کے قدموں میں زنجیر ڈال دی تھی۔

کمرے میں ایک دم مکمل خاموشی اتر آئی۔

صرف دیوار پر لگی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی... اور ہر ٹک اس کے اندر کسی اور بے چینی کو جگا رہی تھی۔

حدیر چند لمحے ویسے ہی کھڑا رہا۔

پھر آہستہ سے اس نے پیشانی پر ہاتھ رکھا۔

اور آنکھیں بند کرتے ہی... ایک ہی چہرہ اس کے ذہن میں بار بار آنے لگا۔

ماہ گل۔

اس بار اس کے چہرے پر غصہ نہیں تھا... صرف ایک خاموش، ٹوٹا ہوا سا خوف تھا جو پہلی بار اس کے ضبط سے بھی بڑا محسوس ہو رہا تھا۔

"کیا بد تمیزی ہے؟ ہمیں یہاں لا کر کیوں بند کیا ہے؟ دروازہ کھولو"۔ماہ گل جب سے اس کمرے میں لائی گئی تھی، مسلسل چیخ رہی تھی۔ کبھی دروازے کے پاس جا کر مٹھیوں سے دستک دیتی، کبھی غصے میں آواز بلند کرتی...اور جب تھک جاتی تو واپس آ کر بیڈ پر بیٹھ جاتی۔

کمرہ کافی کشادہ اور خوبصورت تھا۔ ہلکے آف وائٹ فرنیچر اور نفیس سجاوٹ آنکھوں کو ایک عجیب سا سکون دے رہی تھی، مگر ماہ گل کے لیے اس وقت ان سب چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔اس کے لیے یہ کمرہ خوبصورتی نہیں... قید تھا۔

وہ پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیوں لایا ہے ہمیں یہاں؟ یہ تو بتاؤ! اگر ہمیں بیٹی سمجھ کر واپس لائے ہو تو جانے دو ہمیں... ہمیں کوئی رشتہ نہیں رکھنا"۔اس کی آواز میں تلخی بھی تھی اور بے بسی بھی۔وہ دروازے پر زور زور سے مکے مارنے لگی۔

"تم سب کتنے ظالم اور بے حس لوگ ہو"۔اس نے غصے سے چیخ کر کہا اور ایک زوردار کک دروازے پر ماری، پھر ہانپتے ہوئے پیچھے ہٹ کر دوبارہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔

چند لمحے کمرے میں صرف اس کی تیز سانسوں کی آواز گونجتی رہی۔

وہ بیڈ پر بیٹھ کر پاؤں سمیٹتے ہوئے بڑبڑانے لگی۔

"آہ...ماہ گل، کیا ضرورت تھی گاؤں جانے کی؟اس قید سے تو اچھا تھا بشریٰ رحمانی کی باتیں ہی سن لیتی"۔اس کی آنکھوں میں غصہ تھا، مگر اس غصے کے پیچھے ایک گہری بے چینی چھپی ہوئی تھی۔

وہ دوبارہ اٹھ کھڑی ہوئی، ہاتھ جھلا جھلا کر کہنے لگی۔

"ایک بار آجائیں حُدیر آپ...پھر دیکھیں ہم کیا کرتے ہیں آپ کے ساتھ! آپ کو چھوڑیں گے نہیں...شادی کرلی اور بیوی کی کوئی پرواہ نہیں"۔اس کا لہجہ اب مکمل طور پر جذباتی ہو چکا تھا۔اگر وہ اس وقت حدیر کے سامنے ہوتا تو شاید وہ اپنے غصے پر قابو نہ رکھ پاتی۔اور حدیر رحمانی ماہ گل رحمانی کے نازک ہاتھوں کے مکے کا نشانہ بن چکا ہوتا۔

وہ کمرے میں ٹہلنے لگی...کبھی دروازے کو گھورتی، کبھی کھڑکی کی طرف دیکھتی۔

اس وقت سب اسے بدتمیز لگ رہے تھے...اور سب سے زیادہ وہ حالات، جنہوں نے اسے یہاں لا کھڑا کیا تھا۔

کمرے میں ہلکی روشنی جل رہی تھی۔

سوٹ کیس بستر پر کھلا پڑا تھا، اور حدیر تیزی سے اس میں رکھ رہا تھا۔ ہر حرکت میں بے چینی تھی۔ ہر سانس میں اضطراب۔

کبھی وہ کوئی چیز سوٹ کیس میں ڈالتا، پھر اچانک نکال دیتا... جیسے ذہن کسی ایک بات پر ٹھہر ہی نہیں پا رہا تھا۔

گھڑی کی سوئیاں بے رحمی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔ اس نے ایک لمحے کو رک کر دیوار پر لگی گھڑی کو دیکھا۔

شام کے سات بج چکے تھے۔ پاکستان میں رات ہو چکی ہو گی۔ یہ خیال اسے بے چین کے کر رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے پھر وہی خیال ابھرا ماہ گل... اس نے بے اختیار مٹھی بھینچ لی۔

وہ پھر سے کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ شام کے دھند لکے نے لندن کے آسمان کو مدھم سرمئی رنگ میں رنگ دیا تھا۔ سڑکوں پر جلتی بتیاں جیسے تھکے ہوئے دن کو الوداع کہہ رہی تھیں۔ نیچے شہر کی بے پناہ مصروفیت جاری تھی، مگر اس کے اندر ایک عجیب سی بے چینی جنم لے رہی تھی۔ باہر بارش کی ہلکی ہلکی بوندیں شیشے پر دستک دے رہی تھیں، جیسے کسی بے قرار دل کی سرگوشیاں ہوں۔

کچھ گھنٹوں بعد دوبارہ فون بج اٹھا۔ حُدیر نے تیزی سے کام اٹھایا۔

"Sir, I've managed something."

ریحان کی آواز میں تیزی تھی۔

"A private charter is available, but it requires immediate confirmation and clearance. If you approve, you can depart tonight."

حدیر ایک لمحے کے لیے خاموش رہا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے صرف ایک ہی چہرہ تھا ماہ گل۔

"How soon?"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اس نے مختصر پوچھا۔

"Within two hours, sir. The jet is on standby, but we need to move immediately."

اس نے لمحہ بھر بھی ضائع نہیں کیا۔

"Confirm it."

اس کی آواز بھاری مگر فیصلہ کن تھی۔

"I'm coming."

کال بند ہوتے ہی اس نے کوٹ اٹھایا، فون جیب میں رکھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

چند ہی گھنٹوں بعد رات کی تاریکی میں، لندن کے ایک پرائیویٹ ٹرمینل پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

ایک سفید پرائیویٹ جیٹ کھڑا تھا، اس کی روشنیاں دھند میں مدھم چمک رہی تھیں۔

حدیر تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر نہ تھکن تھی، نہ توقف... صرف ایک مقصد تھا۔ جہاز کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے نشست سنبھالی۔

ناولز کلب
Clubb Quality Content

اور اگلے ہی لمحے، جہاز آہستہ آہستہ زمین سے بلند ہونے لگا۔

آسمان میں بلند ہوتے ہی نیچے پھیلا ہوا لندن چھوٹا جا رہا تھا۔

اور اس بار وقت اب اس کے خلاف نہیں تھا... وہ وقت کے خلاف جا رہا تھا۔

دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا... اور جیسے ہی ماہ گل کی نظر اس پر پڑی، اس کی آنکھوں میں شعلے بھڑک اٹھے۔

"کیوں آئے ہو تم؟ کیا تمہارے چچا نے ہمیں یہاں سے رہا کرنے کا کہہ دیا ہے؟"۔اس کی آواز میں غصہ صاف جھلک رہا تھا۔وہ سیدھی کھڑی تھی،دونوں ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے۔

"ابھی تمہارے یہاں سے جانے کا کوئی امکان نہیں۔ بھول جاؤ...اور سکون سے یہی بیٹھی رہو۔ناشتہ لایا ہوں"۔وہ بے نیازی سے بولا اور ہاتھ میں پکڑی ٹرے میز پر رکھ دی۔ گرم چائے کی ہلکی سی بھاپ فضا میں پھیل گئی۔

"یہی بیٹھی رہو"۔۔ماہ گل نے اس کا جملہ عین اسی کے انداز میں دہرایا،منہ کے زاویے بگاڑتے ہوئے۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تم سب کا؟ تم ہمیں یہاں نہیں رکھ سکتے! ہم واپس جائیں گے...ہر حال میں"۔وہ غصے سے تن گئی۔

"یہ بغیر رکے اتنا کیسے بول لیتی ہو تم؟"۔وہ چند لمحے اسے حیرت سے دیکھتا رہا، پھر بے اختیار بول اٹھا۔

"چلو، دفعہ ہو جاؤ اب اس کمرے سے"۔ماہ گل نے جھنجھلا کر کہا اور دونوں ہاتھوں سے اسے دھکا دیتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھانے لگی۔

”فضول میں اپنی شکل بار بار دکھانے کی ضرورت نہیں۔اب یہاں تب آنا...جب تمہارے تایا ہمیں یہاں سے جانے دیں“۔وہ اچانک رک گیا،اور اس کی طرف مڑ کر ہلکے طنزیہ انداز میں بولا۔

”اے،اے لڑکی...ذرا رکو۔کہیں تم اس خوش فہمی میں تو نہیں ہو کہ میں تم سے شادی کروں گا؟“۔اس نے گھور کر اسے دیکھا،پھر اپنا بایاں ہاتھ اس کے سامنے کیا،جس میں چمکتی ہوئی انگوٹھی صاف نظر آ رہی تھی۔

”اگر کسی خوش فہمی میں ہو تو نکل آؤ۔مجھے کوئی شوق نہیں اپنی زندگی کو جہنم بنانے کا۔ دیکھو...انگیجڈ ہوں۔وہ بھی ایک ڈیسنیٹ لڑکی کے ساتھ“۔

”خوش فہمی؟“ماہ گل کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری،آنکھوں میں چمک آ گئی۔

”تمہیں لگتا ہے ہم تم جیسے غیر ضروری لوگوں کے بارے میں سوچتے بھی ہوں گے؟“۔وہ تپ کر بولی،آواز میں غرور صاف محسوس ہو رہا تھا۔”اور تم صرف انگیجڈ ہو...ہم شادی شدہ ہیں۔شادی شدہ... سمجھ آئی؟آئندہ یہ فضول بکواس ہم سے نہ کرنا“۔یہ کہتے ہوئے وہ دوبارہ اسے دروازے کی طرف دھکیلنے لگی۔

"کتنا بولتی ہو تم، ہاں؟ زبان ہے یا قینچی؟ چلتی ہی چلی جاتی ہے! شکل سے صرف پیاری ہو... زبان سے کڑوی" وہ حیرت اور تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولا

"ویسے تمہارے سسرال والے تمہاری زبان کو برداشت کیسے کرتے ہیں؟"۔ وہ ایک لمحہ رک کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی حیرت بالکل حقیقی تھی۔ جب سے ماہ گل یہاں آئی تھی، اس کی تیز زبان اور بے خوف انداز نے کامل ملک کو اندر تک ہلا کر رکھ دیا تھا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی لڑکی کو اتنا بے باک اور مسلسل بولتے نہیں دیکھا تھا جتنا کل سے اپنی اس کزن کو دیکھ رہا تھا۔

"تم نکل رہے ہو یا نہیں؟"۔ ماہ گل نے آخری دھکا دیا... اور اگلے ہی لمحے دروازہ زور سے بند کر دیا۔

Clubb of Quality Content

"ڈیئر کزن میری منگیتر کی تصویر تو دیکھ لو... قسم سے تم سے زیادہ پیاری ہے۔ اور میں تمہاری اس سے بات بھی کرواؤں گا... تاکہ تمہیں پتا چلے لڑکیوں کو زبان کتنی کم چلانی چاہیے"۔

"اور ہم اسے سب سے پہلے یہی بتائیں گے کہ تمہارا منگیتر ہمیں اغوا کر کے رکھا ہوا تھا... پھر گن گاتے رہنا اس کی سادگی کے"۔ ماہ گل نے تاک کے وار کیا۔ یہ سنتے ہی وہ ایک لمحے کو گڑبڑا گیا۔

"یہ... یہ تم باپ بیٹی کا معاملہ ہے۔ میں جارہا ہوں"۔ وہ جلدی سے وہاں سے ہٹ گیا۔

اور عجیب بات یہ تھی کہ اس عجیب صورتحال میں بھی...

ماہ گل کے ہونٹوں پر ہلکی سی ہنسی آگئی تھی۔

بالآخر وہ پاکستان پہنچ چکا تھا... مگر اس کے پہنچتے پہنچتے اور ماہ گل کو اغوا ہوئے دوسرے دن کی صبح ہو چکی تھی۔

یہ لمحے اس نے جس قدر مشکل سے کاٹے تھے، وہ صرف وہی جانتا تھا۔ ہر گزرتا لمحہ اس پر بھاری گزرا تھا۔ گویا وقت نے اپنے قدم سست کر دیے ہوں۔

یہ پہلی بار تھا... کہ وہ اس کیفیت سے گزر رہا تھا۔ جب روح بے چین ہو اٹھے... دل بے وجہ تڑپنے لگے... اور سانس لینا بھی بوجھ سا محسوس ہو۔ مشکل میں کوئی اور ہو... اور آپ کو اپنا آپ مشکل میں لگے۔ تکلیف سے کوئی اور گزرے... اور درد اپنی رگوں میں اترتا محسوس ہو۔ تب دل واقعی تڑپ اٹھتا ہے بے بس، بے قرار... اور مکمل طور پر بے چین۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

وہ ایئرپورٹ پہنچتے ہی ڈرائیور کو فون کر کے اپنی گاڑی منگوا چکا تھا۔اب اس کا رخ سیدھا رحمانی ہاؤس کی جانب تھا۔گاڑی شہر کی سڑکوں پر تیزی سے دوڑ رہی تھی، مگر اسے ہر موڑ، ہر سگنل...ہر لمحہ حد سے زیادہ طویل محسوس ہو رہا تھا۔

صبح کے دس بج رہے تھے۔

رحمانی ہاؤس کے سامنے گاڑی آ کر رکی تو اسی وقت مزمل آفس جانے کے لیے باہر نکل رہا تھا۔گاڑی کو رکتا دیکھ کر وہ چونک اٹھا۔اس کے قدم وہیں رک گئے۔

دروازہ کھلا...اور اندر سے حدیر باہر نکلا۔

سفر کی تھکن اس کے چہرے پر واضح تھی، مگر آنکھوں میں ایک عجیب سی سختی تھی۔نیند، آرام اور سکون سب کچھ کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ڈرائیور فوراً گاڑی کے پیچھے گیا اور اس کے بیگز نکالنے لگا۔

"حدیر...تم آ گئے؟"۔مزمل نے اپنی گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے حیرت اور ہلکی سی جھجک کے ساتھ اس کی طرف قدم بڑھائے۔

"یہ سامان میرے کمرے میں رکھوادو"۔حدیر نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی، پھر ڈرائیور کی طرف رخ کر کے سنجیدگی سے کہا۔ڈرائیور نے فوراً سر ہلایا اور بیگز اٹھا کر اندر کی طرف چل دیا۔

"مجھے آنا ہی تھا"۔حدیر نے مختصر اور بے تاثر لہجے میں جواب دیا۔اس کے الفاظ کم تھے... مگر ان میں فیصلہ پوری شدت سے موجود تھا۔

"یار، تو اتنا ناراض ہو رہا ہے...مجھے اگر معلوم ہوتا تو میں انہیں جانے دیتا؟"۔مزمل نے بیچارگی سے اسے دیکھا۔اس کے لہجے میں صفائی بھی تھی اور پچھتاوا بھی۔

"ماہ گل کو میں واپس لے آؤں...پھر ہم بات کریں گے،ابھی تم آفس جاؤ مزمل"۔اس بار اس کے لہجے میں ہلکی سی نرمی تھی، مگر سنجیدگی اب بھی ویسی ہی قائم تھی اٹل، مضبوط،اور فیصلہ کن۔یہ کہہ کر وہ بغیر رکے آگے بڑھ گیا۔

مزمل نے چند لمحے اسے جاتے دیکھا...پھر آفس جانے کے بجائے خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑا، جیسے دل نے اجازت ہی نہ دی ہو کہ وہ اسے اکیلا چھوڑ دے۔

اوپر فلور پر پہنچتے ہی وہ لاؤنج میں داخل ہوا۔

وہاں باقی سب پہلے سے موجود تھے۔

حدیر کو اچانک سامنے دیکھ کر سب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ان کے چہروں پر ایک ساتھ حیرت، شرمندگی کے سائے ابھر آئے۔

"السلام علیکم"۔سب نے دھیمی دھیمی آواز میں اپنی جگہ سلام کیا۔حدیر نے صرف سر کے ہلکے سے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔

نہ کوئی سوال...نہ کوئی شکایت...بس ایک خاموش عزم اس کے چہرے پر نمایاں تھا۔اگلے ہی لمحے وہ سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ شاور لے کر باہر نکلا تو تازہ پانی کے قطرے اب بھی اس کے بالوں سے ٹپک رہے تھے۔چہرہ دھلا ہوا تھا۔مگر دل کے اندر جو آگ سلگ رہی تھی،اس پر کسی پانی کا اثر نہ تھا۔آنکھوں کے نیچے تھکن کی ہلکی سی پرچھائیں واضح تھی۔

وہ لاؤنج میں آیا...تو دیکھا سب اب بھی ویسے ہی بیٹھے تھے۔فضا میں خاموشی کی ایک دبیز تہہ جمی ہوئی تھی۔ان کے ساتھ مزمل بھی موجود تھا۔

"حدیر بھائی...؟"۔ریان کی منمناتی ہوئی آواز نے اس کے بڑھتے قدموں کو روک دیا۔

وہ آہستہ سے پلٹا...اور خاموش نگاہوں سے ریان کو دیکھنے لگا۔اس نظر میں نہ غصہ تھا،نہ سختی بس ایک گہری سی تھکن اور ٹوٹا ہوا سا اعتماد تھا۔

"آپ ناراض ہیں ہم سب سے؟"۔ مناہل نے روہانسی آواز میں پوچھا۔اس کی پلکوں پر ندامت کی نمی چمک رہی تھی۔

حدیر نے ایک گہری سانس بھری...اور آہستہ سے سنگل صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔بیٹھتے ہی اس نے ایک نظر بے اختیار کلائی پر بندھی گھڑی پر ڈالی۔

گیارہ بج کر چالیس منٹ۔

اس کے لیے اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی تھا...ہر گزرتا سیکنڈ اسے یاد دلا رہا تھا کہ ماہ گل اب بھی اس کی پہنچ سے دور ہے۔

وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا، پھر دھیرے سے بولنا شروع ہوا۔

"آپ لوگوں کو ذرا بھی احساس ہے...آپ سب نے کیا کیا ہے؟"۔اس کے لہجے میں نہ غصہ تھا، نہ سختی۔بس ایک دھیمی سی تھکن تھی...اور ٹوٹے ہوئے اعتبار کی کسک۔

سب کے سر جھک گئے۔

"ماہ گل...بشریٰ رحمانی کی ہر ناراضگی مول لے کر آپ لوگوں کے لیے ہمیشہ ہنسنے ہنسانے کے مواقع ڈھونڈتی رہتی تھی"۔اس کی آواز نرم تھی، مگر ہر لفظ دل میں اتر رہا تھا۔

”وہ آپ سب کے لیے سب کچھ پلان کرتی تھی...اور آخر میں خود بشریٰ رحمانی سے ڈانٹ سن لیتی تھی“۔اس نے نگاہ اٹھا کر ریان کو دیکھا۔”اور ریان بیٹا...آپ؟ وہ ہر رات آپ سے آپ کے کالج کے قصے سنا کرتی تھیں... صرف اس لیے کہ آپ کبھی خود کو اکیلا محسوس نہ کریں... کبھی خود کو نظرانداز نہ سمجھیں“۔ریان کی آنکھیں بھر آئیں۔

کمرے میں خاموشی اور گہری ہو گئی۔ہر چہرہ ندامت سے جھکا ہوا تھا۔

حدیر کی آواز اور دھیمی ہو گئی۔

”آپ میں سے کسی ایک نے بھی ان کی غیر موجودگی محسوس نہیں کی؟ اگر بشریٰ رحمانی انہیں سامنے دیکھ کر غصہ کر رہی تھیں...تو اکیلے انہیں کمرے میں چھوڑ دینا کوئی حل تو نہیں تھا“۔اس نے ایک ایک کر کے سب کی طرف دیکھا۔اس کے سوال میں کوئی الزام نہیں تھا، مگر ایک ایسا دکھ تھا جو دل کو چیرتا ہوا گزر رہا تھا۔

”میرب... مناہل... فضا... آپ میں سے کوئی بھی کمرے میں جا سکتا تھا۔اگر وہ اس وقت اداس تھیں...تو آپ لوگ کچھ ایسا کر سکتے تھے جو ان کا موڈ خوشگوار کر دیتا“۔اس نے پلکیں بند کیں،اور کسی یاد نے دل کو چھو سا دیا۔اس کی آواز آہستہ آہستہ مدھم ہونے لگی۔۔

"ہمیشہ وہ آپ لوگوں کے لیے پلان کرتی تھیں...اس بار آپ لوگ ان کے لیے کرتے"۔

وہ چند لمحے خاموش ہو گیا۔

"لیکن...آپ سب نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔

مجھے بڑوں سے تو کوئی امید نہیں تھی... مگر چھوٹوں نے بھی"۔جملہ ادھورا رہ گیا۔اس کی آواز میں پہلی بار واضح درد تھا وہ درد جو الفاظ میں مکمل بیان نہیں ہو سکتا۔

وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ لبوں پر لایا وہ مسکراہٹ جو آنکھوں تک نہیں پہنچتی۔۔

"خیر...وہ آپ لوگوں کی ذمہ داری نہیں تھیں۔میری زمہ داری تھیں، ہیں اور رہیں گی"۔

اس کی آنکھوں میں ایک مضبوط عزم ابھر آیا۔

"میں انہیں لے آؤں گا۔آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔اور آئندہ...ان کے معاملے میں کسی پر بھروسہ نہیں کروں گا"۔یہ کہہ کر وہ آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

پیچھے سب لوگ پشیمان چہروں کے ساتھ اس کی پشت کو دیکھتے رہ گئے۔

اسی لمحے حدیر رحمانی کا موبائل بجا۔اس نے فوراً کال اٹھائی۔

"ہاں کبیر... معلوم کروایا؟ کہاں ہے وہ؟"۔اس کا لہجہ ایک دم سنجیدہ اور تیز ہو گیا۔

Clubb of Quality Content

پاکستان پہنچنے کے دوران ہی وہ کبیر کو ہدایت دے چکا تھا کہ ماہ گل کی لوکیشن معلوم کریں کہ ملک نے اسے کہاں رکھا ہے۔

دوسری طرف سے جواب سنتے ہی اس کی آنکھوں میں ایک چمک سی ابھری۔

''ٹھیک ہے... میں آرہا ہوں۔ تم بھی وہیں پہنچو''۔اس نے کال بند کی...اور عجلت میں باہر کی طرف بڑھنے لگا۔

''میں بھی ساتھ چلتا ہوں، حدیر''۔مزمل فوراً کھڑا ہوتا ہوا اس کے پاس آگیا۔

حدیر ایک لمحہ رکا، پھر اس کے کندھے پر ہلکا سا ہاتھ رکھا۔

''اس کی ضرورت نہیں، مزمل... تم آفس جاؤ''۔لہجہ نرم تھا... مگر فیصلہ اٹل۔اگلے ہی لمحے وہ تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

ناولز کلب Clubb of Quality Content

''کامل، تم پھر آگئے؟''ماہ گل جھنجھلا کر تپ اٹھی۔اس کی بھنویں تن گئیں اور آنکھوں میں چنگاریاں سی لپکنے لگیں۔

''کیا تمہارے پاس اور کوئی کام نہیں ہماری نگرانی اور خدمت کرنے کے علاوہ؟''۔اس نے طنزیہ نگاہوں سے اس کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے کو دیکھا، جس میں دوپہر کا کھانا دھیمی بھاپ چھوڑ رہا تھا۔ کمرے میں دال چاول کی خوشبو پھیل رہی تھی۔

''خدمت...؟''کامل جیسے جل اٹھا۔وہ ایک جھٹکے سے آگے بڑھا اور ٹرے زور سے ٹیبل پر رکھ دی۔

''خدمت؟اور تمہاری؟مر کر بھی نہ کروں''۔وہ تڑپ کر بولا۔

''دیکھنے میں تو تم اچھے خاصے لگتے ہو، لیکن تم...''ماہ گل نے بات کو طول دیتے ہوئے معنی خیز انداز میں اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

''تم کیا تمہارے چاچا کے اغوا کیے ہوئے لوگوں کو بھی اسی طرح کھانا پیش کرتے رہتے ہو؟''۔پھر اچانک اس کے ہونٹوں پر ایک شرارتی مسکراہٹ ابھری، رازدارانہ لہجے میں سوال کی

''چچ...بیچاری تمہاری منگیتر اسے بھی حرام کھلاؤ گے؟''۔اس نے ہونٹوں کو ذرا سا سکیڑ کر مصنوعی افسوس سے سر ہلایا، پھر وہ ایک دم چونکنے کی اداکاری کی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ایک منٹ...ایک منٹ! کیا اسے معلوم ہے تم اس طرح کے کام کرتے ہو؟" اس نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی سر جھٹک کر جواب دے دیا۔

"اونہہ! اسے کہاں معلوم ہوگا۔ اگر معلوم ہوتا تو تمہارے منہ پر انگوٹھی مار کر چلتی بنتی"۔ وہ مسلسل بولے جا رہی تھی، اور ہر جملے کے ساتھ اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے کبھی طنز، کبھی معصومیت، کبھی خالص شرارت۔

کامل ملک مارے صدمے کے بس اسے دیکھے جا رہا تھا۔ یہ غیر متوقع طوفان اسے ہلا چکا تھا۔

"اوبی بی! بریک پر پاؤں رکھو...رک جاؤ یہیں" آخرکار وہ بھی میدان میں آگیا، وہ جھنجھلا کر بولا۔

"الحمدللہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہوں، چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ" وہ سینہ ذرا سا تان کر بولا۔ "سمجھ آئی؟"۔ پھر طنزیہ نگاہ سے اسے دیکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ "لیکن تمہیں کہاں آئے گی کچھ سمجھ؟ ساری زندگی تو زبان چلانے میں ضائع کی ہوگی"۔

"جیسے تم نے کی ہے اپنی۔۔۔زندگی ضائع زبان چلانے میں"۔ ماہ گل نے فوراً پلٹ کر وار کیا۔

"وہ کیا ہے نا، خون ایک ہے دونوں کا... لگتا ہے زبان چلانا خون میں شامل ہے"۔ اس کے ہونٹوں پر جلتی ہوئی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم سے تو کم ہی چلتی ہے میری زبان"۔ کامل دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا، دونوں بازو سینے پر باندھ لیے۔

ماہ گل نے بے نیازی سے کندھے اچکائے اور بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس نے پلیٹ اپنی طرف کھینچی۔ کیونکہ باقی سب باتوں پر سمجھوتہ ہو سکتا تھا، لیکن کھانے پر نہیں۔ چمچ اٹھایا اور دال چاول کو اچھی طرح ملا کر پہلا بڑا سا لقمہ منہ میں ڈال لیا۔

کامل اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

"بھوکی"۔ وہ دل میں بڑبڑا کر رہ گیا۔

"ویسے یہ کیسا فارغ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہے... جو ہر وقت گھر پر گھومتا رہتا ہے؟"۔ وہ منہ بھر کر بولی، آواز ذرا بھاری ہو گئی تھی۔

"چھٹیوں کا نام سنا ہے کبھی زندگی میں؟ تو میں انہی چھٹیوں پر ہوں"۔ لہجہ ٹھنڈا تھا، مگر آنکھوں میں ایک نرم سی مسکراہٹ چھپی ہوئی تھی۔

اسی وقت ماہ گل نے اگلا چمچ منہ تک لاتے لاتے اچانک روک دیا۔آنکھوں میں افسوس بھرتی ہوئی اسے دیکھنے لگی۔

"ہائے افسوس! لوگ چھٹیوں پر کسی پر سکون جگہ گھومنے جاتے ہیں،اور کامل ملک کی قسمت دیکھیے...وہ ہماری نگرانی کر رہے ہیں"۔وہ بے اختیار ہنستی چلی گئ۔

"زیادہ میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کی ضرورت نہیں،اچھا؟"کامل تڑپ کر دیوار کی ٹیک چھوڑتا سیدھا ہو گیا۔

"قسم سے میں ویکیشنز پر ہی جا رہا تھا،لیکن تمہارے ابا نے کس مصیبت میں ڈال دیا"وہ سچ مچ اپنے دکھڑے رونے لگا،چہرے پر مظلومیت کی ہلکی سی جھلک لیے۔

ماہ گل فوراً چونک کر سیدھی ہوئی،اور نفی میں تیزی سے سر ہلایا۔

"نہیں نہیں،کامل صاحب...ہمارے ابا نہیں،آپ کے تایا"۔اس نے بڑی سنجیدگی سے اس کی درستگی کی۔اس کے انداز میں نرمی بھی تھی اور ایک غیر محسوس سی حد بندی بھی۔

کامل اسے دیکھ کر رہ گیا۔

یہ ہنستی مسکراتی،زندہ دل لڑکی...کچھ معاملوں میں آکر اچانک سخت ہو جاتی تھی،جیسے کسی نازک پھول کے اندر کہیں ایک مضبوط کانٹا چھپا ہو۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اور ظاہر ہے، اغوا جیسا گناہ کا کام کرو گے تو وہ مصیبت ہی لگے گی"۔ وہ کندھے اچکا گئی۔ اس کے لہجے میں صاف پیغام تھا مصیبت وہ نہیں تھی... مصیبت کامل کا کیا گیا عمل تھا۔

کامل نے ایک گہری سانس لی اور مایوسی سے سر ہلاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھنے لگا، اس بحث میں مزید ٹھہرنا اس کے بس سے باہر تھا۔

"سنو کامل"۔ ماہ گل کی آواز نے اسے دروازے کے قریب روک لیا۔

"اب کیا ہے؟" وہ وہ پلٹا، بھنویں ذرا سی سکیڑیں، آنکھوں میں ہلکی سی تجسس کی چمک بھی تھی۔

"ہمیں دو چار slims کے پیکٹ تو لادو"۔ ماہ گل نے معصومیت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ کام جو تھا اپنا۔

"اب یہ slims کیا بلا ہے؟"۔ کامل کی پیشانی پر الجھن کے بل پڑ گئے۔

"ارے! کسی چیز کی دکان میں جاؤ گے، نام بتانا... دے دیں گے وہ تمہیں۔۔ ویسے یہ potato crisps ہیں"۔ ماہ گل نے زچ ہو کر ہلکا سا منہ بنایا۔ ایک تو ان لڑکوں کو کچھ معلوم ہی نہیں ہوتا اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

"تم کرو گی کیا؟"۔ کامل نے گھورتے ہوئے پوچھا۔

Clubb of Quality Content

"دال چاول کے ساتھ کھاؤں گی"۔وہ پلیٹ ہاتھ میں لیتے ہوئے بڑی سادگی سے بولی۔

"یار ماہ گل، قسم سے تم کیا چیز ہو! دال چاول کے ساتھ کون کھاتا ہے؟" وہ چمکیلی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا،اس کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور بے اختیار ہنسی بھی۔یہ عجوبہ تھی کامل ملک سوچ کر رہ گیا۔

"ہماری جیسی لڑکیاں"۔ماہ گل نے فخر سے گردن ذرا سی اونچی کی اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

۔"اب جاؤ نا... جلدی سے لے آؤ"۔آخری جملہ اس نے ذرا مناتے ہوئے لہجے میں کہا.

"لا رہے ہو نا؟". وہ دروازہ بند کرنے لگا تو ماہ گل نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"ہاں بھئی لا رہا ہوں" وہ باہر سے جواب دیتا ہوا بولا، پھر اچانک دروازے سے سر اندر جھانک کر اسے گھورتے ہوئے کہنے لگا۔"تم یہ بتاؤ، تم زبردستی یہاں لائی گئی ہو یا اپنے میکے گھومنے آئی ہو؟"۔

ماہ گل کے ابرو فوراً تن گئے۔"ہنہہ... یہ ہمارا میکا نہیں"۔اس کے لہجے میں ایک لمحے کو سختی در آئی۔

"اور یہ ہم تم سے منگوا رہے ہیں، کامل ملک"۔

”ابھی تم میری کمائی کو حرام کہہ رہی تھی؟“۔کامل نے ہلکا سا ابرو اٹھایا.

”ہاں تو تم اپنی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ والی کمائی سے لانا۔وہ تو حلال ہے نا“۔ماہ گل شرارت سے مسکرائی۔وہ اس کی چالاکی دیکھ کر رہ گیا۔

”اچھا اب جلدی جاؤ...ہمارا کھانا ٹھنڈا کر دیا“۔پلیٹ کی جانب دیکھتے وہ خفگی سے بولی۔

کامل ہلکی سی مسکراہٹ دباتا ہوا سر ہلاتے ہوئے چلا گیا۔

دروازہ بند ہوا تو کمرے میں ایک نرم سی خاموشی اتر آئی۔

ماہ گل کے لبوں پر آہستہ آہستہ ایک دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس کے اپنے خاندان کا پہلا رشتہ...کامل ملک۔

وہ ہمیشہ سوچتی رہی تھی اس کا اپنا خاندان کیسا ہو گا؟ وہاں کے لوگ کیسے ہوں گے؟

باپ کے بارے میں جو کچھ سنا تھا، اس نے اس کے دل میں امید کی کوئی شمع روشن نہ رہنے دی تھی۔

مگر کامل ملک...کامل ملک مختلف تھا۔

وہ اس تاریک تصور کے بیچ ایک نرم سی روشنی کی طرح تھا۔

”آہہ... یہ ملک کیا کر رہا ہے؟“۔ حدیر کے صبر کا بند ٹوٹ گیا۔ اس نے جھنجھلاہٹ سے گاڑی کے ٹائر پر زوردار لات ماری۔ ٹھنڈے سنسان ماحول میں وہ آواز غیر معمولی طور پر بلند محسوس ہوئی۔

ہوا میں ہلکی سی خنکی باقی تھی۔ جاتی سردیوں کے دن تھے سورج کی مدھم روشنی گاؤں کی خاموش فضا میں پھیلی ہوئی تھی، مگر حدیر کے دل کے اندر ایک ایسا طوفان برپا تھا جس کے آگے موسم کی ہر ٹھنڈ بے معنی لگ رہی تھی۔

”سر... بھابھی کو یقیناً اس نے اسی لوکیشن میں رکھا ہو گا جہاں تک ہماری پہنچ نہیں۔ ہمیں پہلے ملک یا ملک کے بھتیجے تک پہنچنا ہو گا۔“ کبیر چند قدم کے فاصلے پر کھڑا دھیمی مگر سنجیدہ آواز میں بولا۔ اس کا لہجہ محتاط تھا۔

حدیر نے ضبط کرتے ہوئے مٹھی بھینچ لی۔

اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، صرف غصے سے نہیں بلکہ بے بسی، خوف اور فکر کے ملے جلے احساس سے۔

”تو تم سب نے اب تک ان لوگوں کا پتا کیوں نہیں لگایا؟ کبیر... وی ڈونٹ ہیو ٹائم۔“ اس کی آواز دبی ہوئی تھی، مگر اس کے اندر چھپا طوفان صاف سنائی دے رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

سیاہ رنگ کی سادہ کمیز شلوار میں ملبوس حدیر رحمانی

اپنے کندھوں پر کریم رنگ کی شال اوڑھے کھڑا تھا۔

وہ اس وقت اپنے آبائی گاؤں میں موجود تھا۔

"کامل ملک تک پہنچو، کبیر"۔اس نے آہستہ مگر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔"مجھے ہر حال میں وہ میرے سامنے چاہیے۔سیدھے طریقے سے آنے پر راضی نہ ہو...تو تم جانتے ہو آگے کیا کرنا ہے"۔اس کی آواز میں عجیب سی ٹھنڈک تھی۔

یہ کہہ کر اس نے اپنی نگاہیں سامنے کھڑے امرود کے درخت پر جمادیں۔درخت کی شاخیں ہلکی ہوا میں آہستہ آہستہ ہل رہی تھیں، مگر حدیر کی نظریں ایک پل کو بھی وہاں سے نہ ہٹ سکیں۔

"سر...آپ بھی چلیں۔آپ کا یہاں اکیلا کھڑا ہونا ٹھیک نہیں ہے"۔کبیر نے فکر مندی سے اسے دیکھا۔وہ ان چند لوگوں میں سے تھا جو رحمانی خاندان کے گاؤں چھوڑنے کی اصل وجہ جانتے تھے وہ وجہ جو آج بھی اس مٹی میں کسی ان کہی داستان کی طرح دفن تھی۔

حدیر نے گہری سانس لی۔اس کے چہرے پر لمحہ بھر کو ایک سخت عزم ابھرا، پھر وہ آہستہ سے گاڑی کے بونٹ سے پشت ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

Clubb of Quality Content!

''جاؤ، کبیر... تم جاؤ''۔اس نے دھیمی مگر واضح آواز میں کہا۔''سالوں بعد ہی سہی... لیکن حدیر رحمانی نے اپنی بندوق اٹھالی ہے''۔اس کے الفاظ فضا میں معلق ہو گئے بھاری، سنجیدہ،اور خطرے کی پیش گوئی کرتے ہوئے۔

''سر... پلیز''۔کبیر کی آواز میں ہلکی سی التجا تھی۔

''کبیر،ڈونٹ ویسٹ آ سیکنڈ''اس کی آواز قطعیت سے بھری تھی سخت،بے لچک،اور حکم دینے والی۔وہ لہجہ ایسا تھا جس میں مزید کسی بحث کی گنجائش باقی نہ رہی۔

کبیر الٰہی نے ایک لمحہ اسے دیکھا پھر خاموشی سے سر جھکا کر پیچھے ہٹ گیا۔

فضا میں ایک عجیب سی خاموشی اتر آئی۔ہلکی ہوا درختوں کی شاخوں کو چھو کر گزر رہی تھی، اور دور کہیں پرندوں کی مدھم آوازیں سنائی دے رہی تھیں مگر حدیر کے اندر ایک ایسا شور برپا تھا جو باہر کی ہر آواز کو نگل رہا تھا۔

وہ بدستور سامنے کھڑے درخت کو دیکھتا رہا اسی درخت کو جس کی شاخوں پر لگے سبز سبز پھل

اسے کسی کی یاد دلا رہے تھے۔۔ان پھلوں کو دیکھ کر کسی کی شرارت بھری یادیں شدت سے یاد آرہی تھیں۔

اس کے لب بے اختیار ہلے مگر آواز صرف دل میں گونجی۔

"کاش... تم گاؤں نہ آتی، ماہی"۔ایک ہلکی سی آہ اس کے سینے میں اٹھی اور خاموشی سے دل کے کسی کونے میں جا کر بیٹھ گئی۔

"تمہارے ہونے سے مجھے خود کا ہونا محسوس ہوا۔ ورنہ میں تو اپنے وجود سے لاپرواہ ہو گیا تھا"۔اس کی نظریں اب بھی درخت کی شاخوں پر جمی تھیں،

مگر وہ دیکھ کچھ اور رہا تھا، ماہی کا پیڑوں لگاؤ۔ وہ ہوتی تو اب تک پھل توڑ چکی ہوتی۔

"تمہاری چھوٹی چھوٹی شرارتیں... تمہاری مسکراہٹیں... میری بے رنگ زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں، بہارِ جاں"۔اس کے دل میں ایک عجیب سی نمی اترنے لگی۔

"ابھی تو میں نے جینا سیکھا ہے، ماہی... ابھی تو میں نے مسکرانا سیکھا ہے۔ میں تمہیں خود سے دور نہیں جانے دوں گا"۔اس کے دل میں عزم کی ایک سخت لہر اٹھی۔

"تم حدیر کی ہو... زندگی"۔اس کی پلکیں اچانک بوجھل سی محسوس ہوئیں۔ نمی کا ایک باریک سا لمس ان کے کناروں پر ٹھہر گیا مگر اگلے ہی لمحے وہ تیزی سے پلکیں جھپک گیا۔

اس نے دوبارہ درختوں کی طرف دیکھا۔

ہلکی ہوا سے ہلتے ہوئے پھل اسے پھر ماہی کی شرارتوں کی یاد دلا گئے وہ شرارتیں جو اس کی سنجیدہ زندگی میں مسکراہٹ کا پہلا سبب بنی تھیں۔

”خیریت ہے، کامل ملک ؟ آج اتنی خاموشی ؟“۔

کامل نے آکر آہستگی سے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھا تو ماہ گل یہ جملہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔ کھڑکی سے آتی شام کی مدھم ہوتی دھوپ فرش پر سنہری چادر کی طرح پھیلی ہوئی تھی،اور چائے کی بھاپ میں ہلکی سی خوشبو گھل کر فضا کو مانوس بنا رہی تھی۔

”کہیں ہمارے شوہر سے تو نہیں مل لیا؟“۔وہ پھر مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔اس کی آنکھوں میں شرارت کی ننھی ننھی چنگاریاں جھلملانے لگیں۔

”ہنہ ! اتنے برے دن بھی نہ آئے کہ تمہارے شوہر سے مل کر خاموشی کا راگ الاپنے لگوں گا“۔کامل نے جلے دل سے جواب دیا۔اس کے لہجے میں خفگی تھی۔

”اچھا تو پھر کتنے اچھے دن آگئے ہیں جو خاموشی کا راگ الاپا پایا جا رہا ہے ؟“۔ماہ گل نے بھنویں ذرا سی اٹھائیں اور کپ ہاتھ میں لے کر ہونٹوں کے قریب کر لیا۔

”تمہاری ہی بد دعا لگی ہو گی“۔کامل جھنجھلاتا ہوا بیزاری سے بولا۔

"ہیں؟ کیا مطلب... ہماری بددعا؟" وہ چونک کر کپ دوبارہ ٹرے پر رکھتی ہوئی ذرا پرجوش انداز میں سیدھی ہو بیٹھی۔ اس کے چہرے پر معصوم حیرت اور تجسس ایک ساتھ ابھر آئے۔

کامل اسے بس گھور کر رہ گیا۔

"تو کیا تمہاری منگیتر ناراض ہو گئی ہے؟"۔ ماہ گل نے چمکتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تم... تم نے واقعی مجھے بددعا دی تھی؟"۔ مارے حیرت کے کامل کا برا حال تھا۔ اس کا حواس باختہ سا چہرہ دیکھ کر ماہ گل بے اختیار ہنستی چلی گئی۔

"پاگل! تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ تمہاری منگیتر سے کوئی بات چیت اچھی نہیں ہوئی"۔

وہ ہنسی روکتے ہوئے ذرا سنبھل کر بیٹھی، مگر اس کے لبوں کے کناروں پر اب بھی مسکراہٹ کی ہلکی سی لکیر باقی تھی۔

Clubb of Quality Content

کامل نے ایک گہری سانس لی، پھر اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "بددعا بھی مت دینا... ورنہ تمہیں یہاں سے بھیجنے کی جو کوششیں کر رہا ہوں سب ترک کر دوں گا"۔ اس کے لہجے میں دھمکی تھی۔

"ہاں، جیسے ہم تو تمہارے ہی آسرے پر یہاں بیٹھے ہیں کہ کامل صاحب اپنی کوششیں کریں گے تب ہی ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ بھولیے مت، کامل صاحب، ہمارے ایک عدد شوہر بھی

ہیں حدیر رحمانی اور اُن کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی کی ضرورت نہیں"۔ وہ گردن ذرا سا اٹھاتے ہوئے، ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اور آنکھوں میں ناز کی چمک لیے بولی۔ اس کے انداز میں ایک عجیب سا اعتماد تھا۔

کامل ملک نے چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھا۔ اس کی نظریں جیسے ماہ گل کے چہرے پر ٹھہر گئی تھیں، جہاں خود اعتمادی اور محبت ایک ساتھ جھلک رہی تھی۔

"یہ تم واقعی اپنے شوہر سے اتنی محبت کرتی ہو؟ وہ بندہ جو ملک سے باہر ہے، اُس پر اتنا یقین؟"۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہم کیوں تمہیں بتائیں کہ کتنی محبت کرتے ہیں؟"۔ ماہ گل نے ذرا سا تیور بدلتے ہوئے اسے گھورا۔

"دفع ہو جاؤ تم"۔ کامل بدمزہ ہوتے ہوئے ذرا پیچھے ہوا، اور مخصوص دیوار پر ٹیک لگا گیا۔

" تمہاری منگیتر کے ساتھ کیا مسئلہ ہوا؟"۔ اس نے میز پر رکھا کیک رسک اٹھایا۔

"تم نہ بتاؤ کچھ اور، مجھ سے سب پوچھو"۔ اس کی آواز میں ناراضی تھی۔

"بتا دو... کیا معلوم کوئی حل دے دیں" وہ ہلکے سے مسکرائی، مگر اس مسکراہٹ میں خلوص کی نمی شامل تھی۔ کیک رسک دانتوں میں دبایا۔

Clubb of Quality Content!

کامل نے ایک گہرا سانس لیا۔اس کی نظریں چند لمحوں کے لیے کھڑکی سے باہر ٹھہر گئیں، جہاں درخت کے پتے ہوا کے ساتھ سرگوشیاں کر رہے تھے۔

''وہ... کسی اور سے محبت کرتی ہے''۔اس نے آہستہ سے کہا۔

''کیا؟''۔ماہ گل کے منہ سے بے اختیار نکلا۔کیک رسک کا ٹکڑا اس کے ہونٹوں سے پھسل کر تقریباً باہر آگیا۔وہ اچانک کھانس پڑی، پھر سنبھل کر آنکھوں میں ابھرتی نمی کے ساتھ اسے دیکھنے لگی۔

''ایسے گھور کر کیا دیکھ رہی ہو؟''۔کامل تپ کر بولا۔

''کتنے برے ہو تم، کامل... جس سے وہ محبت کرتی ہے، کرنے دو اس سے شادی۔تم کیوں بیچ میں ٹانگ اڑا رہے ہو؟''۔وہ اسے ملامت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''کتنے تنگ ذہن ہو تم بھی...اپنے بڑوں کی طرح؟پسند کی شادی پر بچپن کی منگنی کو فوقیت دینا''...

''ایک منٹ، بی بی! یہ اپنے لیکچر اپنے پاس رکھو''۔کامل نے اچانک ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔اس کے چہرے پر خفگی کی سخت لکیر ابھر آئی تھی، اور آواز میں ناراضی صاف محسوس ہو رہی تھی۔

''اوّل تو وہ میری بچپن کی منگیتر نہیں۔ ہماری منگنی صرف چھ ماہ پہلے ہوئی ہے۔اور میں کوئی زبردستی کا قائل نہیں ہوں، سمجھی؟ ہر کسی کو اپنی طرح نہ سمجھ لیا کرو''

''اچھا اچھا، زیادہ سینٹی نہ ہو''۔ماہ گل نے بے پرواہی سے ہاتھ جھلاتے ہوئے بات کو ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

''ویسے ایک بات بتاؤ... جس سے وہ محبت کرتی ہے، کیا میں اسے اس سے شادی کرنے دوں؟''کامل نے سنجیدگی سے پوچھا۔اس کے لہجے میں اب طنز کم اور سوچ زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن آنکھیں وہ کچھ اور کہہ رہی تھیں۔

''ہاں، بالکل کامل''۔ماہ گل فوراً بولی۔اس کے چہرے پر خلوص بھری سنجیدگی آگئی تھی۔

''دیکھو، تمہیں بہت ثواب ملے گا...اور اس سے بھی زیادہ اچھی لڑکی مل جائے گی''۔وہ بڑے اشتیاق سے مشورہ دے رہی تھی۔

کامل ملک کے ہونٹوں پر اچانک ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔''تم ہی مجھے پہلے مل جاتی...''۔

اس نے چند لمحے اسے خاموشی سے دیکھا، پھر آہستہ سے بولا

''اچھا ہوا نہیں ملے ہم''۔جواباً ماہ گل نے فوراً اسے گھورا۔

"شکر الحمدللہ ورنہ میری زندگی بھی جہنم بن جاتی"۔ کامل دونوں ہاتھ دعا کی صورت اٹھاتے پھر چہرے پر پھیر گیا۔ ماہ گل بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تم بتاؤ... سوتن برداشت کرلوگی؟"۔ کامل نے پھر قدرے شرارت اور سنجیدگی کے ملے جلے انداز میں سوال کیا۔

"ہم کیوں کریں گے بھئی؟"۔ ماہ گل نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر صاف الجھن تھی۔

کامل کے چہرے پر اب ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ آدھی طنزیہ، آدھی رازدارانہ۔

"کیونکہ، بی بی... وہ محترمہ تمہارے شوہر سے محبت کرتی ہیں"۔ اس نے ذرا سا جھک کر، ہلکی سی ہنسی دباتے ہوئے کہا۔

یہ جملہ جیسے کمرے کی فضا میں بم بن کر پھٹا۔

ماہ گل کا منہ بے اختیار کھل گیا۔ اس کی آنکھیں صدمے سے پھیل گئیں، اور چند لمحوں کے لیے وہ ساکت ہو کر کامل کو دیکھتی رہ گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"خبردار، کامل ملک... خبردار!" ماہ گل اچانک تیزی سے کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر جلن اور غصے کی سرخی دوڑ آئی تھی۔ "اور یہ تم کیسے منگیتر ہو؟ ہاں؟ اپنی منگیتر کی محبت کا ذکر اتنی بے شرمی سے کر رہے ہو؟ تھوڑی غیرت لاؤ"۔ وہ ہاتھ جھلاتے ہوئے، تیز لہجے میں بولی۔

کامل ملک اس کے برعکس ہنس ہنس کر بے حال ہو رہا تھا۔

"کیوں، بی بی؟ اب کیا ہوا؟"۔ وہ ہنسی دباتے ہوئے بولا۔ "تھوڑا ثواب تم بھی کمالو"۔ اس نے مزے سے اس کی بات اسی پر لوٹا دی۔

"نہیں کمانا ہمیں"۔ ماہ گل نے جھنجھلا کر فوراً جواب دیا۔

"تم شادی کرو فوراً۔ کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟ ہاں؟ بڈھے ہو جاؤ گے تب کرو گے؟" وہ تیز تیز بول رہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

توبہ! انجانے میں ہی سہی لیکن وہ اپنے ہی شوہر سے شادی کے مشورے دے رہی تھی۔

"استغفر اللہ... استغفر اللہ..." اس کے دل میں ایک عجیب سا اضطراب ابھرا، اور بے اختیار اس کے لبوں سے سرگوشی سی نکلی۔

چند لمحے کے لیے وہ رک گئی۔ "کون ہے وہ محترمہ؟"۔ پھر یکدم سنبھل کر کمر پر ہاتھ رکھتی ہوئی اسے گھورنے لگی۔

اس کی آواز میں اب غصے کے ساتھ تجسس بھی شامل تھا۔

"جانتی ہو تم اسے"۔کامل نے سکون سے کہا اور جیب سے موبائل نکالا۔

ماہ گل بے اختیار ایک قدم آگے بڑھی۔کامل نے جیسے ہی موبائل کی اسکرین اس کے سامنے کی،اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

چہرے پر یکدم غصے اور صدمے کی سرخی چھا گئی۔اس نے دانت پیستے ہوئے اسے دیکھا۔

"تمہیں اس پوری دنیا میں کوئی اور لڑکی نہیں ملی تھی،کامل ملک؟" وہ تقریباً چیخنے کے انداز میں بولی۔"یہ مائرہ ہی رہ گئی تھی محبت کرنے کو؟"اس کی نظریں اس تصویر پر جمی ہوئی تھیں، جیسے وہ محض ایک تصویر نہ ہو بلکہ مائرہ خود اس کے سامنے کھڑی ہو۔

کامل کے چہرے کی مسکراہٹ اب قدرے سنجیدہ ہو گئی۔اس نے فوراً موبائل اس کے ہاتھ سے لے لیا اور گہری نظر سے اسے دیکھا۔

"ماہ گل میڈم...وہ میری محبت ہے"۔اس نے ٹھہرے ہوئے مگر مضبوط لہجے میں کہا۔

"اس لیے زبان پر ذرا کنٹرول رکھیں"۔

"اب تو ساری زندگی کا یہی قصہ ہے...اس کی اور ہماری تو نہیں بننے والی"۔ماہ گل نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہلکی سی آہ بھری اور بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔

کامل دروازے کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

”کامل...“اس نے آواز دی۔

وہ اس بار ٹھٹھکے بغیر رک گیا، پھر آہستہ سے مڑا۔

”اب کون سی چیز چاہیے؟“۔اس نے رک کر اسے بیزاری جتانے والے انداز میں دیکھا۔

ماہ گل نے ذرا سا سیدھا ہو کر اس کی طرف دیکھا۔اس کے چہرے پر اچانک معصوم سی مسکراہٹ آگئی۔

”کوکومو...اور بلے بلے تو لادو“۔اس نے مسکینیت سے ہونٹ سکیڑے اور آنکھوں میں ہلکی سی چمک لیے کہا۔

”کام نکلوانے کے لیے تمہارے انداز اتنی جلدی بدلتے ہیں کہ گرگٹ بھی اتنی تیزی سے رنگ نہ بدلے“۔کامل نے ایک لمحے کو اسے گھور کر دیکھا، پھر سر ہلاتے ہوئے ہلکا سا بڑبڑایا۔

شام لاہور پر آہستہ آہستہ اتر رہی تھی۔سڑکوں پر چلتی گاڑیوں کی آوازیں مدھم ہو رہی تھیں،اور آسمان کا رنگ کسی ادھورے خط کی طرح سنہرا سے گہرا ہوتا جا رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حدیر رحمانی کی گاڑی شہر کی بے ہنگم سڑکوں پر بے سمت سی چل رہی تھی۔ باہر دنیا اپنی رفتار میں تھی... مگر اندر اس کے وقت جیسے رک گیا تھا۔

فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ موبائل اٹھایا، مگر نظریں پھر بھی سڑک پر جمی رہیں۔

وہ بے مقصد گاڑی چلا رہا تھا، جیسے راستہ نہیں بلکہ اپنے ہی خیالوں سے بھاگ رہا ہو۔ سڑک کنارے درختوں کے سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے، اور شام کی ہوا میں ہلکی سی خنکی گھل رہی تھی۔

"السلام علیکم سر... لوکیشن مل گئی ہے۔ بھابھی کو ان کے نانا کی حویلی میں رکھا گیا ہے"۔

الفاظ کانوں میں پڑے... اور اگلے ہی لمحے حدیر کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر سخت ہو گئے۔

"ٹھیک ہے کبیر... میں انہیں خود لینے جاؤں گا۔ کسی کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں"۔

اس نے آنکھیں چند لمحے بند کیں پھر بہت دھیمی مگر ٹھہری ہوئی آواز میں بولا۔

"لیکن سر آپ"۔ وہ کچھ کہنے لگا۔

"کبیر"۔ اس نے اس کی بات کاٹ دی۔ آواز دھیمی تھی، مگر اس میں فیصلہ پتھر جیسا تھا۔

"میں نے اپنی بات واضح کر دی ہے"۔

"اوکے سر... میں آپ سے رابطے میں رہوں گا۔ اگر کوئی ضرورت ہو تو کال کر دیجیے گا"۔

"تھینک یو کبیر"۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے حدیر کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"ارے سر... آپ مجھے شکریہ کیوں کہہ رہے ہیں؟" کبیر خفیف سا ہوا۔

"اچھا کبیر... تمہارے بیٹے کے داخلے کا کیا بنا؟"۔ وہ اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے بات بدل گیا۔

"سر... وہی ضد ہے"۔ کبیر چند لمحے کے لیے رکا۔ چہرے پر ایک پل کو فکر کی لکیر ابھری۔

"ضد بے وجہ نہیں ہوتی کبیر..." اس کی نگاہیں سامنے سڑک پر تھیں۔ سامنے سے آتی گاڑی کی روشنی اس کی آنکھوں میں پڑی تو اس نے اسٹیئرنگ ہلکا سا موڑا۔ سیاہ قمیض کی آستینیں کہنیوں تک مڑی ہوئی تھیں، اور کلائی پر سلور گھڑی شام کی روشنی میں چمک رہی تھی۔

"چھوٹے کا داخلہ کروا دو۔ باقی میں دیکھ لوں گا"۔

"تھینک یو سر..." حدیر نے صرف ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ فون بند کیا۔۔ گاڑی پھر سے خاموشی میں ڈوب گئی۔

حدیر نے ایک لمحے کو موبائل سائیڈ پر رکھا، اور نظر سامنے سڑک پر جما دی۔ گاڑی کی رفتار بڑھ چکی تھی۔

---

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ماہ گل... آجاؤ۔ آخر کار تمہاری طلبی کا حکم آگیا ہے"۔ کامل نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور اندر آتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں معمول کی شرارت نہیں تھی، بلکہ ایک سنجیدگی تھی۔

ماہ گل چپل پہننے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی آہ تھی، مگر آنکھوں میں وہی ضد اور بے زاری۔

"قسم سے... ان کی شکل دیکھنے کو دل بالکل نہیں کر رہا"۔

وہ بڑبڑائی، پھر ہلکے سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"لیکن پھر بھی جاننا تو ہے آخر ہمیں لایا کیوں گیا ہے... تو مجبوری ہے"۔ اس کے لہجے میں تھکن سی تھی۔

کامل نے ایک لمحے کو اسے دیکھا... اس کی آنکھوں میں افسوس سا تیر گیا، مگر اس نے کچھ نہ کہا۔ بس خاموشی سے اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

قدموں کی چاپ ہلکی ہلکی سی راہداری میں گونج رہی تھی۔ ہر قدم کے ساتھ ماہ گل کے دل کی دھڑکن جیسے اور بھاری ہوتی جا رہی تھی۔

پھر وہ دونوں ایک کمرے کے دروازے تک پہنچے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دروازہ کھلا...اور وقت جیسے ایک دم ٹھہر گیا۔

ماہ گل کے قدم دہلیز پر منجمد ہو گئے۔ سامنے بیٹھا شخص اس کا باپ تھا۔

دل کی دھڑکن ایک دم بے ترتیب ہو گئی۔ کمرے کی خاموشی کانوں میں شور بن کر گونجنے لگی۔ یہ کیسا لمحہ تھا... جس میں نہ مکمل خوشی تھی، نہ مکمل درد... بس ایک ایسی الجھن جو روح تک اتر رہی تھی۔

اس کے اندر کچھ ٹوٹا... بہت خاموشی سے، بہت گہرائی میں۔

"گل... میں تمہارے ساتھ ہوں"۔ اسے رکتا محسوس کر کے کامل بھی رک گیا پھر کامل کی آواز اس کے کانوں کے قریب آئی۔ بہت دھیمی... بہت سنبھلی ہوئی۔

ماہ گل نے آہستہ سے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ کامل نے اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے نظریں جھکا لیں۔

اس کی آنکھوں میں ایک بے نام سا درد تھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں اس لمحے اسے بھیگی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"یہ فائل ہے... سائن کر دو اس پر"۔ رعب دار، سخت آواز کمرے میں گونجی۔ ایسا لگا جیسے لفظ نہیں بولے گئے... بلکہ حکم گرا ہو۔

ماہ گل کے اندر جیسے کچھ زور سے چھناک کر ٹوٹا۔ایک لمحے کو دل نے بغاوت کی... مگر چہرہ پھر بھی خاموش رہا۔پلکیں جھکا کر خود کو سنبھالا۔کرچیوں کی آواز اندر ہی اندر بکھر رہی تھی، مگر چہرہ اب بھی پر سکون تھا۔اس نے اپنی کیفیت کو بڑی مشکل سے چہرے کے پیچھے چھپالیا۔نہ آنکھیں جھکی،نہ ہونٹ کانپے بس اندر کچھ بکھر گیا تھا،جو باہر نہیں آیا۔

کامل اسے دیکھ رہا تھا...اوراس کی نگاہوں میں صاف افسوس تھا،وہ سمجھ رہا تھا کہ ماہ گل کے لیے یہ لمحہ آسان نہیں۔

"واقعی؟"۔ماہ گل اچانک جیسے ہلکی سی خوشی میں بولی۔ساری سنجیدگی ایک پل میں بے معنی ہوگئی۔

"آپ کو ہم سے صرف یہ فائل سائن کروانی تھی؟"۔اس کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور بے یقینی بھی۔

وہ تیزی سے بولتی گئی۔"آپ لوگوں نے بھی حد کردی۔ایک توزبردستی ہمیں یہاں لایا گیا، پھر پورا ایک دن یوں ہی رکھ لیا۔ہمارے سسرال میں ہی کہہ دیتے،ہم وہیں سائن کردیتے...دو منٹ کا کام تھا،اتنا بڑھادیا آپ نے"۔اس نے فائل کی طرف ہاتھ بڑھایا... مگر اس کی انگلیاں ابھی فضا میں ہی تھیں کہ کمرے میں ایک عجیب سی خاموشی پھیل گئی۔

اس کا اعتماد...اس کی سادگی...کمرے میں موجود دونوں شخص کو ساکت کر گئے۔

"کیا تم واقعی یہ فائل اتنی آسانی سے سائن کر دو گی؟"۔کامل کی آواز میں حیرت کم اور سنجیدگی زیادہ تھی۔

"بالکل کر دیں گے۔بس یہ سائن ہو جائے اور ہمیں یہاں سے جانے دیں"۔ماہ گل نے فوراً سر اٹھایا۔اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک آگئی جانے کی جلدی، آزادی کی بے چینی۔

"جانتی ہو یہ فائل کس چیز کی ہے؟"۔کامل نے اسے روکنے کی کوشش کی،اس بار اس کے لہجے میں واضح تنبیہ تھی۔

"ہمیں بس اپنے گھر جانا ہے"۔ماہ گل نے بغیر جھجک جواب دیا۔

پھر وہ دوبارہ فائل کی طرف جھکی۔

"لائیں دے دیں... جلدی کریں۔کس بات کا انتظار ہے؟آپ لوگوں نے ویسے ہی اتنا وقت ضائع کیا اپنا بھی اور ہمارا بھی"۔اس کی آواز میں اب ضد نہیں تھی...بس جلدی تھی وہ ہاتھ بڑھائے کھڑی رہی...جب کہ کمرے کی فضا ہر لمحہ بھاری ہوتی جا رہی تھی۔اور پھر۔۔۔

"نہیں...یہ فائل ابھی سائن نہیں کروانی"۔ تیمور ملک نے فائل پیچھے کھینچ لی،اور ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

Clubb of Quality Content

"کہاں جارہے ہیں؟ ہم بتارہے ہیں... آپ ہمیں روک نہیں سکتے! ہم یہاں سے نکل جائیں گے، سنا آپ نے؟"۔ماہ گل پیچھے سے چلائی۔اس کی آواز پورے کمرے میں گونج گئی۔

"آہستہ بولو"۔کامل نے فوراً مڑ کر اسے گھورا اور ناگواری سے ٹوکا۔

"چلو اندر"۔پھر آگے بڑھتے ہوئے اس نے اسے بازو سے ہلکے سے پکڑا اور اندر کی طرف لے جانے لگا۔

"چھوڑو ہمیں۔ہم خود جارہے ہیں"۔بازو چھڑاتی اس بار اس کی آواز پوری راہداری میں گونج اٹھی کان پھاڑ دینے والی، بے قابو۔

کامل نے بے ساختہ اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے اور ایک لمحے کو رک گیا۔

"کون سا لاؤڈا سپیکر فٹ ہے تم میں لڑکی؟"۔وہ تلملا گیا۔

مگر جواب میں ماہ گل نے ایک دم مڑ کر دروازہ زور سے بند کر دیا۔

"ٹھک"!

کامل دروازے کو دیکھتا رہ گیا، پھر آہستہ سے سر ہلا کر رہ گیا اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی بے بسی بھری مسکراہٹ ابھری۔

"یہ کیا آپ دیوانے بن کر بیٹھے ہیں؟"۔ کامل تیزی سے اسٹڈی میں داخل ہوا تو سامنے کا منظر دیکھ کر ایک لمحے کو ٹھٹھک گیا۔

تیمور ملک کرسی پر بیٹھے تھے... ہاتھ میں ماہ گل کی تصویر تھی۔ نگاہیں اس تصویر پر جمی ہوئی تھیں، اور چہرے پر ایک عجیب سی کھوئی ہوئی سی کیفیت تھی۔

"کتنا اچھا بولتی ہے نا یہ کامل"۔ وہ دھیرے دھیرے تصویر کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"اچھا؟"۔ کامل اس تعریف پر جی جان سے تڑپ اٹھا۔ "استغفار پڑھیں چاچا... استغفار! میرے کانوں سے تو بس خون آنے کی کسر رہ گئی ہے"۔

مگر تیمور ملک جیسے اس کی بات ہی نہیں سن رہے تھے۔ وہ اسی کھوئی ہوئی کیفیت میں تصویر کو دیکھتے رہے۔

نولز کلب
Clubb of Quality Content!

"اور اگر..." کامل کی آواز اب سنجیدہ اور تیز ہو گئی۔

"اگر آپ کے اندر اچانک باپ کا پیار جاگ گیا ہے نا... تو یاد رکھیں، یہ لڑکی ویسی نہیں ہے جو آپ کے کہنے پر رک جائے گی"۔ وہ ایک قدم آگے آیا، اور اس کے لہجے میں اب سختی تھی۔

"جیسی آپ کی بیٹی ہے نا... وہ آپ کی بڑی سی بڑی حویلی کو بھی ٹھکرا کر چلتی بنے گی"۔۔

کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی چھا گئی۔ کامل نے بات جاری رکھی۔

''اور آپ کیا سوچ رہے ہیں کہ اتنے سال بعد کہیں گے بیٹی میرے گلے لگ جاؤ اور وہ آ کر آپ کے گلے لگ جائے گی؟ رک جائے گی؟ نہیں... وہ تو آپ کو اپنا باپ تک ماننے کو تیار نہیں''۔ اس کی آواز میں تلخی تھی، مگر ساتھ ایک سچائی بھی جو چھپائی نہیں جا سکتی تھی۔

''اس لیے جو کرنا ہے جلدی کریں''۔ کامل نے سیدھا اور صاف جملہ کہا۔ ''یہ طے ہے... وہ یہاں نہیں رکے گی''۔

تیمور ملک کی انگلیاں تصویر کے کنارے پر ہلکی سی کانپیں... مگر چہرہ اب بھی خاموش تھا۔

''لیکن وہ مجھے معاف تو کر سکتی ہے نا؟''۔ تیمور ملک کی آواز بہت مدھم تھی۔

کمرے میں ایک لمحے کو خاموشی اتر گئی۔

''اوہ چاچا... کیا آپ نے کوئی فلم ڈرامہ سمجھ لیا ہے؟''۔ کامل نے اس کی طرف دیکھا، پھر تلخی سے ہنسا۔ ''اتنا سب کچھ کر کے آپ معافی کی امید لگا بیٹھے ہیں؟ وہ بچی جسے آپ نے پیدا ہوتے ہی ختم کرنا چاہا تھا... وہ تو رب کی لکھی ہوئی زندگی ہے جو بچ گئی اور آج اتنی بڑی ہو گئی''۔

وہ ایک لمحے کو رکا، پھر آہستہ مگر کاٹ دار لہجے میں بولا۔

"آپ کو کیا لگتا ہے؟ اتنے بڑے ظلم کے بعد، اتنے سالوں بعد وہ آپ کو دیکھنا بھی پسند کرے گی؟ نہیں... کبھی نہیں"۔ کمرے میں ایک بار پھر خاموشی پھیل گئی... مگر اس بار وہ خاموشی بھاری تھی۔

تیمور ملک کی نگاہیں اب بھی اس تصویر پر تھیں۔

"مجھے پہلے احساس ہی نہیں ہوا کامل... کہ بیٹیاں اتنی پیاری ہوتی ہیں"۔ ان کی آواز بکھری ہوئی تھی۔

"دیکھ رہے ہو نا... کتنی پیاری ہے وہ۔ ایک ہی دن ہوا ہے اسے آئے اور پورے گھر میں اس کی آواز گونج رہی ہے..." ان کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، مگر آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

"وہ بالکل اپنی ماں کی طرح بولتی ہے..." یہ کہتے ہوئے ان کی آواز جیسے اندر سے بھر آئی۔

"توبہ کریں چاچا... اس کی جلی کٹی باتیں آپ کو اچھی لگ رہی ہیں؟" کامل نے ایک گہرا سانس لیا، پھر بے بسی سے سر ہلایا۔

"وہ چاہے جلی کٹی ہی بولتی ہے... مگر اس گھر کو رونق بخش رہی ہے، کامل۔" وہ کھوئے ہوئے انداز میں تصویر کو دیکھتے رہے اور آہستہ سے بولے۔

Clubb of Quality Content

ان کی آواز میں اب صرف پچھتاوا نہیں تھا... بلکہ ایک ایسی محبت تھی جو دیر سے جاگی تھی...

اور اب صرف دیکھ سکتی تھی، چھو نہیں سکتی تھی۔

اور کامل... بس انہیں دیکھتا رہ گیا کیونکہ بعض احساسات وقت پر نہ جاگیں تو صرف درد بن کر رہ جاتے ہیں۔

''وہ چلی جائے گی... وہ یہاں خوش نہیں ہے۔ اسے جانے دیں''۔ کامل نے دھیمے مگر واضح لہجے میں کہا۔

تیمور ملک کچھ لمحے خاموش رہے۔

کمرے میں ہلکی سی ہوا چل رہی تھی، مگر اس کے اندر جیسے وقت رک سا گیا تھا۔

''اگر وہ کبھی یہاں سے نہ جاتی... یہی بڑی ہوتی تو اس کی اور تمہاری شادی کروا دیتے''۔ پھر وہ آہستہ سے بولے۔

ان کی آواز میں ایک خواہش کافی تھی، شدت سے۔

''تم دونوں ساتھ میں کتنے اچھے لگتے... نا؟'' وہ جیسے خود سے بات کر رہے تھے۔ ''اور وہ ہمیشہ میرے پاس بھی رہتی...'' آخری جملہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی نمی اتر آئی۔

ایک خواہش... جو وقت پر نہ جاگی۔

اور اب صرف پچھتاوا بن کر دل میں رہ گئی تھی۔

کامل نے انہیں دیکھا... پھر ہلکا سا سر ہلایا۔

''اچھی تو وہ ہے، چاچا...'' اس کی آواز مدھم تھی مگر حقیقت سے بھری ہوئی۔ ''لیکن وہ شادی شدہ ہے۔ ایسے خیالات چھوڑ دیں''۔ ایک لمحہ ٹھہرا ہوا سا محسوس ہوا۔

پھر کامل آہستہ سے پلٹا اور اسٹڈی سے باہر نکل گیا۔

دروازہ بند ہوا... اور اندر تیمور ملک اپنی ادھوری خواہشوں کے ساتھ تنہا رہ گئے ایسی خاموشی میں جو شور سے بھی زیادہ بھاری تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

رات کے نو بج رہے تھے۔

کمرے میں ہلکی سی خاموشی تھی، جسے صرف گھڑی کی ٹک ٹک توڑ رہی تھی۔ کھڑکی سے باہر شہر کی روشنیاں دھندلی سی دکھائی دے رہی تھیں، اور اندر ایک مانوس سا سکون پھیلا ہوا تھا۔

"کامل... ہم تمہاری شکل دیکھ دیکھ کر تھک چکے ہیں۔ یہ تمہاری چھٹیاں کب ختم ہوں گی؟"۔ماہ گل نے دروازے کی دہلیز پر اسے پھر سے دیکھ کر بے زاری سے کہا۔وہ بیڈ پر رکھی کتاب کو بند کرتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

"فکر نہ کرو...اب نہیں دیکھنی پڑے گی"۔کامل نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"کیوں؟ تم کیا اپنی منگیتر کے ساتھ چاند پر شفٹ ہو رہے ہو؟"۔ماہ گل نے فوراً بھنویں اچکائیں۔

اس کی بات پر کامل ہلکا سا ہنسا۔

"ویسے اس معاملے میں ہماری وائبز کافی میچ کرتی ہیں"۔وہ مسکراتے ہوئے بولا۔"جواب ہم دونوں ہی ٹکا کر دیتے ہیں"۔۔

ماہ گل نے بھی ہنستے ہوئے سر ہلایا۔یہ بات وہ دل ہی دل میں مانتی تھی اس معاملے میں دونوں واقعی ایک جیسے تھے،بس انداز مختلف تھا۔

"ویسے رات کے وقت کیوں حاضر ہوئے ہو؟"۔ماہ گل نے اسے دیکھتے ہوئے جاننا چاہا۔

گہرے نیلے رنگ کے کھدر کے سادہ سے لباس میں ماہ گل پیاری لگ رہی تھی۔

"تمہارے شوہر نامدار آئے ہیں... تمہیں لینے"۔ مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔

ایک لمحہ۔ماہ گل جیسے ساکت ہو گئی۔

"کیا؟"اس کی آنکھیں فوراً پھیل گئیں۔"ہمارے شوہر؟ حدیر آ گئے؟"

" دیکھا! ہم نے کہا تھا نا وہ آئیں گے ہمیں لینے"۔ پھر اچانک اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

اور اگلے ہی لمحے وہ بغیر کسی توقف کے دروازے کی طرف بھاگی۔

کامل وہیں کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا... سر جھٹکتا مسکرا دیا۔نیچے جھک کر اس کے سلیپرز اٹھائے اور باہر کی جانب چل پڑا۔

چاند کی مدھم، چاندی جیسی روشنی میں حدیر رحمانی دہلیز پر ایک عجیب سا سکون لیے کھڑا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے ہلکے جھونکے صحن میں بکھرے پیڑوں کے پتوں کو چھو کر گزرتے تو جیسے سارا ماحول سرگوشی کرنے لگتا۔

Clubb of Quality Content

دوپہر والے سیاہ لباس میں، کریم شال، ماتھے پر بکھرے ہوئے بے ترتیب بال...اور چہرے پر وہ تھکن جو کئی راتوں کی بے چینی اپنے ساتھ لیے ہوئے تھی۔ مگر اس لمحے آنکھوں میں صرف انتظار تھا...اور انتظار کے پار ایک نام۔ماہ گل۔اور پھر انتظار تمام ہوا۔

”حدیر“۔آواز جیسے فضا میں ٹوٹ کر بکھری۔

ماہ گل دوڑتی ہوئی آئی تھی۔اس کے قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے،وہ رکھ کہیں اور رہی تھی پڑ کہیں اور رہے تھے۔

حدیر نے ایک لمحے کو سانس روکی۔پھر گہری سانس فضا کے سپرد کر گیا۔

وہ دو قدم آگے بڑھا۔اور اگلے ہی لمحے بازو کھول دیے۔ماہ گل اس کے مہربان بازوؤں میں سما گئی۔حدیر نے آہستگی سے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔

ماحول میں خاموشی اتر گئی... مگر یہ خاموشی خالی نہیں تھی۔یہ بھری ہوئی تھی سکون سے، قرار سے،اور ان لفظوں سے جو کہے نہیں جا سکے تھے۔

ماہ گل نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی نمی پھیل گئی۔

”تم ٹھیک ہو؟“حدیر کی آواز بہت دھیمی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

’’ٹھیک ہوں‘‘۔ وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔ حدیر نے اس کے بالوں پر ہلکے سے انگلیاں پھیریں۔

’’شکر ہے بھائی تو آ گیا، میں تو بس تیری بیوی کو چھوڑنے ہی آ رہا تھا‘‘۔ کامل نے دروازے کے پاس آتے ہوئے کہا۔ ’’یہ لے جاؤ اسے، نہ جانے تم لوگ اسے کیسے برداشت کرتے ہو۔ ایک دن میں ہی یہ میرے کان کھا چکی ہے۔ ہمت ہے تم لوگوں کی‘‘۔ وہ ہنستا ہوا حدیر سے ہاتھ ملاتا پیچھے ہٹ گیا، اور ایک نظر ماہ گل کو دیکھ کر جان بوجھ کر اسے اور چڑھا گیا۔ حدیر کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی، جسے اس نے فوراً چھپا لیا۔

’’کامل... ہم تمہیں بتا رہے ہیں، تمہاری اس چڑیل منگیتر کو ہم سب کچھ بتا دیں گے‘‘۔ ماہ گل نے انگلی اٹھا کر دھمکی دی۔

کامل رک کر مڑا، آنکھیں سکیڑیں۔

’’چلو جاؤ موٹی بلی... شاباش! شکر اب میرے پیسے بچیں گے، ورنہ مجھے تو لگ رہا تھا میں دیوالیہ ہو جاؤں گا تمہاری وجہ سے‘‘۔ اس کے انداز پر ماہ گل نے دانت پیسے پھر فوراً حدیر کی طرف مڑی۔

"حدیر... آپ اس کامل کو دو ہزار پچپن روپے دے دیں۔ ورنہ یہ ساری عمر ہمیں یہ سناتا رہے گا"۔ وہ حدیر کو سنجیدگی سے بولی۔ "سارے حساب کتاب رکھتے ہیں ہم"۔ وہ کامل کو جتا گئی۔

حدیر نے ایک نظر دونوں پر ڈالی، پھر خاموشی سے اپنا والٹ نکالا۔

"یہ لو"۔ اس نے بغیر کوئی سوال کیے پیسے کامل کی طرف بڑھا دیے۔

"ارے حدیر پلیز شرمندہ نہ کرو... یہ آپ کی بیوی تو بالکل پاگل ہے"۔ کامل نے ماہ گل کو آنکھیں دکھائیں۔

"دیکھ رہے ہیں آپ؟"۔ وہ فوراً حدیر کی طرف مڑی۔ "یہ ہمیں آپ کے سامنے کیسے گھور گھور کر ڈرا رہا ہے"۔ وہ بچوں کی طرح شکایات لگائی تھی۔

حدیر نے ایک لمحہ اسے دیکھا... پھر کامل کی طرف نظر اٹھائی۔

"میری بیوی کو ڈراؤ مت، کامل ملک"۔ مسکراہٹ دباتا، رعب سے بولا۔

ماہ گل فخریہ گردن اٹھاتی کامل کو دیکھی۔ انداز ایسا تھا 'دیکھا'؟۔

کامل نے فوراً ہاتھ اٹھایا۔ "اوکے اوکے، معافی مسز حدیر"۔ وہ شرارت سے اسے دیکھا۔ "یہ آپ کی بیوی بہت بھوکی ہے، یہاں رہ کر صرف فرمائشیں کرتی رہی ہے چپس، بسکٹ، ٹافی،

جیلی، جوس، چاکلیٹ، کولڈ ڈرنک۔۔ یہ انہی پیسے کا کہ رہی تھی۔اب بچے ضد کریں تو میں انہیں چیز تو دلا ہی سکتا ہوں۔اب آپ بتائیں بچی کو دلائے چیز کے پیسے میں لیتا اچھا لگوں گا؟"۔وہ مزے سے کہتا ماہ گل کو سلگا چکا تھا۔وہ محض ماہ گل کو تنگ کر رہا تھا۔

حدیر نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے دیکھا۔

"حدیر دیکھ رہے ہیں آپ اسے؟"۔ماہ گل شکایتی نگاہوں سے حدیر کو دیکھنے لگی۔

"کامل ملک... میری اور تمہاری اس بات پر لڑائی ہو سکتی ہے، ذرا سنبھل کر رہو"۔حدیر نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ آنکھوں ہی آنکھوں میں دھمکی دی۔

"نہیں نہیں، لڑائی کیوں؟ آپ منہ سے بھی بول سکتے ہیں، صرف"۔ماہ گل تیزی سے بولی۔اتنے اچھے کامل کو اب وہ واقعی مار تو نہیں کھلوا سکتی تھی۔

"چلو اب ہم چلتے ہیں، کافی رات ہو گئی ہے"۔حدیر نے نرمی سے کہا۔آگے بڑھ کر کامل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔کامل نے بھی پورے خلوص سے ہاتھ تھام لیا۔

گلی تنگ تھی... دونوں طرف پرانی اینٹوں کی دیواریں، اوپر لٹکتی مدھم سی روشنی، اور ہوا میں ایک عجیب سا سکوت جورات کو اور بھی بھاری بنا دیتا تھا۔

حدیر اس کا ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

”کیا تم نے مجھے مس کیا؟“۔اس نے ہلکے سے شرارت بھرے انداز میں پوچھا۔

”بالکل نہیں“۔ماہ گل نے ناک سکیڑی، نظریں دوسری طرف کرلیں اور خاموشی سے نفی میں سر ہلادیا۔

حدیر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

”میں نے بھی تمہیں بس مس کیا... کیوٹی پائی“۔اور پھر بڑی بے فکری سے اس کی ناک کھینچ لی۔

ماہ گل کی پلکیں جھپکنے ہی والی تھیں کہ اچانک فضا چیخ اٹھی۔

ایک لمحہ۔

ایک آواز۔

اور پھر...

فضا چیرتی ہوئی گولی کی گونج۔

”حُدیر“۔ماہ گل کی چیخ اندھیری گلی میں گونج گئی۔

حدیر کے قدم لڑکھڑائے...اور اگلے ہی لمحے وہ اس کے سامنے جھک گیا۔وہ اس کے ساتھ گھٹنوں کے بل گرپڑی۔ہاتھ اس کے سینے تک گئے تو گرم خون نے اس کی انگلیوں کو رنگ دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

کریم شال پر سرخ رنگ پھیلنے لگا... گویا رات نے اچانک اپنا رنگ بدل لیا ہو۔

"حدیر...! اٹھیں... حدیر"۔ ماہ گل کی آواز کانپنے لگی۔ اس کے ہاتھ کانپتے ہوئے حدیر کے زخم کو چھو رہے تھے۔ اندھیری گلی اب اور بھی تاریک لگ رہی تھی۔ کہیں دور کوئی دروازہ بند ہوا تھا، کہیں کتا بھونکا تھا... مگر ماہ گل کو کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

بس اس کے ہاتھوں میں حدیر کا وجود تھا... اور خون کی وہ گرم لکیر جو لمحہ بہ لمحہ اس کی دنیا کو سرخ کر رہی تھی۔

خون... گرم... تیز... اور خوفناک حد تک سچ۔ اس کے ہاتھ خون سے رنگ گئے۔ اور دنیا... ایک دم ساکت ہو گئی۔

حدیر آہستہ آہستہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا... آنکھوں میں وہی سکون، مگر اب اس میں تھکن اتر آئی تھی۔ حدیر کی پلکیں بھاری ہو رہی تھیں... آواز کمزور پڑ رہی تھی۔

"ماہی"۔ اس نے بڑی مشکل سے آنکھیں کھولیں۔

"میں بھول گیا تھا ماہی"۔ ماہ گل کی سانس رک گئی۔

"سب کی ایک دنیا ہوتی ہے... لیکن میری ایک نہیں... دو دنیائیں تھی... ماں اور تم"۔ وہ رک رک کر سانس لے رہا تھا۔

''میں اپنی ایک دنیا میں کھو کر... دوسری دنیا سے لاپرواہ ہو گیا تھا''۔ماہ گل کے آنسو اس کے چہرے پر گرنے لگے۔

''آئی ایم سوری، ماہی''۔اس کی انگلیاں ماہ گل کے ہاتھ پر کمزور ہو رہی تھیں۔

''میں تمہارا خیال نہیں رکھ سکا''۔اور پھر...اس کی آنکھوں کی وہ روشنی آہستہ آہستہ مدھم ہونے لگی۔

''حُدیر... نہیں... پلیز'' ماہ گل کی آواز بکھر کر رہ گئی۔

اس کے ہاتھوں نے اس کے چہرے کو تھام لیا۔

گہرے نیلے رنگ کے لباس میں سرخ رنگ اس طرح جذب ہو گیا تھا جیسے کسی نے نیلگوں کپڑے پر درد کی روشن سیاہی انڈیل دی ہو۔آنکھیں مسلسل رونے سے سوج کر بھاری ہو چکی تھیں، پلکیں سرخی مائل۔

سیاہ گہری آنکھوں میں دنیا جہاں کا خالی پن سمٹ آیا تھا اور وہ سفید دیواروں کو گھور رہی تھی۔ وہ خاموشی سے بیٹھی تھی، مگر اس خاموشی میں ایک طوفان تھا۔ارد گرد چلتے پھرتے لوگ اس کے لیے محض دھندلے سائے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''آئی ایم سوری ماہی''۔

''میں تمہارا خیال نہیں رکھ سکا''۔

ان جملوں کی بازگشت اس کے دل پر چھریاں پھیر رہی تھیں۔اس کے دل کے نہاں خانوں میں ایک انجاناسادرد لہریں مار رہا تھا۔وہ آنکھیں بند کرتی تو یہی آواز سنائی دیتی۔آنکھیں کھولتی تب بھی یہی۔

اس کے برابر میں بیٹھا کامل بار بار اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر فکر مندی تھی، اور آواز میں بے بسی۔

"گل...اسے آپریشن کے لیے لے گئے ہیں،وہ ٹھیک ہو جائے گا یار،اس طرح تو نا کرو"۔

کہیں دور کسی مشین کی ہلکی سی بیپ سنائی دیتی تھی اور کبھی کسی اسٹریچر کے پہیوں کی چرچراہٹ اس خاموشی کو چیر کر گزر جاتی تھی، مگر اس سب شور کے بیچ ماہ گل کی خاموشی سب سے زیادہ نمایاں محسوس ہو رہی تھی۔وہ کرسی پر یوں بیٹھی تھی جیسے جسم یہاں ہو مگر روح آپریشن تھیٹر کے اس بند دروازے کے پیچھے جا کر ٹھہر گئی ہو جہاں اس کی ساری دنیا زندگی اور موت کے بیچ معلق تھی۔

''کامل...چلے جاؤ یہاں سے۔''اس کی آواز بھاری تھی۔

پھر اس نے آہستہ سے سر موڑا۔اس کی آنکھوں میں اب آنسو نہیں تھے صرف سختی تھی، جلتی ہوئی سختی۔۔

"تم ہمیں ہسپتال لائے، یہ احسان ہے تمہارا، مگر تم اور تمہارے چچا نے اچھا نہیں کیا"۔ ہسپتال کی راہداری میں جراثیم کش دوا کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی۔

"کیوں چلائی گولی؟"۔اس کی نظریں سیدھی کامل کے چہرے میں اتر گئیں تیز، بے رحم، سوال کرتی ہوئی۔

کامل چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گیا۔

"گل؟"اس نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔"بخدا...میں نے گولی نہیں چلائی۔مجھے نہیں معلوم کس نے چلائی"۔پھر دھیرے سے سر ہلایا اور آواز میں درد کی بھاری تہہ لیے بولا۔"اگر میں نے چلائی ہوتی تو گولی کی آواز سن کر سب سے پہلے تم دونوں کے پاس پہنچنے والا شخص میں نہ ہوتا،اور حدیر کو ہسپتال لانے والا بھی میں نہ ہوتا"۔اس کے ہونٹوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ ابھری جو اگلے ہی لمحے تھکن میں بدل گئی۔

"تم میری کزن ہو...تو وہ اندر اپنی زندگی کے لیے لڑتا ہوا شخص بھی میرا کزن ہی ہے"۔اس کی آواز ہسپتال کی خاموش فضا میں آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''ہم چاہے کبھی نہیں ملے... مگر میرے سینے میں دھڑکتا دل اتنا بے رحم نہیں ہو سکتا۔ میں ہتھیار اٹھانے والا انسان نہیں ہوں''۔اس نے اپنی بات مکمل کی۔ آخری لفظ کے ساتھ اس کی آواز میں ایک عجیب سی تھکن اتر آئی تھی۔

ایک لمحے کی خاموشی ٹھہری، پھر وہ آہستہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ نظریں جھکائے، بغیر مزید کچھ کہے، وہاں سے دور چل دیا۔اس کے قدموں کی آواز لمبے، سنسان کوریڈور میں گم ہوتی چلی گئی۔

پیچھے رہ گئی ماہ گل۔

اس نے ہونٹوں کو زور سے دبا لیا، سسکی روکنے کی کوشش کی لیکن ایک ٹوٹی ہوئی سسکی اس کے سینے سے نکل کر ہوا میں بکھر گئی۔

آنکھیں پہلے ہی آنسوؤں سے لبریز تھیں۔اب وہ آنسو روکنے کی کوشش بھی نہیں کر رہی تھی۔

اس کے ہاتھ میں موجود کریم رنگ کی شال، جو خون کے دھبوں سے آلودہ ہو چکی تھی، اس کی مٹھی میں اور بھی مضبوطی سے جکڑتی جا رہی تھی۔

آنسو مسلسل گرتے رہے خاموش، بے آواز، مگر بہت کچھ کہہ جانے والے۔اور ہسپتال کی سفید دیواریں، اس خاموش المیے کی گواہ بن کر صرف دیکھتی رہیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کوریڈور کے ایک کونے سے قدموں کی تیز آواز ابھری۔ سفید روشنیوں کے نیچے لمبے سائے پھیلتے گئے، اور فضا میں موجود بے چینی جیسے اور بھاری ہو گئی۔

تب ہی مزمل اور ہادی وہاں آتے دکھائی دیے۔ ان کی نگاہیں سیدھی کامل ملک پر جمی ہوئی تھیں سخت، شک میں ڈوبی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے حدیر کو؟" اس نے رکتے ہی سوال کیا۔ آواز میں بے چینی کم اور غصہ زیادہ تھا۔

"گولی لگی ہے... آپریشن چل رہا ہے"۔ کامل نے ایک لمحہ آنکھیں بند کیں، پھر گہری سانس لے کر بولا۔

قاتل ابھی تک سامنے نہیں آیا تھا، مگر سب کی نگاہوں میں وہ مجرم پہلے ہی بن چکا تھا۔ کامل۔ جانتا تھا اسے تب تک ان نگاہوں کا سامنا کرنا تھا۔

مزمل کا چہرہ سخت ہو گیا۔ وہ ایک قدم اور آگے بڑھا۔

"غور سے سنو کامل ملک... اگر میرے بھائی کو کچھ ہوا نا، تو میں تم دونوں چچا بھتیجا کو چھوڑوں گا نہیں"۔ اس کی انگلی کامل کی طرف اٹھی دھمکی سیدھی، صاف اور بے رحم۔

کامل کی نظریں آہستہ سے اوپر اٹھیں۔ اس کی آواز میں اب کوئی نرمی نہیں تھی۔

"اگر مگر کی بات نہیں ہے، مزمل۔ حدیر رحمانی کو کچھ نہیں ہو سکتا... سمجھ آئی؟"۔ پھر اس کے لہجے میں اور سختی شامل ہو گئی۔ "اور جس نے اسے گولی ماری ہے...اسے تو میں خود دیکھ لوں گا۔۔بھائی کہتے ہو تم اسے؟"اس نے تلخی سے کہا۔ "کیسے بھائی تھے تم لوگ جو اسے مشکل میں اکیلا چھوڑ گئے؟"۔ یہ جملہ فضا میں چبھ کر رہ گیا۔

مزمل کے چہرے پر نفرت اب واضح ہو گئی۔

"تمہیں تو میں دیکھ لوں گا..." وہ تنفر سے بولا اور ایک لمحے کو رکا، پھر پیچھے مڑا۔

"ہادی، تم بھابھی کو دیکھو۔ میں ڈاکٹر کے پاس سے ہو کر آتا ہوں"۔

"بھابھی..." ہادی نے آہستگی سے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے پکارا۔

ماہِ گل نے آہستہ سا سر اٹھایا، مگر الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"ہادی...وہ ٹھیک ہو جائیں گے نا؟ اتنے دنوں بعد آئے تھے اور..." اس کی آواز درمیان میں بکھر گئی۔ آخری لفظ گلے میں اٹک سا گیا۔اور آنکھوں میں ٹھہرے ہوئے آنسو ایک دم بوجھ بن گئے۔

"وہ ٹھیک ہو جائیں گے بھابھی... بالکل ٹھیک ہو جائیں گے"۔ ہادی نے فوراً نظریں جھکا لیں، مگر آواز مضبوط رکھنے کی کوشش کی۔

ماہِ گل نے ہونٹ کاٹا۔ آنکھوں میں بھرے آنسو اب گرنے کو بے تاب تھے۔

''وہ ہمارا پہلا رشتہ ہیں ہادی... جو صرف ہمارے ہیں۔ جنہیں ہم حق سے اپنا کہہ سکتے ہیں۔

جنہوں نے ہمیں بتایا کہ اپنا کیسا ہوتا ہے...'' وہ رکی، سانس لیا۔

''ہمیں اس سے پہلے ہر رشتہ دوسرا ہو کر ملا... حدیر پہلے ہیں جو صرف ہمارے ہو کر ملے... ہم انہیں کھونا نہیں چاہتے۔ ہمیں ابھی تو زندگی اچھی لگنے لگی تھی...''۔ ہاتھ کانپ رہے تھے، مگر اس نے حدیر کی شال پر گرفت کمزور نہیں ہونے دی۔

ہادی نے چہرہ دوسری طرف موڑا، مگر آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

''بھابھی... حدیر بھائی آپ سے بے حد محبت کرتے ہیں''۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

''اور جانتی ہیں وہ ہم سب سے ناراض ہیں؟'' ایک آنسو اس کی پلک سے پھسل کر نیچے گر گیا۔ وہ خاموشی سے مسکرایا، مگر یہ مسکراہٹ درد سے بھری ہوئی تھی۔

ماہِ گل اسے بس دیکھتی رہ گئی۔ ہادی نے گہری سانس لی۔

''وہ کہتے ہیں... ہم سب نے آپ کا خیال نہیں رکھا۔ آپ کو اکیلا چھوڑ دیا۔ آپ گاؤں چلی گئیں اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی...'' اس کی آواز بھاری ہو گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"وہ کہتے تھے...ماہ گل ہمیشہ سب کے لیے کچھ نہ کچھ پلان کرتی تھی،اس بار تم سب نے مل کر کرنا تھا"...

ماہ گل کی دبی ہوئی سسکیاں ایک ساتھ باہر آنے لگیں۔

"اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ...اب وہ آپ کے معاملے میں کسی پر بھروسہ نہیں کریں گے۔آپ کا خیال وہ خود رکھیں گے" ہادی نے آخری جملہ آہستگی سے کہا۔

"وہ ٹھیک ہو جائیں گے بھابھی...اپنے لیے نہیں تو آپ کے لیے ضرور" یہ کہتے ہوئے وہ ہلکا سا مسکرایا۔

وہ حدیر کی شال کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"ماما...مجھے بھی ہاسپٹل جانا ہے۔پلیز ماما مجھے لے جائیں"۔رشا مہناز پھوپھو کا ہاتھ پکڑے ایک ہی ضد پر اڑی ہوئی تھی۔اس کی آواز مسلسل رونے سے بیٹھ چکی تھی،مگر ضد اب بھی قائم تھی۔

مہناز پھوپھو کی اپنی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں،مگر وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھیں۔

کمرے کی فضا میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔

رباب آہستگی سے اس کے قریب بیٹھی اور نرمی سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"آپی... پلیز یار اس طرح نہ روئیں۔ ابھی رات ہو رہی ہے، ہم صبح چلیں گے نا۔ آپ دعا کریں، حدیر بھائی ٹھیک ہو جائیں گے"۔ رشا نے فوراً سر ہلایا، جیسے یہ بات اسے تسلی نہیں دے رہی تھی۔

"رباب... وہ مجھے ابھی ملا ہے۔ میں نے اس سے صحیح سے بات بھی نہیں کی" آنسو گالوں پر تیزی سے گرنے لگے۔

"ماما... آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ کیوں نہیں بتایا وہ میرا بھائی ہے؟ کیوں ہم سامنے رہ کر بھی ایک دوسرے سے دور رہے؟"۔ اچانک وہ رباب کی گرفت سے نکل کر مہناز بیگم کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ گئی۔

"چندا... حدیر تمہاری ماما کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اگر وقت سے پہلے کسی کو معلوم ہو جاتا تو تم جانتی ہو بشریٰ بھابھی حدیر کو کبھی ایسا نہیں کرنے دیتیں"۔ انہوں نے نرمی سے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیا۔ رشا کی بھیگی پلکوں سے آنسو آہستہ آہستہ صاف کرنے لگیں۔

Clubb of Quality Content

"حدیر میرا بیٹا ہے...اور تم میری بیٹی ہو۔ حدیر کو کچھ نہیں ہوگا۔ تمہارا بھائی بہت بہادر ہے... بالکل تمہارے بابا کی طرح...اور میرے بھائی کی طرح"۔ان کی آواز کے آخری لفظ ہلکے سے کانپ گئے۔ان کی اپنی آنکھیں بھی بھیگ چکی تھیں، مگر انہوں نے خود کو سنبھالا ہوا تھا۔

رشا نے ایک دم سسکی لی۔ مہناز بیگم نے فوراً اسے قریب کیا،اس کے گالوں سے آنسو صاف کیے۔

"بس میرا بچہ...اب نہیں روئے گا۔ جاؤ...بھائی کے لیے دعا کرو" انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔

بے حال سی ماہِ گل دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ چند لمحوں میں ہی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اپنے اندر سے خالی ہو چکی ہو۔اس کی ساری دنیا جیسے ایک ہی جھٹکے میں بکھر گئی تھی۔

ریان کا لایا ہوا لباس وہ بدل چکی تھی،اور خون آلود کپڑے واپس بھجوا دیے تھے۔ مگر حدیر کی شال...وہ اب بھی اس کے پاس تھی۔

سامنے شہاب رحمانی اپنے پورے رعب کے ساتھ کوریڈور میں ٹہل رہے تھے۔چہرہ سخت تھا، مگر آنکھوں میں بے چینی چھپی ہوئی تھی۔ کبھی وہ تیزی سے چلتے، کبھی رک کر کسی کو سخت ہدایت دیتے۔

اسی لمحے کامل پانی کی بوتل ہاتھ میں لیے سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ وہ سب کو نظرانداز کرتا سیدھا ماہِ گل کے قریب آنے لگا۔

''تم؟ تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ کس نے اجازت دی اسے یہاں آنے کی؟''۔ شہاب رحمانی کی آواز اچانک گونجی۔ وہ غصے سے کامل کی طرف بڑھے۔ مزمل فوراً آگے آیا، ساتھ ہی ہریرہ بھی۔

''مجھے یہاں موجود ہونے کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں''۔ اس کا لہجہ بالکل سیدھا تھا۔ فضا میں تناؤ اور بڑھ گیا۔

''داداسائیں'' ہریرہ نے سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''ہم دیکھتے ہیں''۔

شہاب رحمانی کا چہرہ مزید سخت ہو گیا۔

''ہریرہ! حدیر کے ارد گرد سے ہر اس شخص کو دور رکھو جس سے اس کی جان کو خطرہ ہو۔ کوئی بھی اندر نہیں آئے گا''۔

''جی داداسائیں۔'' ہریرہ نے فوراً سر ہلایا۔ پھر وہ کامل کی طرف مڑا۔

''تم خود چلے جاؤ یہاں سے۔ میں نکالوں گا تو تمہیں پسند نہیں آئے گا''۔

کامل ایک لمحہ رکا۔ اس کی گرفت پانی کی بوتل پر سخت ہو گئی۔

لیکن اس سے پہلے کہ بات آگے بڑھتی، ماہِ گل اچانک ان کے درمیان آ گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کامل ہمارے ساتھ ہے...اور یہ یہیں رہے گا"۔اس کی آواز ہلکی تھی، مگر فیصلہ کن۔

"آپ میں سے کسی کو حق نہیں کہ اسے یہاں سے نکالے...یااس پرالزام لگائے"۔

کامل نے اس کی طرف دیکھا۔اس کے ہونٹوں پرایک ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"توتم بھی اس کے ساتھ چلے جاؤ"۔شہاب رحمانی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اندر موجود شخص ہماراشوہر ہے۔ماہ گل کا۔ہم سے زیادہ یہاں کسی کا حق نہیں"۔ماہ گل نے پل بھر کوان کی طرف دیکھا، پھر آہستگی سے بولی۔"اوران لوگوں کاتو بالکل نہیں جو حدیر کے ساتھ مخلص نہیں"۔وہ ایک تیز نگاہ ہریرہ پرڈالی، پھراس نے ہلکاسااشارہ کامل کو کیااور آہستہ سے بینچ کی طرف بڑھ گئی۔

بیٹھتے ہی وہ دوبارہ خاموش ہوگئی۔

"یہ پانی پی لوگل"۔کامل نے بوتل کی کیپ کھول کراس کے آگے بڑھادی۔

"ہمیں نہیں پینا"۔ماہ گل نے بغیر دیکھے ہی نفی میں سرہلادیا۔کامل نے بوتل اس کے قریب رکھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"پی لو تھوڑا سا... اتنا روئی ہو، گلہ خشک ہو گیا ہو گا"۔ اس بار اس کی آواز میں واقعی فکر تھی۔

چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر ماہ گل نے آہستہ سے بوتل اٹھائی اور ایک دو گھونٹ بھر لیے۔ اس کی نظریں اب بھی کہیں اور تھیں۔

"تم اتنے اچھے کیوں بن رہے ہو؟" اس نے بوتل واپس کرتے ہوئے اچانک پوچھا۔

"میں بن نہیں رہا... ہوں"۔ کامل نے اسے دیکھا۔ بہت سادہ سا جواب دیا۔

ماہ گل نے کوئی جواب نہیں دیا۔

کوریڈور کے ایک طرف دادا سائیں بیٹھے تھے۔ ہریرہ انہیں کسی طرح سنبھال کر بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا، مگر وہ بار بار اٹھنے کی کوشش کرتے تھے۔ فضا میں بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ماہِ گل کی نظریں بار بار اسی دروازے پر جا رہی تھیں جہاں ڈاکٹر اندر گئے تھے۔

"کامل..." اس کی آواز اچانک کمزور سی ہو گئی۔

"کہو"۔ کامل فوراً متوجہ ہوا۔

"یہ ڈاکٹر باہر کیوں نہیں آ رہے؟"۔ اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

"کامل... حدیر ٹھیک تو ہو جائیں گے نا؟"۔ دونوں ہاتھ پوری قوت سے بینچ پر ٹکاتی وہ سر جھکا گئی، اور پھر اس کی دھیمی آواز ابھری۔

کامل نے اسے دیکھا۔ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر کوئی لفظ نہیں تھا۔

"تمہارے لیے... ہو جائیں گے"۔پھر آہستہ سے اسے نے خود کو کہتے سنا۔ماہِ گل نے فوراً سر اٹھایا۔

"یہ ہر کوئی ہمارے لیے کیوں کہہ رہا ہے؟"اس کے لہجے میں ہلکی سی بے چینی اور جھنجھلاہٹ تھی۔

"کیونکہ وہ تمہارے لیے پاگل ہے"۔کامل نے اس بار آہستہ سے مسکرا کر کہا۔

کوریڈور کی خاموشی جیسے ایک لمحے کو اور بھی گہری ہو گئی۔ماہ گل نے اسے یوں دیکھا جیسے وہ اس کی بات پر یقین ہی نہ کر پا رہی ہو۔پھر آہستہ سے سر نفی میں ہلا دیا۔

اس کی نگاہیں خالی تھیں، مگر اندر ایک الجھن تھی۔

وہ حدیر کے بارے میں سوچ نہیں پا رہی تھی اس انداز میں... نہیں، وہ ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔وہ اس کا خیال کرتا تھا، احساس کرتا تھا، اس کی عزت کرتا تھا لیکن اس کے لیے پاگل حدیر جیسا انسان ناممکن۔وہ سنجیدہ تھا... سخت مزاج... اپنے احساسات کو چھپا لینے والا انسان۔

"خود تم مجھ پر الزام لگا رہی تھی... پھر اپنے سسرال والوں کے سامنے میرا دفاع کیسے کر دیا؟"کامل نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''ہم تمہیں سب کچھ کہہ سکتے ہیں کامل... تمہیں مار بھی سکتے ہیں۔ لیکن کسی اور کو اس کی اجازت بالکل نہیں دے سکتے''۔ ماہ گل نے فوراً نظریں اس پر جما دیں۔ اس کی آواز سخت ہو گئی۔

'': ایسا کیوں؟ تم سب کچھ کر سکتی ہو... باقی لوگ کیوں نہیں؟ بات تو دونوں ایک ہی کر رہے ہونا؟''۔ اس نے اچھنبے سے سوال کیا۔

وہ اچانک کھڑی ہو گئی۔

''کیونکہ کامل ملک... تم ہمارے رشتہ دار ہو۔ ان کے نہیں''۔ پر تپش لہجے میں باور کروایا۔

کامل سر ہلا گیا۔

''کہاں جا رہی ہو؟''۔ کامل کی آواز اس کے قدموں کے ساتھ ساتھ اٹھ گئی۔

''پریئر روم... اور تم بھی جاؤ گھر''۔ ماہ گل نے پلٹ کر مختصر سا جواب دیا۔ اس کی آواز میں تھکن تھی۔

وہ حدیر کی بیوی تھی... وہ کمزور نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے مضبوط بننا تھا۔

''تم جاؤ... میں یہی ہوں''۔ کامل نے اسے دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

ماہِ گل نے گہری سانس لی۔۔ ''کافی رات ہو رہی ہے کامل... جاؤ''۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔۔

"جب تک یہاں کوئی قابلِ اعتبار انسان نہیں آجاتا... میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا"۔اس کا لہجہ دوٹوک تھا۔

پھر اس کی آواز نرم ہو گئی۔"اب جاؤ... سکون سے دعا مانگو۔تم دعا مانگو گی تو وہ ٹھیک ہو جائے گا"۔ماہ گل چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔اس کی آنکھیں بھیگ سی گئیں پھر آہستہ سے اس نے سر ہلایا اور خاموشی سے پریئر روم کی طرف بڑھ گئی۔

"اللہ... آپ جانتے ہیں نا، کچھ لوگ بہت خاص ہوتے ہیں۔اتنے خاص کہ وہ زندگی محسوس ہوتے ہیں۔اس ایک انسان کو دیکھ لو تو لگتا ہے جیسے پوری دنیا نگاہوں میں سمٹ آئی ہو۔اے ہمارے رب۔ہمیں ہمارا سکون دے دیں"۔وہ جائے نماز پر بیٹھی رو رہی تھی۔آنسو اس کے چہرے پر مسلسل گرتے جا رہے تھے۔

"جس کے بولنے سے دنیا میں گونج محسوس ہوتی ہے... جس کے مسکرانے سے لگتا ہے پوری دنیا مسکرا اٹھی ہو... جس کے ہونے سے خود کا ہونا محسوس ہوتا ہے"۔

وہ روتے ہوئے رب سے اپنا حالِ دل بیان کر رہی تھی۔

الفاظ درمیان میں بکھر جاتے تھے... مگر احساس مکمل تھا۔

"حدیر ہمارا پہلا رشتہ ہے اللہ..."اس نے پیشانی جھکا دی۔

''ہمیں ماں باپ نہیں ملے... ہم کسی اور کے گھر پلے بڑھے...

ہم نے تیری رضا میں راضی رہنے کی کوشش کی...''اس کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔

''ہماری شادی حد دیر سے ہوئی... ہم نے ہر مشکل کے باوجود نبھانے کی کوشش کی...اب یہ نبھانا دل سے جڑ چکا ہے، یارب''۔ وہ رک گئی۔ سانسیں بھاری ہو گئیں۔

''تو ہم سے ہماری یہ خوشی واپس مت لینا...''اس کی آواز مدھم ہوتی چلی گئی۔''اپنے خزانوں میں سے ہمیں اپنا یہ پیارا بندہ واپس دے دیں...''ہر دعا کے ساتھ اس کی سسکیاں اور گہری ہوتی جارہی تھیں۔

دیر کی مسکراہٹ...اس کی باتیں...اس کا ساتھ...سب یاد بن کر اس کے اندر اتر رہے تھے۔

اور وہ پہلی بار سمجھ گئی تھی...کچھ لوگ واقعی پورا جہاں ہوتے ہیں۔

دعا مکمل کرتی وہ وہیں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ ہاتھوں میں تسبیح تھی...اور لب دھیرے دھیرے حرکت کر رہے تھے۔ ہر دانہ انگلیوں سے سرکتا...اور ایک دعا اس کے دل سے نکلتی جاتی۔

آنکھیں بند تھیں۔ چہرہ تھکا ہوا تھا... مگر دل ابھی بھی رب کے در پر جھکا ہوا تھا۔

تب ہی ایک نرم سی یاد آہستہ سے ذہن کے دریچے پر اتر آئی۔

اتنی اچانک...اتنی روشن...کہ اس کی بند پلکوں کے پیچھے ایک منظر جاگ اٹھا۔

"حدیر..."ہاتھ میں چائے کے دو کپ لیے وہ پاؤں سے دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئی تھی۔دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ بند ہوا...اور کمرے میں چائے کی خوشبو پھیل گئی۔

"ہاں"۔لیپ ٹاپ پر نظریں جمائے وہ بے خیالی میں بولا۔

اس کی توجہ اب بھی اسکرین پر تھی۔

وہ چند قدم چل کر اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔آنکھوں میں ہلکی سی چمک تھی...اور دل میں ایک انجانی سی خوشی۔

"اب تو ہماری دوستی نا؟"۔یہ ان دنوں کی بات تھی...جب تیمور ملک رحمانی ہاؤس آئے تھے۔اور اسی رات حدیر نے اسے پہلی بار دلاسہ دیا تھا۔اس کے بعد سے یہ ایک خاموش سا معمول بن گیا تھا۔وہ رات کو یوں ہی چائے کے دو کپ بنا لاتی۔اور وہ بنا کچھ کہے اس کے ساتھ بیٹھ جاتا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"دوستی؟"۔ کام کرتے کرتے وہ چونک کر سر اٹھایا۔ آنکھوں میں ہلکی سی حیرت تھی...اور لبوں پر دبی ہوئی مسکراہٹ۔ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ آنکھوں میں اشتیاق بھرا ہوا...اس نے زور سے سر ہلا دیا۔

حدیر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے چہرے پر آہستہ سے مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ٹھیک ہے پھر۔۔۔دوستی" وہ مسکراتا ہوا اپنا ہاتھ آگے بڑھا گیا۔ اس نے فوراً سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

کچھ خوبصورت لمحے یاد آتے ہی اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔ لبوں پر ایک درد بھری مسکراہٹ آگئی۔

وہ ابھی انہی یادوں میں گم تھی کہ ایک نرم سی آواز اس کے قریب ابھری۔

"بیٹا! شاید تمہیں کوئی باہر بلا رہا ہے"۔ ایک عورت نے اسے مخاطب کرتے ہوئے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ پھر خاموشی سے جائے نماز بچھا کر نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔

ماہِ گل نے ہلکا سا سر ہلایا۔ آنکھوں کے کنارے انگلیوں سے پونچھے...اور آہستہ آہستہ باہر کی طرف چل پڑی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دروازہ پار کرتے ہی اس کی نظر سامنے کھڑے شخص پر پڑی۔ کامل تھا۔ وہ کوریڈور کی سفید دیوار کے ساتھ کھڑا تھا۔ چہرہ تھکا ہوا... آنکھیں جاگتی ہوئی راتوں کا پتہ دے رہی تھیں۔ ماہِ گل کے قدم خود بخود تیز ہو گئے۔ آپریشن کافی طویل ہو چکا تھا۔

"کیا ہوا، کامل؟"۔ وہ بے چینی سے دو قدم اس کے قریب آگئی۔ آنکھوں میں ڈر تھا... اور امید بھی۔

کامل نے ایک لمحہ اسے دیکھا۔ "آپریشن ہو گیا ہے حدیر کا"۔ پھر دھیرے سے بولا. یہ سنتے ہی اس کے چہرے پر جیسے ایک دم سکون اتر آیا۔ کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔ سانس جو کب سے رکی ہوئی تھی، آہستہ سے باہر نکلی۔ اس نے بے اختیار سر جھکا دیا۔

"یااللہ... تیرا شکر"۔ لب ہلے، آواز بمشکل نکلی۔ پھر اس نے فوراً سر اٹھایا۔

آنکھوں میں بے چینی پھر لوٹ آئی۔ "ہم... ہم کب مل سکتے ہیں حدیر سے؟"۔ اس کی آواز کپکپا گئی تھی۔

کامل نے گہری سانس لی۔ "ابھی اسے ہوش نہیں آیا، ماہ گل"۔ چہرے پر تھکن اور سنجیدگی دونوں تھیں۔ "اس کا ہوش میں آنا ضروری ہے۔ تم دعا کرو... جلد اسے ہوش آجائے"۔ یہ الفاظ سنتے ہی اس کے چہرے پر جلتے سارے دیپ ایک لمحے میں بجھ گئے۔ آنکھوں کی روشنی

ناولز کلب
Club of Quality Content

مدھم پڑ گئی ہونٹ ذرا کانپے۔ چند لمحے وہ خاموش کھڑی رہی۔ پھر جیسے اندر کہیں سے ہمت جمع کی۔

''آجائے گا''۔ اس نے دھیرے سے کہا۔ پھر سر اٹھایا۔ ''دیکھنا، کامل... انہیں ہوش آجائے گا۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گے''۔ اب اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ تاریک پڑتا چہرہ پھر سے امید سے جگمگا اٹھا۔ وہ مڑی... اور آہستہ آہستہ دوبارہ اندر چلی گئی۔

''بھائی... ہم حدیر بھائی کو سمجھ ہی نہیں سکے''۔ ریان ہریرہ کے کندھے سے لگا ہوا تھا۔ رحمانی ہاؤس کا سب سے چھوٹا بیٹا دل میں بے تحاشہ درد لیے اور آنکھوں میں خوف۔

اس کی بھیگی پلکیں اٹھیں اور آنسو چپ چاپ گال پر بہہ گئے۔

''ہم چھوٹے تھے بھائی، ہم سمجھ ہی نہیں پائے''۔ وہ سسک کر بولا۔ ''لیکن اب۔۔اب سوچتا ہوں وہ خود کو کتنا اکیلا محسوس کرتے ہوں گے''۔ یہ کہتے ہوئے اس کا اپنا دل بھی اس اکیلے پن میں ڈوب گیا۔

ہریرہ سے رہا نہ گیا وہ تڑپ کر اسے اپنے سینے سے لگا گیا لیکن ریان رکنے والا نہیں تھا۔

''اس دن ہم سب نے کتنا غلط کیا''۔ اس کی آواز میں کرب تھا، پچھتاوا تھا۔

''آپ نے بھی''۔ ہریرہ کے دل میں جیسے کسی نے چھری اتار دی۔

''آپ جانتے ہیں نا؟ حدیر بھائی ہم سب سے کتنا پیار کرتے ہیں''۔ریان کی آواز ٹوٹتی گئی۔

''مجھے آئی فون کا لیٹسیٹ ماڈل چاہیے تھا سب سے پہلے انہوں نے لا کر دیا''۔ایک ہچکی اس کے لبوں سے نکلی۔

''ہادی کو ٹرپ پر جانا تھا، انہوں نے خود بھیجا، ہر پل خیال رکھا، کر لمحے کی خبر رکھی، سارے خرچے اٹھائے''۔اس کے آنسو اب بے قابو ہو چکے تھے۔

''وہ۔۔وہ یہی چاہتے تھے کہ ہم میں سے کوئی اداس نہ ہو''۔کاریڈور کی فضا بھاری ہو گئی۔

ہریرہ کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں مگر وہ ابھی بھی ضبط کیے بیٹھا تھا۔

''لیکن بھائی''۔ریان نے سر اٹھایا آنکھوں میں ایک معصوم سا سوال تھا جو سید ھا دل میں لگتا تھا۔''جب وہ سب کو اپنی ماما سے لاڈ اٹھاتے دیکھتے ہوں گے تو ان کا بھی دل چاہتا ہو گا نا؟''۔

ہریرہ کی سانس رک سی گئی۔ایک گھٹن سا سینے میں اترنے لگا۔

''لیکن ماما نے کبھی انہیں پیار نہیں دیا''۔ریان کی آواز اب سرگوشی بن گئی تھی۔''مجھے، آپ کو، مناہل کو کتنا پیار کرتی ہیں''۔ایک آنسو اس کی پلک سے ٹوٹ کر گرا۔

''لیکن حدیر بھائی سے۔۔ہمیشہ سختی''۔اب اس کے لیے بولنا مشکل ہو گیا تھا اور ہریرہ کے لیے سننا۔

کچھ لمحے دونوں خاموش رہے صرف ریان کی سسکیوں کی آواز تھی اور دو دلوں کے ٹوٹنے کی۔

"بھائی"۔ریان نے لرزتی آواز میں پکارا۔"میں حدیر بھائی سے بہت پیار کرتا ہوں انہیں کچھ نہیں ہوگا نا؟"۔وہ خوف زدہ تھا۔آنکھیں امید لیے ہریرہ کو دیکھ رہی تھیں۔

ہریرہ نے اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

"نہیں میرا بچہ"آواز بھاری تھی مگر وہ مضبوط بننے کی کوشش کر رہا تھا۔"تم جانتے ہو نا ہم سب میں سب سے بہادر حدیر ہے"۔اس نے مشکل سے الفاظ جوڑے۔

"کتنے بھی مشکل حالات ہوں وہ ڈٹ کر کھڑا رہتا ہے دیکھنا وہ ٹھیک ہو جائے گا"۔لیکن اس کے اپنے دل کو اس یقین کی ضرورت تھی،ریان سے زیادہ۔

بھائیوں میں ہریرہ حدیر سے زیادہ قریب تھا۔اور باقی بچے ہریرہ سے زیادہ وہ اپنی خواہشیں حدیر سے کیا کرتے تھے۔اس سے اپنی باتیں منواتے تھے۔

رحمانی ہاؤس کے یہ سارے بھائی تو ایک دوسرے کی جان تھے پھر یہ سب کیا ہو گیا تھا؟۔

ہریرہ نے سر پیچھے دیوار سے ٹکا دیا آنکھیں بند کر لیں اور ایک آنسو ضبط کی ساری دیواریں توڑ کر بہہ نکلا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یااللہ"۔اس کے اندر سے صدا نکلی۔"میں ماں کی وجہ سے اس کے ساتھ زیادتی کر گیا"۔

یہ اعتراف تھا، یہ پچھتاوا تھا، یہ وہ درد تھا، جواب شاید کبھی ختم نہیں ہونا تھا۔یا شاید ہو جانا تھا

اور اس لمحے ہریرہ کو پہلی بار احساس ہوا کہ کچھ غلطیاں انسان کو بہت رلاتی رہتی ہیں۔

اماں سائیں کمرے میں تنہا بیٹھی تھیں۔ہاتھوں میں تسبیح تھی...اور دانے ایک ایک کر کے انگلیوں سے سرکتے جا رہے تھے۔چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔آنکھیں بند تھیں... مگر دل جاگ رہا تھا۔اور ذہن میں ایک ہی منظر بار بار لوٹ آتا تھا۔

معارج رحمانی کا خون سے لپٹا ساکت وجود...وہ منظر جیسے وقت میں منجمد ہو گیا تھا۔نہ مٹتا تھا...نہ دھندلا ہوتا تھا۔

آف وائٹ رنگ کی حویلی پورے جاہ و جلال سے کھڑی تھی۔

اندر خواتین کی چہل پہل معمول کے مطابق جاری تھی۔

برتنوں کی آوازیں... ہلکی ہنسی...اور روزمرہ کی باتیں۔

سب کچھ عام تھا۔

Clubb of Quality Content

تب ہی باہر سے ایک شور اٹھا۔اچانک۔بے وقت۔دل کو لرزا دینے والا۔حویلی کی فضا ایک دم ساکت ہو گئی۔سب نے چونک کر سینے پر ہاتھ رکھا۔دروازہ تیزی سے کھلا۔

"اماں سائیں... معارج ہمیں چھوڑ کر چلا گیا"۔مہناز پھوپھو سسکیوں کے ساتھ اندر داخل ہوئیں۔

ان کی آواز میں ایسا درد تھا... جیسے کسی نے آسمان پھاڑ دیا ہو۔یہ جملہ نہیں تھا ایک بم تھا جو سب کے دلوں پر گرا تھا۔

"نن... نہیں... معارج کو کچھ نہیں ہو سکتا"۔پلوشہ رحمانی نفی میں سر ہلاتی پیچھے ہٹنے لگیں۔ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔

چہرہ زرد پڑ گیا۔ہاجرہ رحمانی فوراً آگے بڑھیں۔انہوں نے انہیں تھام لیا۔

"بھابھی... بھابھی... وہ تو کہہ کر گئے تھے کچھ دیر میں آجائیں گے"۔سانس بے ترتیب ہو چکی تھی۔"وہ مجھے ایسے کیسے چھوڑ کر جا سکتے ہیں؟"وہ قابو میں نہیں آرہی تھیں۔انکار... خوف... اور امید سب ایک ساتھ ان کے چہرے پر تھے۔

اماں سائیں کی آنکھیں خالی خالی سی ہو گئی تھیں۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

''میرا فرمانبردار... سلجھا ہوا بیٹا...''ان کی آواز بہت دھیمی تھی۔''مہناز...وہ کیسے مجھے چھوڑ کر جا سکتا ہے؟''انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔دل ماننے کو تیار نہیں تھا۔

تب ہی مرد حضرات ہال میں داخل ہوئے۔ان کے کندھوں پر ایک میت تھی۔فضا اور بھی بھاری ہو گئی۔قدم آہستہ تھے... مگر ہر قدم قیامت بن کر گرتا تھا۔اور پھر جب سفید چادر ہٹی... تو حویلی پر قیامت ٹوٹ پڑی۔

اماں سائیں کا لاڈلا بیٹا... معارج رحمانی...اس کا سینہ گولیوں سے چھلنی تھا۔حویلی کی دیواریں بھی لرز گئی تھیں۔

ہسپتال کے کمرے کے باہر خاموشی پھیلی ہوئی تھی دیواروں کی سفیدی آنکھوں کو چبھ رہی تھی اور دل کے اندر عجیب سا بوجھ اترتا جا رہا تھا۔

ہریرہ دروازے کے باہر کھڑا تھا۔ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر تھا مگر ہمت نہیں ہو رہی تھی اسے کھولنے کی۔

کیونکہ دروازے کے اُس پار صرف ایک زخمی انسان نہیں تھا اس کا وہ بھائی تھا جس کے ساتھ وہ انصاف نہ کر سکا۔

اس نے آنکھیں بند کیں ایک گہری سانس لی اور دروازہ دھیرے سے کھول دیا۔

اندر مدھم روشنی تھی۔ مشینوں کی بیپ اور بیڈ پر لیٹا حدیر چہرہ زرد مگر پر سکون...

ہریرہ کے قدم جیسے زمین میں گڑ گئے۔

یہ وہی حدیر تھا؟ وہی جو ہمیشہ سب کے لیے کھڑا رہتا تھا جو کبھی کمزور نہیں دکھتا تھا؟ آج وہ یوں خاموش پڑا تھا۔ ہریرہ کا گلا بند ہو گیا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا ہر قدم جیسے دل پر پڑ رہا تھا۔ بیڈ کے پاس آ کر رکا کچھ لمحے بس اسے دیکھتا رہا پھر کانپتے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اور بس اسی لمحے ہریرہ بکھر گیا۔

''حدیر''۔ اس کی آواز بری طرح لرز گئی۔

''میری جان''۔ یہ لفظ شاید پہلی بار اس نے اتنے درد کے ساتھ کہا تھا۔ اس کے آنسو حدیر کے ہاتھ پر گرنے لگے۔

''میں۔۔ میں غلط تھا''۔ وہ ٹوٹے ہوئے جملوں میں بول رہا تھا۔

''میں نے تمہیں سنے بغیر، تم پر یقین کیے بغیر، تمہیں اکیلا چھوڑ دیا''۔ اس کی سانسیں بے ترتیب ہو گئیں۔

''تم ہمیشہ... ہمارے لیے کھڑے رہے''۔ وہ روتے ہوئے بول رہا تھا۔ ''اور میں۔۔ میں تمہارے ساتھ کھڑا بھی نہ ہو سکا''۔

وہ جھک گیا پیشانی حدیر کے ہاتھ سے لگادی۔

''مجھے معاف کر دو''۔ اس کی آواز اب سرگوشی بن چکی تھی۔ ''میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی''۔ کمرے میں صرف اس کے رونے کی آواز تھی۔

مشین کی بیپ اور ایک بھائی کا ٹوٹنا۔

''تم اکیلے نہیں تھے''۔ وہ ہچکیوں میں بولا۔ ''بس ہم سب اندھے ہو گئے تھے''۔ ایک لمحہ... دو لمحے... پھر اس نے آہستہ سے حدیر کا ہاتھ اپنی آنکھوں سے لگا لیا۔

''بس ایک بار آنکھیں کھول دو''۔ اس کی آواز میں التجا تھی۔ ''ایک بار ڈانٹ لو کچھ بھی کہہ لو''۔ آنکھوں سے آنسو مسلسل بہتے رہے۔ ''لیکن ایسے خاموش مت رہو''۔

کمرہ پھر خاموش ہو گیا۔ مگر اس خاموشی میں

ایک دل کا پچھتاوا تھا اور ایک دل دعا جو شاید آسمان تک پہنچ چکی تھی۔

صبح ہوتے ہی، اور رشنا کے آتے ہی، کامل گھر چلا آیا تھا۔

گھر کے اندر غیر معمولی خاموشی تھی۔ہال کی فضا بوجھل تھی۔ تیمور ملک صوفے پر بیٹھے تھے۔

دروازہ زور سے کھلا۔کامل اندر آیا۔قدم تیز تھے اور چہرہ سخت۔وہ سیدھا ان کے سامنے آکر رک گیا۔

”چاچا...سب سچ سچ بتاؤ“۔اس کی آواز میں دبا ہوا غصہ تھا۔”اس سب کے پیچھے...تم تو شامل نہیں ہو نا؟“۔جبڑے بھینچے ہوئے...آنکھیں سیدھی ان پر جمی ہوئی۔

تیمور ملک نے اسے ناگواری سے دیکھا۔چہرہ ایک دم تن گیا۔

”دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا؟“ان کی آواز میں خفگی تھی۔

کامل نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

”تو نے خود کہا تھا ماہ گل کو بھیج دے“۔اس کی آواز بھاری ہو گئی۔”پھر یہ سب کیوں کیا؟“۔چند لمحے خاموشی رہی۔پھر وہ تقریباً پھٹ پڑا۔

”کیوں اسے دہلیز پر بلا کر گولی ماری؟“اس کے چہرے پر اذیت ابھر آئی۔آنکھوں میں درد اور غصہ ایک ساتھ تھے۔

"کامل!" تیمور ملک بلند آواز میں اسے ٹوک گئے۔ فضا ایک دم ساکت ہو گئی۔ انہوں نے گہری سانس لی... خود کو قابو میں کیا۔

"بتا چکا ہوں تمہیں"۔ وہ دانت بھینچ کر بولے۔ "نہ میں نے گولی چلائی ہے... اور نہ میں اس سب میں شامل ہوں"۔ ان کے لہجے میں سختی تھی... مگر کہیں اندر ایک تھکن بھی۔ وقت ایک بار پھر ماضی کو دہرا رہا تھا۔

وہ چند لمحے رکے۔ پھر دھیرے مگر واضح انداز میں بولے

"مجھے اگر ایسا کچھ کرنا ہوتا"۔ انہوں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "تو میں یہ کرتا کہ ماہ گل کو یہاں سے جانے ہی نہ دیتا"۔ یہ کہتے ہوئے انہیں خود محسوس ہوا وہ زندگی میں پہلی بار کسی کے سامنے صفائی دے رہے تھے۔ کامل خاموش کھڑا رہا۔ چند لمحے اس نے صرف انہیں دیکھا۔

"میں تم پر یقین کر رہا ہوں، چاچا"۔ اس کی آواز میں تھکن تھی۔ "میرا یقین مت توڑنا"۔ وہ مڑا اور دروازے کی طرف چل دیا۔ ابھی وہ دو قدم ہی چلا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"ایک بات غور سے سن لو، کامل"۔ اس کے قدم جیسے زنجیر ہو گئے۔ وہ رک گیا۔ پیٹھ اب بھی ان کی طرف تھی۔ تیمور ملک آہستہ سے اٹھے۔ آواز اب سرد تھی... فیصلہ کن۔

"خدانا خواستہ اگر اسے کچھ ہو جاتا ہے"۔انہوں نے الفاظ چبا چبا کر کہے۔"تو اپنی بیٹی کو وہاں میں اکیلا نہیں چھوڑوں گا"۔کامل نے آہستہ سے سر موڑا۔ان کی نظریں اس پر جمی تھیں۔

"تم اس سے شادی کرو گے"۔کمرے کی فضا ایک لمحے کو منجمد ہو گئی۔

"میں اپنی بیٹی کو ساری زندگی روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔ان لوگوں کا رویہ دیکھا ہے اس کے ساتھ۔ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے؟"۔۔

کامل انہیں دیکھتا رہ گیا۔اس لمحے وہ اسے ایک بے حس انسان لگے۔اس کے چہرے پر تلخی اتر آئی۔

"وہ زندہ ہے،چاچا"۔اس نے دھیرے مگر کاٹ دار لہجے میں کہا۔"مرا نہیں...جو تم اس طرح کی باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو"۔اس نے سر تنفر سے جھٹکا۔"اس سے بہتر تھا یہ کہتے وہ ٹھیک ہو جائے"۔چند لمحے خاموشی رہی۔

"میں جذباتی نہیں... حقیقت پسند ہوں۔پہلے یہی چاہتا ہوں کہ وہ ٹھیک ہو جائے"۔وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

"لیکن ڈاکٹر جو اس کی حالت بتا رہے ہیں..." انہوں نے رک کر آخری جملہ کہا۔ "اگر وہ ٹھیک نہیں ہوا... تو تم پہلے سے ذہن میں رکھو۔ مائرہ کا خیال ذہن سے نکال دو گے"۔ یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئے۔

ماہ گل آئی سی یو کے شیشے سے سر ٹکائے کھڑی تھی۔

اس کی پیشانی ٹھنڈے شیشے سے لگی ہوئی تھی۔ وہ اس فاصلے کو مٹانا چاہتی ہو جو چند قدم کا تھا مگر صدیوں جتنا لگ رہا تھا۔ اندر وہ ساکت لیٹا تھا۔ سفید چادر میں ڈھکا وجود، مشینوں سے جڑا ہوا سانسیں لے رہا تھا، مگر زندگی جیسے کہیں گم ہو گئی تھی۔

چند لمحوں کی اجازت ملی تھی اسے بس اتنا کہ وہ دور کھڑی اسے دیکھ سکے، چھو نہ سکے، پکار نہ سکے، صرف دیکھے، اور بکھرتی رہے۔ آنکھوں میں ٹھہرے آنسو آخر بہہ نکلے۔ پہلے ایک قطرہ، پھر دوسرا اور پھر جیسے ضبط کی ساری دیواریں ڈھ گئیں۔

رات ڈھل گئی تھی۔ لمبی... سیاہ... بے رحم رات۔

پھر صبح بھی آ گئی مگر آئی سی یو کے شیشے کے اُس پار

وہی خاموش جسم پڑا تھا... مشینوں کی مدھم، یکساں آوازوں میں سانس لیتا ہوا۔

وہ خاموشی ماہ گل کو کاٹنے لگی تھی۔

وہ کم بولتا تھا۔۔بہت کم۔

مگراس کی بھوری آنکھیں...

وہ بولتی تھیں۔

وہ ہنستی تھیں۔

وہ ڈانٹتی تھیں۔

وہ تسلی دیتی تھیں۔

اب وہ بند تھیں۔

اوران بند آنکھوں کے ساتھ جیسے پوری دنیا ویران ہو گئی تھی۔

ہر گزرتا لمحہ اس کے دل کی دھڑکنوں کو اور بے ترتیب کر رہا تھا۔سینے میں جیسے کوئی انجانا خوف پنجے گاڑ کر بیٹھ گیا۔

دروازہ ہلکا سا کھلا۔نرس باہر نکلنے لگی۔

ماہ گل فوراً چونکی۔تیزی سے اس کی جانب متوجہ ہوئی۔آنکھوں میں امید لیے،سانس روکے،دل تھامے۔

"ابھی تک ہوش نہیں آیا... مگر vitals stable ہیں"۔

نرس نے آہستگی سے بتایا اور آگے بڑھ گئی۔

یہ چند لفظ تھے مگر ماہ گل کے لیے جیسے سانس لینے کی اجازت بن گئے۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔ خاموش، ساکت شیشے کے اُس پار نظر جمائے۔

پھر آہستہ آہستہ پلٹی۔ قدم بھاری تھے دل اور بھی بھاری۔

اور وہ چلتی ہوئی رشنا کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"یار مائرہ! یہ کیا ضد ہے؟"۔ کامل کو خالہ کی کال موصول ہوئی تو وہ ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گیا۔

Clubb of Quality Content!

رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ آنکھیں بوجھل تھیں وہ کچھ دیر آرام کرنے ہی لگا تھا کہ یہ کال اسے پھر سے کھینچ لائی۔

وہ بغیر وقت ضائع کیے گھر سے نکل آیا۔

اور اب وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

مائرہ کھڑکی کے قریب بیٹھی تھی۔ چہرہ اترا ہوا... آنکھیں سرخ... جیسے پوری رات روتی رہی ہو۔

ہاتھ میں ایک بیگ تھا جس کی زپ وہ بار بار بند کھول کر رہی تھی۔

”میں فیصلہ کر چکی ہوں، کامل“۔ اس کی آواز میں تھکن تھی... مگر ضد بھی۔ ”میں اب یہاں مزید نہیں رکوں گی“۔

کامل نے اسے دیکھا۔ اور فوراً سمجھ گیا۔ حدیر کی خبر اس تک بھی پہنچ چکی تھی۔ ایک ہلکی سی ٹیس اس کے دل میں اٹھی... مگر وہ چہرہ سنجیدہ رکھے رہا۔

”اس طرح سب کچھ چھوڑ دینا کوئی عقل مندی نہیں ہے، لڑکی“۔ وہ دھیرے سے آگے بڑھا۔ سانس گہری لی... اور خود کو سنبھالتے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

مائرہ نے بیگ بند کیا۔ اور آنکھیں اٹھا کر سیدھا اس کی طرف دیکھا۔

”یہاں رکنا بھی کون سی عقل مندی ہے؟“۔ اس کی آواز میں تلخی تھی۔

کامل لمحے بھر کے لیے خاموش ہوا۔

''تم جانتی ہو ہماری منگنی ہو چکی ہے''۔اس کے لہجے میں بے بسی گھل گئی۔''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، یار''۔یہ جملہ اس کے دل سے نکلا تھا... مگر مائرہ کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہ آئی۔وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔

''کل کہاں تھے تم؟''۔پھر اچانک سوال کی۔کامل چونک گیا۔

''ہسپتال میں تھا''۔اس نے فوراً جواب دیا آواز میں نہ جھوٹ تھا، نہ گھبراہٹ۔وہ جانتا تھا... وہ پہلے سے سب جانتی ہے۔

''ماہ گل کیسی ہے؟''۔اس نے سوال بدلا۔

''ٹھیک ہے''۔کامل نے مختصر جواب دیا مگر اس کی آنکھوں میں اب بھی الجھن تھی۔

''میں اس کی نیچر کے بارے میں پوچھ رہی ہوں''۔مائرہ نے بیگ میز پر رکھا پھر اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈریسنگ ٹیبل پر چیزیں ترتیب سے رکھنے لگی۔

کامل نے اسے غور سے دیکھا۔

''اچھی ہے۔بلکہ بہت اچھی''۔وہ دھیرے سے بولا۔''معصوم ہے... رحم دل ہے...'' پھر اس کی باتیں یاد کرتا ہلکا سا مسکرایا۔مائرہ کی انگلیاں رک گئیں۔

''دیکھا؟ تم بھی اس کی تعریف کر رہے ہو''۔ مائرہ اچانک پلٹی۔ آواز میں خفگی تھی اور آنکھوں میں چبھن۔

''وہ اچھی ہے... میری کزن ہے''۔ اس کی آواز نرم تھی مگر صاف۔ ''لیکن محبت تو میں تم سے کرتا ہوں''۔ وہ رکا نہیں بس سیدھا اسے دیکھتا رہا۔ آنکھوں میں ایک عجیب سی آنچ تھی۔

''تعریف کا مسئلہ ہے تو...'' ہلکا سا سانس لیا۔ ''میں تمہاری دل و جان سے کرنے کو بھی تیار ہوں''۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم بکھیر گیا۔ ''چاہو تو دیوان لکھوا لینا...''۔ پھر ایک لمحہ رکا۔ فضا جیسے تھم گئی۔ اس نے نگاہ سیدھی مائرہ پر رکھی۔ ''لیکن نکاح کے لیے ہاں کر دو''۔ جملہ مکمل ہوا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

مائرہ کی آنکھیں فوراً جھک گئیں۔

''تم سب جانتے ہو''۔ اس کی آواز دھیمی ہوئی تھی۔

''میں سب جانتا ہوں... اسی لیے کہہ رہا ہوں''۔ کامل نے فوراً جواب دیا۔

''اگر وہ غیر شادی شدہ ہوتا... تمہیں چاہتا... تم سے شادی کرنا چاہتا''۔ وہ ایک لمحے کو رکا۔

''تو میں کبھی درمیان میں نہ آتا''۔ اس کی آواز بھاری ہو گئی۔

"لیکن اب جب میں جانتا ہوں اس سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔ میں پیچھے ہٹنے کی بیوقوفی نہیں کروں گا اور نہ تمہیں کرنے دوں گا"۔ اس کے لہجے میں سنجیدگی عود آئی۔ انداز دوٹوک تھا۔ مائرہ نے انگلیاں بے اختیار چٹخیں۔ وہ پہلی بار اسے اس قدر سنجیدہ لگا تھا۔

"لیکن میں یہاں نہیں رہنا چاہتی"۔ مائرہ نے نظریں جھکا لیں۔ آواز میں نمی تھی...اور تھکن بھی۔

"تمہارے والدین یہاں ہیں، تمہارے بہن بھائی، تمہارے والد کا بزنس" وہ متانت سے سمجھانے لگا۔ "تو تم ان سب کو چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہو؟"۔ وہ ٹھہرا۔

"کسی ایک انسان کے لیے اپنی پوری دنیا نہیں چھوڑی جاتی، مائرہ"۔ یہ جملہ کہتے ہوئے اس نے خود کو مضبوط رکھا مگر اندر کہیں وہ خود بھی ٹوٹ رہا تھا۔ وہ اتنا مضبوط تو نہیں تھا جتنا بننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہاں دیکھو۔ میرے ساتھ اپنی زندگی کا سفر شروع کرو۔ اسی شہر میں...اسی ملک میں"۔ اس کی آواز میں یقین تھا۔ "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں تم سب بھول جاؤ گی۔ کچھ یاد رہے گا تو صرف وہ لمحات جو ہم ساتھ گزاریں گے"۔ ایک ہلکی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آئی۔

"اور اگر پھر بھی تمہیں لگے کہ تمہیں جانا ہے"۔ وہ رکا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آنکھوں میں سچائی تھی۔ ”تو میں تمہارے ساتھ چلوں گا... جہاں تم چاہو گی“۔ یہ سن کر مائرہ کی آنکھیں بھر آئیں۔ مگر وہ کچھ بولی نہیں۔ بس سر اثبات میں ہلایا۔

”تو پھر کیا فیصلہ کیا؟“۔ کامل نے آہستگی سے پوچھا۔

مائرہ نے پلکیں جھکائیں۔ ایک لمحہ، دوسرا لمحہ۔

”میں ابھی کہیں نہیں جا رہی“۔ پھر دھیرے سے بولی۔ وہ فیصلہ لے چکی تھی۔ کامل کی آنکھوں میں سکون سا اتر آیا۔

”یعنی نکاح کے لیے تیار ہو؟“۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔

مائرہ نے ایک لمبی سانس لی جیسے اپنے دل کو قائل کر رہی ہو۔

”ہاں“۔ آواز کمزور تھی مگر ہاں تھی۔ فیصلہ مشکل تھا مگر لے لیا گیا تھا۔

”تو چلو... جلدی سے یہ کپڑے رکھ دو وارڈروب میں“ وہ کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اور پیچھے مائرہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ آنکھوں میں نمی تھی اور بند دروازے کے ساتھ ایک خاموش اداسی۔ پھر وہ بیگ سے نکال کر چیزیں دوبارہ رکھنے لگی۔

دوپہر کا سورج آسمان کے عین وسط میں آٹھہرا تھا،

مگر انتظار کی گھڑیاں جیسے رک گئی تھیں لمبی... تھکی ہوئی...اور بے رحم۔ ہر چہرہ خاموش تھا، ہر دل اپنی اپنی دعا میں گم۔ لب ہل رہے تھے۔ اور آنکھیں بار بار اسی دروازے کی طرف اٹھ جاتیں۔ جہاں زندگی اور موت کے درمیان ایک باریک سی لکیر کھنچی ہوئی تھی۔

شہاب رحمانی کل سے اب تک وہیں موجود تھے۔

رحمانی ہاؤس میں، اماں سائیں کے حکم پر یٰسین و یاسلام کا اہتمام کیا گیا تھا۔ گھر کے ہر کمرے میں قرآن کی تلاوت کی مدھم، پُر سوز آواز گونج رہی تھی۔ بشریٰ رحمانی اور امرین رحمانی تو معمول کی طرح آفس گئی ہوئی تھیں۔ یہ ہاجرہ رحمانی ہی تھیں جو پورے گھر کو دیکھ رہی تھیں۔

وقت آہستہ آہستہ سرک رہا تھا۔ پھر شام کے سائے نرمی سے زمین پر اترنے لگے خاموش، سنجیدہ۔

اچانک آئی سی یو کے اندر موجود مانیٹر کی بیپ ذرا تیز ہوئی۔ نرس چونک کر فوراً اس کے قریب آئی۔ اس کی نظریں اس ساکت چہرے پر جم گئیں۔ اگلے ہی لمحے اس کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ پھر انگلی ذرا سی ہلی بہت معمولی سی حرکت... مگر اس لمحے وہ حرکت زندگی کی سب سے بڑی خبر بن گئی۔

''ڈاکٹر! پیشنٹ نے موومنٹ کی ہے''۔ نرس کی آواز میں بے اختیار خوشی لرزا تھی۔

Clubb of Quality Content

چند ہی سیکنڈ بعد اس کی پلکیں آہستہ آہستہ اٹھیں۔دھندلی نظریں چھت کی سفید روشنی پر ٹھہر گئیں۔حیران...بوجھل... مگر زندہ۔

ڈاکٹرز تیزی سے اندر داخل ہوئے۔ان کے قدموں کی چاپ میں عجلت بھی تھی اور احتیاط بھی۔

باہر سب کے دل سینوں میں زور زور سے دھڑکنے لگے۔

ہر آنکھ دروازے پر جمی ہوئی تھی۔ہر سانس جیسے تھم گئی تھی۔کچھ لمحے جو صدیوں جتنے لگے۔

پھر دروازہ کھلا۔ڈاکٹر باہر آئے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔انہوں نے سب کی طرف دیکھا...اور وہ ایک مسکراہٹ سب کے دلوں میں امید کا چراغ جلا گئی۔

”کانگریچولیشن...یور پیشنٹ از ناوان اسٹیبل کنڈیشن“۔یہ الفاظ سن کر جیسے فضا کا بوجھ اچانک ہلکا ہو گیا۔سب کے لبوں سے ایک ساتھ شکر کا سانس خارج ہوا لمبا، گہرا گویا دلوں پر رکھا ہوا پہاڑ اتر گیا تھا۔

ماہ گل نے یہ خبر سنی تو اس کے قدم خود بخود حرکت میں آ گئے۔ وہ فوراً پرئیر روم کی طرف بھاگی آنکھوں سے آنسو بہتے جا رہے تھے، مگر اس بار وہ آنسو درد کے نہیں شکر کے تھے۔ رشنا بھی اس کے پیچھے تیزی سے گئی۔

بالآخر ان کی دعاؤں نے رنگ دکھا دیا تھا۔

شام ڈھلتے ڈھلتے رات کی آہٹ سنائی دینے لگی تھی، مگر جس کا انتظار تھا وہ اب تک نہیں آئی تھی۔ تقریباً سب ہی اس سے مل کر جا چکے تھے۔ ہر چہرہ آیا چند لمحے رکا اور پھر چلا گیا۔

لیکن وہ ایک چہرہ جسے دیکھنے سے دل کو قرار آنا تھا، آنکھوں کو سکون ملنا تھا وہی غائب تھی۔

اس کے دل میں ہلکی سی بے چینی اتر آئی۔ لبوں پر ناگواری سی پھیل گئی۔ وہ سخت بدمزہ ہوا تھا۔

کچھ دیر تک دروازے کی سمت دیکھتا رہا پھر پلکیں بوجھل ہونے لگیں۔ دوائی کا اثر آہستہ آہستہ اس پر غالب آ رہا تھا۔ اور وہ آہستہ آہستہ غنودگی میں ڈوب گیا۔

جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو روشنی بدل چکی تھی۔ یہ دوسرے دن کی صبح تھی۔ سفید پردوں سے چھن کر آتی دھوپ کمرے میں ایک نرم سی چمک بکھیر رہی تھی۔

اس نے آہستگی سے نگاہیں گھمائیں اور پھر وہ منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آیا جس کا وہ بے اختیار انتظار کر رہا تھا۔

وہ تھی۔ بالکل اس کے سامنے۔ صوفے پر بے ترتیب سی لیٹی ہوئی، گہری نیند میں گم۔ اس کے بکھرے ہوئے بال چہرے کے گرد نرم سائے بنا رہے تھے۔

سی گرین رنگ کا لباس اس کی تھکی ہوئی صورت کو اور بھی نازک بنا رہا تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہ گیا۔ پھر اس کے لبوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری ایسی مسکراہٹ جو دل کی گہرائی سے نکلی۔

اس نے پلکیں جھپکائیں بھی نہیں۔ بس اسے دیکھتا چلا گیا۔ وہ اس لمحے اسے پہلے سے کہیں زیادہ اپنے دل کے قریب محسوس ہوئی۔ اتنی قریب کہ فاصلے کا احساس ہی ختم ہو گیا۔

اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ کوئی اس کی زندگی میں اس طرح شامل ہو جائے گا اور پھر اتنا عزیز ہو جائے گا کہ اس کے بغیر ہر لمحہ ادھورا لگے

وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا

he's not the love type man.

یونیورسٹی میں جب بھی وہ اپنے دوستوں کو اپنی منگیتر یا منکوحہ کے پیچھے دیوانہ ہوتے دیکھتا، تو دل ہی دل میں مسکرا کر یہی سوچتا وہ کبھی اس طرح

کسی سے محبت نہیں کر سکے گا۔

محبت...اس کے لیے ایک لفظ تھا کوئی احساس نہیں۔

لیکن اب وہ پہلی بار محسوس کر رہا تھا کہ دل کی دنیا کتنی خاموشی سے بدل جاتی ہے۔

اب وہ جان گیا تھا

he's feeling it harder and deeper than ever before.

اس کی نگاہیں اب بھی اسی پر ٹکی تھیں۔نرم...محبت بھری...اور کسی ان کہے شکر سے لبریز۔

تب ہی دروازہ آہستہ سے کھلا۔نرس اندر آئی۔اسے یوں دنیا سے بیگانہ ایک ہی سمت تکتے دیکھا تو ہلکی سی مسکرا دی۔

جب وہ قریب آئی تو اس کی آہٹ پر وہ چونک سا گیا۔

"آپ سے ملنے مسٹر کبیر آئے ہیں"۔نرس ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی اور ساتھ ہی اس کا بلڈ پریشر اور دیگر ضروری چیزیں چیک کرنے لگی۔

حدیر خاموشی سے ماہ گل کو دیکھتا رہا۔اب طبیعت پہلے سے کچھ بہتر تھی۔

نرس مطمئن ہو کر مڑنے لگی تو اس نے آہستگی سے اسے پکارا۔

"سنیں..." نرس رک گئی اور سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کبیر کو بھیجنے سے پہلے... پلیز میری وائف کو جگا دیں"۔ اس نے ہلکے سے سر موڑ کر صوفے کی جانب اشارہ کیا۔

نرس کی نگاہ بھی اسی سمت گئی جہاں ماہ گل صوفے پر بے ترتیب سی لیٹی ہوئی گہری نیند میں گم تھی۔

بال ذرا بکھرے ہوئے ہاتھ ڈھیلے سے پہلو میں رکھے

چہرے پر تھکن کی ہلکی سی پرچھائیں۔

نرس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اس کی طرف بڑھ گئی۔

حدیر جانتا تھا اس کا آواز دینا کافی نہیں ہو گا۔ وہ نیند کی نہایت پکی تھی۔ اور جب تھک جاتی تو دنیا کی کوئی آواز اسے آسانی سے جگا نہیں سکتی تھی۔

نرس نے آہستگی سے اس کے کندھے کو ہلایا۔

''مسز حدیر...'' ماہ گل چونک کر یکدم اٹھ بیٹھی۔ چہرے پر ایک لمحے کو گھبراہٹ ابھری پھر وہ غائب دماغی سے ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

حدیر یہ منظر دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دیا۔ اس کی الجھی ہوئی حرکات، نیند سے بوجھل آنکھیں اور وہ معصوم سا حیران چہرہ۔

نرس باہر نکلی تو کبیر دروازے کے قریب کھڑا فون میں مصروف تھا۔ اس نے مختصر سا اشارہ کیا۔

''آپ اندر جاسکتے ہیں''۔ اور وہ آگے بڑھ گئی۔

''کب سے ہیں آپ یہاں؟''. حدیر نے مسکراہٹ سمیٹ کر سنجیدگی سے ماہ گل کی طرف دیکھا۔

ماہ گل نے پہلے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔ پھر آہستگی سے اٹھ کر اس کے قریب آگئی۔

عام طور پر لوگ حال احوال پوچھتے ہیں مگر وہ کیا پوچھ رہا تھا۔

''پرسوں رات سے''۔ اس نے دھیرے سے جواب دیا۔ اور اس ایک جملے کے ساتھ اس رات کا سارا درد، ساری تھکن اس کے لہجے میں سمٹ آئی۔

"نیند کی اتنی پکی ہیں تو کیا ضرورت تھی یہاں رکنے کی؟"۔وہ خفا ہو رہا تھا مگر اس خفگی میں فکر چھپی ہوئی تھی۔

ماہ گل کے لب ہلکے سے بھینچے۔

"آج ہی سوئے ہیں یہاں"۔اس نے بھی خفگی سے اطلاع دی۔

حدیر نے غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔وہ واقعی سوجی ہوئی تھیں سرخ اور بے حد تھکی ہوئی۔

اس کے دل میں ایک نرم سی کسک اٹھی۔

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا شاید کوئی نرم سا جملہ کہ اسی لمحے دروازہ کھلا۔

کبیر دستک دیتے اندر داخل ہو گیا۔

ماہ گل نے ایک لمحہ دونوں کو دیکھا پھر خاموشی سے پلٹی۔اور فریش ہونے کے لیے چلی گئی۔

"کبیر... کیا رپورٹ ہے؟"۔حدیر نے سنجیدگی سے سوال کیا۔آواز میں کمزوری ابھی باقی تھی، مگر لہجہ اب بھی ویسا ہی مضبوط۔

نالز کلب
Clubb of Quality Content

کبیر چند لمحے اسے دیکھتا رہ گیا۔ آنکھوں میں ایک عجیب سا تاثر ابھرا فکر بھی اور ہلکی سی ملامت بھی۔

"سر... پہلے حال احوال تو پوچھنے دیں"۔ اس نے دھیرے سے جتایا۔

حدیر کے لبوں پر ہلکی سی تھکی ہوئی مسکراہٹ آئی۔

"میں ٹھیک ہوں، کبیر"۔ اس نے مختصر جواب دیا۔

پھر نگاہ سیدھی اس پر جما دی۔ "اب مجھے بتاؤ سب"۔ یہ دو لفظ تھے مگر ان میں حکم بھی تھا اور بے صبری بھی۔

کبیر نے ایک گہرا سانس لیا اور سنجیدہ ہو گیا۔

"سر، میں ساری چیزیں ہینڈل کر رہا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں"۔ وہ ایک لمحے کو رکا۔

"لیکن سر... کیا آپ بتا سکتے ہیں آپ نے وہاں کسی کو دیکھا تھا؟ کوئی بھی... یا گولی چلانے والا؟"۔۔

حدیر کی پلکیں ایک لمحے کو ٹھہر گئیں۔ ذہن میں وہ رات اچانک پوری شدت سے ابھر آئی۔

اندھیری گلی، خاموش فضا اور پھر اچانک گولی کی تیز آواز۔ اس کا دل لمحے بھر کو لرز گیا۔

خدانخواستہ... اگر وہ گولی ماہی کو لگ جاتی۔ اس خیال نے ہی اس کے سینے میں سرد لہر دوڑا دی۔

اس نے آہستگی سے سر نفی میں ہلایا۔

""نہیں، یار... گلی اندھیری تھی۔کچھ صاف نظر نہیں آیا""۔آواز دھیمی تھی، مگر یادوں کا بوجھ اس میں صاف محسوس ہو رہا تھا۔

""سر... گولی کس طرف سے آئی تھی؟ ملک کے گھر کی طرف سے... یا سامنے سے؟""۔کبیر نے سنجیدگی سے سر ہلایا،

پھر اگلا سوال کیا۔

کمرے میں ایک سنجیدہ سی خاموشی پھیل گئی۔؛دونوں اپنی گفتگو میں گم ہو گئے آہستہ آہستہ ہر تفصیل کو جوڑتے ہوئے، ہر امکان کو پرکھتے ہوئے۔چند اور ضروری باتیں ہوئیں مختصر... مگر معنی خیز۔آخر کار کبیر نے فائل بند کی اور احترام سے سر ہلایا۔

""آپ آرام کریں، سر۔میں باقی سب دیکھ لوں گا""۔وہ پلٹا اور آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

ہسپتال کے کمرے میں شام دھیرے دھیرے اتر رہی تھی۔کھڑکی کے پار آسمان پر ہلکی نیلگوں دھند پھیلنے لگی تھی جبکہ کمرے کی سفید دیواروں پر جلتی مدھم زرد روشنی ماحول کو عجیب

سی اداسی بخش رہی تھی۔ مشینوں کی مسلسل چلتی بیپ، اینٹی سیپٹک کی تیز بو اور خاموشی میں گھلی وہ تھکن، جو کئی اذیت ناک دنوں کے بعد انسان کی روح تک میں اتر جاتی ہے۔

ماہ گل خاموشی سے اس کے برابر بیٹھی تھی۔ ہاتھ میں سوپ کا باؤل تھا جس سے ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی۔

"آپ شہاب رحمانی سے ٹھیک سے کیوں نہیں ملے؟"۔ اس نے چمچ آہستگی سے اس کی جانب بڑھاتے ہوئے خفگی بھرے لہجے میں پوچھا۔

"کس طرح ملنا تھا پھر مجھے؟"۔ حدیر نے نیم وا پلکوں کے ساتھ اسے دیکھا۔ پھر بھنویں ذرا اچکا دیں۔ ماہ گل چند لمحے چپ رہی۔ جیسے لفظ چن رہی ہو۔

"آپ کا رویہ۔۔۔ تھوڑا سخت محسوس ہوا"۔ وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

حدیر کے چہرے پر ایک مدھم سی تلخی ابھری۔ وہ آہستگی سے تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ گولی کے زخم کی ہلکی ٹیس اب بھی اس کے وجود میں باقی تھی۔

"میرے اور ان کے درمیان کبھی نرم سا تعلق رہا بھی نہیں"۔ اس نے سپاٹ انداز میں کہا۔

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی اتر آئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تین دن ہو چکے تھے حدیر کو ہوش میں آئے۔ لیکن ان دونوں نے اب تک کسی پرانی بات کا ذکر نہیں چھیڑا تھا۔نہ ماہ گل کے گاؤں جانے کا۔۔۔نہ حدیر کے لندن چلے جانے کا۔کچھ فاصلے ایسے ہوتے ہیں جنہیں دونوں فریق چھو کر بھی ان چھوا چھوڑ دیتے ہیں۔

"جب تک آپ ہوش میں نہیں آئے وہ کافی فکر مند رہے ہیں آپ کے لیے"۔ماہ گل نے دھیرے سے کہا۔

پھر اس نے دوبارہ چمچ اس کی طرف بڑھائی مگر حدیر نے نفی میں سر ہلا دیا۔جواباً وہ سیاہ بڑی بڑی آنکھوں سے اسے گھورنے لگی۔حدیر کے لبوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔آخر کار اس نے خاموشی سے منہ کھول دیا۔ماہ گل نے اسے سوپ پلایا تو وہ چند لمحے خاموش رہا۔پھر نظریں کہیں دور جما دیں۔

"ان کو مجھ میں بابا نظر آرہے ہوں گے۔۔۔"اس کی آواز غیر معمولی حد تک پرسکون تھی۔

ماہ گل نے چونک کر اسے دیکھا۔حدیر کی پلکیں ذرا جھکیں۔

"بابا کو بھی گولی لگی تھی"۔ایک لمحے کا توقف۔پھر اس نے آہستگی سے پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

Clubb of Quality Content

"اور وہ سروائیو نہیں کر سکے تھے"۔ لفظ بہت سادہ تھے مگران کے پیچھے دبی برسوں کی اذیت صاف محسوس ہو رہی تھی۔

ماہ گل ساکت سی اسے دیکھتی رہ گئی۔ جیسے اس نے پہلی بار حدیر رحمانی کے اندر چھپے اس بچے کی آواز سنی ہو جو شاید آج تک اپنے باپ کی موت سے باہر نہیں نکل سکا تھا۔

"نہیں لگا ہو گا میں بھی سروائیو نہیں کر سکوں گا"۔ وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ مگر وہ ہنسی دل چیر گئی تھی۔ ماہ گل کی آنکھیں یکدم بھیگ گئیں۔

"ایسے کیسے سروائیو نہیں کر پاتے؟"۔ وہ فوراً بولی۔ لہجے میں عجیب سی معصوم ضد تھی۔

"اتنی دعائیں مانگی تھیں ہم نے"۔ آخری لفظ کہتے کہتے اس کی آواز بھرّا گئی۔ آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

حدیر رحمانی پل بھر کو مبہوت رہ گیا۔ اس نے شاید پہلی بار کسی کو اپنی زندگی کے لیے اس شدت سے ڈرتے دیکھا تھا۔ ماہ گل نظریں جھکا چکی تھی۔ ایک آنسو پلک سے ٹوٹ کر رخسار پر بہہ نکلا۔

اور حدیر وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔یوں جیسے برسوں سے تھکا ہوا کوئی شخص اچانک جان لے کہ دنیا میں ایک وجود ایسا بھی ہے جو اس کے مر جانے کے تصور سے بھی ٹوٹ سکتا ہے۔

"کیوں چاہتی تھی تم ایسا؟"۔اس نے گہری نگاہیں اس کے چہرے پر جما کر پوچھا۔آواز مدھم تھی۔

ماہ گل کی پلکیں لرز گئیں۔

"آپ۔۔۔"وہ رکی۔پھر بھیگی آنکھیں جھکا لیں۔"آپ وہ پہلا رشتہ ہیں۔۔۔جسے ہم حق سے اپنا کہہ سکتے ہیں"۔ایک بھری ہوئی سسکی لبوں سے نکل کر کمرے میں بکھر گئی۔

حدیر رحمانی چند لمحے ساکت اسے دیکھتا رہا۔وہ لفظ اس کے دل کے کسی ایسے حصے میں جا اترے جہاں برسوں سے کسی نے دستک نہ دی تھی۔

پھر اس نے آہستگی سے ہاتھ بڑھایا اور اسے اپنے قریب کر لیا۔ماہ گل چونکی تھی۔

لیکن اگلے ہی لمحے اس کی دھیمی، گہری آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"سارے حق تمہارے ہیں"۔وہ اس کے چہرے کو نظروں کی گرفت میں لیتا بولا۔اسے واقعی اب دنیا کی ہر چیز اس ایک لڑکی کے نام لکھ دینے میں بھی کوئی تامل نہ تھا۔

ماہ گل کے رخسار یکدم سرخ ہوئے۔ وہ جھینپ کر فوراً پیچھے ہوئی اور نظریں چرا کر آنکھیں صاف کرنے لگی۔ حدیر اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔

"کوئی میرے ہوش میں آنے سے پہلے تک کافی رویا ہے اور اب بھی آنسو ختم نہیں ہو رہے"۔ وہ شرارت سے بولا۔

"اتنے آنسوؤں کا اسٹاک کہاں سے جمع ہوا؟"۔ ماہ گل نے فوراً گھور کر اسے دیکھا۔

"آپ کی وجہ سے ہوا ہے"۔ وہ خفگی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ حدیر بے اختیار سر پیچھے پھینک کر ہنس دیا۔ کئی دن بعد اس کے قہقہے میں واقعی زندگی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ ہنس رہے ہیں؟"۔ ماہ گل نے باقاعدہ ناراضی سے اسے دیکھا۔

حدیر نے بمشکل ہنسی روکی۔ پھر سنجیدہ بننے کی ناکام کوشش کرتے ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کی کلائی پکڑ کر دوبارہ اپنے پاس بٹھا لیا۔

"میں معافی چاہتا ہوں ماہی۔ آپ کے آنسوؤں کی وجہ بنا۔ دوبارہ ایسا نہیں ہوگا"۔ وہ نرمی عاجزی سے معافی طلب کر گیا۔

ماہ گل نے چند لمحے اسے دیکھا۔ پھر ٹھوڑی ذرا اوپر اٹھائی۔

"معاف کیا"۔انداز ایسا تھا جیسے کوئی شہزادی رعایا پر کرم کر رہی تھی۔حدیر کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی۔اس کے یہ ناز، یہ انداز اس کے دل پر محبت کی مانند اترنے لگے تھے۔

"ایک معافی آپ کی طرف سے بھی بنتی ہے"۔اب کی بار اس کی آواز میں ہلکا سا شکوہ تھا۔ماہ گل سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اکیلی گاؤں کیوں گئی تھیں؟"۔اس بار اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

ماہ گل کے چہرے پر فوراً خفگی ابھری۔"آپ تو جیسے یہاں تھے نا جو آپ کے ساتھ جاتی"۔ وہ شکوہ کر گئی۔"خود ہمیں یہاں چھوڑ کر نجانے کہاں چلے گئے بتایا بھی نہیں"

"ماں سے ملنے گیا تھا"۔

ماہ گل کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔"کیا؟اماں سے ملنے؟"اس کے چہرے پر یکدم روشنی پھیل سی گئی۔"ہمیں بھی لے جاتے"۔اگلے ہی لمحے وہ اداس ہو گئی۔

"اسی لیے نہیں بتایا تھا"۔

"اماں کیسی ہیں؟ کیسی رہی ملاقات؟"اب کی بار اس کی آواز میں خالص اشتیاق تھا۔حدیر نے لب دبائے۔گویا ہنسی روکنے کی کوشش کی گئی تھی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

"اماں کہہ رہی تھیں۔۔۔میری بیٹی بہت زبان چلاتی ہے۔اسے میری خاطر معاف کر دینا"۔شرارت اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی۔ماہ گل نے فوراً تکیہ اٹھا کر اسے مارنے کا ارادہ کیا مگر پھر اس کے زخم یاد آ گئے تو بس گھورنے پر اکتفا کیا۔

"اماں سے کہہ دیتے کسی کی چلتی زبان مجھے بہت پسند ہے"۔اب کی بار وہ بھی شرارت سے اسے دیکھ کر بولی۔

حدیر کھل کر ہنس دیا۔

"چلو۔۔۔یہ سچ کر تمہیں خوشی ملتی ہے تو ایسا ہی سہی"۔وہ صرف اسے چھیڑنے کے لیے بولا۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

ماہ گل نے فوراً ناک چڑھالی۔پھر اچانک جیسے اسے کچھ یاد آیا۔

"ایک بات پوچھوں؟"۔اس کا چہرہ ذرا سنجیدہ ہوا۔حدیر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کو آپ کے دادا نے رکھ لیا تھا لیکن رشنا آپی کو نہیں۔ایسا کیوں؟"۔یہ سوال شاید کافی وقت سے اس کے ذہن میں کلبلا رہا تھا۔حدیر چند لمحے خاموش رہا۔

"وہ مجھے اس لیے جانے نہیں دیے رحمانی ہاؤس سے کیونکہ مجھ میں انہیں بابا دکھتے ہیں"۔ پھر بہت سکون سے بولا۔

''آپ جانتے تھے؟''۔ماہ گل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔حدیر نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

''پھر بھی آپ ان سے خفا رہے؟''۔اب کی بار اس کے لہجے میں واقعی خفگی تھی۔حدیر کی نگاہیں چند لمحے خلا میں ٹھہری رہیں۔

''ان کو مجھ سے نہیں۔۔۔بابا سے محبت ہے''۔وہ مدھم آواز میں بولا۔''میری شکل بابا سے ملتی ہے''۔

ماہ گل کا دل عجیب سے درد سے بھر گیا۔

اور پھر حدیر نے اچانک نظریں اس پر جما دیں۔

''ساری باتیں تو تم بتا رہی ہو''۔اب کی بار اس کی آنکھوں میں ہلکی سی ناراضگی اتری تھی۔

''یہ کون بتائے گا کہ تمہیں شہاب رحمانی نے کیا کیا کہا ہے؟''۔

''کچھ بھی تو نہیں''۔وہ یکلخت نظریں چرا گئی۔حلق میں جیسے لفظ اٹک گئے تھے۔انگلیاں بے اختیار دوپٹے کے کنارے کو مروڑنے لگیں۔حُدیر نے اس کے چہرے پر دوڑتی گھبراہٹ کو خاموشی سے پڑھا۔پھر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے، بازو سینے پر باندھ لیے۔

''ایک بار گھر چلو پھر بتاتا ہوں''۔ں لہجہ نرم تھا مگر اس نرمی میں چھپی دھمکی ماہ گل کے دل تک اتر گئی۔۔

دروازہ ہلکے سے کھلا۔رشنا اندر داخل ہوئی۔جامنی رنگ کے سوٹ میں ملبوس۔

''شکر ہے ماہا کے چہرے کی شادابی واپس آگئی''۔نگاہ جیسے ہی ماہ گل کے چہرے پر پڑی، آنکھوں میں شرارت تیر گئی۔''ورنہ ایک ہی روز میں تو یہ ایسے مرجھا گئی تھی جیسے کسی نے سارے رنگ چرا لیے ہوں''۔لبوں پر معنی خیز مسکراہٹ سجائے اسے دیکھا۔

ماہ گل کا چہرہ فوراً گلابی ہوا تھا۔اس نے جھینپ کر نظریں جھکا لیں۔حُدیر لب دبا کر مسکراہٹ چھپا گیا۔

''اور میں نے کہیں ڈسٹرب تو نہیں کر دیا؟''رشنا جان بوجھ کر مزید چھیڑ گئی۔اب کی بار ماہ گل نے فوراً نظریں اٹھا کر اسے گھورا۔

''روحان کہاں ہے آپی؟''وہ جلدی سے بات بدل گئی۔ایسے جیسے ایک لمحہ مزید وہاں کھڑی رہی تو دونوں بہن بھائی مل کر اس کی جان لے لیں گے۔

حُدیر نے ابرو اٹھا کر اسے دیکھا۔'بھابھی سے آپی'کی اس تبدیلی پر وہ کافی محفوظ ہوا تھا۔

''ہادی کے ساتھ باہر ہے''۔رشنا ہنستی ہوئی بتائی۔

"ہم... ہم آتے ہیں" وہ بنا اس کی بات مکمل سنے فوراً پلٹی۔ دوپٹہ سنبھالتی تقریباً بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

رشنا نے آہستہ سے بھائی کو دیکھا۔ لبوں کی مسکراہٹ دھیرے دھیرے ماند پڑ گئی۔ آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"رشنا... کیسی ہو؟"۔ حُدیر نے اس بار نرمی سے پوچھا۔ لہجے میں شفقت تھی... اپنائیت تھی... محبت تھی۔

"بہت ناراض ہوں آپ سے"۔ رشنا نم نگاہیں اس پر جما دیں۔

حُدیر خاموشی سے اسے سنتا رہا۔ وہ جانتا تھا اس شکوے کے پیچھے کتنی محرومیاں دفن ہیں۔

"مجھے بتا دیتے..." اس کی آواز بھرائی۔ "جب آپ کو معلوم ہوا تھا... تو کیا میں کسی سے کہتی؟" آنکھوں میں نمی مزید گہری ہوئی۔ "میں اتنی غیر تھی آپ کی؟"۔

حُدیر نے دھیرے سے پلکیں جھکا لیں۔

"پھر... جب معلوم ہو گیا کہ آپ میرے بھائی ہیں"۔ اس کی آواز کپکپا سی گئی۔ "تو آپ یوں بغیر بتائے چلے گئے؟ اس طرح بھی کوئی کرتا ہے کیا؟"

ایک آنسو اس کے رخسار پر لڑھک گیا۔ کمرے کی خاموشی جیسے اور گہری ہو گئی۔ باہر کہیں اذانِ عشاء کی مدھم آواز فضا میں تحلیل ہو رہی تھی۔

حُدیر نے گہرا سانس لیا۔ وہ جانتا تھا وضاحتیں بعض اوقات زخم اور گہرے کر دیتی ہیں۔ کچھ رشتے صرف معافی مانگنے سے سنبھلتے ہیں۔

"آئی ایم سوری... گڑیا"۔ اس نے بے حد نرمی سے کہا۔ "ہر اس بات کے لیے جس سے میری گڑیا کے دل کو تکلیف پہنچی"۔

"آپ کو کرنا بھی چاہیے"۔ رشنا نے فوراً آنسو صاف کیے اور خفگی سے اسے گھورا۔ حُدیر ہنس دیا۔ لگتا تھا اب اسے صرف منانے کا کام کرنا ہے۔

"میں کر بھی تو رہا ہوں"۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے قریب کر لیا۔ رشنا گلے ہی لمحے بچوں کی طرح اس کے گلے لگ گئی۔ برسوں کی محرومیاں، شکوے، فاصلے سب آنسوؤں میں بہنے لگے تھے۔ حُدیر نے اس کے سر پر ہلکی سی تھپکی دی۔ آنکھوں میں انجانی نمی تیر گئی۔ وہ بہن بھائی بچھڑ گئے تھے۔ ان کا بچپن کھو گیا تھا۔ اب زندگی کے اس عمر میں جا کر مل رہے تھے۔ دل درد سے بھرنے لگا تھا۔

"اس وقت میرا ذہن اتنا منتشر تھا"۔ حُدیر کی آواز میں عجیب سی تھکن در آئی تھی۔ وہ چند لمحے خاموش رہا، جیسے بکھرے ہوئے ماضی کو لفظوں میں سمیٹنے کی کوشش کر رہا ہو۔ زخموں کی ہلکی سی زردی، آنکھوں کے نیچے اترے تھکے سائے سب اس کے اندر گزرے طوفان کی گواہی دے رہے تھے۔

"میں کسی سے بات کرنے کی حالت میں نہیں تھا ماہی سے بھی نہیں"۔ وہ دھیرے دھیرے بولتا گیا۔ "اس وقت ذہن میں صرف مام تھیں۔ ان کی بیماری... ان کی حالت" اس نے گہرا سانس لیا۔ "میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بس جلد از جلد ان کے پاس پہنچنا تھا مجھے"۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

رشنا خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کے چہرے پر اب بھی ہلکا سا شکوہ باقی تھا۔

"مجھے اس وقت سمجھ ہی نہیں آیا کہ میں کیا کر رہا ہوں" حُدیر کی نگاہیں کہیں دور جا ٹھہریں۔

"بس اتنا معلوم تھا کہ مجھے مام کے پاس جانا ہے"۔ باہر رات دھیرے دھیرے ہسپتال کے گارڈن میں اتر رہی تھی۔ دور کہیں ہوا سے ہلتے درختوں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔

"آپ مام سے اکیلے مل آئے؟" ن رشنا کے لہجے میں اب بھی وہی ہلکی سی ناراضی تھی۔

"جانتی ہو... مام ریکور کر رہی ہیں"۔اس کی آواز میں پہلی بار ہلکی سی روشنی اتری۔"ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کچھ دنوں میں یہاں آجائیں گی۔ پھر ہم سب مل کر ان کا ویلکم کریں گے"۔وہ جھکا اور نرمی سے اس کی پیشانی چوم گیا۔ کتنے برسوں بعد کسی نے اس اپنائیت سے اس کے ماتھے کو چھوا تھا۔ کسی اپنے کا احساس ہوا تھا۔اب اس کا بھی بھائی تھا۔

"لیکن... ماما؟"اس کی آنکھوں میں پھر سے الجھن اتری۔ گھر کے بکھرے رشتے، الجھے ہوئے تعلقات، تلخیاں سب ایک ساتھ ذہن میں امڈ آئے تھے۔

حُدیر نے اس بار پوری سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"وہ سب مجھ پر چھوڑ دو"۔ لہجہ دھیمہ تھا مگر پُراعتماد۔"تم بس خوش رہو۔اور ہریرہ بھائی سے بھی الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔یہ سارے معاملات اب مجھ پر چھوڑ دو"۔وہ ہلکا سا رکا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔"میں ہوں نا... سب دیکھ لوں گا"۔

رشنا کی آنکھیں یکدم بھیگ گئیں۔ عجیب سی کسک دل میں اٹھی۔ بھائی کے ہونے کا احساس شاید ایسا ہی ہوتا ہے

جیسے برسوں سے تھکی روح کو اچانک کوئی سائبان مل جائے۔ جیسے دنیا کی ساری سختیوں کے بیچ کوئی ایک شخص کھڑا ہو کر کہہ دے کہ "اب تم اکیلی نہیں ہو"۔ اس نے جلدی سے رخسار صاف کیے۔ مگر نمی چھپ نہ سکی۔

"ٹھیک ہے" وہ بمشکل بولی۔ "لیکن مجھے ایک وعدہ چاہیے"۔

حُدیر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ کمرے کی مدھم روشنی میں اس کی آنکھیں گہری لگ رہی تھیں۔

"آپ اپنا خیال رکھیں گے"۔ اس کی آواز اب مضبوط تھی مگر اندر چھپا خوف صاف محسوس ہو رہا تھا۔ "اور دوبارہ ہمیں اس صورتحال سے نہیں گزاریں گے جس سے تین روز پہلے گزارا ہے"۔ اتنا کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں درد اتر آیا۔

حُدیر نے فوراً اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ رشنا بچوں کی طرح اس کے سینے سے لگ گئی۔

"مت خوفزدہ ہو اتنا میں ٹھیک ہوں گڑیا"۔

رشنا نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس مضبوط حصار میں سمٹ کر پہلی بار اسے لگا شاید واقعی سب ٹھیک ہو جائے گا۔

تین دن مزید ہسپتال کی سفید، بے روح دیواروں میں قید رہنے کے بعد آخر کار وہ شام ڈھلے گھر لوٹا تھا۔ باہر موسم میں ہلکی خنکی اتر آئی تھی۔ مغرب کے بعد کا دھندلکا آہستہ آہستہ لان میں بچھی گھاس پر پھیل رہا تھا اور کمرے کی بڑی کھڑکیوں سے چھن کر آتی زرد روشنی ماحول کو عجیب سا نرم اور پُر سکون بنا رہی تھی۔

لیکن حدیر رحمانی کے کمرے میں سکون نام کی کوئی شے موجود نہیں تھی۔

وہاں تو جیسے پورا میلہ لگا ہوا تھا۔

مناہل، فضا، میرب، رباب، رشنا، ہادی، ریان اور مزمل سبھی اس کے کمرے میں ڈیرہ جمائے بیٹھے تھے۔ کوئی صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے ہنس رہا تھا، کوئی بیڈ کے کنارے بیٹھا مسلسل باتیں کیے جا رہا تھا۔ درمیان میں روحان اپنی ننھی ننھی آوازوں اور حرکتوں کے ساتھ سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔

"ماموں کی جان"۔ روحان کو بازوؤں میں لیتے حدیر نے بے ساختہ اس کے گول مٹول گالوں پر کئی بوسے ثبت کر دیے۔ اس کی گھنی بیرڈ ننھے رخساروں سے چبھیں تو روحان کا چہرہ بگڑ گیا۔ اگلے ہی لمحے وہ منہ پھاڑ کر رونے لگا۔

ساتھ ہی اپنے دونوں ننھے ہاتھ بے چینی سے ماہ گل کی جانب بڑھا دیے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ارے۔۔۔ تھوڑی دیر تو ماموں کے پاس رہو"۔حدیر نے حیرانی سے آنکھیں بڑی کرتے اسے گھورا۔

لیکن روحان نے مزید زور سے رونا شروع کر دیا۔اس کا ننھا وجود مچل رہا تھا اور نظریں مسلسل ماہ گل پر تھیں۔

"کیوں تنگ کر رہے ہیں اسے ؟لائیں۔۔۔دے ہمیں"۔ماہ گل سے آخر رہا نہ گیا۔وہ صوفے سے اٹھتی ان کے قریب آگئی۔اس کے دوپٹے کا کنارا کندھے سے پھسلتا ہوا بازو پر آٹھہرا تھا۔

"یہ میرے پاس رہے گا"۔حدیر نے روحان کو خود سے مزید لگا لیا۔روحان کی رونے کی آواز اور بلند ہوئی۔

"یا اللہ حدیر !بچے کے ساتھ ضد لگا رہے ہیں"۔ماہ گل نے واقعی حیرت سے منہ کھول کر اسے دیکھا تو کمرے میں بیٹھے باقی سب لوگ ہنس دیے۔

"اچھا...چلو دے دیتا ہوں"۔ماہ گل نے سکون کی سانس ہاتھ آگے بڑھائی مگر اگلے ہی لمحے وہ رک گئی۔

Clubb of Quality Content

"لیکن میرب کو۔ تمہارے پاس ہر گز نہیں جائے گا"۔ وہ آنکھیں سکیڑ کر روحان کو گھورتا بولا، جیسے دونوں کے درمیان کوئی ذاتی دشمنی چل رہی ہو۔ پھر اس نے اشارے سے میرب کو بلایا۔

میرب ہنستی ہوئی آگے بڑھی، مگر جیسے ہی اس نے روحان کو لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا، وہ اور زور سے "نئیں۔۔۔ نئیں۔۔۔" کرتا ماہ گل کی جانب لپکا۔

اب کی بار سب کی ہنسی باقاعدہ بلند ہو گئی تھی۔

حدیر نے خفگی سے روحان کو دیکھا۔

"مان لو حدیر۔۔۔ سال ہو گیا۔ لیکن یہ ماہ گل کا دیوانہ آج بھی پہلے دن جیسا ہے"۔ رشنا صوفے پر ٹانگیں موڑے بیٹھی مسکرا کر بولی۔ وہ عمر میں حدیر سے چھوٹی تھی، مگر بچپن سے اسے نام لے کر بلانے کی عادت اب تک نہ گئی تھی۔

"روحان کی پسند پہلے دن جیسی خوبصورت ہے"۔ حُدیر آہستہ سے ماہ گل کے قریب جھکا تھا۔ روحان کو اس کی گود میں دیتے ہوئے بھاری، مدھم سرگوشی کر گیا۔ ماہ گل کے ہاتھ ایک لمحے کو ٹھٹھکے۔ پھر اس نے جلدی سے روحان کو سنبھالا۔ مگر رخساروں پر اترتی ہلکی سی گلابی حدت چھپ نہ سکی۔

"ماموں کی طرح دیوانہ ہے اپنی مامی کا"۔ حُدیر نے گہرے لہجے میں کہتے ہوئے جھک کر روحان کے پھول جیسے گالوں پر بوسہ دیا۔ اور یہ جملہ سب نے سنا تھا۔ ہنسی ایک بار پھر کمرے میں بکھر گئی۔ ماہ گل کا دل جیسے بری طرح دھڑکا تھا۔ اس نے جھینپ کر نظریں جھکا لیں۔ کانوں تک سرخی پھیل گئی۔

حدیر نے ماہ گل کی طرف دیکھا۔ وہ روحان کو سینے سے لگائے اسے چپ کروا رہی تھی۔ ننھا بچہ اب اس کے کندھے سے لگا سسکیوں کے درمیان سکون پا رہا تھا۔ ماہ گل آہستگی سے اس کے بال سہلا رہی تھی۔ کمرے کی نرم زرد روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور حدیر کو عجیب سا احساس ہوا جیسے کئی دنوں کی اذیت، گولی کا درد، ہسپتال کی گھٹن سب اسی منظر کے سامنے دھندلا گیا۔۔

آہستہ آہستہ کمرے کی رونق کم ہونے لگی تھی۔ ہادی اب بھی جاتے جاتے ریان کے ساتھ ہنستا کچھ کہہ رہا تھا۔ رباب نے روحان کو سنبھالتے ہوئے ماہ گل کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ چند لمحوں پہلے تک قہقہوں سے بھرا کمرہ اب دھیرے دھیرے پر سکون ہو رہا تھا۔ صرف دیوار پر چلتی گھڑی کی مدھم ٹک ٹک اور کھڑکی سے آتی شام کی ٹھنڈی ہوا باقی رہ گئی تھی۔

Clubb of Quality Content

حُدیر نے تکیے سے ٹیک لگائے خاموشی سے سب کو جاتے دیکھا۔ مگر اس کی نگاہیں بار بار ایک ہی وجود پر آکر ٹھہر رہی تھیں۔

مناہل۔ وہ صوفے کے کونے میں بیٹھی تھی۔ دونوں ہاتھ آپس میں الجھے ہوئے، نظریں جھکی ہوئی۔ سب کے درمیان رہ کر بھی کہیں بہت دور کھوئی رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جمی نمی مسلسل حُدیر کے دل پر بوجھ ڈال رہی تھی۔

"مناہل بچے"۔ اس نے بے حد نرمی سے پکارا۔ مناہل چونک کر سیدھی ہوئی۔ بڑی بڑی بھیگی آنکھیں فوراً اس کی طرف اٹھیں۔

"یہاں آؤ"۔ حُدیر نے ہاتھ کے ہلکے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ کے کنارے آ بیٹھی۔ سر اب بھی جھکا ہوا تھا۔ انگلیاں بے چینی سے ایک دوسرے میں پھنسی کھنچ رہی تھیں۔

"کیا بات ہے گڑیا؟ آج اتنی خاموشی کیوں ہو؟"۔ حُدیر چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر نرمی سے بولا۔

مناہل کے ہونٹ لرزے۔ جیسے بہت دیر سے روکے لفظ اب باہر آنے لگے تھے۔

''آپ... مجھ سے ناراض ہیں؟''۔وہ بمشکل بول پائی۔آنکھوں میں جمع نمی ایک پل میں پلکوں سے ڈھلک گئی۔

حُدیر کے دل میں جیسے کسی نے آہستہ سے مٹھی بھینچ دی۔

''نہیں منا...''اس نے فوراً نرمی سے کہا۔''میں کیوں ناراض ہوں گا؟''۔بڑوں کے معاملات بچوں پر اثر ڈال رہے تھے۔اور حدیر رحمانی ہرگز، ہرگز ایسا نہیں چاہتا تھا۔

مناہل نے بھیگی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔اس معصوم چہرے پر خوف صاف دکھائی دے رہا تھا۔

''آپ...آپ میرے بھائی ہیں نا؟''۔ایک آنسو نرم ملائم گال پر بہہ گیا۔

''آپ...ماما کی وجہ سے مجھ سے خفا نہیں ہوں گے نا؟''اس کا لہجہ بری طرح کانپ گیا تھا۔

''آپ جانتے ہیں نا...آپ میرے سب سے اچھے بھائی ہیں۔ریان اور ہریرہ بھائی سے بھی زیادہ''۔وہ سسکی تھی۔

''آپ کو صرف میرا بھائی ہونا تھا''۔اس کے رونے میں شدت آگئی۔وہ بچوں کی طرح ٹوٹ کر رو پڑی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حُدیر بے بس سا اسے دیکھتا رہ گیا۔ بعض رشتے انسان کے اندر بہت نرم جگہ پر جا کر ٹھہرتے ہیں اور مناہل انہی رشتوں میں سے تھی۔

''میرا بچہ''۔اس نے محبت سے پکارا۔''یہاں دیکھو میری طرف''۔ مناہل نے نم آنکھیں اٹھائیں۔

''جو کچھ بھی ہوا...اس کا اثر خود پر مت لو''حُدیر کی آواز بے حد نرم تھی۔''میں اب بھی تمہارا وہی حدیر بھائی ہوں''۔ وہ ہلکا سا مسکرایا، مگر آنکھوں میں اداسی کی دبیز تہہ ابھری ہوئی تھی۔

''میں آپ کی ماما کا بیٹا نہیں ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں آپ کا بھائی بھی نہیں ہوں گا۔ تم اب بھی میری وہی مُنا گڑیا ہو''وہ آہستہ سے بولا۔''جو ہر مسئلہ لے کر میرے پاس آجاتی تھی۔ بھائی یہ ہو گیا...بھائی مجھے آئسکریم کھانی ہے...بھائی مال لے چلیں...''وہ کہتے کہتے رک گیا۔ لبوں پر ابھرتی مسکراہٹ میں عجیب سا درد شامل ہو گیا تھا۔ کچھ حقیقتیں انسان کے اندر خاموش زخم چھوڑ جاتی ہیں۔ وہ جانتا تھا مناہل کی تکلیف کو۔ بچپن سے اب تک جسے بھائی سمجھا تھا وہ بھائی نہ رہے تو پھر اذیت تو ہوتی ہے۔ جھجھک تو آجاتی ہے۔

"تواب بھی ایسے ہی آنا میرے پاس"۔اس نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

"میرے کارڈ اٹھا کر لے جانا۔میرا جو پرفیوم پسند آئے لے جانا۔کبھی جھجکنا مت۔ سمجھ آئی؟"۔

مناہل ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہ گئی۔جیسے یقین کرنے کی کوشش کر رہی ہو کہ کچھ بدلا نہیں۔

"مجھے صرف آپ سے مطلب ہے بھائی"۔وہ سسکی۔"مجھے بس میرا بھائی چاہیے اور کچھ نہیں"۔حُدیر کا دل عجیب سی نمی سے بھر گیا۔

"تو ہوں نا میں تمہارا بھائی۔ایسے روتے نہیں بچے"۔وہ سائیڈ ٹیبل سے ٹشو اٹھا کر اس کی طرف بڑھانے لگا۔

"جانتی ہو نا... منا کی آنکھوں میں آنسو مجھ سے برداشت نہیں ہوتے"۔مناہل نے ٹشو پکڑا مگر رونا کم نہ ہوا۔

"آپ ہاسپٹل میں تھے۔میں بہت ڈر گئی تھی۔میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔آپ خود کا خیال کیوں نہیں رکھتے؟"۔وہ پھر سے بچوں کی طرح رو دی۔حُدیر نے دھیرے سے ٹشو اس کے ہاتھ سے لے کر اس کے آنسو صاف کیے۔

"میں اپنا خیال رکھوں گا۔ٹھیک ہے؟"۔وہ نرمی سے مسکرایا۔

”میں ماما سے بھی ناراض ہوں۔ انہوں نے غلط کیا۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا“۔ مناہل نے سر ہلایا مگر اگلے ہی لمحے خفگی سے بولی۔

حُدیر چند لمحے خاموش رہا۔ پھر اس نے بہت تحمل سے اسے سمجھایا۔

”میری منا اچھی بچی ہے نا؟“ وہ دھیرے سے بولا۔ ”وہ اپنی ماما سے بدتمیزی نہیں کرے گی۔ ناراض بھی نہیں ہو گی“۔ مناہل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”جو کچھ بھی ہوا... وہ آپ کی ماما اور میرا مسئلہ ہے“۔ حُدیر کی آواز میں عجیب سی پختگی تھی۔

”آپ نے ان سب میں شامل نہیں ہونا“۔ مناہل بس اسے دیکھتی رہ گئی۔ آنکھوں میں حیرت، عقیدت اور محبت ایک ساتھ اتر آئے تھے۔

”آپ اتنے اچھے کیوں ہیں بھائی؟“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔ ”سب کا خیال ہے آپ کو صرف اپنا نہیں“۔

حُدیر چند لمحے خاموش رہا۔ پھر ہلکا سا مسکرا دیا۔ وہ مسکراہٹ تھکی ہوئی تھی مگر بے حد نرم۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''اب جاؤ''اس نے اس کے سر پر شفقت سے تھپکی دی۔''اور باہر سب کے ساتھ بیٹھو۔ ہنسو، باتیں کرو۔اتنا پریشان مت ہوا کرو'' مناہل نے نم سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

دروازہ بند ہوا تو کمرے میں ایک بار پھر خاموشی اتر آئی۔

اور حُدیر...چند لمحے خاموش بیٹھا چھت کو دیکھتا رہا۔

بعض لوگ اپنے حصے کے دکھ سہہ کر بھی دوسروں کے لیے سایہ بنے رہتے ہیں۔

''حُدیر''۔دروازے پر رکے وجود نے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔کمرے میں مدھم زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی۔کھڑکی کے پردے آدھے سرکے تھے جہاں سے رات کی خاموش سیاہی اندر جھانک رہی تھی۔گھڑی کی مدھم ٹک ٹک کمرے کے سکوت کو اور گہرا کر رہی تھی۔

بیڈ پر نیم دراز حدیر کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔نظریں لفظوں پر تھیں مگر ذہن کہیں اور بھٹک رہا تھا۔آواز کانوں سے ٹکرائی تو وہ چونک کر سر اٹھا گیا۔

دروازے پر ہریرہ کھڑا تھا۔حُدیر کی نگاہ اس کے چہرے پر رکی رہی۔کچھ بدلا ہوا تھا...بہت کچھ۔آنکھوں کے کناروں پر ندامت،اور پورے وجود میں ایک ان کہی سی معذرت۔

وہ ہریرہ جو ہمیشہ بڑے بھائیوں کی طرح رعب رکھتا تھا جو بے تکلفی سے کمرے میں داخل ہو جاتا تھا آج دروازے کی دہلیز پر جیسے اجازت کا منتظر کھڑا تھا۔

"بھائی... آپ؟ اندر آئیں نا"۔ حدیر بے اختیار اٹھنے لگا۔

ہریرہ جیسے چونک کر ہوش میں آیا۔ وہ فوراً اندر بڑھا۔

"ارے... آرام سے"۔ اس نے جلدی سے اس کے کندھے تھامے۔

نہایت احتیاط سے اسے سہارا دے کر واپس ٹیک سے لگایا۔ تکیہ درست کیا۔ چادر سمیٹی۔ پھر تسلی سے اسے بٹھا کر خود بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔

حدیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟"۔ ہریرہ نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

"اب کافی بہتر ہوں"۔ حدیر ہلکا سا مسکرایا۔

چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ ایسی خاموشی جس میں بہت سے ادھورے جملے سانس لے رہے ہوتے ہیں۔

پھر ہریرہ نے آہستہ سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھ سے ناراض ہو؟" آنکھوں میں عجیب سی بے چینی تھی۔

حدیر کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ آگئی۔

”بھائیوں سے ناراض نہیں ہوا کرتے“ کتنی آسانی سے کہہ دیا تھا اس نے۔ دل پر پڑی ہر چوٹ کو ایک جملے کے نیچے دفن کر دیا تھا۔ ہریرہ نے نظریں اٹھا کر حدیر کو دیکھا۔ یہ لڑکا ہمیشہ سے ایسا ہی تھا۔ اپنے حصے کی اذیت خاموشی سے سہہ لینے والا۔

ہریرہ ہسپتال میں بھی آتا تھا۔ خاموشی سے ایک نظر حدیر کو دیکھتا مختصر سا حال پوچھتا پھر کسی بہانے نکل جاتا۔ مگر آج۔۔۔ آج شاید وہ بھاگنے نہیں آیا تھا۔ آج وہ اپنے حصے کی غلطی کا سامنا کرنے آیا تھا۔

”تم جانتے ہو نا... میرے لیے کیا اہمیت رکھتے ہو؟“۔ اس کی آواز بھاری ہونے لگی تھی۔

حدیر نے چونک کر اسے دیکھا۔ ہریرہ کی نظریں اب سامنے دیوار پر جم گئی تھیں۔

”مزمل... ریان... ہادی... شایان... سب اپنی جگہ... مگر تم“۔ وہ رکا۔ حلق جیسے بوجھل ہو گیا تھا۔

”تم سب سے زیادہ عزیز ہو مجھے۔ تم میرا دایاں بازو ہو، حدیر۔ تم ہو تو ہریرہ رحمانی بھی ہے“۔ کمرے کی فضا جیسے اور بھاری ہو گئی۔

”یاد ہے جامعہ کے دن؟“ اس کے لبوں پر بہت ہلکی سی مسکراہٹ آئی درد میں بھیگی ہوئی۔

''ہم دونوں ہر بات ایک دوسرے سے شئیر کرتے تھے۔ کوئی مسئلہ ہوتا تو گھر والوں کو بتائے بغیر خود ہی نمٹا لیتے تھے۔ سب کہتے تھے تم دونوں بھائی کم دوست زیادہ لگتے ہو''۔ حدیر کی آنکھوں میں بھی نمی اترنے لگی تھی۔

''ہم دونوں تو دو جسم ایک جان تھے نا...؟''اس بار اس کی آواز واقعی ٹوٹ گئی تھی۔

''بھائی..''حدیر نے فوراً کچھ کہنا چاہا۔

مگر ہریرہ جیسے برسوں سے دبے لفظ آج روک نہیں پا رہا تھا۔

''مجھ سے غلطی ہو گئی، حدیر''۔اس نے بمشکل کہا۔

''میں ماما کی تکلیفیں بھی جانتا ہوں... تمہاری بھی۔اور حالات کی ستم ظریفی بھی سمجھتا ہوں۔ مگر''۔اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ مل لیا۔

''میں ماما کے درد کے آگے اندھا ہو گیا۔مجھے لگا اگر میں ان کے ساتھ کھڑا نہ ہوا تو شاید وہ ٹوٹ جائیں گی مگر اس کوشش میں۔۔میں تمہیں توڑتا چلا گیا''۔ہریرہ اب چہرہ جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ مضبوط لہجے والا شخص آج اپنے ہی لفظوں کے بوجھ تلے بکھر رہا تھا۔

''مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا''۔اس کی آواز اب بمشکل سنائی دے رہی تھی۔

''بھائی پلیز...مجھے آپ سے کوئی شکایات نہیں''۔

Clubb of Quality Content

ہریرہ کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔وہ دھیرے سے مسکرایا مگر وہ مسکراہٹ دل کی تھکن چھپا نہ سکی۔

"تمہیں نہیں ہے... لیکن مجھے تو ملال ہے نا، حدیر"اس کی آواز بوجھل ہو گئی۔"مجھے خود سے شکوہ ہے کہ میں تم سے اتنے تلخ لہجے میں کیسے بات کر سکتا ہوں"۔پچھتاوے شدید ہونے لگے۔

"ہم معافی مانگ کر سمجھتے ہیں سب ٹھیک ہو گیا"۔ہریرہ اب دھیمی آواز میں بول رہا تھا۔

"لیکن میں جانتا ہوں، حُدیر...زبان سے نکلے تلخ لفظ صرف معافی سے ختم نہیں ہوتے"۔

خاموشی۔بھاری...نم...سانس روک دینے والی خاموشی۔

"روح پر لگے زخم...صرف 'سوری' سے مندمل نہیں ہوتے"۔اس کی آنکھوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر گال پر بہہ گیا۔

"لیکن پھر بھی..."اس نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔"میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔ صرف لفظوں میں نہیں...اپنے ہر عمل سے"اس کی آواز بری طرح بھیگ گئی۔"میں تمہارے دل تک پہنچی ہر تکلیف کم کرنے کی کوشش کروں گا"۔

حُدیر کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں۔اگلے ہی لمحے وہ جھک کر اسے گلے لگا گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"بھائی... آپ تو میرے یار ہیں"۔اس کی آواز بھیگ گئی تھی۔"دوست ہیں میرے۔پلیز معافی مت مانگیں"۔ہریرہ نے اسے مضبوطی سے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا۔دل پر رکھا بوجھ ذرا سا ہلکا ہوا۔

پھر ہریرہ آہستگی سے پیچھے ہٹا۔آنکھوں کی نمی صاف کی اور اگلے ہی پل بڑے بھائی والی خفگی چہرے پر سجالی۔

"تم کیوں اکیلے ملک کے گاؤں چلے گئے تھے؟"۔حدیر نے فوراً نظریں چرائیں۔"اتنے بہادر ہو گئے ہو اب؟تنہا وہاں پہنچ جاؤ گے؟"۔

"بھائی میں بندوق ساتھ لے کر گیا تھا"۔حدیر نے بچوں جیسی صفائی دی۔"اندھیری گلی میں اس نے اچانک حملہ کر دیا ورنہ بچ نہیں پاتا"۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہریرہ نے دونوں ابرو اٹھائے۔"بہت اچھے۔یعنی پورا ارادہ تھا کہ اگر سامنے آجاتا تو گولی چلا دیتے؟"۔

"ظاہر ہے بھائی"۔حدیر نے پیشانی سے بکھرے بال پیچھے کیے اور لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

"حدیر!" ہریرہ کی آواز میں اب واضح تنبیہ تھی۔ "آئندہ اگر اکیلے کچھ کرنے کا سوچا بھی نا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ کوئی بھی مسئلہ ہو... پہلے مجھے بتاؤ گے"۔

"اور مجھے یقین ہے تمہیں پرانی دشمنی کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور معلوم ہے۔ اس لیے خبردار... مجھ سے کچھ چھپایا تو"۔ وہ چند لمحے اسے بغور دیکھتا رہا۔ پھر آہستگی سے بولا۔

"ارے بھائی کیا ہو گیا ہے؟ میں یہاں زخمی پڑا ہوں۔ ادھر وہ میڈم مجھے ملنے نہیں دیتیں۔ میں کہاں کچھ کرنے والا ہوں؟"۔ حدیر نے فوراً احتجاج کیا۔ اس کے انداز میں ایسی معصوم جھنجھلاہٹ تھی کہ ہریرہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"ٹھیک کرتی ہے ماہ گل۔ ذرا جو اپنا خیال کر لو۔ ہر وقت ہیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے"۔

"بھائی یار..." حدیر نے منہ بنایا۔

"اور ہاں"۔ ہریرہ دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے پلٹا۔ "اب کچھ بھی ہو، مجھے بتاؤ گے۔ اکیلے کچھ نہیں کرو گے" حدیر نے اچھے بچوں کی طرح فوراً سر ہلایا۔ اتنی تیزی سے کہ ہریرہ کو ہنسی آگئی۔ وہ خوب جانتا تھا یہ لڑکا ماننے والوں میں سے نہیں۔

"اب آرام کرو"۔ جاتے جاتے وہ اس کے بال بکھیر گیا۔

"بھائی!" حدیر فوراً جھنجھلا اٹھا اور ہاتھ سے دوبارہ بال سنوارنے لگا۔ ہریرہ مسکرا دیا۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

ابھی وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا ہی تھا کہ لاؤنج کی مدھم روشنی میں سامنے کھڑی شخصیت پر اس کے قدم لمحہ بھر کو رک گئے۔

بشریٰ رحمانی ہاتھ باندھے کھڑی تھیں۔ چہرے پر خفگی کی سخت تہہ جمی ہوئی تھی، آنکھوں میں جاگتی بے چینی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ شاید وہ کافی دیر سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

ہریرہ نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

''کیا ہوا ماما؟ آپ ابھی تک سوئیں نہیں؟''۔ وہ نرم لہجے میں کہتا ان کے قریب آیا اور حسبِ عادت بازو ان کے کندھوں کے گرد پھیلا دیے، مگر انہوں نے فوراً خود کو الگ کر لیا۔

''تم بتاؤ کہاں سے آ رہے ہو؟''۔ وہ مڑ کر کمرے کی طرف بڑھیں۔ آواز میں دبے ہوئے غصے کی کاٹ واضح تھی۔ ہریرہ چند لمحے انہیں دیکھتا رہا، پھر خاموشی سے ان کے پیچھے چل پڑا۔

''یار ماما... بھائی ہے وہ میرا''۔ وہ بیچارگی سے ان کے ساتھ ان کے کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ ''اتنے بڑے حادثے سے گزرا ہے، کیا اس کی طبیعت پوچھنے بھی نہ جاؤں؟''۔

بشریٰ رحمانی پلٹیں۔ آنکھوں میں جمی خفگی اب اور گہری ہو گئی۔

"ہاں، بس تم سب اسی کی خدمت میں لگے رہو"۔ان کا لہجہ جلے ہوئے دل کی چبھن لیے ہوئے تھا۔

"خدمت کرنے کے لیے تو اس کی بیوی کافی ہے"۔ہریرہ کے لبوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

مگر جونہی ان کی تیز نگاہیں اس پر اٹھیں، اس کی مسکراہٹ فوراً سمٹ گئی۔

"میرا مطلب... ہمیں کیا ضرورت ہے خود کو ہلکان کرنے کی۔بیوی ہے نا اس کی، وہی کرے گی سب"۔

وہ فوراً جملہ سنبھالتے ہوئے ان کے قریب بیٹھ گیا۔نیچے فرش پر۔پھر بچوں کی سی نرمی سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ کا پیارا بیٹا نہیں ہوں میں؟"۔بشریٰ رحمانی کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہریں۔ ہریرہ کی آواز اب اور دھیمی ہو گئی تھی۔

"آپ کے ہر حکم پر دوڑا چلا آتا ہوں۔آپ کی ہر بات مانتا ہوں"۔وہ ان کی انگلیاں اپنی گرفت میں لیتا بولا۔

Clubb of Quality Content

"بیٹے کا جو فرض ہوتا ہے، وہ پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ سے محبت بھی کرتا ہوں"۔ اس نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ آنکھوں میں عجیب سی سچائی تھی ایسی جو سید ھا دل میں اتر جائے۔

"کیا کبھی کسی کی وجہ سے آپ کی حق تلفی کی ہے؟"۔ بشریٰ رحمانی کے چہرے کی سختی ذرا ڈھیلی پڑی۔ انہوں نے آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

ہریرہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ جھک کر ان کے ہاتھ پر اپنے لب رکھ گیا۔

"آئندہ بھی نہیں کروں گا، ماں" اس کی آواز محبت سے بھیگ گئی تھی۔ "آپ مجھے بہت عزیز ہیں"۔

بشریٰ رحمانی کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ ہریرہ کے یہی انداز... یہی نرمی... ہمیشہ ان کے دل کو نرم کر دیتی تھی۔

انہیں محسوس ہوتا، ان کا بیٹا واقعی بہت اچھا ہے۔ بہت احساس کرنے والا۔

"تو بس ماں..." ہریرہ نے ان کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں بھر لیا۔ "ایک گزارش ہے"۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگیں۔

ناولز کلب
Club for Quality Content

”مجھے دوسرے رشتوں کو بھی توازن سے لے کر چلنے دیں“۔ یہ کہتے ہوئے پہلی بار اس کی آواز لڑکھڑائی۔ ”بخدا... مجھے ڈر لگتا ہے کہیں میں کسی کا دل نہ دکھادوں“۔ آنکھوں میں نمی تیر آئی تھی۔ ”میں آپ کو بھی کھونا نہیں چاہتا اور اُن لوگوں کو بھی نہیں جو میرے اپنے ہیں“۔

بشریٰ رحمانی کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔ ماں آخر ماں ہوتی ہے۔ بیٹے کی آواز میں چھپا خوف... اس کی آنکھوں کی نمی... اس کے دل کی تھکن... سب محسوس کر لیتی ہے۔

”میں گناہ گار نہ بن جاؤں ماں... مجھے گناہ گار نہیں بننا۔ مجھے لوگوں کا دل دکھانے والوں میں شامل نہیں ہونا۔ مجھے ہر رشتے کو ویسے نبھانا ہے جیسے میرے رب نے سکھایا ہے... انصاف کے ساتھ... محبت کے ساتھ“۔ ہریرہ رحمانی کی آواز میں عجیب سی نمی گھل گئی تھی۔ وہ ماں کے قدموں کے پاس بیٹھا، دونوں ہاتھوں میں اُن کا ہاتھ لیے، عقیدت سے بات کر رہا تھا۔

کمرے کی زرد روشنی میں بشریٰ رحمانی کا چہرہ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ آنکھوں کے کناروں پر نمی جمی تھی۔ وہ بیٹے کے دل کا بوجھ محسوس کر رہی تھیں۔

ہریرہ نے آہستگی سے اُن کے ہاتھ اپنی پیشانی سے لگائے۔

”آپ سے وعدہ ہے... کبھی آپ کی حق تلفی نہیں کروں گا۔ کبھی آپ کو اکیلا محسوس نہیں ہونے دوں گا۔ آپ میرا فخر ہیں ماں... میری پہلی محبت... میری پہلی ذمہ داری“

وہ رکا، پھر دھیرے سے اُن کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آپ کو کسی سے انسیکیور ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کا بیٹا ہوں اور ہمیشہ آپ کا ہی رہوں گا"۔

بشریٰ رحمانی کا دل جیسے کسی نے موم کر دیا۔ یہی تو وہ لہجہ تھا جو ہر بار ان کے اندر کی ساری سختی توڑ دیتا تھا۔

یہی انداز... یہی محبت... یہی احترام...!

"میرا سب سے پیارا بیٹا ہے"۔ وہ محبت سے اس کی پیشانی چوم گئیں۔ ہریرہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"جاؤ... اب سو جاؤ۔ صبح آفس بھی جانا ہے۔" انہوں نے نرمی سے اس کی پیشانی سے بکھرے بال ہٹائے۔

"شب بخیر ماں"۔ وہ جھک کر ان کی پیشانی چوم گیا۔

بشریٰ رحمانی نے جاتے ہوئے اپنے بیٹے کو دیکھا اور پہلی بار محسوس کیا کہ بعض اوقات اولاد بڑی ہو کر ماں کا سہارا بن جاتی ہے۔

ہر انسان اپنے اندر ایک جنگ لڑ رہا ہوتا ہے۔ کوئی محرومیوں سے زخمی ہوتا ہے... کوئی خوف سے... کوئی ماضی کی کسی ایسی حق تلفی سے جس کا زخم وقت کے ساتھ بھر تو جاتا ہے مگر درد دینا نہیں چھوڑتا۔ اس لیے بعض اوقات وہ غلط ہو کر بھی خود کو درست سمجھتا ہے کیونکہ کہیں نہ کہیں اُس کے اپنے زخم بھی رِس رہے ہوتے ہیں۔ کہیں نہ کہیں اس کے ساتھ بھی ناانصافی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے حصے کی محبت شاید ادھوری رہ گئی ہوتی ہے

مسئلہ یہ نہیں کہ انسان خطا کرتا ہے۔ انسان تو خطا کا پتلا ہے۔ مسئلہ تب ہوتا ہے جب ہم ایک دوسرے کے زخم سمجھنے کے بجائے صرف رویے دیکھنے لگتے ہیں۔ ہم لفظ سن لیتے ہیں مگر اُن لفظوں کے پیچھے چھپی محرومیاں نہیں سن پاتے۔

اور پھر رشتے بکھرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ بعض دفعہ انسان کو صرف یہ یقین چاہیے ہوتا ہے کہ وہ اب بھی اہم ہے، اب بھی چاہا جاتا ہے اب بھی کسی کے دل میں اُس کا مقام قائم ہے۔

ہریرہ رحمانی یہی کر گیا تھا۔ اس نے ضد کے مقابل ضد نہیں رکھی، محبت رکھی تھی۔ وضاحت نہیں دی، احساس دیا تھا۔ اور بعض رشتے دلیل سے نہیں صرف احساس سے سنبھلتے ہیں۔ جب انسان کو اس کی نفسیات کے مطابق نرمی، محبت اور صبر سے ڈیل کیا جائے تو الجھے ہوئے رشتے بھی سلجھنے لگتے ہیں، بالکل ویسے ہی جیسے ہریرہ رحمانی نے کیا تھا۔

"حُدیر بیٹا"...ہاجرہ چچی کی آواز جیسے ہی کمرے کے سکون میں اتری، وہ فوراً متوجہ ہوا۔

"آجائیں چچی"۔ وہ واش روم سے باہر آیا تو ہاتھ میں نرم سا تولیہ تھا، جس سے وہ ابھی چہرہ خشک کر رہا تھا۔ ہلکی سی نمی اس کی پلکوں کے کناروں پر باقی تھی۔ سامنے نظر پڑی تو ہاجرہ چچی ناشتے کی ٹرے سنبھالے کھڑی تھیں۔

اس نے بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ دی۔

"ماہی کہاں ہے؟"۔ وہ میز کی طرف بڑھتے ہوئے بولا، جہاں وہ ترتیب سے ناشتہ لگا رہی تھیں۔

"مناہل، رشنا وغیرہ کے ساتھ مصروف ہے" چچی نے سادہ سی مسکراہٹ کے ساتھ بتایا۔

وہ ہلکا سا منہ بنا کر رہ گیا۔ اس کی مصروفیات وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

"چچی...آپ کیوں اتنی تکلیف کرتی ہیں؟ اب میں ٹھیک ہوں"۔ وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا، اور سامنے رکھی ہوئی ترتیب سے سجی پلیٹوں کو دیکھ کر ایک لمحے کو نرم سا ہو گیا۔ اس کی طبیعت کے مطابق ہر چیز احتیاط سے تیار کی گئی تھی۔

ہاجرہ چچی فوراً بولی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”کیسی تکلیف؟“ان کی آواز میں ہلکی سی ناراضی تھی، مگر آنکھوں میں بے لوث محبت۔”یہ سب تمہاری صحت کے لیے ہے۔اور میں یہ خوشی سے کرتی ہوں“۔

”تھینک یو“۔وہ کچھ پل خاموش رہا، پھر آہستہ سے بولا۔

”یہ شکریہ اپنی بیوی سے بھی کہنا...اکیلے مجھے کچھ نہیں کرنے دیتی، بہت مدد کرواتی ہے“۔

حدیر کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ آگئی۔

اسی لمحے ہاجرہ چچی نے اس کی طرف دیکھا، اور آواز ذرا دھیمی ہوگئی۔

”تم نے مجھے کبھی دل سے چچی نہیں مانا نا، حدیر؟“۔ایک لمحے کو فضا جیسے تھم گئی۔

اس نے نظریں اٹھائیں، اور اس سوال کے پیچھے چھپی اداسی کو محسوس کیا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے، چچی“۔

ہاجرہ چچی کی آواز ایک بار پھر نرم شکایت میں ڈھل گئی۔

”پھر تم مجھے ایک بار تو کہتے، بچے...تم گوشت کھا لیتے ہو۔تم مجھے اشارہ تو دیتے۔تمہیں لگتا ہے مجھے معلوم ہو جاتا تو میں تمہیں نہ دیتی؟“۔آخری لفظوں کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں میں نمی ٹھہر گئی۔

Clubb of Quality Content

"میں جانتا ہوں آپ میرے لیے سب کچھ کرتی ہیں" اس نے دھیرے سے کہا۔ "آپ کے عید والے ہر تحفے آج بھی میرے پاس محفوظ ہیں"۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"میں بس کسی کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا، چچی۔ آپ جانتی ہیں... اگر یہ بات گھر میں نکلتی تو پھر ایک نئی بحث شروع ہو جاتی"۔

ہاجرہ چچی نے تھکی ہوئی سی سانس لی، جیسے برسوں کی فکر مندی ایک ہی جملے میں اتر آئی تھی۔

"ہو جاتی... مگر کم از کم تمہیں تکلیف تو نہ ہوتی" وہ آہستہ بولیں۔ پھر ایک لمحے کو رُک کر، جیسے خود سے مخاطب ہوں، کہہ اٹھیں۔ "پتہ نہیں بھابھی کب دل موم کریں گی"۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ نے ہمیشہ میرا خیال رکھا ہے، اور میں یہ بات جانتا ہوں"۔ حدیر کے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

Clubb of Quality Content

وہ حدیر رحمانی تھا جو خود ٹوٹ کر بھی دوسروں کو جوڑنے کا ہنر جانتا تھا۔ جو اپنی تکلیفوں کو لفظوں کے پیچھے چھپا کر، دوسروں کے لیے صرف سکون چھوڑ جاتا تھا۔

کمرے میں دوپہر کی نرم سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے پار دھوپ آہستگی سے بکھر رہی تھی اور اس کی مدھم کرنیں شیشے سے چھن کر اندر اتر رہی تھیں، جبکہ اندر خاموشی کسی

نرم چادر کی مانند بچھی ہوئی تھی۔ حدیر نیم دراز بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ تبھی دروازہ آہستگی سے کھلا۔

"اماں سائیں آپ اوپر کیوں چلی آئیں ؟"۔ انہیں اندر آتے دیکھ کر وہ فوراً سیدھا ہونے لگا مگر اماں سائیں نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"لیٹے رہو۔ تمہاری اماں سائیں ابھی اتنی بھی کمزور نہیں ہوئی کہ اپنے پوتے کے پاس چل کر نہ آسکے"۔

ان کی دھیمی مگر محبت بھری آواز میں عجیب سا سکون تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے قریب آئیں اور بیڈ کے کنارے بیٹھ گئیں۔ جھریوں بھرے نحیف ہاتھ شفقت سے اس کے بالوں میں پھرنے لگے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"طبعیت کیسی ہے میرے بچے کی ؟"۔ حدیر نے ان کی طرف دیکھا۔ ان آنکھوں میں فکر تھی، محبت تھی اور وہ خوف بھی جو اپنوں کو کھونے کے تصور سے جنم لیتا ہے۔

"ٹھیک ہوں"۔ وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "آپ کی بہو کے ہوتے ہوئے ٹھیک ہی ہونا تھا"۔

شرارت بھرے لہجے پر اماں سائیں کے لبوں پر بھی مدھم سی مسکراہٹ آگئی۔

"بہت اچھی بچی ہے ماہ گل"۔ حدیر کی آنکھوں میں بے اختیار نرمی اتری۔اماں سائیں نے دل کے سب سے عزیز حصے کا نام لے لیا تھا۔

مگر اگلے ہی لمحے کمرے میں خاموشی اتر آئی۔اماں سائیں کی نگاہ سامنے دیوار پر ٹنگی رائفل پر جا ٹھہری تھی۔وہی رائفل جس کے ساتھ کتنی ہی یادیں جڑی تھیں۔

حدیر نے ان کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔اور پھر اس کے چہرے سے مسکراہٹ یوں سمٹ گئی گویا کبھی وہاں تھی ہی نہیں۔فضا اچانک بوجھل ہو گئی تھی۔

"جانتے تھے نا..."اماں سائیں کی آواز آہستہ سے لرزی۔"ہری پور ہم سے معارج رحمانی کو چھین چکا ہے۔پھر کیوں گئے تھے تم اس گاؤں؟"۔ان کی آنکھیں دھیرے دھیرے نم ہونے لگیں۔

"اگر کچھ ہو جاتا تمہیں...؟"اب کی بار لہجہ ٹوٹا تھا۔"سوچا ہے اس بوڑھی اماں سائیں کا کیا ہوتا؟ معارج کے بعد جیسے تیسے سانس چل رہی ہے لیکن حدیر کے بعد؟"۔آخری لفظ ادا کرتے کرتے ان کی آواز کانپ گئی۔

"لیکن کچھ ہوا تو نہیں نا"۔اس نے دھیمے سے کہا

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

”تم اس علاقے میں تنہا کیسے داخل ہو سکتے تھے جہاں تمہاری جان کو خطرہ ہے؟“۔اماں سائیں اب قدرے سخت لہجے میں بولیں۔

حدیر چند لمحے خاموش رہا۔کمرے میں گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔پھر اس نے دھیرے سے اماں سائیں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ان جھریوں بھرے ہاتھوں کو جنہوں نے اس خاندان کے ہر دکھ کو اپنی ہتھیلیوں پر سہا تھا۔

”چاروں طرف بندوقیں بھی تنی ہوتیں نا اماں سائیں تب بھی جاتا“۔اس کی آواز بہت دھیمی تھی مگر ہر لفظ میں عجیب سا وزن تھا۔باہر شاید ہوا چل رہی تھی۔پردے ہولے سے لہرا رہے تھے مگر اندر اماں سائیں کے دل میں خوف کی وہ لہر اب بھی قائم تھی جو حدیر کے زخمی ہونے کے بعد سے تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

”اپنی بیوی کو واپس لانے کے لیے میں ہر ریڈ زون میں داخل ہو سکتا ہوں۔مجھے ماہ گل کو واپس لانا تھا۔اس کے لیے موت کے کنویں میں اترنا بھی میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا“۔

اماں سائیں کی آنکھوں میں نمی اور گہری ہو گئی۔

وہ اسے دیکھ رہی تھیں بالکل ویسے ہی جیسے برسوں پہلے معارج رحمانی کو دیکھا کرتی تھیں۔

وہی ضد۔وہی دیوانگی۔وہی اپنے لوگوں کے لیے حد سے گزر جانے والا جنون۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''تو تم پولیس کو ساتھ لے جاتے نا؟'' وہ اب بھی خفگی سے بولیں۔ ''تنہا کیوں چلے گئے؟ اور کسی کو بتایا تک نہیں؟''

حدیر نے سر ہلکا سا جھکایا۔ پھر اگلے ہی لمحے نگاہیں اٹھائیں۔ ان نگاہوں میں اپنی عورت کے لیے حد سے گزر جانے والا جنون تھا۔

''وہ میری عورت تھی اماں''۔ اس بار لہجہ ذرا سنجیدہ ہوا تھا۔ ''مجھے اکیلے ہی اسے لینے جانا تھا۔ میں کیوں چار مردوں کو ساتھ لے جاتا؟ ابھی بازوؤں میں اتنی طاقت ہے کہ اپنی بیوی کو ہر خطرے سے اکیلا نکال کر لا سکوں''۔

وہ لمحہ بھر کو رکا۔ پھر قدرے ناپسندیدگی سے بولا۔ ''میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ چار لوگوں کی گفتگو کا موضوع بنے''۔

ناولز کلب Clubb of Quality Content

اماں سائیں اسے خاموشی سے دیکھتی رہ گئیں۔

وہی انداز...

وہی لہجہ...

وہی دیوانگی...

ان کی نم آنکھوں میں برسوں پرانا عکس لہرا گیا۔

"تم بالکل معارج جیسے ہو"۔ان کی آواز بھیگ گئی تھی۔"اسی کی طرح باتیں کرتے ہو۔وہ بھی اپنی پلوشہ کے لیے یوں ہی پاگل تھا"۔لب کانپے۔

"میرے معارج کا عکس ہو تم"۔وہ جھکیں اور روتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔حدیر کی پلکیں دھیرے سے جھک گئیں۔وہ ہمیشہ سے اماں سائیں کی کمزوری تھا اور آج ان کی آنکھوں میں وہی کھونے کا خوف پھر زندہ ہو گیا تھا۔

"روئیں مت"اس نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھاما۔انگلیوں کو آہستہ سے دبایا۔"ٹھیک ہوں میں اب"۔وہ یہ جملہ جانے کتنی بار دہرا چکا تھا۔ہر آنے والا اسی کی فکر میں آنسو بہا جاتا۔اور حدیر۔۔حدیر سب کو دلاسہ دیتے دیتے خود تھک گیا تھا۔

اس کے سارے کزن ہیں اس سے اتنی محبت کرتے تھے۔اس کے گولی لگنے پر سب ہی سہمے تھے۔پریشان ہوئے تھے۔بس اگر بشریٰ رحمانی اس کی زندگی میں تلخی نہ گھولتی تو اس کی زندگی پرفیکٹ ہوتی ہے۔لیکن کبھی زندگی بھلا پرفیکٹ ہوئی ہے؟جو حدیر رحمانی کی ہوتی؟۔

"لیکن ماہ گل نے اچھا نہیں کیا"اماں سائیں اب بھی خفا تھیں۔"یوں بغیر بتائے چلی گئی۔خود کو بھی مشکل میں ڈالا اور تمہیں بھی۔وہ نہ جاتی تو تمہیں گولی نہ لگتی۔"

حدیر نے فوراً سر اٹھایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''اچھا تو یہاں اُس کے ساتھ نہیں کیا گیا تھا''۔وہ آہستہ مگر واضح لہجے میں بولا۔''جب ماحول انسان کے لیے تنگ ہو جائے نا اماں سائیں تو وہ کھلی فضا ڈھونڈنے نکل ہی جاتا ہے۔ماہ گل نے بھی یہی کیا''۔اس کی آواز میں شکوہ نہیں تھا صرف سمجھ تھی۔اپنی محبت کے درد کو محسوس کر لینے والی سمجھ۔

''اور ایک بات'' وہ نرمی سے انہیں ٹوکتا ہوا بولا۔''مجھے گولی اس کی وجہ سے نہیں لگی۔ماہ گل کو کبھی وجہ مت بنائیے گا''۔

اماں سائیں نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔پھر دھیرے سے مسکرا دیں۔

وہ برسوں پہلے بھی ایک ایسا ہی مرد دیکھ چکی تھیں جو اپنی عورت کی ہر غلطی،ہر ضد،ہر تکلیف کو خود پر اوڑھ لیتا تھا۔

''نہیں بناؤں گی''۔وہ ہلکے سے سر ہلاتے ہوئے بولیں۔''معارج رحمانی کو دیکھ چکی ہوں میں۔جانتی ہوں حدیر رحمانی سے اس بحث کا کوئی نتیجہ نہیں نکلنا۔نہ وہ پلوشہ کے معاملے میں کسی کی سنتا تھا اور نہ اب تم ماہ گل کے معاملے میں کسی کی سنو گے''۔حدیر کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ آ گئی۔کچھ محبتیں واقعی مردوں کو اپنے باپ کا عکس بنا دیتی ہیں۔

Clubb of Quality Content

"بابا اتنی جلدی کیوں چلے گئے؟"۔ حدیر نے کبھی اس بات کا ذکر اماں سائیں کے سامنے نہیں کیا۔ وہ تکلیفوں کو خود تک رکھتا تھا۔ لیکن آج وہ سوال کر گیا

اماں سائیں کی آنکھوں میں ایک دم نمی تیرنے لگی۔ وہ آہستگی سے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا گئیں۔ ماضی کا بوجھ اچانک ان کے نحیف کندھوں پر دوبارہ آن پڑا۔

"محبت کو نظر لگ گئی تھی، بچے"۔ اماں سائیں کی آواز جیسے کسی بہت دور کے کنویں سے ابھری تھی۔ دبی ہوئی۔ تھکی ہوئی۔ درد میں بھیگی ہوئی۔

"نظر...؟"۔ حدیر چونکا۔

"ہاں بچے محبتوں کو نظر لگ جاتی ہے"۔ ان کی نم آنکھیں کہیں بہت دور جا ٹھہریں۔ ان راستوں میں جہاں معارج رحمانی اب بھی زندہ تھا۔ اپنی بے خوف ہنسی کے ساتھ۔ اپنی دیوانہ وار محبت کے ساتھ۔ "پلوشہ اور معارج کی محبت کو بھی لگ گئی تھی۔ تمہارے بابا تو محبت میں حد سے آگے نکل جانے والوں میں سے تھے"۔

کھڑکی سے آتی شام کی ٹھنڈی ہوا پردوں کو ہولے سے ہلا رہی تھی جبکہ اماں سائیں ماضی کے اس دریچے میں اترتی جا رہی تھیں جہاں ہر یاد کے ساتھ درد بندھا ہوا تھا۔

"ہمارے گاؤں کے مرد عورت کو صرف بیوی سمجھتے تھے" وہ دھیرے دھیرے بولیں۔

"بیوی بس بیوی ہوتی تھی۔ گھر کی چار دیواری میں رکھی جانے والی ایک ذمہ داری۔ مگر معارج ملک"۔ان کے لب لرزے۔

"وہ پلوشہ کو صرف بیوی نہیں سمجھتا تھا بلکہ پلوشہ کو اپنی سانس کی طرح رکھتا تھا وہ کہتا تھا وہ میری دوست ہے، میری ہمدم، میری ہمراز، پلوشہ میری پوری دنیا ہے"۔آنکھوں سے آنسو ڈھلک پڑے۔

"وہ میرے پاس آتا گود میں سر رکھ دیتا اور ایک ہی بات دہراتا اماں سائیں پلوشہ کے بغیر میں ادھورا ہوں"۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

حدیر خاموشی سے سنتا رہا۔اماں سائیں کے لفظوں کے ساتھ جیسے معارج رحمانی کا وجود کمرے میں اتر آیا تھا۔وہی بے خوف محبت کرنے والا مرد جو اپنی عورت کو اپنے برابر کھڑا کرتا تھا۔

"جہاں مرد اپنی عورتوں کو گھروں میں بند رکھنا فخر سمجھتے تھے"۔اماں سائیں ہلکے سے ہنسیں مگر وہ ہنسی بھی بھیگی ہوئی تھی۔"وہاں معارج ہر مقابلے میں پلوشہ کو اپنے ساتھ کھڑا کرتا تھا۔ گاؤں میں میلے لگتے تو وہ سب سے پہلے پلوشہ کا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا۔ گھڑ سواری ہو، نشانے بازی ہو

یا پہاڑی مقابلے ہر جگہ اسے اپنے برابر کھڑا کرتا۔ کہتا تھا میری جیت کا کیا مطلب اگر میری خوشی میرے ساتھ نہ ہو؟۔اور ان ہی باتوں پر اپنے ابا سائیں سے بھی الجھ پڑتا تھا''۔

ان کی آنکھوں میں دھندلا سا منظر ابھرا۔

''وہ کہتا تھا یہ صرف میری بیوی نہیں میری پارٹنر ہے''۔

حدیر کی پلکیں جھک گئیں۔ایک گرم آنسو خاموشی سے اس کی کنپٹی پر بہہ گیا۔پہلی بار اسے شدت سے احساس ہوا تھا کہ وہ اپنے باپ جیسا بنتا جا رہا ہے۔وہ اپنی عورت کے لیے ڈھال بنتا جا رہا تھا۔وہ محبت نہیں کر سکے گا ایسا وہ سوچتا تھا۔لیکن محبت ہو گئی تھی۔

''لوگ کہتے تھے معارج اپنی بیوی کے عشق میں پاگل ہو گیا ہے''اماں سائیں ہلکے سے ہنسیں مگر وہ ہنسی فوراً ہی آنسوؤں میں بدل گئی۔''اور وہ فخر سے کہتا تھا ہاں ہوں۔اگر پلوشہ سے محبت پاگل پن ہے تو مجھے ساری عمر یہ جنون قبول ہے''۔کمرے کی فضا بوجھل ہو گئی تھی۔

''وہ پلوشہ کو کبھی اپنے پیچھے نہیں چلاتا تھا،بلکہ ہمیشہ اپنے برابر رکھتا تھا۔کہتا تھا،جس عورت نے میرا نام اپنے نام کے ساتھ جوڑا ہے،میں اسے زندگی بھر عزت کے ساتھ اپنے ساتھ رکھوں گا''۔

محبت نسلوں میں منتقل ہوتی ہے۔ بالکل اذیتوں کی طرح۔ نفرتوں کی طرح۔ یہ طے تو انسان نے کرنا ہے اس نے اپنی نسل میں کیا منتقل کرنا ہے؟ محبت، نفرت یا اذیت؟۔

"تم بالکل اپنے باپ جیسے ہو، حدیر" اماں سائیں نے لرزتے ہاتھ سے اس کے بال سنوارے۔ "وہ بھی پلوشہ کے لیے دنیا سے لڑ جاتا تھا اور تم بھی ماہ گل کے لیے موت کے منہ میں اتر گئے"۔ وہ رکی۔ گہری سانس لی۔ خود کو سنبھالا پھر سے بتانے لگی۔ حدیر رحمانی کو معارج رحمانی کے بارے میں۔

"وہ پلوشہ کو دیکھتا تھا نا تو ایسے جیسے دنیا میں اس سے حسین کوئی چیز ہی نہ ہو۔ حالانکہ گاؤں میں اس سے زیادہ خوبصورت عورتیں بھی تھیں۔ مگر معارج کے نزدیک حسن صرف چہرے میں نہیں تھا وہ کہتا تھا میری پلوشہ جب ہنستی ہے نا اماں تو لگتا ہے اللہ نے میرے حصے کی جنت دنیا میں اتار دی ہے"۔ حدیر کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"اور عزت"۔ اماں سائیں نے نم لہجے میں کہا۔ "وہ اپنی محبت کی سب سے زیادہ عزت کرتا تھا۔ کبھی اونچی آواز میں بات نہیں کی اس سے۔ غصے میں بھی نہیں۔ کہتا تھا جس عورت سے محبت ہو، اس کا دل نہیں توڑتے اسے سنبھالتے ہیں محبت سے، عزت سے، خیال سے"۔

وہ تھک کر ذرا پیچھے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں۔

"ایک دن گاؤں کے کچھ مرد بیٹھے تھے۔ عورتوں کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کر رہے تھے۔ معارج وہیں بیٹھا تھا۔پہلے خاموش سنتا رہا۔ پھر اٹھ کر بولا"۔اماں سائیں کی آواز بھرائی۔

"جس عورت نے تمہارے بچوں کو جنم دیا ہو، تمہارا گھر آباد کیا ہو تم اس کی عزت نہیں کر سکتے تو کم از کم اس کی تضحیک کا حق بھی نہیں رکھتے۔ تمہاری زبان اس عورتوں کے ذکر کے قابل بھی نہیں"۔

حدیر نے آہستگی سے آنکھیں بند کر لیں۔

"وہ اپنی ان ہی باتوں سے لوگوں کو اپنا دشمن بنا لیتا تھا۔لوگ اس سے ڈرتے بھی تھے مگر اس کی محبت سے جلتے زیادہ تھے۔ کیونکہ معارج نے پلوشہ کو صرف اپنا نام نہیں دیا تھا اپنی پوری دنیا دے دی تھی وہ بھی ایک جہاں لڑ کر۔ وہ اسے اس خاندان سے لایا تھا جس خاندان کی کبھی رحمانی خاندان سے بنی نہیں۔ جو دو خاندان ایک دوسرے کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے معارج رحمانی وہاں سے بیٹی بیاہ لایا تھا"۔

ایک آنسو اماں سائیں کے رخسار سے ڈھلکا۔

"اور پلوشہ بھی وہ تو معارج کی جان تھی۔ معارج کے کپڑے تک خود نکالتی۔اس کی پسند یاد رکھتی۔اس کی ہر بات مانتی"۔وہ چند لمحے خاموش رہیں پھر دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں۔

"تمہارا باپ محبت میں بہت امیر آدمی تھا، حدیر اتنا امیر کہ آج بھی اس کی محبت کے قصے اس حویلی کی دیواروں سے ٹکراتے ہیں"۔

"ماہی۔۔۔"اس کی آواز کمرے کی خاموش فضا میں آہستگی سے اتری۔ وہ جو چیزیں سمیٹنے میں مصروف تھی، فوراً پلٹی۔ اس کی نگاہوں میں سوال ٹھہر گیا۔ حدیر کو گھر آئے چار دن ہو چکے تھے مگر ان چار دنوں میں بشریٰ رحمانی اور حدیر ایک دوسرے کے سامنے آئے ہیں نہیں تھے۔ وہ اپنے کمرے میں زیادہ تر رہا تھا۔ باقی سب معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ امرین رحمانی بھی آکر اس کی طبیعت پوچھ گئی تھی، سب کچھ بظاہر ٹھیک تھا، مگر کہیں نہ کہیں ایک ان دیکھا سا وقفہ موجود تھا۔

"تیار ہو جاؤ ہمیں جانا ہے"۔ حدیر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اس کی آواز میں نہ جلدی تھی نہ وضاحت بس ایک واضح سا فیصلہ تھا۔

"کہاں؟ ابھی آپ کی طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی"۔ ماہی فوراً اس کے قریب آگئی، فکر مندی اس کی آنکھوں میں جھلک رہی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں"۔ وہ مختصر سا کہہ کر وارڈروب کی طرف بڑھ گیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

"ہم نکال دیتے ہیں کپڑے"۔ماہ گل تیزی سے آگے بڑھی۔حدیر نے ہلکے سے دو قدم پیچھے ہٹا لیے۔

"آپ بتائیں تو صحیح ہم کہاں جا رہے ہیں؟"۔ماہی نے رک کر اسے دیکھا۔

پھر آہستگی سے ہاتھ بڑھایا اور ایک ہلکے آسمانی رنگ کی شرٹ نکالی اور ساتھ سفید ٹراؤزر۔وہ پلٹی،اور کپڑے حدیر کے ہاتھ میں تھما دیے۔

"تمہارے ہی الفاظ تھے کہ آپ جہاں کہیں ہم آپ کے ساتھ چلیں گے تو بس چلو،بغیر کوئی سوال کیے"حدیر نے کہتے ہوئے اس کی طرف ایک سرسری سی نظر ڈالی،نگاہوں میں ایک ہلکی سی چیلنجنگ لیے۔

ماہ گل وہیں کھڑی رہ گئی۔کندھے آہستگی سے ڈھیلے پڑ گئے۔اس کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔

وہ تو بس یوں ہی پوچھ بیٹھی تھی تجسس میں۔حدیر رحمانی کے ساتھ جانے سے وہ انکار کرتی بھی کیسے؟انکار کا خیال بھی اس کے دل میں کہیں ٹھہر نہیں پاتا تھا۔

وہ دنیا کے کسی بھی کنارے کی بات کر لیتا۔تو بھی کیا فرق پڑتا؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

فرق تو صرف ایک ہی تھا۔ وہ ساتھ ہو۔ بس۔ اور جب وہ ساتھ ہوتا تھا تو جگہ، راستہ، منزل سب غیر ضروری ہو جاتے تھے۔ وہ ساتھ ہو تو ہر سمت اپنی معنویت کھو دیتی تھی اور باقی سب کچھ خاموشی سے خوبصورت ہو جاتا تھا۔

اس نے آہستگی سے سانس لیا اور وارڈروب کی طرف مڑ گئی۔ اس کی انگلیاں کپڑوں کے درمیان ایک لمحے کے لیے رُکیں۔ سامنے ایک استری شدہ سوٹ ہینگ تھا۔

آسمانی رنگ کی گھٹنوں سے ذرا نیچے تک آتی قمیض جس پر سفید دھاگے سے بنے چھوٹے چھوٹے پھول مزین تھے۔ ساتھ سفید ٹراؤزر اور سفید شیفون کا دوپٹہ تھا

ماہی نے وہ سوٹ نکال لیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

بالوں کو بیچ مانگ سے تقسیم کیا ہوا تھا۔ سامنے سے دونوں سائیڈز پر ہلکے سے ٹوئسٹ لیتے ہوئے چوٹیاں بنائی گئی تھیں جو پیچھے جا کر نرم انداز میں پشت پر بکھر رہی تھیں۔ ہلکے میک اپ نے اس کے چہرے پر ایک سادہ سی تازگی اتار دی تھی۔ سفید ہینڈ بیگ اور سفید پمز کے ساتھ وہ خود بھی کسی نرمی میں ڈھلی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

وہ آج واقعی بہت دل سے تیار ہوئی تھی۔

حدیر رحمانی کے ساتھ وہ بہت کم باہر نکلی تھی، اور ان سب حالات کے بعد یہ لمحہ اسے غیر معمولی حد تک پر سکون اور خوش کر رہا تھا۔ وہ خوش تھی... بہت خوش۔

رشنا وغیرہ سے مل کر لان میں آئی تو سامنے کا منظر ٹھہر سا گیا۔

حدیر ہریرہ سے بات کر رہا تھا۔

دونوں کے چہروں پر وہی معمولی سی سنجیدگی تھی وہی الجھی ہوئی سنجیدگی جو بتا رہی تھی کہ بات محض گفتگو نہیں، کسی اندرونی ضد کا تسلسل تھی۔ حدیر کی آنکھوں میں سمجھانے کی تھکن تھی اور ہریرہ کے انداز میں خفگی۔

ماہ گل نے گہرا سانس لیا۔ نہ جانے پھر کیا بات ہو گئی تھی یہ دونوں بھی ہر دفعہ کسی نہ کسی نکتے پر آکر رک جاتے تھے۔ اس کے قدم چند لمحے وہیں ٹھہرے۔

ہریرہ کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی بات پر خفا ہے اور حدیر رحمانی اسے منانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ماہ گل نے ہلکا سا کندھا اچکایا اسے معلوم تھا ان دونوں کی یہ کشمکش نئی نہیں تھی۔ پھر آہستگی سے ان کی طرف

بڑھ گئی۔

حدیر کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی، اس نے ہریرہ کو عجلت بھرے انداز میں گلے لگایا اور پھر بغیر کسی توقف کے گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ماہ گل ابھی چند قدم دور ہی تھی۔ وہ اس کے قریب آنے پر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔

ایک لمحہ رُکا ہوا سا ٹھہر گیا۔ ماہ گل نے چونک کر سر اٹھایا۔ یہ پہلا موقع تھ جب اس نے یوں اس کے لیے دروازہ کھولا تھا۔

اس کے لبوں پر ہلکی سی حیرت آئی، اور آنکھوں میں ایک نرم سا سا تاثر جا ٹھہرا۔ نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں ستائش حیرانی لیے۔ آبرو ذرا اوپر کو اٹھے۔ وہ اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے خاموشی سے پوچھ رہی ہو یہ مہربانی... اچانک کیوں؟۔

نہ ہونٹ ہلے، نہ سوال بولا گیا مگر نگاہ نے سب کچھ کہہ دیا تھا۔ حدیر ان آنکھوں کا تاثر سمجھتے آہستگی سے مسکرایا۔ تھوڑا قریب ہو کر ان نگاہوں میں اپنی نگاہیں جما دیں

”آغاز خوبصورت ہونا چاہیے“۔ وہ دلکشی سے بولا۔ آغاز؟ وہ کس آغاز کی بات کر رہا تھا۔ ماہ گل سمجھ نہ سکی لیکن اس کا انداز۔۔ ماہ گل کے ہونٹوں پر بے اختیار سی مسکراہٹ آ گئی۔ وہ اس ایک جملے سے جیسے ٹھہر سی گئی تھی۔ پھر خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ حدیر نے دروازہ بند کر دیا۔

گاڑی سڑک پر رواں تھی۔

''اتنی تیاری میڈم؟آپ تو ویسے جانے کا سن کر سوال کر رہی تھیں؟''۔اسے سرسری سا دیکھا۔لیکن اس نگاہ میں بھی ہمیشہ کی طرح اسے وہ کیوٹ لگی تھی۔

ماہ گل نے نظریں کھڑکی سے ہٹا کر اس کی طرف کیں۔

''سوال تجسس کی وجہ سے تھا جانے سے انکار تو نہیں کیا مسٹر حدیر رحمانی''۔لہجے میں بے نیازی اتر آئی۔

حدیر نے اسے دیکھا اور اس بار نظر تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر گئی۔پھر وہ مسکرایا اور اگلے ہی لمحے ہلکا سا ہنس دیا۔

''مسز حدیر میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں''۔اس جملے میں عجیب سی اپنائیت تھی،جو سیدھا دل پر اترتی تھی۔

ماہ گل نے احتیاط سے اسے دیکھا۔وہ خوبرو لگ رہا تھا۔اور آج کچھ زیادہ ہی ہینڈسم۔یا یہ صرف ماہ گل کی نگاہوں کو لگ رہا تھا۔جو بھی تھا لیکن دل بے اختیار ہو رہا تھا۔۔

دونوں آسمانی اور سفید رنگ میں تھے۔اور آنکھوں کو سکون محسوس ہو رہے تھے۔

''پوچھو گی نہیں کہاں لے جا رہا ہوں؟''۔حدیر نے موڑ کاٹتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں"۔اس نے فوراً، بغیر کسی جھجھک کے نفی میں سر ہلا دیا۔اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔"کہا تھا نا... جہاں بھی لے جائیں گے، ہم ساتھ چلیں گے۔بس شرط یہ ہے کہ آپ ساتھ ہوں"۔اس کے لفظ نرم تھے، مگر یقین سے بھرے ہوئے۔حدیر نے ایک لمحے کو اسے دیکھا پھر نظریں سڑک پر جما دیں۔

"تو پھر تیار رہو کیونکہ یہ ساتھ تو زندگی بھر رہے گا"۔اس نے جلدی سے نگاہیں واپس سڑک پر جما دیں۔مزید اسے دیکھتا رہتا تو شاید راستہ دھندلا جاتا اور منزل تک پہنچنے سے پہلے ہی دل کہیں اور بھٹک جاتا۔کیونکہ ماہ گل اس وقت حد سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

آسمانی رنگ میں لپٹا وہ وجود، بالوں کی نرم ترتیب، چہرے پر ٹھہری تازگی، آنکھوں میں ٹھہرا وہ پُر سکون نور انسان بے اختیار ٹھہر کر دیکھتا ہی رہ جائے۔

حدیر رحمانی کو آسمانی رنگ کبھی پسند نہیں رہا تھا۔

مگر جب سے یہی رنگ ماہ گل کے وجود پر دیکھا تھا، تب سے جیسے اس رنگ کی پوری معنویت بدل گئی تھی۔

اب آسمانی رنگ اسے اچھا لگتا تھا۔بہت اچھا۔ایسا کہ نظر ہٹانے کو دل نہ چاہے۔یہی رنگ اسے سکون لگتا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ایسا سکون جو آنکھوں سے اتر کر سیدھا دل میں جا ٹھہرے۔اور شاید حقیقت یہ تھی کہ خوبصورت رنگ آسانی نہیں تھا خوبصورت تو وہ لڑکی تھی جس نے اس رنگ کو بھی اپنی طرح دلنشیں بنا دیا تھا۔شاید کچھ لوگ رنگ نہیں پہنتے...رنگ ان میں آکر خوبصورت ہونا سیکھتے ہیں۔

کشادہ سی گیلی سڑک پر گاڑی دھیرے دھیرے رواں تھی۔

بارش مسلسل برس رہی تھی۔ کہیں نرم، کہیں تیز۔ سڑک کنارے کھڑے درخت بھیگ کر گہرے سبز ہو گئے تھے اور ہوا میں مٹی، بارش اور کسی انجانی سی راحت کی خوشبو گھل گئی تھی۔

موسم عجیب حد تک دلنشیں ہو چکا تھا۔ایسا موسم جس میں انسان خاموش ہو جائے، مگر دل بولنے لگے۔

ماہ گل کھڑکی کے ساتھ ٹکی بیٹھی تھی۔

آنکھوں میں بچوں جیسی چمک تھی اور ہونٹوں پر وہی بے اختیار سی مسکراہٹ جو صرف دل کے بہت خوش ہونے پر آتی تھی۔

برستی بارش اس کی کمزوری تھی۔اور آج اس کے پہلو میں بیٹھا شخص؟ وہ آہستہ آہستہ اس کی سب سے خوبصورت عادت بنتا جا رہا تھا۔

اس نے آہستگی سے ہاتھ کھڑکی سے باہر نکالا۔ بارش کی ٹھنڈی بوندیں اس کی انگلیوں سے ٹکرا کر پھسلنے لگیں۔

وہ ہلکے سے آنکھیں میچ گئی پھر بے اختیار ہنس دی۔ وہ ہنسی بہت دھیمی تھی۔ مگر حدیر رحمانی کے دل میں جیسے کسی نے نرم سا چراغ جلا دیا۔اس کی نگاہ بے ارادہ اس پر اٹھی اور پھر ٹھہر گئی۔

بارش اس کے ہاتھوں کو بھگو رہی تھی، چند بوندیں چہرے تک بھی آ پہنچی تھیں۔ بالوں کے قریب نمی چمک رہی تھی اور وہ آسمانی رنگ میں لپٹی لڑکی، اس دھندلے موسم میں، کسی خواب کا حصہ لگ رہی تھی۔

وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ اتنی حسین کہ چند لمحوں کے لیے بارش بھی پس منظر میں چلی گئی۔

کیا اس نے پہلے کبھی بارش کو اتنا خوبصورت محسوس کیا تھا؟

ہرگز نہیں۔

وہ تو ہمیشہ بارش سے اکتا جاتا تھا۔ برستا موسم، گیلی سڑکیں، بے ترتیب بوندیں اسے کبھی کچھ خاص محسوس نہیں ہوتا تھا۔

پھر آج ایسا کیوں تھا؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آج کیوں ہر طرف ایک نرمی بکھری ہوئی لگ رہی تھی؟

کیوں دل عجیب سی گداز کیفیت میں ڈھلتا جارہا تھا؟

کیوں اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دنیا کچھ دیر کے لیے بہت اچھی ہو گئی ہو؟

شاید بارش آج بھی وہی تھی۔ بدلا تو صرف اس کے ساتھ بیٹھا شخص تھا۔

"پلیز... جلدی لے جائیں جہاں لے جانا ہے"۔ وہ بے تابی سے اس کی طرف مڑی۔ "ہمیں بارش میں نہانا ہے" آنکھوں میں بچوں جیسی چمک تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا اگلے ہی لمحے گاڑی سے اترے اور کھلے آسمان تلے بھیگتی چلی جائے۔

اس کے انداز میں ایسی بے تابی تھی کہ حدیر بے اختیار ہنس دیا۔ وہ ہنسی مختصر تھی مگر محبت سے بھری ہوئی۔

"ایسے موسم میں لانگ ڈرائیو کی جاتی ہے، مسز حدیر"۔ اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

وہ اس سفر کو ختم ہی نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا یہ سڑکیں یونہی بھیگتی رہیں، گاڑی یونہی چلتی رہے اور ماہ گل اسی طرح اس کے برابر بیٹھی رہے۔

Novels Clubb Quality Content

وہ آج برستی بارش میں کسی کمرے کی چھت تلے نہیں رکنا چاہتا تھا۔وہ تو بس ان بھیگی سڑکوں پر،ماہ گل کے ساتھ،وقت سے ذرا دور نکل جانا چاہتا تھا۔

''لیکن پھر ہم نہائیں گے کیسے ؟''۔وہ بچوں کی طرح خفا ہوئی۔حدیر نے ایک لمحے کو اسے دیکھا۔پھر بہت آہستگی سے مسکرایا۔

''بس پانچ منٹ اور''۔اس کی آواز میں عجب سا اطمینان تھا۔ماہ گل دوبارہ بارش میں کھو گئی۔

اور حدیر رحمانی خاموشی سے اس میں۔

اور پھر خوبصورت،بارش سے دھلی سڑکوں سے گزرتی ہوئی گاڑی ایک گھر کے سامنے آکر آہستہ سے رُک گئی۔

ماہ گل نے چونک کر باہر دیکھا۔سفید دیواروں والا ایک نہایت دلکش سا گھر۔

آف وائٹ رنگ کا بڑا سا دروازہ تھا،جس پر بوگن ویلیا کی گلابی بیلیں بارش میں بھیگ کر جھک آئی تھیں۔بھیگی پتیاں ہوا کے ساتھ ہولے ہولے ہل رہی تھیں،اور بارش کی بوندیں ان پر موتیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔

پورا گھر حد سے زیادہ پُر سکون لگ رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

ماہ گل کچھ لمحے بس اسے دیکھتی رہ گئی۔آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"یہ...؟ یہ گھر کس کا ہے؟"۔وہ فوراً حدیر کی طرف مڑی۔آواز میں بچوں جیسا اشتیاق تھا۔

حدیر اس کی آنکھوں میں اترتی وہ چمک دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیا۔

"آجاؤ...اترو بتاتا ہوں"۔وہ نرم لہجے میں کہتا گاڑی سے باہر نکلا۔پھر خود آگے بڑھ کر اس کے لیے دروازہ کھولا۔

بارش اب بھی ہلکی ہلکی برس رہی تھی۔

حدیر نے دروازہ کھولنے کے بعد خاموشی سے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ماہ گل ایک بار پھر اسے دیکھ کر ٹھہر گئی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آج حدیر رحمانی عجیب طرح سے اسے حیران کر رہا تھا۔

وہ آدمی جو محبت کو لفظوں سے کم اور رویّوں سے زیادہ ظاہر کرتا تھا۔دل کی دھڑکن جیسے آہستہ سے بدل گئی۔اس نے ہلکی سی جھجک کے ساتھ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔حدیر نے اس کی انگلیاں بہت نرمی سے تھامیں پھر اسے ساتھ لیے آگے بڑھ گیا۔

تبھی ایک گارڈ تیزی سے قریب آیا۔حدیر نے گاڑی کی چابی اس کے حوالے کی اور مختصر سی ہدایت دی۔شاید گاڑی اندر لانے کا کہا تھا۔

مگر ماہ گل کی توجہ اب بھی اس گھر پر تھی۔

وہ دونوں دروازے کے قریب پہنچے تو حدیر اچانک رک گیا۔

ماہ گل نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ حدیر نے کچھ کہے بغیر ہلکا سا اشارہ کیا۔ اس نے پلٹ کر دروازے کے ساتھ لگی سیاہ تختی کو دیکھا۔

پھر دوبارہ حدیر کو۔

پھر تختی کو۔

اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں حیرت پگھل کر نمی بن گئی۔

"یہ...؟ یہ کیا ہے؟"۔ اس کی آواز کپکپا گئی۔

حدیر اسے دیکھ رہا تھا۔ بہت نرمی سے۔ بہت محبت سے۔

"مسز حدیر رحمانی کا گھر"۔ اس نے دھیرے سے کہا۔

سیاہ نیم پلیٹ پر سفید بیلی کے پھولوں کا نفیس ریزن ورک تھا اور اس پر خوبصورت حروف میں لکھا تھا۔

"آشیانۂ مسز حدیر"

ماہ گل جیسے چند لمحوں کے لیے وہیں ساکت رہ گئی۔

Clubb of Quality Content

پھر بہت آہستگی سے آگے بڑھی۔اور کانپتی انگلیوں سے اس تختی کو چھوا۔ایک بار۔پھر دوبارہ۔پھر تیسری بار۔یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ حقیقت تھی۔اس کی آنکھوں میں خاموشی سے آنسو بھرنے لگے۔

"بہت خوبصورت ہے یہ"۔وہ آنکھوں کے کنارے صاف کرتے ہوئے ہنس پڑی۔بارش اب مدھم ہو چکی تھی۔چند ہلکی بوندیں اب بھی ہوا کے ساتھ اڑ کر ان کے وجود کو چھو جاتیں اور پھر پھسل جاتیں۔

حدیر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔بھیگی پلکوں کے ساتھ ہنستی ہوئی ماہ گل وہ منظر دل پر عجیب اثر چھوڑ رہا تھا۔پل بھر کو وہ واقعی مبہوت سا رہ گیا۔کسی نے شاید ٹھیک ہی کہا تھا کچھ عورتیں خوش ہوتے ہوئے اتنی حسین لگتی ہیں کہ انسان چند لمحوں کے لیے دنیا بھول جاتا ہے۔

"یہاں بھی اپنا نام شامل کر لیا آپ نے؟"۔یکدم ہی اس کا لہجہ بدلا۔وہ آنکھیں سکیڑتے ہوئے، مصنوعی خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

حدیر نے چونک کر اسے دیکھا۔ابھی چند لمحے پہلے یہی لڑکی نم آنکھوں کے ساتھ اس نیم پلیٹ کو چھو رہی تھی اور اب لڑنے پر آمادہ کھڑی تھی۔

"صرف ہمارا نام نہیں لکھوا سکتے تھے؟" اس نے دونوں بازو سینے پر باندھ لیے۔ چہرے پر ناراضی تھی مگر آنکھوں میں چھپی مسکراہٹ مسلسل غداری کر رہی تھی۔

حدیر چند لمحے بس اسے دیکھتا رہا۔ پھر اچانک سر جھکا کر ہنس دیا۔ آہستہ سے۔ دل سے۔

"اب ہنس رہے ہیں؟"۔ اس نے فوراً نظریں چرائیں، اس کی ہنسی مدہوش کرنے والی تھی۔

"ماہی... ذرا غور سے دیکھو"۔ حدیر نے ہونٹ بھینچ کر مسکراہٹ روکنے کی کوشش کی، پھر اس کی طرف ذرا سا جھکتے ہوئے بولا۔ اس کی آواز غیر معمولی حد تک نرم تھی۔

"حدیر سے پہلے مسز لکھا ہے اور مسز میری نہیں، تمہاری پہچان ہے"۔ اس نے بہت آہستگی سے نیم پلیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ "پڑھنے والے کے ذہن میں تم آؤ گی میں نہیں"۔

"جی نہیں۔ ہم دونوں آئیں گے۔ کیونکہ آپ نے حدیر بھی تو لکھوایا ہے"۔ وہ منہ پھلائے کھڑی تھی۔

حالانکہ حقیقت یہ تھی دل اس وقت شدت سے چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے سینے سے لگ کر رو دے۔ کوئی اتنی محبت سے بھی کسی کو اپنا بناتا ہے؟

حدیر نے اسے دیکھا۔ گہری ٹھہری ہوئی نگاہوں سے۔

"تو تمہیں مسئلہ ہے، مسز حدیر...؟" پھر بہت دھیمے، مگر بھاری لہجے میں پوچھا۔ وہ ایک قدم اور قریب آیا۔

"اگر لوگوں کے ذہن میں ہمارا خیال ہمیشہ ساتھ آئے تو؟"

بارش کی ایک بوند ماہ گل کی پلک پر آ ٹھہری۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر نظریں جھکا کر ہلکے سے مسکرائی۔ وہ مسکراہٹ شرمیلی بھی تھی اور بے حد محبت بھری بھی۔

"کوئی جب ہمارا خیال لائے اور ساتھ لائے" اس نے دھیرے سے کہا۔ "اس سے زیادہ خوبصورت اور کیا ہو سکتا ہے؟"۔

وہ فوراً پلٹی اور تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ شاید اس لیے کہ اگر ایک لمحہ اور وہیں کھڑی رہتی تو دل کی دھڑکنیں اس کے چہرے سے ظاہر ہو جاتیں۔

پیچھے کھڑا حدیر رحمانی اسے جاتا دیکھ کر مسکرا دیا۔

مین گیٹ سے اندر قدم رکھتے ہی ماہ گل ایک بار پھر ٹھٹھک کر رہ گئی۔ بھیگی ہوا میں مٹی، پھولوں اور تازہ پتوں کی ملی جلی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔ سامنے بائیں جانب پھیلا باغ کسی خواب کا ٹکڑا لگ رہا تھا۔ رنگ برنگے پھول بارش کے قطروں سے دھلے ہوئے تھے اور ہر شاخ یوں جھکی

تھی جیسے بہار خود اس گھر میں اتر آئی تھی۔ سفید پتھروں سے بنی پگڈنڈی کے کنارے ننھے پھول جھوم رہے تھے۔ کہیں گلاب تھے، کہیں بیلا، کہیں چنبیلی اور ان سب کے درمیان بارش کی نمی میں لپٹی ایک خاموش سی محبت سانس لے رہی تھی۔

ماہ گل آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔ آنکھیں ہر سمت بھٹک رہی تھیں۔ یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سب حقیقت ہے۔ اس کا دل عجیب طرح سے بھرنے لگا تھا۔ اتنا بھر گیا کہ پلکیں بھیگنے لگیں۔

پھر اچانک اس کی نظر تھوڑا آگے لگے درختوں پر پڑی۔

"یہ... یہ تو آم کا پیڑ لگ رہا ہے"۔ وہ یکدم پلٹی۔ آواز میں بچوں جیسی خوشی گھل آئی تھی۔

"کیا گرمی میں ہمارے گھر پر بھی آم ہوا کریں گے؟" وہ دو قدم میں حدید کے قریب آئی تھی۔ بے اختیار اس کا بازو تھام لیا۔ آنکھوں میں چمک لیے اسے دیکھنے لگی پھر درخت کو۔ نگاہیں یوں پر جانب۔ بھٹک رہی تھیں۔

حدید رحمانی اسے ہی دیکھتا رہا۔ وہ منظر وہ چمکتی آنکھیں بارش سے بھیگی پلکیں اور خوشی سے کانپتی آواز شاید دنیا کی ہر خوبصورتی اس ایک لمحے میں آکر ٹھہر گئی تھی۔

"بالکل ہوا کریں گے"۔ وہ دھیمے سے مسکرایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ماہ گل دوبارہ گردن موڑ کر درختوں کو دیکھنے لگی۔ وہاں صرف آم نہیں تھے۔ امرود، انار، لیموں، آڑو کئی درخت قطار میں لگے تھے۔

"آپ نے...اتنے سارے پھلوں کے درخت کیوں لگوائے؟"۔ وہ حیرانی سے پلٹی۔

حدیر نے چند لمحے اسے دیکھا۔ پھر بہت آہستہ، بہت نرم لہجے میں بولا۔

"تاکہ میری بیوی کو کسی اور کے باغ سے پھل توڑنے کی خواہش نہ رہے"۔ وہ ایک قدم اس کے قریب آیا۔ "جب دل چاہے اپنے گھر کے درخت سے توڑ سکے"۔

بارش کے چند قطرے اس کے سیاہ بالوں سے پھسل کر پیشانی تک آئے تھے۔ مگر اس کی نگاہیں صرف ماہ گل پر تھیں۔

"وہ اپنے گاؤں کے باغ یاد کر کے اداس نہ ہوا کرے اس لیے چاہا کہ اس کے شہر والے گھر میں بھی بہار لے آؤں"۔

کچھ لوگ محبت کا اظہار لفظوں سے کرتے ہیں۔ اور کچھ پورے باغ لگا دیتے ہیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ گئے۔ خاموشی سے۔ بے اختیار۔

وہ تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھی۔ جیسے دل نے سوچنے کی مہلت ہی نہ دی ہو۔ اگلے ہی لمحے وہ حدیر رحمانی کے حصار میں تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اور حدیر وہ مسکرایا تھا۔ مسکراہٹ جو صرف محبوب عورت کے سکون سے بکھرتی تھی۔

اس نے دونوں بازو اس کے گرد مضبوطی سے لپیٹ لیے۔

"یہ۔۔۔ یہ سب کچھ بہت خوبصورت ہے"۔ آواز جیسے بھیگ گئی تھی۔ آنکھوں میں حیرت، دل میں شور، اور ہونٹوں پر کانپتی ہوئی مسکراہٹ۔ "ہمیں سمجھ نہیں آرہا کیا کہیں۔ یہ۔۔۔ یہ واقعی ہمارا گھر ہے؟"۔ اس نے گردن موڑ کر ایک بار پھر اس باغ کو دیکھا جہاں بارش کے قطروں سے دھلے پھول جھلملا رہے تھے۔ "یقین نہیں آرہا۔ لیکن بہت اچھا لگ رہا ہے۔۔۔ بہت زیادہ۔ تھینک یو"۔ آنسو پلکوں سے پھسلتے رخساروں تک آگئے۔

حدیر نے اسے ذرا سا خود سے دور کیا۔ دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما۔ انگوٹھے سے اس کے رخسار پر بہتا آنسو آہستگی سے صاف کیا۔۔

"رومت، ماہی" وہ دھیرے سے بولا۔ "یہ باغ کی آزاد لڑکی کا گھر ہے"۔ اس کی بھیگی پلکوں پر جھکتے ہوئے اس نے سرگوشی کی۔۔

"وہ لڑکی جو درختوں سے باتیں کرتی ہے۔ بارش میں بھیگتے ہوئے ہنستی ہے۔ آم توڑتے وقت بچیوں کی طرح خوش ہو جاتی ہے۔ یہاں اسے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوگی۔ جب

دل چاہے بارش میں بھیگنا۔ جب دل چاہے پھول توڑ لینا۔ جب دل چاہے آدھی رات کو باغ میں چلے آنا"۔ وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

ماہ گل حیران رہ گئی۔ وہ فقط محبت نہیں کر رہا تھا۔ وہ اسے جینے کی آزادی دے رہا تھا۔

"یقین کر لو"۔ حدیر نے پیشانی اس کی پیشانی سے ہلکی سی ٹکائی۔ "یہ سب تمہارا ہے۔ یہ گھر، یہ باغ، یہ موسم اور میں بھی"۔ ماہ گل کی آنکھوں سے پھر آنسو بہہ نکلے مگر اس بار وہ دکھ کے نہیں تھے۔ یہ وہ آنسو تھے جو دل بہت زیادہ بھر جائے تو خود بخود بہنے لگتے ہیں۔

بارش اب بھی ہلکے ہلکے برس رہی تھی۔

پھول بھیگ رہے تھے۔

ہوا میں مٹی اور بیلی کی خوشبو گھل گئی تھی۔

اور اس لمحے محبت واقعی کسی خوبصورت گھر جیسی لگ رہی تھی پر سکون، محفوظ، اور ہمیشہ کے لیے اپنی۔

اب وہ اندرونی دروازے کے سامنے آکر رکے تھے۔ بارش اب ہلکی پھوار میں بدل چکی تھی۔

ماہ گل نے حدیر کو حیرانی سے دیکھا۔ یہاں بھی؟

اس کی نگاہ دروازے پر لگی تختی پر گئی اور پھر دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔ بیلی کے ننھے سفید پھولوں کے درمیان نہایت نفاست سے لکھا تھا۔

"ماہ گل کا گھر"۔

"یہ بھی تمہارے گھر کا دروازہ ہے"۔ حدیر کا دھیمہ لہجہ اس کے کانوں میں اترا۔ "گھر کے اندر جانے کے لیے ہمیں یہ کھولنا ہو گا۔ اور اس دروازے پر صرف وہی دستک دے سکیں گے جو ہمارے اپنے ہوں گے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ سڑک سے گزرتا ہر شخص میری بیوی کا نام پڑھے۔ اس لیے باہر مسز حدیر لکھوایا اور یہاں"۔ وہ لمحہ بھر رکا۔ بھوری آنکھیں سیدھی اس کی آنکھوں میں اتریں۔ "یہاں صرف تم ہو، ماہی"۔

ماہ گل نے اسے دیکھا بس دیکھتی ہی رہ گئی۔ حدیر کی نرم بئیرد، بھیگی پلکیں، بھوری آنکھوں میں اترتی عجیب سی نرمی اور وہ انداز جیسے وہ لفظ نہیں بول رہا تھا بلکہ اس کے دل پر محبت آہستہ آہستہ لکھ رہا تھا۔

ماہ گل کو واقعی لگا جیسے دنیا دھندلا گئی تھی۔

نہ بارش یاد رہی۔ نہ گھر۔ نہ دروازہ۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

یاد تھا تو بس سامنے کھڑا وہ شخص جو محبت کو اتنی خاموشی، اتنی عزت اور اتنی خوبصورتی سے نبھانا جانتا تھا۔

اس کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ شاید خوشی کبھی کبھی انسان کو اتنا خاموش کر دیتی ہے کہ لفظ ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔

"کیا کسی کو اسپیچ لیس کرنا اچھی بات ہے؟"۔ آخر کار وہ خفگی جتانے کی ناکام کوشش کرتی بولی۔ آواز میں کپکپاہٹ تھی اور آنکھوں میں بے بس سی محبت۔

حدیر پہلے اسے دیکھتا رہا پھر مفہوم سمجھتے ہی دھیمے سے ہنسا۔ وہ ہنسی۔ نرم۔ مدھم۔ دل پر آہستہ سے اتر جانے والی۔ وہ آج ہر تھوڑی دیر میں یوں ہی ہنس رہا تھا۔

"اگر تم اسی طرح مجھے اسپیچ لیس ہو گی"۔ وہ آہستگی سے اس کے قریب ہوا۔ "تو ہاں پھر میں تمہیں بار بار اسپیچ لیس کروں گا"۔

ماہ گل کے لب بے اختیار مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ دل تتلیوں سے بھر گیا۔ وہ محبت کر رہا تھا۔ اور وہ؟ وہ اس محبت پر آہستہ آہستہ مغرور ہوتی جا رہی تھی۔

وہ اس کا گھر تھا اب اسے یقین آ چکا تھا۔

اور یہ یقین صرف ایک خیال نہیں تھا، یہ ایک ایسا احساس تھا جو اندر کہیں آہستہ آہستہ پھیل رہا تھا۔ماہ گل کو زندگی کے یہ رنگ کبھی اپنے حصے میں آتے ہوئے محسوس نہیں ہوئے تھے۔ سب کے پاس اماں ابا کا گھر ہوتا ہے۔ماہ گل پھوپھو کے گھر بڑی ہوئی۔شادی ہوئی تھی وہ گھر پہلے ہی الجھا ہوا تھا کہ ماہ گل کے وجود کو قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔وہ ہمیشہ چاہتی تھی گھر ہو اور صرف ماہ گل کا ہو جہاں سے نکلنے کا خوف نہ ہو۔اب وہ انہی خوابوں کے بیچ کھڑی تھی۔یہ گھر یہ جگہ سب کچھ اس کے لیے تھا۔

حدیر پہلے ہی ہر چیز سیٹ کروا چکا تھا۔کچن میں ہر برتن اپنی جگہ، ہر ضرورت اپنی موجودگی کے ساتھ گویا اس کے انتظار میں تھی۔اور وہ اب اسی کچن میں کھڑی چائے بنا رہی تھی۔

چائے کی ہلکی سی خوشبو فضا میں پھیل رہی تھی،اور برتن کی نرم سی کھنک کے ساتھ مل کر ایک ایسی خاموشی بنا رہی تھی جو شور سے زیادہ بھاری تھی مگر خوبصورت۔

ماہ گل کا دل بھرا جا رہا تھا۔خوشی اتنی ہو رہی تھی کہ خود کی کیفیت ہی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ یہ کچن اس کا تھا۔یہ جگہ اس کی اپنی تھی۔جو چاہے بنا سکتی تھی، جیسے چاہے رہ سکتی تھی، جب دل کرے، بس جی سکتی تھی۔اور یہی بات اس کے اندر ایک عجیب سی خوشی بھر رہی تھی۔خوشی مگر ایسی خوشی جو آنکھوں کے کناروں کو ہلکا سا بھاری کر دے۔

حدیر کی کال آئی تھی تو وہ کچھ دیر کے لیے کمرے میں چلا گیا تھا۔

ماہ گل چولہے کے پاس کھڑی تھی، جب اس کی آواز نے اس کے خیال توڑے۔

"کیسا لگا تمہیں تمہارا گھر؟"۔وہ چونکی نہیں بس آہستہ سے پلٹی۔

حدیر کاؤنٹر کے پاس کھڑا تھا۔وہی پر سکون سا انداز، مگر آنکھوں میں ایک عجیب سی ٹھہری ہوئی نرمی۔

ماہ گل کی نظریں اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔پھر آہستہ سے ہونٹوں پر ایک بھولی سی مسکراہٹ آئی۔

"یقین نہیں آرہا...یہ گھر ہمارا ہے؟"اس کی آواز نرم تھی، بھیگی ہوئی سی۔

حدیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔بس اس کی طرف ایک فائل بڑھا دی۔"یہ گھر کے پیپرز ہیں"۔ماہ گل کی مسکراہٹ ہلکی سی رُک گئی۔

"اس کی کیا ضرورت تھی؟"وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی پیچھے ہٹی۔

"ضرورت تھی ماہی۔پکڑو اسے"۔اس بار اس کی آواز میں اصرار تھا۔

ماہ گل نے آہستہ سے آگے بڑھ کر فائل تھام لی۔انگلیاں ہلکی سی کانپ گئیں۔اور پھر جب اس نے فائل کھولی تو ایک لمحے کے لیے وہ خاموش رہ گئی۔

گھر اس کے نام تھا۔ یعنی ماہ گل کے نام۔

وہ کچھ بول نہ سکی۔ صرف حدیر کو دیکھا، عقیدت، محبت، احترام لیے۔

"یہ ہمارے نام کیوں کیا؟" آخرکار وہ دھیرے سے بولی۔

"گھر جس کا ہوتا ہے مسز اسی کے نام ہوتا ہے"۔

پھر ہلکی سی شرارت اس کی آنکھوں میں اتر آئی۔ "اور اگر تم چاہو تو مجھے بھی باہر نکال سکتی ہو"۔

ماہ گل بے اختیار ہنس دی۔

وہ ایک قدم آگے بڑھی، پھر بالکل اس کے قریب آکر رک گئی۔ دونوں ہاتھ آہستہ سے اس کے کندھے پر رکھے، اور اپنے ہاتھ پر ہی ٹھوڑی ٹکا گئی۔

"آپ کو تو دل میں رکھ لیا ہے حدیر رحمانی"۔ اس کی آواز میں شرارت بھی تھی اور محبت بھی۔ "پھر گھر سے باہر کیسے نکال سکتے ہیں؟"۔

حدیر لمحہ بھر کے لیے بس اسے دیکھتا رہ گیا۔

اور پھر...اس کے ہونٹوں پر وہ مسکراہٹ آگئی جو صرف اس کے لیے تھی۔

"میں بھی صرف دل سے مطلب ہے، بہارِ جاں"۔اس کی آواز میں ایک عجیب سا سکون گھلا ہوا تھا۔"دل میں رکھ لیا ہے تو اور کیا چاہیے؟"۔

ماہ گل کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

وہ تیزی سے پیچھے ہٹ گئی، اس کی گہری باتوں سے خود کو بچانے کی کوشش مگر آنکھیں پھر بھی اس سے ہٹ نہیں پا رہیں تھیں۔

"آں ہاں...دیکھیں آپ بھی ہمیں کہنے لگے ہیں"۔وہ کپ میں چائے ڈالتی شرارت آمیز لہجے میں بولی۔

حدیر نے چائے کا کپ اٹھایا، اور بہت اطمینان سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں آپ کے رنگ میں رنگ چکا ہوں، بیگم صاحبہ"۔یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک نرم سی مسکراہٹ اتر آئی۔

وہ چائے کے دو کپ ساتھ تھے۔ماہ گل موبائل اٹھائی تھی۔اس کے ساتھ بیٹھ کر اسے اس کا کپ پکڑا کر خود اپنا پکڑ کر ایک تصویر کلک کی تھی۔وہ کچھ نہیں کہ سکتا تھا۔وہ اسے جیسے تصویریں لینے کہے گی وہ بس ویسے ہی تصویریں لے گا۔پھر وہ بچکانہ ہی سہی۔

زندگی اب شاید اپنی سمت پا چکی تھی یا کم از کم یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ دھیرے دھیرے درست راستے پر مڑ رہی ہے۔

حدیر رحمانی کو وہ مل رہا تھا جس کی کمی اس نے برسوں اپنی خاموشی میں چھپائی تھی۔ وہ شخص جو محرومیوں کے سائے میں بڑا ہوا تھا، جس کے حصے میں خواہشیں کم اور ذمہ داریاں، اذیتیں زیادہ آئیں اب ایسے موڑ پر کھڑا تھا جہاں خوشی پہلی بار اتنی قریب لگ رہی تھی کہ ہاتھ بڑھا کر چھوئی جا سکتی تھی۔

ماضی واپس نہیں آسکتا تھا۔ وہ بچپن جو ادھورا رہ گیا تھا، وہ لمحے جو وقت کی گرد میں کہیں گم ہو گئے تھے۔ انہیں لوٹانا ممکن نہیں تھا۔

مگر زندگی ہمیشہ ماضی کی قیدی نہیں رہتی۔ وہ آگے بھی دیکھتی ہے اور کبھی کبھی، بہت آہستگی سے، اپنے زخموں پر نیا رنگ بھی رکھ دیتی ہے۔

شاید اب یہی وقت تھا۔ جہاں محرومیوں کی جگہ خوشیاں لے رہی تھیں۔ زندگی اگرچہ ماضی کو نہیں بدل سکتی مگر آنے والے لمحوں کو خوبصورت ضرور بنا سکتی ہے۔

نوائے دل از عائشہ اصغر

آخری قسط

اسے یہاں آکر معلوم ہوا تھا کہ حدیر نے صرف ایک گھر نہیں بسایا تھا بلکہ اس کے آنے سے پہلے اس کی ہر عادت، ہر ضرورت، ہر چھوٹی بڑی چیز کو محبت سے سمیٹ کر اس جگہ میں رکھ دیا تھا۔

اس کا وارڈروب، کچن کے برتن، شیلف پر رکھے کپ، ڈریسنگ کے سامنے رکھے اس کے میک اپ۔

ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی۔ایسے جیسے یہ گھر مدتوں سے اسی کا انتظار کر رہا ہو۔اور شاید سب سے خوبصورت بات یہی تھی اب اسے کہیں اور واپس نہیں جانا تھا۔یہ گھر اب واقعی اس کا تھا۔

انہیں یہاں آئے آج دوسرا دن تھا۔

دوپہر کی نرم روشنی بڑے شیشوں سے چھن کر لاونج میں پھیل رہی تھی۔ سفید پردے ہلکی ہوا سے آہستہ آہستہ لہرا رہے تھے۔ پھولوں کی مدھم خوشبو گھلی ہوئی تھی۔

ماہ گل لنچ تیار کر چکی تھی اور اب گلابی لان کے ہلکے سے لباس میں صوفے پر پالٹی مارے بیٹھی تھی۔ بال ڈھیلے سے جوڑے میں بندھے تھے، چند لٹیں رخساروں کے قریب نکل آئی تھیں۔ وہ

کبھی سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ دیکھتی، کبھی کارنر میں رکھا سفید واز اور پھر بے اختیار ہلکے سے مسکرا دیتی۔

ادھر حُدیر اسٹڈی میں بیٹھا مسلسل کام کر رہا تھا۔ آفس کے کئی کام پینڈنگ ہو چکے تھے۔ مزمل بہت کچھ سنبھال رہا تھا، مگر کچھ فیصلے، کچھ فائلیں، کچھ معاملات ایسے تھے جنہیں صرف حُدیر ہی دیکھ سکتا تھا۔ کئی دنوں کے وقفے کے بعد اب وہ دوبارہ اسی مصروفیت میں لوٹ آیا تھا۔

کچھ دیر بعد اسٹڈی کا دروازہ کھلا۔

وہ باہر نکلا اور لاونج میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر سیدھی ماہ گل پر جا ٹھہری۔ بس ایک لمحہ لگا تھا۔

گلابی لباس میں صوفے پر بیٹھی وہ لڑکی بالوں کا ڈھیلا سا جوڑا چہرے پر بے فکر سی نرمی اور نئے گھر کو بچوں کی طرح بار بار دیکھنے والی آنکھیں حدیر کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔

کبھی کبھی انسان کو اپنی ساری تھکن صرف ایک منظر دیکھ کر اترتی محسوس ہوتی ہے اور اس لمحے حدیر کے لیے وہ منظر ماہ گل تھی۔

وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور اسی کے برابر بیٹھ گیا۔

''اچھا لگ رہا ہے پھر نئے گھر میں ؟''۔اس کی آواز نرم تھی۔ویسی نرم جیسی صرف اپنائیت سے بھرے مردوں کی ہوا کرتی ہے۔ماہ گل نے فوراً اس کی طرف دیکھا۔آنکھوں میں چمک سی ابھری۔

''بہت اچھا''۔وہ دھیرے سے بولی پھر اگلے ہی لمحے ہونٹوں کی مسکراہٹ ذرا سی مدھم ہوئی۔''لیکن یہاں ہم اکیلے ہیں۔وہاں رشنا آپی، مناہل، میرب، فضا سب تھے''۔ان سب کا خیال آتے ہی اس کے لہجے میں ہلکی سی اداسی گھل گئی تھی۔

حدیر نے اسے چند لمحے خاموشی سے دیکھا۔پھر بہت سکون سے بولا۔''تو اس میں کون سی مشکل ہے؟ بلالیا کرنا اپنی سہیلیوں کو۔بیس منٹ کے فاصلے پر تو ہیں۔پھر کرتی رہنا جو دل چاہے''۔اتنی سی بات تھی۔اور ماہ گل کا چہرہ یکدم کھل اٹھا۔واقعی اتنی سی بات۔

وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ حدیر کے فون کی رنگ بج اٹھی۔اس نے موبائل اٹھایا۔

''ہاں کہو کامل''۔فون کان سے لگاتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولا۔اور کامل کا نام سنتے ہی ماہ گل نے فوراً ناک چڑھائی۔

''ٹھیک ہو گئے ہیں سر آپ؟ تو مجھ غریب کو ملنے کا شرف بخشے۔رحمانی ہاؤس والے تو مجھے اندر داخل ہونے نہیں دے رہے۔خود تو مزے سے خدمتیں کروا رہا ہے۔اب بتا کب گھر سے

نکل کر اس شہر کو اپنا دیدار کرواؤ گے؟"۔ دوسری طرف کامل ہمیشہ کی طرح شروع ہو چکا تھا۔ ایک ہی سانس میں شکوہ، طنز، ڈرامہ، سب کچھ۔

ماہ گل نے فوراً آنکھیں گھمائیں جبکہ حدیر کے چہرے پر ہلکی سی تھکی ہوئی مگر مانوس مسکراہٹ آگئی۔

کامل ملک واقعی ایک الگ آفت تھا۔

"تمہاری اطلاع کے لیے شہر کو اپنا دیدار کروا چکا ہوں"۔ حدیر نے مکمل سکون سے کہا۔

"اور اس وقت میں رحمانی ہاؤس میں نہیں بلکہ آشیانۂ مسز حدیر میں ہوں"۔ آخری جملہ کہتے ہوئے اس کی نگاہ آہستگی سے ماہ گل پر جا ٹھہری۔ وہ نگاہ؟ نرم۔ ٹھہری ہوئی۔ محبت سے بھری۔

اور ماہ گل کا دل ایک بار پھر عجیب سی نرمی سے بھر گیا۔

ماہ گل کے گالوں پر فوراً ہلکی سی سرخی پھیل گئی۔

آشیانۂ مسز حدیر۔

وہ لفظ جیسے سیدھا اس کے دل میں جا کر اترا تھا۔

گھر تو پہلے بھی خوبصورت تھا مگر اس ایک جملے نے اسے واقعی اپنا بنا دیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"واٹ؟ تو وہاں شفٹ ہو گیا؟"۔ اپنے کمرے میں بیٹھا کامل ایک دم سے سیدھا ہو کر بیٹھا، پھر اگلے ہی لمحے جھٹکے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

"بغیرت انسان! جانتا بھی ہے کہ مجھے ملنا ہے اور بتانے کا تردد بھی نہ کیا۔ بہت خوب۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں... اپنے کام نکلوا کر بھول جاتے ہیں"۔ وہ مسلسل جلتا بھنتا اسے سنائے جا رہا تھا۔ آواز میں خفگی بھی تھی، شکوہ بھی اور وہی پرانا ڈرامائی پن بھی جو کامل ملک کی شخصیت کا مستقل حصہ تھا۔ ادھر حدیر رحمانی پوری سکون سے فون کان سے لگائے بیٹھا تھا۔ چہرے پر ہلکی سی بے نیازی۔ آنکھوں میں مانوس سی خاموشی۔ جیسے یہ سب وہ ہزار بار سن چکا ہو۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کامل ملک یوں ہی بولتا تھا۔ ہر چھوٹی بات پر بھڑک جاتا، شور مچاتا، شکوے کرتا اور حدیر؟ وہ ہمیشہ کی طرح سن لیتا تھا۔ بغیر تپے، بغیر الجھے۔ کامل کی آدھی لڑائیاں تو اس کے سکون سے خود ہی ہار جاتی تھیں۔

"اچھا اب زیادہ ڈرامے مت کرو"۔ آخر کار حدیر نے سکون سے اسے ٹوکا۔ "ابھی آ سکتے ہو تو آ جاؤ۔ لنچ یہیں کر لینا ورنہ بعد میں ملنے کے لیے منتیں مت کرنا"۔ اپنی بات مکمل کرتے ہی اس نے دوسری طرف کا مزید ردِ عمل سنے بغیر کال کاٹ دی۔

اسے اچھی طرح معلوم تھا اس وقت کامل اپنے کمرے میں کھڑا یقیناً اسے گالیاں دے رہا ہو گا، بڑبڑا رہا ہو گا، موبائل کو گھور رہا ہو گا اور حسبِ عادت اسے بے وفا دوست ثابت کرنے میں لگا ہو گا۔

اور وہ؟

وہ ہلکی سی سانس چھوڑ کر موبائل ایک طرف رکھ گیا۔

دیتا رہے سناتا رہے۔ آخر کام ہی کیا تھا کامل ملک کا؟ چھوٹی چھوٹی باتوں پر فوراً تپ جانا پھر کچھ دیر بعد خود ہی نارمل ہو جانا۔

"آپ؟ آپ کامل کو گھر آنے کی دعوت دے دیے؟"۔ ماہ گل اسے ایسے دیکھ رہی تھی جیسے اس نے ابھی کوئی ناقابلِ معافی جرم کر دیا تھا۔

"ہاں۔ ابھی تم نے مجھے یہی کہتے سنا ہے نا"۔ حدیر نے بے نیازی سے موبائل دوبارہ اٹھایا۔

اس کا اتنا نارمل انداز دیکھ کر ماہ گل کا صدمہ اور بڑھ گیا۔

"آپ اس بدتمیز کامل کو کیسے بلا سکتے ہیں... گھر؟"۔ اس کے چہرے پر خالص خفگی تھی۔

حدیر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر آہستگی سے آگے بڑھا اور اس کی کلائی تھام کر ہلکے سے اپنے قریب کیا۔ اس کے لمس میں ہمیشہ کی طرح وہی نرمی تھی جو غصہ بھی آہستہ کر دیتی تھی۔

"مانا کہ یہ تمہارا گھر ہے، مسز"۔ وہ دھیمے، گہرے لہجے میں بولا۔ "لیکن اتنا حق تو مجھے ہو کہ میں اپنے اور تمہارے کزن کو گھر بلا سکوں۔ اور پھر بھی اگر تمہیں پسند نہیں تو میں اس سے باہر مل لیتا ہوں"۔ وہ بات ختم کرتے ہوئے مسلسل اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

ماہ گل نے فوراً ہاتھ چھڑایا اور بے چینی سے پہلو بدلا۔

"آپ جِسے چاہیں بلا سکتے ہیں... لیکن کامل"۔ اس کے لہجے میں اب بھی خفگی تھی۔ "بھول گئے؟ زبردستی ہمیں ملک ہاؤس لے گیا تھا؟"

"تم نے اسے تھپڑ بھی مارا تھا"۔ حدید نے مکمل سکون سے یاد دلایا۔ ماہ گل کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"آپ... آپ کو کیسے پتا؟"۔ وہ واقعی چونکی تھی۔ "اور ویسے بھی... وہ اس ایک تھپڑ سے زیادہ ڈیزرو کرتا تھا"۔ دانت کچکچاتے ہوئے بولی۔ حدید کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"وہ تمہیں لے گیا کیونکہ میری غیر موجودگی میں ملک کے ہر غلط قدم سے صرف وہی تمہیں بچا سکتا تھا"۔ وہ نرمی سے سمجھانے لگا۔ "اگر وہ انکار کرتا تو ملک کسی اور کو بھیج دیتا۔ اس نے تمہیں اغوا نہیں کیا تھا"۔ پھر جان بوجھ کر ہلکا سا توقف کیا۔ "اور بھولو مت تم نے بھی کامل کو کافی ٹف ٹائم دیا ہے"۔

ماہ گل نے فوراً اسے گھورا۔ ''آپ ہمارے شوہر ہیں یا اس کامل کے؟''۔وہ جھنجھلا کر تقریباً روہانسی ہو گئی۔حدیر ایک لمحے کو واقعی سٹپٹا گیا۔

''خدا کو مانو ماہی...پاگل ہو گئی ہو کیا؟''۔وہ خفت سے اسے دیکھنے لگا۔یہ لڑکی کبھی کبھی واقعی سوچے بغیر بول دیتی تھی۔

''اب ہم آپ کو پاگل بھی لگنے لگے ہیں؟''۔وہ آبرو چڑھائے خفگی سے بولی۔''کب سے اس کامل کی تعریف کیے جا رہے ہیں اور پاگل ہم ہو گئے ہیں؟''وہ اب باقاعدہ لڑنے پر اتر آئی تھی۔

حدیر نے بے بسی سے سر ہلایا۔''ارے یار، بیوی...تعریف صرف تمہاری کرتا ہوں''۔وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے بولا۔''کامل کے بارے میں بس اتنا کہہ رہا ہوں کہ وہ برا نہیں ہے''۔ماہ گل نے منہ بنایا۔

''اس کامل کو سمجھا دیجیے گا ہمیں تنگ نہ کرے''۔آخر کار وہ آدھی ناراضی کے ساتھ نیم رضامند ہوئی تھی۔

حدیر نے دل ہی دل میں شکر کی سانس لی۔

"میری بیوی کو میرے علاوہ کوئی تنگ نہیں کر سکتا"۔ وہ شرارت سے بولا ہی تھا کہ دروازے کی بیل بج اٹھی۔

وہ فوراً کھڑا ہوا اور جاتے جاتے ہلکے سے اس کی ناک کھینچ گیا۔

"حدیر!" ماہ گل فوراً چلائی۔ اور اس کے چیخنے پر حدیر کی ہنسی لاونج میں بکھر گئی۔

کھانے کے دوران بھی دونوں کی گفتگو جاری تھی۔ ڈائننگ ایریا میں ہلکی سنہری روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ شیشے کی بڑی کھڑکی سے دوپہر کی نرم دھوپ اندر آ رہی تھی جو میز پر رکھے سفید پھولوں والے واز اور چمکتے برتنوں پر پڑ کر عجیب سا سکون بکھیر رہی تھی۔ کبھی چمچوں کی ہلکی آواز ابھرتی، کبھی کامل کی بلند ہوتی آواز، اور کبھی حدیر کی دھیمی مگر پُر سکون گفتگو۔

بزنس، سیاست، کھیل... غرض وہ ہر موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ اور ماہ گل؟

وہ حیرت کا مجسمہ بنی بیٹھی تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں پھیلائے کبھی حدیر کو دیکھتی، کبھی کامل کو۔ اس کی نگاہوں کی پتلیاں حدیر کے چہرے سے ہوتی کامل کے چہرے تک جاتیں، پھر کامل سے واپس حدیر تک لوٹ آتیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اسے واقعی حیرت ہو رہی تھی۔ یہ دونوں چند ملاقاتوں میں ایسے گھل مل گئے تھے جیسے برسوں کی دوستی ہو۔

"تم میرے فرسٹ کزن ہو۔اور تم ہی میری شادی پر نہیں ہو گے۔ یہ کیا بات ہوئی؟"۔ کامل خوب خفا ہو رہا تھا۔

وہ حدیر سے عمر میں دو تین سال چھوٹا تھا مگر اس وقت واقعی کسی ضدی بچے کی طرح لگ رہا تھا۔ حدیر کی سنجیدہ اور ٹھہری ہوئی طبیعت کا وہ بھرپور فائدہ اٹھاتا تھا۔ خفا ہو کر، جذباتی ہو کر، اپنی بات منوا کر۔

حدیر نے گہری سانس لی۔ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھا۔

"سمجھو یار میں کیسے آسکتا ہوں؟ اس شادی میں شامل ہونے کے لیے ایک نہیں کئی مسئلے ہیں"۔ اس کی آواز دھیمی تھی مگر اس کے پیچھے چھپی تھکن واضح محسوس ہو رہی تھی۔

وہ کیسے اس شادی میں شامل ہو سکتا تھا؟ اس گھر کی شادی میں جس گھر میں اس کی ماں کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا تھا۔

وہ اس شادی میں کیسے شامل ہو سکتا تھا جس کی دلہن کبھی اسے پسند کرتی تھی؟

اور اس شادی میں... جہاں گھر کا سر براہ اس کی بیوی کا باپ تھا۔ باپ بھی وہ جس نے اپنی ہی بیٹی کو پیدا ہوتے ساتھ رد کر دیا تھا۔

ماہ گل کی نظریں بے اختیار حدیر کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔

وہ ہمیشہ اتنا پُر سکون لگتا تھا کہ انسان بھول جاتا تھا اس کے اندر بھی کتنی خاموش اذیتیں دفن ہیں۔

"میرے پیر نٹس نہیں ہیں۔ چاچا نے میرا خیال رکھا۔ لیکن پھر بھی مجھے کوئی تم جیسا نہیں ملا"۔ کامل یکدم سنجیدہ ہو گیا تھا۔ آواز کی شوخی مدھم پڑ گئی۔ "ابھی تو مجھے کوئی اپنا ملا ہے۔ میرا بھی کوئی بڑا بھائی ہے۔ میرے اتنے اہم دن میں تم میرے ساتھ نہیں ہو گے؟" وہ واقعی جذباتی ہو کر حدیر کو کمزور کرنے لگا تھا۔ حدیر نے اسے دیکھا۔

"تم بہت باتیں منوانے لگے ہو"۔ حدیر نے شکایتی انداز میں کہا۔ کامل ہنس پڑا۔

"اب تم سے نہیں کہوں گا تو اور کس سے کہوں؟"۔ پھر بنا وقفہ لیے فوراً اگلی فرمائش بھی رکھ دی۔ "اور ہاں، مجھے میری شادی کے گفٹ میں کار کا نیو ماڈل چاہیے"۔

حدیر نے آبرو اچکا کر اسے "واہ" والے انداز میں دیکھا۔

''یہ تم ذرا مجھے بتاؤ تحفہ لینے والے کی مرضی سے دیا جاتا ہے یا دینے والا اپنی مرضی کا دیتا ہے؟''۔ طنزیہ انداز میں اسے گھورا۔

''میرا تو ماننا ہے جس کو چیز استعمال کرنی ہے، اس کی مرضی سے دو''۔ چکن کا پیس منہ میں رکھتا وہ انتہائی بے نیازی سے گویا ہوا۔

ماہ گل اب تک خاموش بیٹھی دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

اور پھر...

''بس!'' اچانک ہی ٹیبل پر پلیٹ پٹختی وہ کھڑی ہوئی تھی۔

اس کی تیز آواز پر دونوں چونک کر اسے دیکھے تھے۔

وہ آنکھوں میں طیش لیے دونوں کو ایسے گھور رہی تھی

''کیا ہوا؟''۔ حدیر حیرانی سے پوچھ بیٹھا۔ اور غضب ہی ہو گیا جو پوچھ بیٹھا تھا۔ پاگل تھا۔ دیکھ بھی رہا تھا وہ غصے میں تھی۔

''کیا ہوا؟''۔ غصے سے لفظ چباتی وہ اس کے الفاظ دہرائی۔ ''اب یہ بھی ہم بتائیں حدیر؟''۔

حدیر اور کامل نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا، پھر ہلکے سے کندھے اچکا دیے۔ یہ پھولن دیوی اچانک کیوں بھڑک اٹھی تھی؟ اللہ ہی خیر کرے۔

Clubb of Quality Content

''آپ دونوں کو ہم یہاں بیٹھے ہوئے نظر آرہے ہیں؟''۔گھورتے ہوئے تیز لہجے میں سوال کیا۔''کب سے دیکھ رہے ہیں ہم دونوں آپس میں ہی لگے ہیں۔تو ہمیں کیوں بلوایا کھانے کے لیے؟اس تکلف کی بھی کیا ضرورت تھی۔ہم اکیلے کھا لیتے''۔کب سے برداشت کرتے کرتے آخر کار وہ پھٹ پڑی تھی۔حدیر کے لب بے اختیار ''او'' کے انداز میں ڈھلے۔

اب معاملہ سمجھ آیا تھا۔وہ نظرانداز ہونے پر خفا ہو بیٹھی تھی۔اور شاید واقعی انجانے میں وہ اسے نظرانداز کر بیٹھا تھا۔آہ حدیر... کیا کر بیٹھے؟

''ماہی تمہارے بغیر ہم کھانا کیسے کھا سکتے ہیں؟''۔دھیمے لہجے میں کہتا وہ فوراً اس کا ہاتھ تھام گیا۔

''جیسے اب سے کچھ دیر پہلے کھا رہے تھے''۔فوراً تیز لہجے میں جواب آیا۔کامل کی ہنسی چھوٹی تھی۔

''تیرے شکووں کی وجہ سے ہوا''۔حدیر دھیمی آواز میں کہتے ہوئے کامل کو گھور گیا۔

''تم اس کی حرکتیں بھی تو دیکھو ماہی۔عجیب ضد پکڑ لی ہے''۔وہ بڑی صفائی سے معاملے کا رخ کامل کی طرف موڑ گیا۔فی الحال بچنے کا یہی بہتر طریقہ تھا۔

اور واقعی ماہ گل کی نظریں فوراً کامل کی طرف مڑ گئی تھیں۔

''اسے تو گنجا کر دیں گے ہم، پھر کرتا رہے شادی''۔اس بار تو پوں کا رخ واقعی کامل کی جانب ہوا تھا۔

''اے ے! میرے بال درمیان میں کہاں سے آ گئے؟''۔کامل فوراً محبت سے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

''اور یہ آپ دونوں ایک بات بتائیں؟''۔ماہ گل نے آنکھیں ذرا سی سکیڑتے ہوئے دونوں کو باری باری دیکھا۔چہرے پر خفگی اور تجسس کا عجیب سا ملا جلا تاثر تھا۔''یہ جو کب سے باتوں میں مصروف ہیں لگتا تو نہیں کہ پہلی مختصر ملاقات کے بعد یہ دوسری ملاقات ہے''۔وہ اب پوری طرح تفتیشی افسر بنی بیٹھی تھی۔ کبھی کامل کو گھورتی، کبھی حدیر کو۔

''کب سے جانتے ہیں آپ دونوں ایک دوسرے کو؟''۔اس بار اس نے بازو باندھتے ہوئے باقاعدہ پوچھ گچھ والے انداز میں سوال کیا۔

حدیر نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔ گویا ابھی ایک اور قصہ باقی رہ گیا تھا۔جب کہ کامل؟ وہ تو اس کی حالت دیکھ کر مزے لے رہا تھا۔ہونٹوں پر کھلی ہوئی مسکراہٹ تھی۔''جانتا ہوں اس گدھے کو سال پہلے سے''۔حدیر سکون سے بولا۔اور اس ایک جملے نے ماہ گل کا سکون غارت کر دیا۔

''کیا؟''۔ وہ یکدم سیدھی ہو کر بیٹھی۔ ''کیا مطلب سال پہلے سے؟ تو اس بدتمیز کے ساتھ آپ بھی شامل تھے؟''۔

''گل... بڑا ہوں تم سے یار، تھوڑی عزت کرلو''۔ کامل کے اپنے ہی دکھ تھے۔ انداز ایسا تھا جیسے ابھی ہاتھ جوڑ کر رحم کی اپیل کردے گا۔

''تم عزت کروانا چاہو گے تو کریں گے نا''۔ اور یہ جواب مکمل طمانچے کی صورت کامل کی طرف آیا تھا۔ حدیر نے فوراً مسکراہٹ چھپانے کے لیے گلاس ہونٹوں سے لگالیا۔ مگر آنکھوں میں اب بھی ہنسی تیر رہی تھی۔

''گل... کپ کیک، چاکلیٹس، جیلیز، چپس، بلے بلے کے باکس لایا تھا۔ گاڑی میں رکھی ہیں چیزیں۔ واپسی میں دینے کا سوچا تھا۔ اب لے جاؤں گا سب''۔ اور یہ وار سیدھا ماہ گل کی کمزوری پر ہوا تھا۔ غصہ واقعی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''کامل! تو پہلے کیوں نہیں بتایا؟''۔ لہجہ فوراً شیریں ہو گیا۔ ''اور کسی کے گھر میں داخل ہوتے ہیں تو پہلے چیزیں دیتے ہیں، واپس جاتے ہوئے نہیں''۔ دھیمے لہجے میں جتانا بھی نہ بھولی۔

کامل نے فوراً ناک اونچی کی۔ ''تم اب بھول جاؤ''۔ وہ دینے سے مکرنے لگا۔

"ٹھیک ہے پھر تم اپنی شادی بھی بھول جانا۔ تمہاری منگیتر کو سب سے پہلے جا کر بتاؤں گی کیسے تم نے ہمیں اغوا کیا تھا"۔ وہ انتہائی پرسکون لہجے میں کہتی اسے تڑپا گئی۔

"یہ تم دونوں میاں بیوی کیوں ہاتھ دھو کر میری شادی کے پیچھے پڑ گئے ہو؟"۔اس کی دہائی پر حدیر بے اختیار ہنس پڑا تھا۔

"اور آپ ہنسیں نہیں"۔ فوراً انگلی اٹھاتی وہ حدیر کو گھوری۔ حدیر کی ہنسی فوراً تھم گئی۔ چہرے پر وہی معصوم سی بیچارگی آگئی۔

"ذرا ہمیں بتائیں کیسے ملے کامل سے؟ جب تک دونوں بتائیں گے نہیں، یہاں سے ہلے گے نہیں"۔ رعب ڈالتی آواز میں وہ بولی۔اور سامنے بیٹھے وہ دو مرد... کیا واقعی اس لڑکی کی بات ٹال سکتے تھے؟ نہیں۔ بالکل نہیں۔

چند لمحوں کے لیے ماحول ذرا سا خاموش ہوا۔

کھڑکی سے آتی دوپہر کی نرم روشنی حدیر کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔اس کی بھوری آنکھوں میں ایک گہرا سا سکون اترا ہوا تھا۔

"میں بابا کے قاتل کو تلاش کر رہا تھا۔اور کامل بھی"۔ حدیر اپنے دھیمے، پُراثر لہجے میں بولنا شروع ہوا۔ "ہم دونوں میں یہی بات یکساں تھی۔اور جب یہ ایک دن ملا تو یہ بھی تنہا تھا اور میں

Clubb of Quality Content

بھی۔دونوں کا مقصد بھی ایک تھا۔ تلاش بھی ایک تھی۔بس راستے ملتے گئے اور منزل پر پہنچ گئے”۔ماہ گل خاموشی سے سنتی رہی۔

”یہ میرا وہ کزن ہے جو ہر لمحہ میرے ساتھ کھڑا رہا“۔حدیر نے آنکھوں میں نرمی لیے کامل کو دیکھا۔اور کامل کی شوخ آنکھیں بھی اس لمحے واقعی نرم پڑ گئی تھیں۔

”اور یہ میرا وہ بھائی ہے جس کی چاہ مجھے بچپن سے رہی تھی“۔کامل دھیمے لہجے میں بولا۔

”جس کے آگے میں ضد کر سکوں۔۔۔اپنی منوا سکوں۔۔۔جسے میں تنگ کر سکوں“۔اس کے لہجے،آنکھوں،آواز سب میں محبت اتر آئی تھی۔

”آپ دونوں چھپے رستم نکلے۔اتنا تو کوئی اپنی گرل فرینڈ سے بھی محبت نہیں چھپاتا ہو گا جیسے آپ دونوں نے چھپائی“۔

Clubb of Quality Content

”ماہی...میری جان،بولنے سے پہلے سوچا تو کرو“۔حدیر پھر سے اس کے منہ پھٹ انداز پر بیچارگی سے اسے دیکھنے لگا۔

کہاں وہ سنجیدہ سا انسان اور کہاں یہ لڑکی؟جو ہر دوسرے لمحے اسے شرمندہ کر دیتی تھی۔

کامل اس کی حالت پر کھل کر ہنسا تھا۔وہ ناک چڑھا کر بات نظر انداز کر گئی۔کامل کی جانب متوجہ ہوئی

اور پھر ماہ گل کو ساتھ ملا کر حدیر کو شادی میں شامل ہونے کے لیے منانے لگا۔

اور ماہ گل؟

وہ تو ویسے ہی سادہ دل تھی۔ صاف دل۔ معصوم۔ کامل کے چند جذباتی جملے، چند نادیدہ آنسو اور تھوڑی سی شاپنگ کی لالچ اور وہ فوراً اس کے ساتھ مل گئی۔

اب دونوں ایک طرف تھے۔ اور بیچ میں پھنسا حدیر رحمانی۔ وہ دونوں مسلسل بولے جا رہے تھے۔ اور حدیر؟ وہ کبھی کامل کو دیکھتا، کبھی ماہ گل کو پھر بے اختیار مسکرا دیتا۔ شاید برسوں بعد اس کے حصے میں یہ منظر آیا تھا۔ اپنے لوگ۔ اپنا شور۔ اپنی ضدیں۔ اپنی محبتیں۔

تین کزن کا بچھڑا ہوا تکون آہستہ آہستہ مکمل ہو رہا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کامل کے جانے کے بعد گھر کی فضا کچھ دیر کو نسبتاً خاموش ہو گئی تھی۔ وہ ہلکی سی تھکن کے ساتھ اپنے کمرے میں آکر لیٹی تھی۔ کمرے میں ہلکی سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ مدھم پھیلی روشنی نیند کے اس نرم سے ماحول کو اور بھی گہرا بنا رہی تھی۔

ماہ گل گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بال تکیے پر بکھرے ہوئے، چہرے پر وہ معصوم سا سکون جو صرف بے فکری نیند میں اترتا ہے۔

حدیر کچھ دیر تک اپنے کام میں مصروف رہا، پھر جیسے ہی تھوڑی سی فرصت ملی، وہ سیدھا کمرے کی طرف آیا۔ کچھ دیر وہ اسے ہی دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے اس کے قریب آیا، اس کی نیند کو بھی جھنجھوڑنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"ماہی... جلدی سے اٹھو۔ ہم باہر جا رہے ہیں"۔ اس کی آواز کمرے میں نرم سی لہروں کی طرح پھیلی، مگر وہ جو نیند کے آغوش میں جا رہی تھی، صرف ہلکی سی جنبش کے ساتھ اور زیادہ سکون میں چلی گئی۔ حدیر نے والٹ اور کیز ڈریسنگ سے اٹھائے اور چند قدم آگے بڑھ آیا۔

"ماہی... اٹھو، بعد میں آ کر سونا"۔ اس بار اس نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔، مگر نیند کی تہہ میں ڈوبی ماہ گل تک پوری طرح نہ پہنچ سکی۔ وہ بس ہلکی سی کروٹ لے کر اور گہری نیند میں چلی گئی۔ حدیر نے ہلکی سی سانس خارج کی۔

"ماہی... اٹھ جاؤ یار کتنا سوتی ہو؟"۔۔

ماہ گل نے آنکھیں کھولنے کے بجائے مزید زور سے بند کر لیں، جیسے نیند سے سودا کر لیا ہو کہ کسی قیمت پر نہیں چھوڑنی۔

"آپ جائیں نا" وہ تکیے میں منہ چھپائے، بالکل مدھم سی آواز میں بولی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حدیر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے نرمی سے دونوں بازوؤں سے اسے تھاما اور آہستہ سے بٹھا دیا۔ ماہ گل یکدم ہڑ بڑا کر چونکی۔

"کیا ہے؟" وہ نیند اور خفگی کے ملے جلے انداز میں بولی۔ حدیر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

"میں نہیں، ہم دونوں جا رہے ہیں آئس کریم کھانے"۔ وہ جیسے فیصلہ سنا رہا تھا۔ ماہ گل نے آنکھیں رگڑیں، پھر چہرہ بگاڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئے، اور صبح سے اتنا کام بھی کر رہے ہیں باہر جانے کے بجائے آرام کریں نا"۔ وہ پھر سے لیٹنے کی کوشش کرنے لگی۔ حدیر نے فوراً اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے روک لیا۔ ماہ گل نے آنکھیں ملتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، چہرے پر وہی نیند بھری سی خفگی تھی جو کسی بچے کی شکایت جیسی لگ رہی تھی۔

"ماہی، میں ٹھیک ہوں۔ تم بس جلدی سے منہ دھو آؤ"۔

ماہ گل نے ایک لمبی سی ناک بھوں چڑھائی، مگر پھر آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے زبردستی بھیجتا وہ خود بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس کی نیند خراب ہونے پر افسوس ہوا تھا۔ اور جس کی وجہ سے خراب کرنی پڑی انہیں دل ہی دل میں سنایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

جانے سے پہلے ماہ گل نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''اب اس وقت آئس کریم کھانے کا کون سا شوق چڑھ گیا ہے؟''اس کی آواز میں نیند کی شکایت بھی تھی اور ہلکی سی حیرت بھی۔

''آئس کریم کھانے کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے؟میرا دل چاہ رہا تھا تمہارے ساتھ اور تم نخرے دکھا رہی ہو''۔اس کے انداز میں ہلکی سی شکایت بھی تھی اور مکمل سا اپنا پن بھی۔اس کی بات پر ماہ گل پل بھر کو رکی۔پھر ہونٹوں پر ہلکی سی،بہت ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔وہ کچھ نہ بولی بس سر ہلا کر واش روم کی طرف چل دی۔

''اب تو خوش ہوں گے آپ؟ایک بیٹا دنیا سے چلا گیا۔دوسرا پردیس کا ہو گیا اور اب پوتا وہ بھی یہ گھر چھوڑ گیا''۔اماں سائیں کی آواز میں شکوہ بھی تھا،درد بھی،اور برسوں سے دبی ہوئی وہ تھکن بھی جواب لفظوں میں بہنے لگی تھی۔حدیر کے جانے کے بعد سے جیسے اس گھر کی دیواروں پر ایک عجیب سا سنّاٹا اتر آیا تھا۔جب سے وہ گیا تھا تب سے اماں سائیں بار بار اپنے دل کا بوجھ شہاب رحمانی پر غصے کی صورت اتار رہی تھیں۔

کمرے میں شام کی مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کھڑکی کے باہر ڈھلتا سورج آسمان کو ہلکے نارنجی رنگ میں رنگ رہا تھا، مگر اندر کی فضا بوجھل تھی۔

"کتنی بار کہا تھا..." اماں سائیں نے دکھ سے سر ہلایا۔ "اس لڑکی کی بے جا ضد پر گھر کو تباہ مت کریں۔ پہلے چلو کم عمر تھی، نادان تھی... مگر اب؟ اب عمر کے اس حصے میں بھی وہی انا، وہی ضد"۔ ان کی آواز میں ناراضی سے زیادہ تھکن تھی۔

"اس کے ساتھ غلط ہوا تھا تو اس نے احتجاج کیا تھا۔ اس میں انا کہاں سے آ گئی؟"۔ شہاب رحمانی نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔

اماں سائیں تلخی سے ہنس دیں۔ "کبھی جو بھتیجی کے علاوہ بھی آپ کو کوئی صحیح لگا ہو۔ اب تو آپ بھی جانتے ہیں بشریٰ کی ضد نے اس گھر کو توڑا ہے"۔ ان کے لفظوں کے ساتھ جیسے برسوں کا جمع دکھ بھی باہر آ رہا تھا۔

"کیسے باپ ہیں آپ؟ ایک بیٹا برسوں سے پردیس میں ہے، پلٹ کر آیا نہیں اور آپ کو آج تک پرواہ نہ ہوئی۔ اور اب پوتا..."۔ ان کی آواز بھرّا گئی۔ "میں شروع میں اسے سمجھانے لگی کہ وہ شوہر ہے ایسا مت کرے لیکن آپ درمیان میں آ کر اسے بے جا شے دینے لگے۔ آپ نے کبھی اسے روکا تک نہیں۔ ہمیشہ ہر بات میں بشریٰ کا ساتھ دیا۔ جب سمجھانے کا وقت تھا تب بھی

آپ نے ہر بار اسے ہی صحیح ٹھہرایا"۔اتنے برسوں سے ضبط کیے ہوئے شکوے شاید آج حد سے بڑھ گئے تھے۔اماں سائیں کی آواز کانپ رہی تھی، مگر لفظ تیر کی طرح نکل رہے تھے۔

شہاب رحمانی خاموش بیٹھے رہے۔پہلی بار شاید ان لفظوں کا بوجھ ان کے اندر کہیں اتر رہا تھا۔ کمرے کی خاموشی اب پہلے جیسی مانوس نہیں لگ رہی تھی وہ کاٹنے لگی تھی۔

"بشریٰ کی عادت ہے۔اپنی بات منوانا جانتی ہے۔جیسے پہلے تم نے کچھ نہیں کہا اب بھی کچھ نہیں کہو گی۔اسے کچھ مت کہنا"۔یہ تنبیہ تھی مگر پہلے جیسی مضبوط نہیں۔اماں سائیں نے ایک لمحہ انہیں دیکھا۔پھر جیسے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا۔

"ٹھیک ہے پھر آپ رہیں اپنی بھتیجی کے ساتھ"۔ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔"اب میرا بیٹا بھی واپس آئے گا اور میں بھی اس گھر سے چلی جاؤں گی۔نہ میرے بیٹے کو اس نے کبھی سکون سے رہنے دیا اور اب پوتا بھی"۔وہ جملہ مکمل نہ کر سکیں۔غصے اور دکھ کے ملے جلے عالم میں وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئیں۔دروازہ بند ہونے کی آواز کے بعد کمرے میں ایک گہری خاموشی پھیل گئی۔

شہاب رحمانی وہیں بیٹھے رہ گئے۔خاموش۔ساکت۔

باہر مغرب اتر رہی تھی۔ روشنی آہستہ آہستہ مدھم ہو رہی تھی، اور اس دھند لکے کے ساتھ ان کے اندر بھی ایک عجیب سا خالی پن اترنے لگا تھا۔ کچھ تھا جو شاید برسوں پہلے محسوس ہونا چاہیے تھا۔ مگر بعض احساسات انسان کو تب آتے ہیں جب بہت کچھ ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔

واپس آئے تو لاؤنج میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

"ایک لائٹ تو آن کر کے گئے تھے ہم..." وہ آہستہ سی حدیر کی جانب دیکھ کر بولی، حیرت ابھی بھی اس کی آواز میں بکھری ہوئی تھی۔ حدیر کندھے آچکا گیا۔ قدم دونوں مزید اندر بڑھائے تو دیواروں پر لٹکے غبارے ہلکی سی ہوا سے سرسراتے دکھے اور سینٹرل ٹیبل کے گرد رکھی چھوٹی چھوٹی لائٹس ایک نرم سا سنہرا اجالا بکھیر رہی تھیں۔

اور پھر اچانک ہی پارٹی پاپر پھٹے۔

رنگ برنگے کاغذ اس کے گرد بکھر گئے اور لائٹس پوری طرح آن ہو گئیں۔

"وی آر سوری بھابھی"۔ ایک ساتھ کئی آوازیں گونجیں۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ماہ گل ایک لمحے کو ساکت رہ گئی۔آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔سامنے رشنا، فضا، مناہل، میرب، ریان، ہادی لاریب، مزمل سب ایک قطار میں کھڑے تھے۔دیوار پر بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا'We Are Sorry Bhabi'۔

اس کی نظریں آہستہ آہستہ پورے ہال میں گھومیں۔سینٹر ٹیبل پر رکھا کیک، تحائف کے ڈبے،اور سب کے چہروں پر وہ شرمندگی بھری نرمی اور پھر اس کے اندر کچھ پگھل سا گیا۔

”یہ...یہ سب کیوں؟“۔وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی۔چہرے پر حیرانی لیے۔

”بھابھی اس دن آپ ہرٹ تھی اور ہم سب نے آپ کو اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا“۔مناہل فوراً اس کے قریب آئی اور ایک چھوٹا سا گفٹ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

”ہمیں معاف کر دیں آئندہ ہم ہمیشہ آپ کے ساتھ ہوں گے“۔فضا آگے بڑھتی ایک تحفہ اس کی جانب بڑھائی۔

مزمل آگے آیا۔اس کی نظر میں وہی سنجیدگی اور نرمی تھی جو بڑے بھائیوں جیسی ہوتی ہے۔

اس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر ماہ گل کے سر پر رکھا۔

”بھابھی...ہم نے لاپرواہی کی۔حدیر کی غیر موجودگی میں آپ کا خیال ہمیں رکھنا چاہیے تھا۔معذرت“۔

ماہ گل کے ہاتھ میں تحفے آہستہ آہستہ بڑھتے جا رہے تھے اور اس کا دل ان سب احساسات سے بھرنے لگا۔

وہ بس انہیں دیکھتی رہی۔ آنکھیں آہستہ آہستہ بھیگنے لگیں۔ اور پیچھے کھڑا احدیر رحمانی خاموشی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی" وہ آہستہ آہستہ بولی، آنکھیں سب کے چہروں پر ٹھہرتی رہیں۔ "آپ لوگوں کی کوئی غلطی نہیں تھی اس سوری کی بھی ضرورت نہیں۔ غلطی ہماری بھی تھی ہم جذبات میں آکر بغیر بتائے چلے گئے تھے"۔ آواز میں نمی اتر آئی۔

"کچھ غلطی میری بھی ہے تم نے مجھ سے کہا اور میں نے بھی فوراً اجازت دے دی"۔ رشنا فوراً آگے بڑھی۔ اس کے چہرے پر نرمی اور اپنائیت تھی۔ اس نے ماہ گل کو ہلکے سے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"ہریرہ بھائی کہاں ہیں؟" حدیر نے پوچھا۔ رشنا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"آتے ہوں گے" رشنا نے جواب دیا۔ "جب سنا کہ حدیر کے گھر جا رہے ہیں تو فوراً اپنا سارا کام چھوڑ کر تیار ہو گئے۔ اب باربی کیو کا سامان لینے گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے آج تو حدیر کے گھر میں سیخیں بھی لگیں گی اور محفل بھی جمی گی"۔ اس کی بات پر ہلکی سی ہنسی پھیل گئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اور حدیر رحمانی

وہ خاموش کھڑا ارشا کا مطمئن پر سکون چہرہ دیکھتا ایک لمحے کو مسکرا دیا۔

"بھابھی، چلیں گھر دکھائیں؟" میرب نے بے تابی سے آگے بڑھ کر ماہ گل کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں ہاں، آؤ... چلیں"۔ ماہ گل نے نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا۔ وہ آہستہ آہستہ چل پڑی، ایک ہاتھ میں تحائف تھے اور دوسرے میں میرب کی گرفت تھی۔ پیچھے سے سب کی آوازیں، ہلکی ہنسی اور باتوں کی گونج ساتھ چل رہی تھی۔

کمرے ایک ایک کر کے روشن ہونے لگے تھے۔ دیواروں پر لگی پینٹنگز، سادہ مگر خوبصورت فرنیچر، اور ہر کونے میں وہ نفاست جو حدیر کے انتخاب کی خاموش گواہی دے رہی تھی۔

مناہل کسی چیز پر ہنس پڑی، اور رباب کسی کمرے کی سجاوٹ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ ماہ گل سب کو دیکھ رہی تھی کبھی کسی کے تبصرے پر مسکرا دیتی، کبھی خود بھی کسی کونے کو چھو کر دیکھ لیتی، جیسے اب بھی یقین کر رہی ہو کہ یہ سب واقعی اس کی زندگی کا حصہ ہے۔

اور پھر کچھ ہی دیر میں پورا گھر قہقہوں، باتوں، شرارتوں اور ہلکی سی ہلچل سے بھر گیا۔

"تم آخر اپنی کر دکھائے نا"۔ ہریرہ کی آواز میں ہلکی سی شکایت تھی، مگر آنکھوں میں اطمینان کی تہیں تھیں۔ وہ دونوں لان میں کھڑے چائے کے کپ تھامے ہوئے تھے، اور سامنے شیشے کے پار پورا گھر جیسے زندگی سے بھر چکا تھا۔

اندر لاؤنج میں شور اپنی انتہا پر تھا۔ کبھی کسی کے قہقہے بلند ہوتے، کبھی مناہل کی تیز بات پر سب ہنس پڑتے، کبھی کشن ایک دوسرے پر پھینک کر چھوٹی سی جنگ چھڑ جاتی۔ دیواروں پر لگی مدھم روشنی میں یہ سب منظر کسی نرم سی یاد کی طرح پھیل رہا تھا بے ترتیب، مگر دلکش۔

حدیر نے کپ ہلکا سا گھمایا اور پھر نظریں اندر جھولتے ہوئے مسکراتے چہروں پر جمادیں۔

"کچھ چیزیں ضروری ہوتی ہیں بھائی"۔ اس کی آواز میں وہی ٹھہرا ہوا سکون تھا جو اکثر اس کے فیصلوں کے پیچھے چھپا ہوتا تھا۔ "میرا اور ماہ گل کا اس گھر سے چلے جانا ہی بہتر تھا۔ ہمارے لیے بھی اور وہاں کے لوگوں کے لیے بھی۔ میں اگر ضد پر رہتا تو صرف میرا نہیں، سب کے سکون کو بکھر جاتا"۔

ہریرہ نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکی سی حیرت کے ساتھ تعریف تھی۔

اس کے چہرے پر کوئی تکبر نہیں تھا، نہ ہی خود کو درست ثابت کرنے کی ضد بس ایک ایسی

خاموش سمجھداری تھی جو عمر سے بڑی لگتی تھی۔ کتنا سمجھدار تھا حدیر؟ اپنا نہیں سب کا سوچتا تھا۔ معاملات کو سمجھداری سے حل کرتا تھا۔ ہریرہ کی آنکھوں میں ہلکی سی ستائش ابھری۔

حدیر نے ایک لمحے کو گہری سانس بھری، پھر ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی۔

"اور یوں بھی میرے یہاں آنے سے کوئی فرق تو نہیں پڑے گا۔ بیس منٹ کے فاصلے پر ہے۔ اچھا ہے ان سب کے بھی مزے ہوتے رہیں گے۔ کبھی یہاں ہونگے تو کبھی وہاں"۔ اس کی نظر شیشے کے پار چلی گئی، جہاں ماہ گل ہنستے ہوئے کسی بات پر سب کو سنا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں تحفوں کے پیکٹس تھے جو وہ ایک ایک کر کے کھول رہی تھی۔

"منا تو پاگلوں کی طرح خوش ہے۔ کہہ رہی تھی اب دو دو گھر ہیں اس کے۔ اس نے تو پہلے ہی سوچ لیا ہے ویک اینڈ یہاں گزارا کرے گی"۔ ہریرہ ہنس کر بتایا تو حدیر بھی مسکرا دیا۔

جب مسئلے خاموشی سے سلجھنے لگیں، جب رشتوں میں سکون واپس اترنے لگے، تو انا اور ضد کو ایک طرف رکھ کر فیصلے کر لینے چاہئیں۔ آخر جیت ہمیشہ چیخنے والوں کی نہیں، کبھی کبھی خاموشی سے رشتے بچا لینے والوں کی بھی ہوتی ہے۔

پھر دونوں اندر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"آج آپ سب یہی رک جائیں"۔اس کی آواز اندر کے شور میں گھل گئی۔"کل اتوار ہے، ساتھ ناشتہ کریں گے"۔حدیر ہریرہ کو رکنے پر آمادہ کرنے لگا۔

"مناہل بچے یہاں آؤ"۔حدیر کی آواز لاؤنج کے ہلکے سے شور کے بیچ نرم سا وقفہ بن کر ابھری۔ قہقہوں، باتوں اور چائے کی خوشبو میں گھرا ہوا وہ لمحہ اچانک اس ایک پکار پر ٹھہر سا گیا۔ مناہل جو ابھی سب کے ساتھ کسی بات پر ہنستے ہوئے جھوم رہی تھی، فوراً پلٹی۔

"جی بھائی؟"۔وہ تیزی سے قدم بڑھاتی اس کے پاس آگئی۔چہرے پر وہی چمک، وہی بے ساختہ سی شفاف خوشی۔

"یہ لو، جو بھی لینا ہے لے آؤ"۔حدیر نے جیب سے کارڈ نکالا اور آرام سے اس کی طرف بڑھا دیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مناہل نے کارڈ کو دیکھا، پھر حدیر کو اور اگلے ہی لمحے ہلکی سی ناراضی اس کے چہرے پر آگئی۔

"اور میں نے کیا کہا تھا؟"۔وہ ناک چڑھاتے ہوئے بولی۔"یہ میں آپ سے تب لوں گی جب آپ میرے ساتھ چلیں گے"۔

اس کی بات پر ایک لمحے کو فضا میں ہلکی سی خاموشی ٹھہر گئی، پھر حدیر کے چہرے پر وہی ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی پر سکون، مان لینے والی۔

"ہاں... تو پھر چلو"۔بس ایک جملہ۔اور مناہل جیسے لمحے بھر کے لیے ساکت رہ گئی۔

"ہیں؟ واقعی؟ سچی؟"۔اس کی آواز اچانک اونچی ہو گئی، حیرت، خوشی اور بے یقینی سب ایک ساتھ اس کے لہجے میں گھل گئے۔آنکھیں جیسے یقین اور خواب کے درمیان جھولنے لگیں۔

حدیر نے بس سر ہلایا۔اور یہی کافی تھا۔

مناہل نے ایک دم حدیر کی طرف دیکھا، پھر ہلکی سی شرارت کے ساتھ آنکھیں سکیڑیں اور مسکرائی۔

"پھر تو"۔وہ چمکتے لہجے میں بولی۔"یہ جو کچھ جس کی وجہ سے ہو رہا ہے انہیں تو لازمی لے جانا چاہیے"۔

حدیر نے ایک لمحہ اسے دیکھا جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو، پھر اگلے ہی پل اس کی آنکھوں میں معنی اتر آئے۔وہ ہلکا سا ہنسا وہی خاموش سا، بے ساختہ سا۔مناہل پہلے ہی پلٹ چکی تھی۔

"ماہ گل بھابھی...بھابھی یہاں آئیں"۔اس کی آواز پورے لاؤنج میں خوشی کی ایک تازہ لہر کی طرح پھیل گئی۔

ماہ گل، جو ابھی کچھ فاصلے پر کھڑی رشنا کی باتیں سن رہی تھی، اچانک چونکی۔ پھر ہلکی سی ہنسی کے ساتھ اس طرف بڑھنے لگی۔ حدیر نے ایک لمحے کو اسے دیکھا وہ چہرا جواب آہستہ آہستہ اس گھر کی رونق بن چکا تھا۔اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔

ٹھیک کہہ رہی تھی مناہل یہ سب کچھ اس ایک چہرے کی وجہ سے تو ہو رہا تھا۔اس چہرے پر تو وہ سو بار قربان۔

اور پھر ایک کے بعد ایک سب اٹھنے لگے۔ کسی نے بیگ سنبھالا، کسی نے چابیاں، اور کسی نے بس ہنستے ہوئے ایک دوسرے کو چھیڑا۔ لمحوں میں وہ پورا ہجوم ایک چھوٹی سی خوشی کے سفر کے لیے تیار ہو چکا تھا۔گاڑیوں کے دروازے کھل رہے تھے، ہوا میں ہلکی سی ٹھنڈک تھی۔

ان کزنز کی ایسی آؤٹنگ بہت عرصے بعد ہو رہی تھی۔ اسی لیے ہر چہرہ الگ ہی چمک لیے ہوئے تھا۔ کسی کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی، کوئی بے وجہ ہی سب کو چھیڑے جا رہا تھا، اور کوئی بس خاموشی سے یہ منظر دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

"ماہی۔۔۔مجھے کچھ دنوں کے لیے آفس کے کام کے سلسلے میں ملک سے باہر جانا ہو گا۔ تو تم مینیج کر لو گی؟ اکیلے رہ لو گی؟ مام کے آنے میں بھی ابھی کچھ وقت ہے اور میرا جانا بھی ضروری ہے"۔

رات کا نرم سا سکون کمرے میں پھیلا ہوا تھا۔ بیڈ کے ساتھ جلتی وارم لائٹ کی ہلکی سنہری روشنی، سفید پردوں پر خاموشی سے بکھر رہی تھی۔ ماہ گل آرام سے بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ گود میں لیپ ٹاپ رکھا تھا جہاں اس کی پسندیدہ سیریز چل رہی تھی۔ آج کل اس کی دنیا جیسے چھوٹی چھوٹی نرم چیزوں میں سمٹ گئی تھی کتابوں کے خوشبو بھرے صفحات، رات گئے دیکھی جانے والی سیریز، اور صبح کے وقت اپنے پودوں سے باتیں کرنا۔

حدیر کمرے میں داخل ہوا تو اس کی نظریں بے اختیار اسی پر ٹھہر گئیں۔ گلابی نائٹ سوٹ میں، کھلے بالوں کے ساتھ، وہ عجیب سی سکون بھری لگ رہی تھی۔۔۔ گھر جیسی۔

مگر اس کے اگلے جملے نے جیسے اس سکون میں ہلکی سی دراڑ ڈال دی۔

"کیا؟ لیکن کیوں جا رہے ہیں؟"۔ وہ فوراً ویڈیو پاز کرتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ سیاہ آنکھوں میں ایک دم سے سنجیدگی اتر آئی تھی۔ حدیر کے زخمی ہونے کے بعد سے وہ پہلے جیسی نہیں رہی

تھی۔اب ذرا سی بات بھی اس کے دل میں انجانا سا خوف جگا دیتی تھی۔اسے ہر وقت کسی ان دیکھی جدائی کا ڈر لگا رہتا تھا۔حدیر آہستگی سے اس کے قریب آ بیٹھا۔

''بہت ضروری کام ہے اور مجھے ہی جانا ہے۔لیکن میں کوشش کروں گا دو روز میں ہی واپس آجاؤں''۔اس نے نرمی سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔اس کے ہاتھ ہمیشہ کی طرح ٹھنڈے تھے اور حدیر کو معلوم تھا یہ ٹھنڈک صرف موسم کی نہیں۔

''آپ نہیں جائیں نا''۔اس بار آواز بہت دھیمی تھی۔اتنی دھیمی جیسے لفظ لبوں سے نہیں دل سے نکلے ہوں۔آنکھوں میں اداسی صاف جھلک رہی تھی۔

حدیر چند لمحے خاموش اسے دیکھتا رہا۔کبھی کبھی انسان کو اپنی اہمیت دوسروں کی آنکھوں میں نظر آتی ہے اور اس وقت وہ خود کو ماہ گل کی نظروں میں دیکھ رہا تھا۔

''جانا تو مجھے ہی ہے''۔وہ بہت نرمی سے بولا۔''اچھا بتاؤ یہاں رہ لو گی؟ یا پھر...؟''وہ بات ادھوری چھوڑ گیا۔

''اتنا ہی ضروری ہے جانا تو پھر ہمیں رحمانی ہاؤس چھوڑ دیں''۔ماہ گل نے چند لمحے لب بھینچے اسے دیکھا، پھر دھیرے سے بولی۔لہجے میں مان جانے کی نمی تھی.

"بشریٰ رحمانی؟ تم رہ لو گی وہاں؟"۔ حدیر نے فوراً تشویش سے اسے دیکھا۔ ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری تھی۔ ایک طرف اس کا جانا ضروری تھا دوسری طرف ماہ گل کو اکیلا چھوڑنے کا خیال اسے بے چین کر رہا تھا۔ اور پھر رحمانی ہاؤس وہاں کے الجھے ہوئے رشتے، ٹھنڈے رویے، اور بشریٰ رحمانی کی موجودگی۔ وہ جانتا تھا ماہ گل نرم دل ہے، مگر یہ بھی جانتا تھا کہ کچھ زخم خاموش رہ کر بھی تکلیف دیتے رہتے ہیں۔

"ان کو ہم دیکھ لیں گے شاید سمجھ بھی لیں۔ ویسے بھی آخری بار ہم اپنی مرضی سے گاؤں گئے تھے"۔ وہ بڑی نرمی اور سمجھداری سے بولی تھی۔ اس کے لہجے میں شکایت نہیں تھی صرف ایک خاموش سی کوشش تھی کہ حدیر کی مشکل آسان ہو جائے۔

حدیر چند لمحے خاموش اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ واقعی بہت مختلف تھی۔ بہت کم لوگ ہوتے ہیں جو دل دکھنے کے بعد بھی محبت بانٹنے کا ہنر نہیں بھولتے اور ماہ گل انہی لوگوں میں سے تھی۔ نرم، مثبت، معاف کر دینے والی۔ جیسے اس کے دل میں نفرت کے لیے جگہ ہی نہ تھی۔

حدیر کے لبوں پر بے اختیار دھیمی سی مسکراہٹ آئی۔

"تو پھر پیکنگ کر لیتا ہوں میں۔ صبح نکلوں گا تم بھی اپنی چیزیں رکھ لو"۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

ماہ گل بھی آہستہ سے بیڈ سے اٹھی۔ مگر اس کے چہرے کی اداسی ابھی پوری طرح گئی نہ تھی۔

''جلدی آجایئے گا''۔ وہ بہت دھیمے لہجے میں کہہ گئی۔ حدیر کا دل عجیب نرمی سے بھر گیا۔

''اداس کیوں ہو رہی ہو یار؟ آجاؤں گا جلدی ایسے سیڈ فیس کے ساتھ تو نہ بھیجو''۔ وہ فوراً پلٹ کر اس کے قریب آیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما تو ماہ گل کی پلکیں بے اختیار جھک گئیں۔ لہجہ بے حد نرم تھا۔ محبت بھرا۔ اب اسے منانا بھی اس کی عادت بنتی جا رہی تھی۔ خوبصورت عادت۔

ہر گزرتے دن کے ساتھ ماہ گل اس کے لیے صرف ایک رشتہ نہیں رہی تھی وہ اس کی روزمرہ کی عادت بنتی جا رہی تھی۔ اس کی ہنسی، اس کی ناراضی، بنا بات کے خفا ہو جانا، باتیں کرتے ہوئے ہاتھ ہلانا، اور پھر چھوٹی چھوٹی باتوں پر اداس ہو جانا حدیر رحمانی پر اب ان سب چیزوں کا اثر ہونے لگا تھا۔ گہرا... بہت گہرا۔

رحمانی ہاؤس ویسا ہی تھا۔ وہی کشادہ لان، وہی سفید دیواریں، وہی لمبے برآمدے جہاں شامیں دھیرے دھیرے اترتی تھیں۔ ہر چیز اپنی جگہ موجود تھی، مگر پھر بھی کچھ بدل گیا تھا۔ شاید لوگ۔۔۔ شاید لہجے یا شاید وقت۔

ماہ گل جب رحمانی ہاؤس آئی تو اس نے سب سے پہلے یہی فرق محسوس کیا تھا کہ اس بار نہ بشریٰ رحمانی نے کوئی طنز کیا، نہ شہاب رحمانی نے سرد مہری دکھائی۔

بشریٰ رحمانی اپنے کمرے میں کھڑی تھیں۔ کمرے کی بڑی گلاس وال کے پار شام کا مدھم سا منظر پھیلا ہوا تھا۔ لان میں زرد روشنی بکھری تھی، اور نیچے مناہل، رباب اور ماہ گل کی ہنسی ہوا میں موتیوں کی طرح بکھر رہی تھی۔

بشریٰ رحمانی خاموش نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔

"آپا! لیپ ٹاپ چارجر کہاں رکھا ہے؟ میرا مل نہیں رہا"۔ تبھی کمرے کا دروازہ کھلا اور امرین رحمانی اندر داخل ہوئیں۔

"سائیڈ ٹیبل کے دراز میں دیکھو"۔ بشریٰ رحمانی نے پلٹے بغیر، نگاہیں لان میں جمائے ہی جواب دیا۔

امرین دراز کی طرف بڑھ گئیں، جبکہ بشریٰ بدستور شیشے کے پار پھیلی شام کو دیکھتی رہیں۔

نیچے لان میں مناہل ماہ گل کا موبائل اس کے ہاتھ سے اچکتی بھاگی تھی اور ماہ گل اس کے پیچھے۔ رباب انہیں دیکھتی ہنس رہی تھی۔ ان کی ہنسی کی آواز اوپر تک آ رہی تھی مگر بشریٰ کے اندر عجیب سا سناٹا اترتا جا رہا تھا۔

"امرین..." ان کی پکار پر باہر نکلتی امرین رک گئیں۔ چونک کر مڑیں۔

"خیریت ہے؟"۔ وہ آہستہ آہستہ ان کے قریب آئیں۔

"تم نے بتایا تھا آفاق اور پلوشہ نے شادی کرلی ہے... پھر یہ سلطان پلوشہ کا شوہر کیسے ہے؟"۔ بشریٰ اب بھی وہیں کھڑی تھیں، مگر اس بار ان کی آواز میں عجیب سی خالی پن تھا۔

امرین رحمانی کے چہرے پر لمحہ بھر کو ہوائیاں اڑیں۔ حلق جیسے خشک ہو گیا۔ "مجھے کیسے معلوم ہوگا آپا کہ اس نے سلطان سے کب شادی کی؟"۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ خود کو سنبھال گئیں۔

بشریٰ نے آہستگی سے گردن موڑی۔ ان کی سرد نظریں سیدھی امرین کے چہرے پر آ ٹکیں۔

"لیکن تم نے ہی کہا تھا آفاق اور پلوشہ کینیڈا میں ہیں"۔ کمرے کی فضا جیسے یکدم بھاری ہو گئی تھی۔

امرین نے ہونٹ بھینچے۔

"آفاق بھائی کو مال میں جیولری خریدتے دیکھا تھا۔ مجھے لگا پلوشہ کے لیے ہی خرید رہے ہوں گے..." وہ پہلے ہلکا سا اٹکیں، پھر جلدی جلدی بولتی چلی گئیں۔

نولز کلب
Clubb of Quality Content!

"تمہیں لگا؟"بشریٰ رحمانی کی آواز میں اب حیرت شامل ہو گئی تھی۔"تم نے صرف اپنے لگنے پر اتنی بڑی بات کہہ دی؟"۔ان کی آنکھوں میں پہلی بار سختی جھلکی تھی۔

"آپ نے پوچھا تھا اور میں نے جو سمجھا وہ بتا دیا۔اب یہ آپ کو دیکھنا چاہیے تھا کہ واقعی انہوں نے شادی کی ہے یا نہیں۔مجھے کیوں سنا رہی ہیں؟"۔امرین کے لہجے میں بھی اب ناگواری اتر آئی تھی۔

"تم میری بہن تھیں امرین۔۔میں تمہاری بات پر یقین کیوں نہ کرتی؟تم نے آخر وہ جھوٹ کیوں بولا؟"۔بشریٰ رحمانی چند لمحے انہیں دیکھتی رہیں۔پھر بہت دھیمی مگر کانپتی آواز میں بولیں۔

"مجھے الزام مت دیں آپا۔آپ کا نقصان آپ کی اپنی وجہ سے ہوا ہے۔یہ جو آپ کی انا ہے نا...یہی ہر مسئلے کی جڑ ہے۔آپ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتی ہی نہیں تھیں۔بابا نے بچپن سے ہر بات پر آپ کو فیصلہ لینے دیا،آپ کو ایسا بنا دیا کہ کسی دوسرے کی بات سننا آپ پسند ہی نہیں کرتیں"۔امرین رحمانی بولنے پر آئیں تو برسوں کی دبائی ہوئی ساری کسک لفظوں میں ڈھلتی چلی گئی۔کمرے میں عجیب سی گھٹن بھر گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آپ اپنے لیے ریجیکٹ ہوئی چیزیں پسند نہیں کرتیں۔ آپ کو ہمیشہ جیتنا تھا۔ ہمیشہ اپنی بات منوانی تھی۔ تو پھر بتائیں غلطی کس کی ہے؟ بات اتنی بڑی نہیں تھی جتنی آپ نے اپنی انا کی وجہ سے بنادی۔ انسان کو نہ سننے کی عادت بھی ہونی چاہیے جو آپ میں کبھی نہیں تھی"۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

باہر لان میں قہقہے اب بھی گونج رہے تھے۔ زندگی اب بھی چل رہی تھی۔ مگر اس کمرے میں جیسے برسوں کا بوجھ اتر آیا تھا۔

بشریٰ رحمانی ساکت کھڑی تھیں۔ چہرے پر پہلی بار وہ سختی نہیں تھی جس سے سب ڈرا کرتے تھے۔ آنکھیں خالی خالی سی سامنے جمی تھیں، مگر دیکھ کچھ نہیں رہی تھیں۔ امرین رحمانی کی آواز اب بھی ان کے کانوں میں گونج رہی تھی۔

"آپ اپنے لیے ریجیکٹ ہوئی چیزیں لینا پسند نہیں کرتیں"۔ کتنی عجیب بات تھی۔ انہوں نے زندگی بھر خود کو کبھی غلط مانا ہی نہیں تھا۔

وہ ہمیشہ خود کو حق پر سمجھتی رہیں۔ ہمیشہ یہی محسوس کیا کہ سب نے ان کے ساتھ زیادتی کی۔ آفاق نے انہیں سمجھا نہیں۔ قسمت نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ لوگوں نے انہیں تنہا چھوڑ دیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

مگر آج؟ پہلی بار انہیں یوں لگا جیسے برسوں سے آئینے کے سامنے کھڑی تھیں، لیکن اپنا عکس کبھی دیکھا ہی نہیں۔

امرین چھوٹی بیٹی تھی۔ بشریٰ بڑی۔ بیٹا کوئی تھا نہیں۔ فضل رحمانی نے آہستہ آہستہ گھر کی ہر ذمہ داری بشریٰ رحمانی کو سونپ دی تھی۔ پھر وہ ذمہ داریاں اختیار بن گئیں اور اختیار، عادت۔ گھر کے فیصلے... بزنس کی ڈیلز... رشتوں کے معاملات... ہر جگہ صرف انہی کی رائے آخری سمجھی جاتی۔ اور وہ اس کی عادی ہوتی چلی گئیں۔ اتنی عادی کہ وقت کے ساتھ انہیں اختلاف اپنی توہین لگنے لگا۔

جبکہ امرین؟ وہ ہمیشہ ایک کونے میں کھڑی رہ جانے والی خاموش بہن بن گئیں۔ وہ بہن جس کے حصے میں تعریفیں کم، موازنہ زیادہ آیا۔ جو ہر محفل میں خود کو پیچھے کھڑا محسوس کرتی رہی۔

شادی ہوئی تو دونوں کا سسرال بھی ایک ہی تھا مگر یہاں بھی ہر معاملے کی باگ ڈور رفتہ رفتہ بشریٰ رحمانی کے ہاتھ میں آتی چلی گئی۔ آفاق بڑے تھے، اس لیے ہر بزنس پارٹی، ہر ڈیل، ہر ٹور میں عموماً یہی دونوں ساتھ ہوتے۔ کمیونٹی میں بھی ان دونوں کو ایک مضبوط، باوقار اور کامیاب جوڑی کے طور پر جانا جانے لگا تھا۔

اور امرین رحمانی؟ وہ ہمیشہ ایک قدم پیچھے رہ جانے والی خاموش بہن کی طرح بہو بھی بن کر رہ گئیں۔

یہ بات وہ کبھی زبان پر نہیں لاتیں، مگر اندر کہیں ایک چبھن سی رہتی۔ محفلوں میں لوگ بشریٰ رحمانی کی رائے سنتے، ان کی موجودگی کو اہمیت دیتے، ان کے انداز کی تعریف کرتے اور امرین خاموشی سے مسکرا کر خود کو ایک طرف کر لیتیں۔

پھر وقت بدلا۔

آفاق اور بشریٰ کے درمیان فاصلے بڑھنے لگے۔ تعلقات کی تلخی نے آہستہ آہستہ بزنس کو بھی متاثر کرنا شروع کر دیا۔ یوں شہاب رحمانی نے بزنس پارٹیز، ڈیلز اور ٹورز کے لیے امرین رحمانی اور ان کے شوہر کو بھیجنا شروع کر دیا۔ زندگی نے پہلی بار امرین کو آگے آنے کا موقع دیا۔

وہ سب جو ہمیشہ بشریٰ کے حصے میں آتا تھا، اب آہستہ آہستہ امرین کے حصے میں آنے لگا۔ اور شاید وہ اس احساس کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔ یہ نئی مصروفیات، نئے لوگوں سے ملنا، کمیونٹی میں پہچانا جانا یہ سب انہیں اچھا لگنے لگا تھا۔

انہی دنوں وہ ایک بزنس ٹور کے سلسلے میں کینیڈا گئی ہوئی تھیں۔

وہاں ایک شاپنگ مال میں اچانک انہیں آفاق رحمانی دکھائی دیے۔وہ جیولری خرید رہے تھے۔بس ایک مختصر سا منظر ایک معمولی سالمحہ مگر واپسی پر امرین نے اس منظر میں اپنے قیاس کے رنگ بھر کر بشریٰ رحمانی تک پہنچا دیے۔

''شاید آفاق بھائی نے دوسری شادی کر لی ہے''۔

بس ایک جملہ۔

صرف ایک جملہ۔

یہ جملہ سننا تھا کہ بشریٰ رحمانی کے اندر سلگتی انا بھڑک اٹھی۔

حالانکہ... کہیں نہ کہیں وہ اب بھی معاملات کو درست سمت میں لانے کا سوچ رہی تھیں۔ شاید دل کے کسی نرم گوشے میں آفاق کے لیے محبت اب بھی باقی تھی۔اور بچوں کی خاطر شاید وہ پلٹنا چاہتی تھیں۔ مگر اس خبر نے انہیں ہتھے سے اکھاڑ دیا۔انہیں اپنی ذات کی نفی برداشت نہ ہوئی انہیں لگا آفاق نے انہیں ریپلیس کر دیا ہے۔ان کی جگہ کسی اور نے لے لی ہے۔

اور پھر وہ مزید سخت ہوتی چلی گئیں۔

اتنی خود مختار، اتنی خود میں گم کہ انہوں نے اپنے گرد ایک دیوار کھڑی کرلی۔ بچوں کو خود سنبھالا، زندگی خود چلائی، فیصلے خود کیے مگر اس خود مختاری کے پیچھے ایک ضد تھی، ایک زخمی انا تھی، جس نے انہیں جھکنے نہیں دیا۔

حالانکہ اگر وہ چاہتیں تو معاملہ حل ہو سکتا تھا۔ کچھ دن ناراض رہ کر وہ مان سکتی تھی۔ غلطی بھی ان ہی کی جانب سے تھی۔ آفاق رحمانی نے خواہش ظاہر کی اجازت چاہی اور اور کے سخت رد عمل پر وہ اس فیصلے سے پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے لیے بچوں کی خاطر الگ گھر میں بھی رہنے کو تیار ہو گئے۔ لیکن بشریٰ رحمانی کی انا اور ضد؟

مگر ان کے مزاج نے، ان کی ضدی طبیعت نے، انہیں کبھی پہل کرنے نہیں دی۔ اور اس ایک ضد کی قیمت صرف انہوں نے نہیں چکائی تھی۔ آفاق رحمانی نے تنہائی جھیلی تھی۔ بچوں نے بکھرا ہوا گھر دیکھا تھا۔ اور خود بشریٰ رحمانی وہ بھی اندر ہی اندر ٹوٹتی رہی تھیں۔

امرین رحمانی تو اپنی بات کہہ کر جا چکی تھیں۔

کمرے میں اب گہری خاموشی اتر آئی تھی۔

ایسی خاموشی جو انسان کے باہر نہیں، اندر اترتی ہے۔

بشریٰ رحمانی نے آہستہ سے باہر دیکھا۔ وہ سب بھی باتوں میں مگن تھیں۔

ان کی آنکھوں میں پہلی بار نمی اتری۔ بہت ہلکی سی۔ مگر شاید یہی وہ نمی تھی جس نے برسوں بعد ان کے اندر جمے غرور کے برفیلے پہاڑ میں پہلی دراڑ ڈالی تھی۔

وہ ٹورانٹو شہر میں موجود تھا۔ بلڈنگ کے باہر کھڑا وہ چند لمحے یونہی دروازے کو دیکھتا رہا۔

شام ڈھل چکی تھی۔ آسمان پر پھیلی ہلکی سرمئی دھند شہر کی روشنیاں اپنے اندر جذب کر رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کوٹ کے دامن سے ٹکراتی گزر رہی تھی، مگر اس کے اندر ایک الگ ہی بے چینی جاگ رہی تھی۔

اس نے بیل بجانے کے لیے ہاتھ اٹھایا مگر انگلی بٹن کو چھونے سے پہلے ہی رک گئی۔

کیا یہ صحیح رہے گا؟ کیا اتنے برس بعد ہونے والی یہ ملاقات کسی زخم کو بھر پائے گی؟ یا پھر پرانی تکلیفوں کو دوبارہ جگا دے گی؟

وہ ایک لمحے کو خاموش کھڑا رہا۔ پھر آہستہ سے آنکھیں موند کر بیل دبا دی۔ کیونکہ اب اس کے علاوہ کوئی راستہ بھی تو نہیں تھا۔

جو غلط فہمیاں اس کی ماں کے نام کے ساتھ جڑ گئی تھیں، وہ انہیں ختم کرنا چاہتا تھا۔ وہ تھک چکا تھا ان رشتوں کو ادھورا دیکھتے دیکھتے۔ کتنے برس گزر گئے تھے۔ کتنے موسم بیت گئے تھے اب شاید وقت آ گیا تھا کہ سب اپنے دلوں سے وہ بوجھ اتار دیں جو برسوں سے اٹھائے پھر رہے تھے۔ وہ اب سکون چاہتا تھا۔ اپنی زندگی میں خوشیاں چاہتا تھا۔ اپنے حصے کی کوشش مکمل کرنا چاہتا تھا۔

چند لمحے گزرے۔ پھر دروازہ کھلا۔

سامنے موجود شخص شاید ابھی نیند سے اٹھا تھا۔ سادہ سی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے، بکھرے بال، اور نیم وا آنکھیں مگر اگلے ہی لمحے وہ آنکھیں حیرت سے پوری طرح کھلتی چلی گئیں۔

حیرت... بے یقینی... خوشی... اور ایک گہرا اساد کھ... سب ایک ساتھ ان کے چہرے پر ابھر آیا۔ کچھ لمحے وہ بس خاموشی سے حدیر کو دیکھتے رہے۔ پھر اچانک بے اختیار آگے بڑھے اور اسے مضبوطی سے گلے لگا لیا۔

”میرا بھتیجا...“ لرزتی ہوئی آواز میں ادا ہونے والے چند لفظوں نے حدیر کے اندر کچھ نرم سا بکھیر دیا۔ اسے اپنے کندھے پر نمی محسوس ہوئی۔

وہ شخص جو شاید برسوں سے تنہائی میں جینا سیکھ گیا تھا آج اپنے خون کو سامنے دیکھ کر ٹوٹ سا گیا تھا۔حدیر نے خاموشی سے دونوں بازوان کے گرد پھیلا دیے۔مضبوطی سے۔اپنائیت سے۔

"تم... یہاں کیسے؟" وہ پیچھے ہوتے کپکپاتی آواز میں بولے۔آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

حیرت اب بھی باقی تھی، مگر اس حیرت کے پیچھے ایک ایسی خوشی چھپی تھی جو لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی تھی۔

کئی برس بعد کسی اپنے کو اچانک سامنے دیکھ لینا شاید ایسا ہی ہوتا ہے۔دل ایک ساتھ بھر بھی آتا ہے اور دھڑکنا بھی بھول جاتا ہے۔

"اندر نہیں بلائیں گے؟"۔حدیر نے ان کی کیفیت سمجھتے ہوئے دھیمے سے مسکرا کر کہا۔

وہ چونکے، پھر فوراً ایک طرف ہٹ گئے۔

"ہاں ہاں آؤ نا"۔وہ جلدی سے راستہ دیتے ہوئے بولے۔

حدیر ان سے ملا ان کے ساتھ ادھر اُدھر کی باتیں کیں۔اپنی شادی کا بتایا جس پر انکشاف ہوا آفاق رحمانی اماں سائیں سے رابطہ میں تھے۔پھر کچھ بزنس کی باتیں کی۔اور اس کی باتوں میں

زیادہ قصے ماہ گل کے تھے۔ پھر ان کے ساتھ مل کر ڈنر تیار کیا۔ ہلکی پھلکی گفتگو کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد اب لاونج میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔

فلیٹ چھوٹا مگر بے حد نفیس تھا۔ ٹورانٹو شہر کی اونچی عمارتوں کے درمیان واقع اس اپارٹمنٹ کی بڑی بڑی گلاس ونڈوز کے پار رات آہستہ آہستہ گہری ہو رہی تھی۔ باہر دور تک پھیلی روشنیاں یوں جگمگا رہی تھیں گویا زمین پر ستارے بکھرے ہوں۔ ہلکی برفانی ہوا شیشوں سے ٹکرا کر مدھم سی آواز پیدا کر رہی تھی۔ اندر نرم زرد روشنی جل رہی تھی۔

دیواروں پر چند فریمز آویزاں تھے۔ ایک میں معارج رحمانی مسکرا رہے تھ تصویر میں چھوٹے سے حدیر کو آفاق رحمانی نے گود میں اٹھایا ہوا تھا۔ شاید برسوں پرانی عید کی تصویر تھی۔

گھر صاف ستھرا تھا مگر آباد نہیں لگتا تھا۔ جیسے یہاں ایک انسان رہتا ضرور ہو مگر جیتا نہ ہو۔

حدیر غیر معمولی طور پر پر سکون تھا۔ چہرے پر ٹھہراؤ تھا، آنکھوں میں نرمی۔ جبکہ آفاق رحمانی اب بھی حیرت اور خوشی کے درمیان ڈگمگا رہے تھے۔ نگاہیں بار بار اس کے چہرے پر ٹھہر تیں، م دل اب بھی یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ سامنے واقعی حدیر بیٹھا ہے اس کے ساتھ آج انہوں نے ڈنر کیا ہے۔

"یقین کر لیں اب"۔ حدیر نے مدھم، بھاری لہجے میں کہا۔

آفاق رحمانی بے اختیار ہنس دیے۔وہ ہنسی جس کے پیچھے برسوں کی تنہائی اور اچانک مل جانے والی خوشی چھپی تھی۔

"میں کیسے یقین کروں؟" وہ نمی میں بھیگی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔"میرے سامنے حدیر بیٹھا ہے یا معارج؟"۔ان کی آنکھیں بھر آئیں۔حدیر یکدم خاموش ہو گیا۔

ایک لمحے کو اس کی نگاہ دیوار پر لگی اپنے باپ کی تصویر پر گئی پھر واپس آفاق رحمانی پر ٹھہر گئی۔

وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"معارج رحمانی کا عکس ہوں، بڑے بابا"۔اس کی دھیمی آواز میں ایسی اپنائیت تھی کہ آفاق رحمانی کی پلکیں جھک گئیں۔آنکھوں میں ٹھہری نمی آخر کار بہہ نکلی۔یوں لگ رہا تھا وقت اچانک پیچھے پلٹ گیا ہو اور معارج پھر سے ان کے سامنے آ بیٹھا تھا۔

"کیسے ہو؟ یہاں کیسے آئے؟"۔انہوں نے کپکپاتی آواز میں پوچھا۔

حدیر ہلکا سا مسکرایا۔اس مسکراہٹ میں شکوہ بھی تھا اور محبت بھی۔

"آپ تو آئے نہیں میں نے سوچا اب میں ہی آپ کے پاس چلا آتا ہوں"۔وہ نرمی سے بولا۔

یہ جملہ آفاق رحمانی کے دل میں کہیں گہرائی تک اترا۔

وہ نظریں چرا کر دھیرے سے مسکرائے، مگر اس مسکراہٹ میں بے حد تھکن تھی۔

''میں تو آنا چاہتا تھا تب سے جب سے یہاں آیا ہوں'' انہوں نے دھیمی آواز میں کہنا شروع کیا۔ ''لیکن شاید وہاں کے لوگ نہیں چاہتے کہ میں واپس آؤں''۔ کمرے میں ایک خاموشی سی اتر گئی۔

باہر شہر کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں، مگر اس لمحے دونوں کے درمیان برسوں کی دوریوں کا اندھیرا بیٹھا تھا۔

حدیر نے انہیں خاموش نگاہوں سے دیکھا۔

''کیا ایک انسان کی وجہ سے باقی سب کو نظرانداز کر دینا ٹھیک تھا، بڑے بابا؟'' اس کی آواز میں شکوہ تھا مگر لہجہ نرم ہی رہا۔

''آپ کے بچے...'' وہ رکا۔ ''چھوٹے چھوٹے بچے۔ آپ انہیں اکیلا چھوڑ آئے۔ وہ اسکول گئے...کالج گئے...یونیورسٹی گئے کسی ایک لمحے میں بھی آپ ان کے ساتھ تھے؟''۔ ہر لفظ جیسے آفاق رحمانی کے دل پر آہستہ آہستہ دستک دے رہا تھا۔

وہ خاموش ہو گئے۔ نگاہیں جھک گئیں۔ چہرے پر پچھتاوے کی دھند سی اتر آئی۔ وہ تھے بچوں کے ساتھ لیکن صرف تصاویر کی حد تک۔

''میں اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی کر گیا نا؟''۔ ان کی آواز زخمی ہو گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

حدیر کی آنکھوں میں بھی اداسی اتر آئی۔ وہ جانتا تھا آفاق رحمانی کے ساتھ غلط ہوا تھا۔ بہت غلط۔ مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ایک غلطی کے جواب میں پوری زندگی سزا نہیں بن جانی چاہیے۔

"میں جانتا ہوں آپ کے ساتھ غلط ہوا"۔ حدیر دھیرے سے بولا۔ "لیکن صرف ایک انسان کی وجہ سے باقی سب کو سزا کیوں دی؟"۔ وہ کچھ لمحے رکا۔

"جانتے ہیں اماں سائیں کتنی تڑپتی ہیں آپ کی یاد میں؟ وہ ہمیشہ ظاہر کرتی ہیں کہ وہ ٹھیک ہیں لیکن میں نے دیکھا ہے انہیں سب سے چھپ کر آپ کو یاد کرتے ہوئے"۔

آفاق رحمانی کی پلکوں سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا۔ کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔

باہر برفانی ہوا شیشوں سے ٹکرا رہی تھی اور اندر برسوں سے بند پڑے جذبات آہستہ آہستہ پگھلنے لگے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہیٹر

"میں تھک گیا تھا حدیر"۔ ان کی آواز بوجھل ہو گئی۔ "بہت زیادہ۔ ہر کسی کی بات مانتے، ہر کسی کے مطابق چلتے۔ میں کہاں تھا؟ میری بات کہاں تھی؟ میں نہیں جانتا"۔ وہ دھیرے دھیرے بول رہے تھے۔ ہیٹر کی ہلکی سی حدت اور کافی کی مدہم خوشبو پورے لاؤنج میں بسی ہوئی تھی۔

"وہ دونوں ہمیشہ سے مجھے اپنے مطابق چلاتے رہے۔میں ان کی محبت میں، احترام میں منع نہیں کر سکا۔ ابا سائیں مجھے لاء کی ڈگری لینی تھی، لیکن انہوں نے مجھے ایگریکلچر پڑھا دیا۔ ڈیرہ، کھیت، سب میرے حوالے کر دیے۔میں سارا سارا دن وہاں گزار دیتا تھا"۔ان کے چہرے پر ایک تھکی ہوئی مسکراہٹ ابھری۔ ایسی مسکراہٹ جو خوشی سے زیادہ حسرت لگتی تھی۔

"پتہ ہے جس دن معارج نے لاء کی ڈگری لی تھی، میں بہت خوش تھا۔بے حد۔ یہ احساس ہی کتنا خوبصورت تھا کہ چلو کسی نے تو اپنی خواہش پوری کی۔اور وہ خواہش بھی ایسی جو کبھی میری تھی"۔

حدیر کے دل میں جیسے کسی نے مٹھی بھر لی۔اس نے خاموشی سے انہیں دیکھا۔ پہلی بار اسے محسوس ہوا کہ بعض لوگ زندگی ہار کر نہیں، دوسروں کو جیتاتے جیتاتے خالی ہو جاتے ہیں۔

"تمہارے بابا بڑے دلیر تھے"۔آفاق رحمانی کی آواز میں اب محبت گھل گئی تھی۔"حق بات کہنے والے۔ڈٹ جانے والے۔میں بڑا بیٹا تھا مجھے بچپن سے ذمہ دار بنا دیا گیا۔ ہر چھوٹے بڑے کام کا بوجھ میرے کندھوں پر ڈال دیا گیا۔اور میں بھی خاموشی سے سب اٹھاتا گیا"۔ان کی نظریں اب سامنے دیوار پر ٹنگی ایک پینٹنگ پر جا ٹھہری تھیں، مگر دیکھ شاید وہ ماضی کو رہے تھے۔

''کبھی خواہش نہیں کی۔ جو بابا نے کہا، لبیک کہہ دیا۔ مگر۔۔۔''۔ وہ رک گئے۔ آواز ساتھ چھوڑ گئی۔ آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ لاؤنج میں چند لمحوں کے لیے ایسی خاموشی پھیل گئی جس میں صرف دلوں کی تھکن سنائی دے رہی تھی۔

حدیر آہستگی سے آگے بڑھا۔ ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ مضبوط، پُر سکون لمس۔ بالکل اپنے باپ معارج رحمانی جیسا۔

''میں چاہتا ہوں بڑے بابا آپ سب کہہ دیں''۔ اس کا لہجہ دھیمہ تھا، مگر بے حد اپنائیت لیے ہوئے۔ ''بھول جائیں میں آپ کا بھتیجا ہوں۔ اس وقت صرف دوست سمجھ لیں''۔ آفاق رحمانی نے چونک کر اسے دیکھا۔ پھر ان کے لبوں پر بہت ہلکی، بھیگی ہوئی مسکراہٹ آگئی۔

''اتنے عرصے تک تم کہاں تھے؟ پہلے کیوں نہیں آئے؟''۔ اس سوال میں شکوہ کم، محبت زیادہ تھی۔ برسوں بعد کسی اپنے کے ملنے کی نمی تھی۔

حدیر نے گہری سانس لی۔ ٹورانٹو کی رات اب اور گہری ہو رہی تھی۔

''میں تو خود الجھا ہوا انسان تھا''۔ وہ دھیرے سے مسکرایا۔ ''جو حقیقت سے لاعلم تھا۔ زندگی کی الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانے کی کوششوں میں تھا''۔ پھر اس نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔ ''لیکن اب میں آگیا ہوں۔ مگر کے آگے سننا چاہوں گا''۔

"مگر؟"۔ وہ ماضی میں کہیں بہت دور اتر گئے۔ آواز دھیمی پڑ گئی۔ جیسے برسوں پرانی کسی راکھ کو کرید رہے ہوں۔ "مگر میں پہلی بار خواہش کر بیٹھا۔ مجھے ملک حویلی کی بیٹی پسند آگئی تھی۔ میں ابا سائیں تک یہ خواہش لیے جا پہنچا"۔ ان کے چہرے پر درد میں ڈوبی مسکراہٹ ابھری۔ ایسی مسکراہٹ جو ہونٹوں پر تو ٹھہر جاتی ہے مگر آنکھوں تک پہنچتے پہنچتے ٹوٹ جاتی ہے۔ ٹورانٹو کے اس خاموش اپارٹمنٹ میں لمحہ بھر کو جیسے ماضی سانس لینے لگا۔ برف سے ڈھکی سڑکوں پر چلتی گاڑیوں کی مدھم روشنیاں شیشے کی دیوار سے پھسلتی اندر آرہی تھیں۔

"لیکن وہ سختی سے انکار کر گئے"۔ وہ دھیرے سے بولے۔ "غصہ ہوئے کہ میں نے یہ بات کیسے کی؟ کہا... جب میں دشمنوں کی بیٹی کی چاہ کروں گا تو میرے چھوٹے بہن بھائیوں پر کیا اثر پڑے گا"۔ حدیر خاموشی سے سنتا رہا۔ اس کی نظریں ان کے چہرے پر تھیں، جہاں وقت نے کتنی ہی لکیریں کھینچ دی تھیں۔

"میں خاموش ہو گیا۔ چھوڑ دیا۔ پیچھے ہٹ گیا۔ ابا نے اپنی بھتیجی سے شادی کروا دی... تاکہ خاندان کی جائیداد باہر نہ جائے"۔ وہ تلخی سے ہنسے۔ "اور بیوی بھی وہ جو مجھے ڈکٹیٹ کروانا پسند کرتی تھی۔ وہ ڈکٹیٹر تھی اور مجھے اس کے کہے پر چلنا تھا"۔ وہ چند لمحے خاموش ہوئے۔ گویا الفاظ چنتے چنتے تھک گئے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''میں کوئی بدمزگی نہیں چاہتا تھا۔ چلنے دیا سب ویسے ہی جیسے چاہا گیا۔ شاید یہی میری غلطی تھی۔ مجھے خاموش نہیں رہنا چاہیے تھا۔ میری خاموشی میری سزا بن گئی''۔ لاؤنج میں ایک گہری خاموشی اتر آئی۔ صرف ہیٹر کی ہلکی سی آواز تھی اور دو نسلوں کے درمیان بیٹھا ہوا درد۔

''پھر گھر میں اچانک ایک طوفان آیا''۔ ان کی آنکھوں میں پہلی بار نمی کے ساتھ روشنی بھی ابھری۔ ''معارج ڈٹ گیا۔ اسے ملک حویلی کی بیٹی سے ہی شادی کرنی تھی۔ اور اس نے کر کے ہی دم لیا''۔ بھائی کا ذکر آتے ہی ان کے چہرے پر عجیب سی محبت پھیل گئی۔

''معارج... گھر بھر میں سب کا لاڈلا تھا۔ ابا سائیں اسے تو کچھ نہیں کہہ سکے، ہاں لیکن تمہاری ماں کو کبھی قبول نہیں کیا۔ یہی حال ملک حویلی کا تھا۔ انہوں نے بھی تمہاری ماں سے ہر قسم کا تعلق ختم کر لیا۔ مگر معارج...'' وہ دھیرے سے مسکرائے۔ ''وہ اپنے مزاج کا بندہ تھا۔ اس نے صرف شادی نہیں کی محبت کو نبھایا۔ بڑی خوبصورتی سے۔ بڑی وفاداری سے''۔ حدیر کی پلکیں جھک گئیں۔ وہ نمی کو اندر اتارنا چاہتا تھا۔

''اسے پرواہ نہیں تھی گاؤں والے کیا کہتے ہیں۔ وہ ہر جگہ اپنی بیوی کو ساتھ رکھتا تھا۔ فخر سے''۔ آفاق رحمانی کی آواز اب اور بھاری ہو گئی تھی۔

"لیکن پھر... وہ گاؤں کے ایک تنازع میں الجھ بیٹھا۔ایک غریب لڑکی کی جائیداد کا معاملہ تھا۔ وہ اس کا کیس عدالت تک لے گیا۔خوب لڑا۔ڈٹ کر لڑا۔وہ جیت بھی جاتا اگر..." وہ رک گئے۔آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"اگر اسے بیچ راہ میں مار نہ دیا جاتا"۔یہ جملہ کہتے ہی جیسے پورا کمرہ سوگ میں ڈوب گیا۔

حدیر نے آنکھیں بند کر لیں۔ محسوس ہوا سینے میں کسی نے خنجر سا گھونپ دیا۔ہر بار باپ کا ذکر آتا تھا تو دل عجیب طرح سے بھر جاتا تھا۔

کاش اس کا باپ نہ مرتا۔کاش وہ دوسروں کے منہ سے اپنے باپ کی بہادری سننے کے بجائے خود دیکھتا۔وہ فخر سے لوگوں سے کہتا پھرتا "یہ میرے بابا ہیں"۔وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر چائے پیتا۔ان کے کندھے پر سر رکھ کر سوتا۔ان کے ساتھ ہنستا۔ان سے ضد کرتا۔

بابا ہوتے تو زندگی کتنی مختلف ہوتی؟ حدیر رحمانی کے لیے شاید زندگی جنت ہوتی۔

وہ انسان جو اپنی محبت کے لیے پورے جہان سے لڑ گیا کیا اپنے بچوں کے لیے دنیا قدموں میں نہ بچھا دیتا؟

آہ... کتنا بے رحم ہوتا ہے وقت۔اتنا خوبصورت انسان اور اس کے حصے میں اپنے باپ کی یاد تک پوری نہ آئی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"تمہاری ماں کو باباسائیں نے پہلے ہی قبول نہیں کیا تھا۔ تمہارے بابا کے بعد ان کی زندگی مزید مشکل بنادی گئی۔ حویلی ان کے لیے زندان بن گئی تھی۔ ایسا زندان جہاں سے وہ نکل بھی نہیں سکتی تھیں۔ کیونکہ جس گھر میں وہ پلی بڑھی تھیں، اس کے دروازے بھی ان پر بند کر دیے گئے تھے"۔ آفاق رحمانی کی آواز میں ایسا کرب تھا جیسے وہ ہر منظر دوبارہ جی رہے ہوں۔ ٹورانٹو کے اس خاموش فلیٹ میں بیٹھے ہوئے بھی شاید ان کی روح کہیں برسوں پیچھے جا کھڑی ہوئی تھی۔ باہر رات پوری طرح گہری ہو چکی تھی۔ برف کے ننھے ذرے شیشے کی دیوار سے ٹکراتے پھسل رہے تھے۔

"تم جانتے ہو زندگی میں پہلی بار میں نے اپنی خاموشی توڑی تھی۔ اپنے لیے آواز اٹھائی تھی اور یہ خاموشی کا ٹوٹنا زندگی میں طوفان لے آیا تھا"۔ حدیر نے چونک کر انہیں دیکھا۔ اور کچھ لمحے دبے قدموں ماضی میں اتر گئے۔

شام ڈھل رہی تھی۔ حویلی کے پچھلے حصے میں پھیلی نیم تاریکی میں ہوا سوکھے پتوں کو آہستگی سے ہلا رہی تھی۔ دور کہیں اذان کی مدھم آواز فضا میں گھل رہی تھی۔ وہ سفید دوپٹے میں لپٹی خاموش کھڑی تھیں۔ چہرے پر ایسی اداسی تھی کہ برسوں سے مسکرانا بھول چکی ہوں۔

آفاق رحمانی ان کے سامنے کھڑے تھے۔ پشت پر ہاتھ بندھے ہوئے۔ نظریں جھکی ہوئی۔ لہجہ دھیمہ مگر ارادے مضبوط۔

"میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔ مجھے غلط مت سمجھیے گا"۔ انہوں نے دھیرے سے کہا۔

"میں آپ کو، آپ کی اجازت سے اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہوں"۔

وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگیں۔ ہوا جیسے ایک لمحے کو تھم گئی۔

"میں ابھی آپ کے لیے کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن جس دن آپ میرے نکاح میں ہوں گی، اس دن میں آپ کے حق کے لیے لڑوں گا"۔ ان کی آواز میں ہمدردی نہیں خلوص تھا۔

"آپ یہاں کیوں چلے آئے؟" وہ گھبراہٹ میں فوراً بولیں۔ "آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ جائیں یہاں سے"۔ اس وقت ان کی یہاں موجودگی انہیں ڈرا رہی تھی۔ اگر کسی نے دیکھ لیا تو ان کی زندگی مزید مشکل ہو جاتی۔

"میں صرف آپ کی اجازت چاہتا ہوں"۔ آفاق رحمانی نے نرمی سے کہا۔ "اس طرح دو بچوں کے ساتھ زندگی کیسے گزارو گی؟ ابھی میں کچھ بھی کہتا ہوں تو بابا سائیں خاموش کروا دیتے

ہیں کہ آپ میری ذمہ داری نہیں ہو۔میرا آپ سے کوئی ایسا رشتہ نہیں کہ آپکے لیے بولوں“۔ ان کی آواز میں بے بسی صاف جھلک رہی تھی۔

”پلیز سوچیں اس بارے میں۔اپنے لیے نہیں تو بچوں کے لیے“۔وہ واقعی ان کے لیے فکرمند تھے۔باباسائیں اور بشریٰ رحمانی کی روز بڑھتی سختیاں انہیں اندر تک تکلیف دیتی تھیں۔

مگر وہ یکدم پلٹیں۔آنکھوں میں دبی ہوئی اذیت بھڑک اٹھی۔

”تو کیا آپ سے نکاح کے بعد یہ سارے مسئلے حل ہو جائیں گے ؟“۔وہ سخت لہجے میں بولیں۔شوہر کی وفات کے بعد وہ تقریباً خاموش ہو گئی تھیں۔غصہ کرنا،بحث کرنا سب چھوڑ دیا تھا۔مگر آج برسوں کا درد لفظ بن گیا تھا۔

”آپ کو کیا لگتا ہے ؟اس نکاح کے بعد میری زندگی آسان ہو جائے گی ؟ نہیں“۔ان کی آواز کپکپانے لگی۔”بلکہ ابھی جو جی رہی ہوں تب میں مر بھی نہیں سکوں گی۔ایسی جہنم بن جائے گی میری زندگی۔مت ڈالیں مجھے مزید مشکل میں“۔وہ کہتے کہتے ہانپنے لگیں۔آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

”نہیں ہو گا ایسا کچھ۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔یقین کرو“۔آفاق رحمانی بے اختیار ایک قدم آگے بڑھے۔

وہ تلخی سے ہنس پڑیں۔ کیسی عجیب بات تھی نا؟ مرد ہمیشہ "سب ٹھیک ہو جائے گا" کہہ دیتے ہیں گویا زندگی صرف ایک وعدے سے آسان ہو جاتی ہے۔

"آپ اگر بھول رہے ہیں تو میں یاد دلاتی ہوں"۔ انہوں نے نم آنکھوں کے ساتھ کہا۔

"آپ شادی شدہ ہیں۔ آپ کے بچے بھی ہیں۔ انہی کے ساتھ خوش رہیں۔ مجھ پر ہمدردیاں نہ جتائیں۔ میری زندگی مزید مشکل نہ کریں"۔ ان کی آواز بھرّا گئی۔

"مطلب اگر آپ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ اس نکاح کے بعد آپ کی زندگی مشکل ہو جائے گی تو آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوتا؟"۔ آفاق رحمانی چند لمحے خاموش رہے۔ پھر جیسے خود ہی کوئی حساب جوڑنے لگے۔

وہ جانتی تھی سامنا کھڑا شخص آفاق رحمانی ہے وہ کبھی معارج رحمانی نہیں بن سکتا۔ آفاق رحمانی کے ہر خلوص پر سچائی پر ان کی بزدلی غالب آجاتی تھی۔ معارج رحمانی جیسے دلیر وہ کبھی نہیں ہو سکتے۔

وہ حیرت کی شدت سے انہیں دیکھنے لگیں۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا"۔ آفاق رحمانی کے جاتے قدموں کو دیکھ کر وہ چیخی تھیں۔ مگر وہ جا چکے تھے۔

پیچھے وہ وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئیں۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ برسوں سے روکے آنسو اب بہنے لگے۔

"معارج"۔ ان کی سسکیاں بلند ہوئیں۔ "آجائیں پلیز آجائیں" اس سنسان باغ میں ان کی زخم زخم ہوئی آواز بہت دیر تک گونجتی رہی۔

"باباسائیں... بشریٰ مجھے آپ دونوں سے بات کرنی ہے"۔ ان کی سنجیدہ آواز پر ہال میں پھیلی فضا جیسے ایک لمحے کو ٹھہر گئی۔ رحمانی حویلی کے وسیع برآمدوں میں زرد روشنی مدھم پڑنے لگی تھی۔ باہر صحن میں کھڑے پرانے درختوں کی شاخیں ہوا سے ہولے ہولے ہل رہی تھیں۔

باباسائیں اور بشریٰ رحمانی نے چونک کر آفاق رحمانی کو دیکھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح پر سکون کھڑے تھے۔ سفید کُرتے کی آستینیں ہلکی سی چڑھی ہوئی تھیں۔ چہرے پر ٹھہرا ہوا سکون تھا مگر آنکھوں میں آج پہلی بار کوئی فیصلہ دکھائی دے رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، میرے کمرے میں آجاؤ"۔ باباسائیں نے مختصر سا کہا اور آگے بڑھ گئے۔ وہ دونوں بھی ان کے پیچھے چل دیے۔

کمرے میں ہلکی عود کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ دیواروں پر لگی پرانی تصویریں، بھاری پردے، لکڑی کا قدیم فرنیچر سب ہمیشہ کی طرح اپنی جگہ موجود تھا۔

باباسائیں بستر کے کنارے بیٹھ گئے۔ بشریٰ رحمانی بازو باندھے قدرے فاصلے پر کھڑی تھیں۔ جبکہ آفاق رحمانی دونوں کے سامنے خاموشی سے بیٹھ گئے۔

"کہو"۔ باباسائیں نے انہیں بولنے کا اشارہ کیا۔

آفاق رحمانی نے چند لمحے خاموش رہ کر دونوں کو دیکھا۔ الفاظ کو ترتیب دینے لگے۔

"مجھے آپ دونوں کی اجازت چاہیے"۔ ان کے لہجے میں ہمیشہ والی نرمی تھی۔ وہی ٹھہراؤ۔ مگر آج اس نرمی کے نیچے عجیب سی مضبوطی بھی تھی۔

"اجازت؟" دونوں چونکے۔ "کیسی اجازت؟"

آفاق رحمانی نے گہری سانس لی۔

"پلوشہ سے نکاح کرنے کی اجازت"۔ کمرے کی فضا جیسے یکدم منجمد ہو گئی۔

"میں آپ دونوں کی رضامندی سے انہیں اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہوں"۔ وہ نہایت سلجھے ہوئے انداز میں اپنی بات کہہ گئے۔ بغیر ہچکچاہٹ۔ بغیر نظریں چرائے۔

مگر اگلے ہی لمحے باباسائیں ایک جھٹکے سے کھڑے ہو گئے۔

Clubb of Quality Content

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟''ان کا لہجہ غصے سے دہک اٹھا۔''یہ کیا فضول بکواس کر رہے ہو؟''۔ان کی بلند آواز پورے کمرے میں گونج گئی۔ مگر آفاق رحمانی حیرت انگیز طور پر خاموش نہیں ہوئے۔

''فضول بکواس نہیں باباسائیں''۔وہ پہلی بار مضبوط لہجے میں بولے۔''صرف نکاح کی خواہش ظاہر کی ہے''۔ہمیشہ ہر بات پر سر جھکا دینے والا آفاق رحمانی آج اپنی بات کہہ رہا تھا۔اور شاید یہی چیز سب سے زیادہ ناقابل برداشت تھی۔

''دیکھا باباسائیں؟''بشریٰ رحمانی غصے سے چلائیں۔''میں نے پہلے ہی کہا تھا ان دونوں کے درمیان کچھ چل رہا ہے''۔ان کی آنکھوں میں غصے سے زیادہ حقارت تھی۔

آفاق رحمانی فوراً ناگواری سے ان کی جانب متوجہ ہوئے۔

''میرے اور ان کے درمیان کچھ نہیں ہے''ان کا لہجہ سخت ہو گیا۔''آئندہ ایسی بات مت کیجیے گا''۔

''دیکھ لیا باباسائیں؟ یہ ابھی سے اس کے لیے ہم سے لڑ رہے ہیں''۔بشریٰ رحمانی جیسے اور بھڑک اٹھیں۔

باباسائیں کی پیشانی کی رگیں تننے لگیں۔

"ایک تو پاگل بن کر ملک حویلی سے لا بیٹھا تھا اب یہ نئی ضد" وہ غصے سے بولے۔"نکال دو اس بات کو اپنے دماغ سے آفاق"۔

مگر برسوں کی خاموشی شاید آج واقعی ٹوٹ چکی تھی۔

"یہ ضد نہیں ہے"۔آفاق رحمانی نے دھیمی مگر صاف آواز میں کہا۔"وہ اکیلی ہیں۔دو بچوں کے ساتھ۔اور..."

"بس"۔باباسائیں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔"مزید ایک لفظ نہیں"۔کمرے کی فضا اب مکمل طور پر کشیدہ ہو چکی تھی۔باہر ہوا تیز چلنے لگی تھی۔کھڑکی کے شیشے ہلکے سے بجے۔

بحث ختم نہیں ہوئی تھی۔بلکہ شاید اسی دن ایک نئی جنگ شروع ہوئی تھی۔اور اس جنگ کی سب سے بڑی قیمت پلوشہ نے ادا کی۔معارج کے بعد جو زندگی پہلے ہی ان کے لیے مشکل تھی اب مزید سخت کر دی گئی۔

"میں تمہیں تین روز سے آ کر سمجھا رہا ہوں... تم سے کہہ کہہ کر تھک گیا ہوں۔ایسا کچھ نہیں ہے جیسا تم سمجھ رہی ہو... پھر تم کیوں یقین نہیں کر لیتی؟"۔وہ مرد

اس لمحے مرد کم اور ٹوٹا ہوا انسان زیادہ لگ رہا تھا جس کے کندھوں پر ذمہ داریوں، وضاحتوں اور صبر کی بے شمار تہیں جم چکی تھیں۔

”مجھے تمہاری کسی بات پر یقین نہیں۔“ عورت کٹھور تھی لہجے میں سرد مہری، آنکھوں میں انا کا پرچم بلند تھا۔ وہ سننے پر آمادہ نہ تھی، وہ سننے نہیں، صرف سنانے آئی تھی۔

”تمہاری یہ ضد... ہمارے بچوں پر برا اثر ڈالے گی“۔

”تو تمہیں افیئر چلانے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا“۔ لفظ نہیں تھے یہ، یہ خنجر تھے، جو سوچ سمجھے بغیر سیدھا کردار میں اتار دیے گئے تھے۔

”یہ لفظ مت استعمال کرو... مت کرو... تم جانتی بھی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟“۔ آنکھیں سرخ ہو گئیں، ضبط کی سرخی۔ وہ عزت دار مرد تھا، جس نے پوری زندگی اپنا کردار محنت سے تراشا تھا۔ اور آج اسی کی بیوی اسی کردار کو سرِ بازار اچھال رہی تھی۔

”تمہیں یقین نہیں؟ ٹھیک ہے... لیکن میں اپنے بچوں کو ایسا ماحول نہیں دے سکتا“۔ وہ رکا، سانس سنبھالی۔

''ہم نئے گھر میں شفٹ ہو جاتے ہیں بچوں کے ساتھ۔پلوشہ کو یہیں رہنے دیتے ہیں ابااماں کے پاس''۔یہ مصلحت تھی، یہ سمجھوتہ تھا، یہ آخری کوشش تھی رشتوں کو بچانے کی۔وہ پلوشہ کی خاطر پیچھے ہٹ گئے۔نکاح زبردستی کرلیتے تو پلوشہ کی زندگی مشکل ہو جاتی۔

''اب بھی اس کا خیال ہے؟''۔استہزائی مسکراہٹ عورت کے چہرے پر زخم کی طرح پھیل گئی۔

تب ہی ملازمہ کی گھبرائی آواز آئی۔''صاحب جی...پورا گھر دیکھ لیا...پلوشہ بی بی نہیں ہیں بچے بھی رو رہے ہیں۔''وہ پریشانی کے بوجھ تلے دوڑتی آئی۔

''کیا؟کہاں جا سکتی ہیں وہ؟یہیں ہوں گی۔''اب اس کے لہجے میں پریشانی تھی حقیقی، بے ساختہ۔

''نہیں صاحب...وہ کہیں نہیں ہیں۔''ملازمہ کی آواز لرز رہی تھی۔پلوشہ بی بی اس کی پسندیدہ بی بی اب کہیں نظر نہیں آرہی تھیں۔

''تم جا کر ٹھیک سے دیکھو''۔انہوں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا،اور ملازمہ کے کمرے سے جانے کے بعد، فوراً اپنی بیوی کی جانب رخ کیا۔

Clubb of Quality Content

”کہاں ہے پلوشہ ؟“۔ تین روز سے جو نرمی ان کے لہجے میں تھی، وہ اس لمحے جیسے ہوا میں تحلیل ہو گئی تھی۔

”مجھے کیا معلوم... کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی ہو گی۔“

”بس...ایک لفظ اور نہیں!“ وہ دھاڑا۔

بشریٰ سہم گئی۔ شادی کے برسوں میں یہ پہلا موقع تھا جب اس کی آواز اس قدر بلند ہوئی تھی۔

”کہاں ہے وہ؟ کیا کیا ہے تم نے اس کے ساتھ ؟“۔ وہ چاہتا تو سب کچھ تہس نہس کر دیتا۔ لیکن وہ ایسا نہیں تھا۔

”اب وہ جہاں بھی ہے، واپس نہیں آئے گی۔“ نفرت اب زبان پر پوری طرح آچکی تھی۔

”تم نے... میرے کردار پر الزام لگایا، اس معصوم عورت کو در بدر کیا، جس کی زندگی پہلے ہی اذیتوں سے بھری تھی۔ تم نے میری سیلف ریسپیکٹ اپنی انا کے نیچے روند ڈالی۔“ وہ لمحہ بھر رکا۔

”اس کے بچے بلک رہے ہیں... کیا تم نے ایک بار بھی ان بچوں کے بارے میں نہیں سوچا؟“۔ ان کے لہجے میں ملال، نفرت، اور درد سب ایک ساتھ جھلک رہے تھے۔ ایک چھوٹی سی غلطی نے کس طرح طوفان کھڑا کر دیا تھا۔

”میں کیوں سوچوں اس کے بچوں کے بارے میں؟ یہ تو اسے سوچنا چاہیے تھا فئیر چلانے سے پہلے۔“

”خبردار! یہ لفظ دوبارہ کہا تو...“ ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا مٹھی بند ہو گئی۔ وہ دنگ سی ان کے بلند ہاتھ کو دیکھتی رہ گئی۔

”دعا کرو وہ مجھے مل جائے... ورنہ جو ہو گا، وہ سب تمہاری ذمہ داری ہو گی۔“ وہ تیز قدموں سے نکل گئے

وہ شہر کے سڑک سڑک، گلی گلی چھان مارے۔ ہر گوشہ، ہر چہرہ، ہر شور سب پلوشہ کی تلاش میں بے معنی لگ رہا تھا۔ لیکن پلوشہ کہیں نہیں ملی۔ اور بچے روتے، بلکتے، ماں کو پکارتے رہے۔

وہ تھکے ہارے قدموں سے واپس آئے۔

سامنے ننھا سا بچہ، بے بس اور روتا ہوا اپنے معصوم آنکھوں میں سوال لیے کھڑا تھا۔

ان کی آنکھیں نم ہو گئیں، اور دل کے اندر چھپی تھکن، لمحے بھر کے لیے مدھم ہو گئی۔

وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور بچے کو سینے سے لگایا۔

Clubb of Quality Content

"مجھے معاف کرو، میرے بچے..." لیکن بچہ مزید رونے لگا، اور ان کے لیے یہ برداشت کی حد سے باہر ہو گیا۔ دھیرے سے اسے بہن کے حوالے کیا اور خود اپنے کمرے کی جانب چل دیے، ہر قدم میں ملال، ہر سانس میں بے چینی۔

"بتادو مجھے؟ کہاں ہے وہ؟ کہاں بھیجا ہے تم نے اسے؟"۔ دروازہ کھلتے ہی وہ ان کے سامنے کھڑے تھے، لہجہ عاجزی اور التجا سے بھرا۔

"مجھے نہیں معلوم..." عورت کی آواز سرد اور بے اثر تھی۔

"تم نے میرے صاف، شفاف کردار پر الزام لگا لیا۔ تم نے اس معصوم عورت کو نہیں چھوڑا، جس کی زندگی پہلے ہی اذیتوں میں گھری تھی۔ میں نے تمہیں لفظ لفظ سچ بتایا، لیکن تم نے میرا یقین نہیں کیا۔ اب میں جا رہا ہوں... میرے بچوں کو سنبھال نہ سکو تو وقت ضائع کیے بغیر بتا دینا، میں انہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" ان کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے جذبات کی سنجیدگی تھی، ایک ایسی سنجیدگی جو ہر لفظ کے ساتھ دل پر وزنی پتھر کی مانند گرتی تھی۔

عورت بے یقینی میں انہیں دیکھ رہی تھی۔

"کہاں جا رہے ہو؟" اس کی آواز میں حیرت اور خوف دونوں موجود تھے۔

”میں یہاں سے دور جارہا ہوں... واپسی تب ممکن ہے جب تم خود بلاؤ، جب تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو، جب تم یہ سمجھ لو کہ تم نے میرے کردار پر ایک نہیں، ہزار سوال اٹھائے ہیں، تم نے میری سیلف ریسپیکٹ ہرٹ کی ہے“۔

وہ رکے نہیں، خاموشی میں اپنے اندر کے طوفان کو قابو میں رکھتے ہوئے الماری کھولی، سوٹ کیس نکالا، کپڑے ترتیب سے ڈالتے گئے۔

ٹوٹے ہوئے دل، بکھرا ہوا وجود، جیسے ہر دھاگہ زندگی کے تانے بانے سے الگ ہو رہا تھا۔

سوٹ کیس کی زپ بند کی اور اٹھانے لگے، تب کانوں میں ٹکرائی وہ آواز۔

”چاہے پوری زندگی گزر جائے، میں تمہیں تب بھی نہیں بلاؤں گی“۔

وہ زخمی سا مسکرائے، وہ انا کی دیوار پر فخر کے ساتھ کھڑی تھی، مگر ان کے اندر ایک خاموش دھواں سا اُبھرا۔

وہ مغرور تھیں، انا کی زندہ مثال، اور وہ، زخمی، ٹوٹے، بکھرے وجود کے ساتھ، لاہور کو الوداع کہہ گئے۔

---

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آسمان پر بکھرے سرمئی بادل، دور جلتی روشنیوں والی بلند عمارتیں، اور اس چھوٹے سے اپارٹمنٹ میں پھیلی خاموشی سب جیسے برسوں کی تھکن اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھے۔

""آپ نے غلط وقت... غلط لوگوں سے غلط خواہش کر بیٹھے تھے""۔ حدیر نے دھیرے سے کہا۔ لہجہ نرم تھا، مگر لفظوں میں گہری تھکن بسی ہوئی تھی۔ ""میں آپ کو جج بالکل نہیں کر رہا لیکن آپ کو سوچنا چاہیے تھا بشریٰ رحمانی جیسی خاتون آپ کی بات پر کیا ردعمل دیں گی۔ ماما آنے والا طوفان سمجھ گئی تھیں آپ کیوں نہیں سمجھ سکے بڑے بابا؟""۔ آفاق رحمانی کی بند آنکھوں کے کناروں سے نمی پھسل گئی۔ کبھی کبھی انسان صرف ایک خواہش کرتا ہے مگر وہ خواہش کئی زندگیاں نگل جاتی ہے۔

وہ آہستگی سے صوفے پر ٹیک لگا گئے۔

""میں تم سے معافی چاہتا ہوں میرے بچے"" ان کی آواز بری طرح بھیگ گئی۔ ""میری معافی کچھ بدل نہیں سکتی۔ تمہارا بچپن واپس نہیں لا سکتی۔ لیکن پھر بھی اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دو""۔ وہ واقعی ہاتھ جوڑ گئے تھے۔

حدیر کے دل میں جیسے کسی نے مٹھی بھر کانٹے بھر دیے۔

یہ وہ لمحہ تھا جہاں وہ چیخ سکتا تھا، شکوہ کر سکتا تھا، برسوں کی محرومی ان کے منہ پر پھینک سکتا تھا۔

وہ بتا سکتا تھا کہ نفرت کے سائے میں پلنا کیسا ہوتا ہے۔

وہ پوچھ سکتا تھا کہ آخر اس کا قصور کیا تھا؟

لیکن وہ حدیر رحمانی تھا۔

معارج رحمانی کا بیٹا۔

وہی معارج جو محبت سے لوگوں کو جیتنے والا انسان تھا۔

وہ چاہتا تو بہت کچھ کہہ سکتا تھا۔

اپنے بچپن کے چھن جانے کا حساب مانگ سکتا تھا۔ان راتوں کا شکوہ کر سکتا تھا جو اس نے خاموشی سے جاگ کر گزاریں۔ان لمحوں کا نوحہ سنا سکتا تھا جب اسے ماں کی ضرورت تھی مگر صرف خالی پن اس کے حصے میں آیا۔

وہ چاہتا تو ایک ایک شخص کو قصوروار ٹھہرا دیتا۔

اپنی جوانی کی اذیتیں، اپنی محرومیاں، اپنی تنہائیاں، سب ان کے سامنے رکھ دیتا۔

لیکن پھر اس کا دل؟ وہ عجیب سا نرم، شفاف دل درمیان میں آ کھڑا ہوتا تھا۔ وہ لوگوں کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔

کسی کی جھکی ہوئی نظریں، کسی کی پشیمان آنکھیں، کسی کی کپکپاتی بکھرتی ہوئی آواز، اس کے سارے شکوے دبا دیتی تھیں۔ وہ غصہ اپنے اندر اتار لیتا تھا، مگر دوسروں کے دل پر بوجھ نہیں رکھ پاتا تھا۔

"نہ کریں بڑے بابا یوں نہ کریں"۔ وہ فوراً جھک کر ان کے ہاتھ تھام گیا۔ اگلے ہی لمحے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔

آفاق رحمانی بچوں کی طرح ٹوٹ کر رو پڑے۔

اور حدیر وہ خاموشی سے ان کے کندھے تھپتھپاتا رہا۔

اس کی اپنی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں، مگر وہ رویا نہیں۔ شاید کچھ لوگ روتے نہیں بس اندر ہی اندر بھیگتے رہتے ہیں۔

کتنے عجیب ہوتے ہے نا ایسے لوگ؟

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

جو سب کی اذیت سمجھ لیتے ہیں مگر اپنی اذیت کسی کو سمجھا نہیں پاتے۔جو دوسروں کے زخموں پر مرہم رکھتے رکھتے خود اندر سے چھلنی ہو جاتے ہیں۔ں جو چیخنا چاہتے ہیں مگر کسی کے آنسو دیکھ کر خاموش ہو جاتے ہیں۔

حدیر بھی شاید ایسا ہی تھا۔اپنی تکلیف کو سینے میں دفن کر لینے والا۔دوسروں کی غلطیوں کو معاف کر دینے والا۔اپنے حصے کی آگ خود سہہ لینے والا۔

"یہ حدیر آج کل کچھ زیادہ ہی ملک سے باہر نہیں جانے لگا؟"۔رشنا نرم تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔بخار کی وجہ سے چہرہ ہلکا سا اُترا ہوا تھا مگر آنکھوں میں حسبِ معمول شرارت کی چمک باقی تھی۔کمرے کی کھلی کھڑکی سے بہار کی نرم دھوپ اندر اتر رہی تھی۔باہر لان میں کھلے رنگ برنگے پھول ہوا کے ساتھ ہلکے ہلکے جھوم رہے تھے۔

رشنا کے برابر نیم دراز ماہ گل فوراً چونک کر سیدھی ہو بیٹھی۔ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہ اسے دوائی اور کھانا دے کر خود بھی اس کے پاس آ کر لیٹی تھی۔ویسے بھی حدیر کے بغیر آج کل اس کا دل کہیں ٹھہرتا ہی نہیں تھا۔پورا دن جیسے ادھورا ادھورا سا گزرتا۔

"کیا مطلب؟"۔وہ ناسمجھی سے پلکیں جھپکاتی رشنا کو دیکھنے لگی۔

"نظر رکھو ذرا۔ یہ باہر کے چکر آخر کیوں لگ رہے ہیں"۔ رشنا نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی۔ ماہ گل کے معصوم چہرے پر فوراً سنجیدگی اتر آئی تھی۔

"کام سے گئے ہیں۔ اور پہلے تو اماں سے ملنے گئے تھے"۔ وہ فوراً حدیر کا دفاع کرتی پُر سکون لہجے میں بولی۔

"اتنا یقین مت کرو۔ باہر جاتا ہے۔۔۔ کون جانے وہاں کوئی دوسری شادی کر لے"۔ رشنا نے مزید چھیڑا۔

اس بار ماہ گل نے عجیب سی نرم مسکراہٹ کے ساتھ کھڑکی سے باہر جھانکا۔ آنکھوں میں محبت آہستہ آہستہ گھلنے لگی۔

"یقین ہی تو ہے ہمیں... وہ کر ہی نہیں سکتے"۔ اس کی آواز مدھم ہو گئی۔ "آپ جانتی ہیں رشنا آپی ہم سوچتے تھے کیا واقعی کوئی ایسا مرد ہو گا؟ جو بیوی پر شک نہ کرے؟ جو دوسری شادی نہ کرے؟ جو عورت پر ہاتھ اٹھانا اپنی مردانگی نہ سمجھے؟"۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی۔

"گاؤں میں مردوں کی اکثریت کو دیکھ کر لگتا تھا اچھے مرد صرف کہانیوں میں ہوتے ہیں۔ جو عورت کی عزت کو اپنی عزت سمجھیں۔ اس کی سیلف ریسپیکٹ کا خیال رکھیں۔ گھر کے کام میں ہاتھ بٹانے کو توہین نہیں محبت سمجھیں۔ آواز اونچی کرنے کے بجائے لہجہ نرم رکھیں"۔ رشنا

خاموشی سے اسے دیکھتی رہیں۔ماہ گل کے چہرے پر پھیلی محبت کسی روشن صبح جیسی لگ رہی تھی۔

''پھر حُدیر آئے''۔اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔''شروع میں ان کا رویہ دیکھ کر لگا شاید ہم نے دل میں جو خواہشیں پال لی ہیں وہ بس خواب ہیں۔لیکن اب جب ان کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھتی ہوں نا تو خود پر رشک آتا ہے''۔وہ دھیرے سے ہنس دی۔

''آپ جانتی ہیں مائرہ؟حدیر کی دوست ؟شادی پر اسے دیکھ کر مجھے عجیب سا خوف ہوا تھا۔لگا شاید...شاید وہ حدیر کو مجھ سے بہتر سمجھتی ہو گی۔پھر معلوم ہوا وہ حدیر کو پسند کرتی تھی...اور حدیر؟انہوں نے کبھی اسے ویسی نظر سے دیکھا تک نہیں''۔اس کے لہجے میں غرور نہیں بس محبت پر مکمل یقین تھا۔

''وہ چاہتے تو اس سے شادی کر سکتے تھے۔یونیورسٹی ساتھ پڑھا تھا دونوں نے،کام ساتھ تھا، دوستی تھی اور حدیر تو اپنی مرضی کرنے والے انسان ہیں۔اگر چاہتے تو بہت پہلے کر لیتے۔بہت مواقع تھے ان کے پاس۔مگر نہیں کی''۔اس نے ہلکے سے تکیہ سینے سے لگا لیا۔آنکھوں میں نمی سی چمکی۔

"اب جب ان کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھتی ہوں تو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ کسی اور کو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ پھر آپ ہی بتائیں ہم کیسے یقین نہ کریں؟"۔ کمرے میں چند لمحے خاموشی رہی۔ باہر بہار کی ہوا پردوں کو آہستگی سے ہلا رہی تھی۔ اندر محبت کسی بہار کے پھول کی خوشبو کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔

رشنا نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میں تو بس تمہیں تنگ کر رہی تھی" وہ نرمی سے اس کا ہاتھ دباتی بولیں۔ "ہمیشہ خوش رہو میرے بھائی کے ساتھ۔ تم دونوں کے درمیان یہ یقین، یہ محبت، یہ اعتماد ہمیشہ یوں ہی قائم رہے"۔

ماہ گل دھیرے سے مسکرائی تھی۔

"بات سنو"۔ لان کی نرم خاموشی میں ابھرنے والی آواز پر ماہ گل چونک کر پلٹی تھی۔ وہ اس وقت سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ شام آہستہ آہستہ اتر رہی تھی۔ لاہور کی بہاری ہوا میں ہلکی سی خنکی گھلنے لگی تھی۔ لان میں لگے سفید اور گلابی پھول ہوا کے ساتھ دھیرے دھیرے جھوم رہے

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

تھے۔ کہیں اوپر آسمان پر پرندوں کے جھنڈ اپنے گھونسلوں کی سمت لوٹ رہے تھے، اور ماہ گل وہ ان سب کو دیکھتے ہوئے حدیر کو یاد کر رہی تھی۔

عجیب بات تھی۔ اب اسے ہر چیز میں حدیر کا عکس دکھائی دیتا تھا۔ ہوا چلتی تو اس کی آواز یاد آتی... پھول کھلتے تو اس کی نرم مسکراہٹ اور شام اترتی تو دل میں اس کی کمی گہری ہونے لگتی۔

رشنا سو گئی تھیں تو وہ اکتا کر باہر چلی آئی تھی۔ گھر بھی آج غیر معمولی طور پر خاموش تھا۔ ہاجرہ چچی، مزمل، رباب، فضا اور میرب کسی شادی میں گئے ہوئے تھے۔ مناہل بھی یونیورسٹی سے دوست کے گھر چلی گئی تھی۔ اتنے بڑے گھر میں پھیلا سناٹا دل پر عجیب سا اثر ڈال رہا تھا۔

سامنے بشریٰ رحمانی کھڑی تھیں۔ ماہ گل آہستگی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ دل نے ایک لمحے کو بے چینی سے کروٹ لی مگر اگلے ہی پل اس نے خود کو سنبھال لیا۔ وہ اب لڑنا نہیں چاہتی تھی۔ نہ بحث کرنا چاہتی تھی۔

وہ سکون چاہتی تھی۔ یوں بھی چند دن کے لیے یہاں مہمان بن کر آئی تھی۔ خود کو کسی معاملے میں الجھانا نہیں چاہتی تھی۔

”میری چند دوستیں آ رہی ہیں۔ان کے لیے ڈنر تیار کر دو۔ بریانی لازمی ہو اس کے علاوہ جو مناسب لگے تمہیں“۔وہی ہمیشہ والا رعب۔وہی حکم دینے کا انداز۔انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ ماہ گل بنا پائے گی یا نہیں۔

بس اپنی بات کہہ دی۔

ماہ گل چند لمحے خاموش رہی۔ہوا اس کے دوپٹے کو آہستگی سے ہلا رہی تھی۔ پھر اس نے بہت سکون سے سر ہلایا۔

”ٹھیک ہے۔بنا دوں گی“۔اس کا لہجہ سنجیدہ مگر نرم تھا۔

ویسے بھی وہ بور ہو رہی تھی۔ لنچ کے بعد سے کوئی خاص کام نہیں تھا۔اور شاید کچھ کام انسان کو بے شمار خیالات سے بھی بچا لیتے ہیں۔

بشریٰ رحمانی اس کی اتنی آسانی سے مان جانے پر لمحہ بھر کو حیران ہوئی تھیں۔ مگر حسبِ عادت چہرے پر کچھ ظاہر نہ ہونے دیا۔وہ اپنے تاثرات چھپانے میں ماہر عورت تھیں۔

جاتی ہوئی ماہ گل کو انہوں نے غور سے دیکھا۔

وہ منع بھی تو کر سکتی تھی۔بحث کر سکتی تھی۔ تلخ لہجے میں جواب دے سکتی تھی۔اب تو وہ اس گھر میں نہیں رہتی تھی صاف کہہ سکتی تھی پھر کیوں نہیں کیا؟

ناولز کلب Clubb of Quality Content

ماہ گل خاموشی سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔شام کی نرم روشنی اس کے گرد بکھر رہی تھی۔اور بشریٰ رحمانی وہ چند لمحے وہیں کھڑی اسے جاتی ہوئی دیکھتی رہیں۔

پھر ہلکا سا کندھا اچکا کر خود بھی تیاری کے لیے اندر چلی گئیں۔

ٹورنٹو کی بلند عمارتوں کے بیچ واقع اُس اپارٹمنٹ کی بالکونی میں حدیر خاموش کھڑا تھا۔صبح کے گیارہ بج رہے تھے۔آسمان پر سرمئی بادل کسی ان کہی داستاں کی مانند پھیلتے جا رہے تھے۔دور نیچے سڑکوں پر گاڑیوں کی لائٹس بارش میں دھندلی ہوتی چمک رہی تھیں۔ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اس کی شرٹ کے دامن سے کھیلتے گزر رہے تھے مگر اس کے اندر جیسے موسم کہیں زیادہ بوجھل تھا۔

Clubb of Quality Content!

وہ مسلسل کئی دنوں سے بڑے بابا کو واپس چلنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔وہ چاہتا تھا اب برسوں کی دوری ختم ہو جائے۔رشتے جو غلط فہمیوں،انا اور خاموشیوں کے ملبے تلے دب گئے تھے،دوبارہ سانس لے سکیں۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ آفاق رحمانی کے بچوں کے دلوں میں ہمیشہ یہی کانٹا چبھتا رہے کہ ان کے باپ کی دوری کی وجہ حدیر کی ماں تھی۔ وہ اس الزام کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اپنے حصے کی ہر کوشش پوری کرنا چاہتا تھا۔

مگر زندگی جیسے ایک ساتھ کئی سمتوں سے اس کے گرد الجھنے لگی تھی۔

پاکستان سے مسلسل کالز آرہی تھیں۔ کسی بڑی ڈیل میں مسئلہ ہو گیا تھا۔ سامنے والی پارٹی ضد پر اتر آئی تھی۔ مزمل اپنی پوری کوشش کر رہا تھا سب سنبھالنے کی، مگر حدیر جانتا تھا کچھ معاملات اس کی موجودگی مانگتے ہیں۔ اوپر سے بڑے بابا کی ضد الگ۔ وہ ہر بات پر خاموش ہو جاتے، موضوع بدل دیتے یا پھر ٹال جاتے۔

اور پھر ماں... انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ حدیر کو گولی لگی تھی۔ تب سے وہ بے چین تھیں۔ بار بار کال کر کے ایک ہی سوال پوچھتیں۔

"تم ٹھیک ہو نا؟" اور وہ ہر بار مسکرا کر تسلی دیتا۔ مگر ماں کا دل کہاں مانتا ہے؟ وہ اسے سامنے دیکھنا چاہتی تھیں۔

حدیر نے تھکے ہوئے انداز میں پیشانی انگلیوں سے دبائی۔ سر میں ٹیسیں سی اٹھ رہی تھیں۔

بہت سارے شور ایک ساتھ ذہن میں گونج رہے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

تبھی آسمان سے بارش برسنا شروع ہو گئی۔

ٹورنٹو کی سڑکیں بارش میں دھلنے لگیں۔ نیچے لوگ جلدی جلدی چھتریاں کھولنے لگے۔ کچھ گاڑیاں پانی چیرتی گزریں۔اور پھر اچانک اس کی نگاہ ایک منظر پر جا ٹھہری۔

سڑک کنارے ایک لڑکی بارش میں دونوں بازو پھیلائے گول گول گھوم رہی تھی۔اس کے ساتھ کھڑا لڑکا اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔اس لڑکے کی آنکھیں بتاتی تھیں کہ سامنے کھڑی لڑکی سے زیادہ دنیا میں کچھ اہم نہیں۔

حدیر کے لبوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آگئی۔

ماہ گل... آہ،اب بارشیں پہلے جیسی نہیں رہی تھیں۔

پہلے بارش صرف موسم ہوا کرتی تھی۔اب بارش میں ایک چہرہ دکھائی دیتا تھا۔ایک ہنستی ہوئی لڑکی، جو پھولوں کو دیکھ کر رک جاتی تھی۔ جو ناراض ہوتی تو بچوں جیسی لگتی۔ جو اس کی تھکن آدھی کر دیتی تھی۔ جو اس کی زندگی کے شور میں سکون بن کر اتری تھی۔

اسے یکدم شدت سے ماہ گل کی یاد آئی۔ایسی یاد جو سینے میں نمی بھر دے۔اس نے فوراً جیب سے موبائل نکالا اور نمبر ڈائل کر دیا۔دل کو عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا تھا۔

"اس سے بات ہو جائے تو شاید طبیعت ہلکی ہو جائے"۔ وہ سوچ رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کال جاتی رہی... مگر دوسری جانب سے جواب نہ آیا۔اس نے دوبارہ کال کی۔ پھر تیسری بار۔ کوئی جواب نہیں۔اس کے ماتھے پر شکن ابھری۔دل میں انجانی سی گھبراہٹ اتری۔

"کہاں ہے وہ؟کال کیوں نہیں اٹھا رہی؟ٹھیک تو ہے نا؟"۔سوچیں یکے بعد دیگرے ذہن پر ضرب لگانے لگیں۔اس نے فوراً ارشنا کو کال ملائی۔ فون بند۔

اب بے چینی بڑھنے لگی تھی۔مزمل کو کال کی تو معلوم ہوا وہ سب فیملی کے ساتھ شادی میں موجود ہیں۔گھر پر کوئی نہیں۔

حدیر نے گہری سانس لی اور موبائل مضبوطی سے تھام لیا۔بارش اب تیز ہو چکی تھی۔ ٹھنڈی ہوا بالکونی میں اڑتی چلی آ رہی تھی مگر اس کے اندر عجیب سی گھٹن بھرنے لگی تھی۔

محبت واقعی انسان کو کمزور کر دیتی ہے۔وہ جو ہر مشکل میں پر سکون رہتا تھا،ہر مسئلہ سلجھا لیتا تھا ایک کال نہ اٹھنے پر بے سکون ہونے لگا تھا۔اور شاید یہی محبت تھی۔ کسی ایک انسان کا دل میں اس حد تک اتر جانا کہ اس کی خاموشی بھی شور لگنے لگے۔

بارش اب ٹورنٹو کی سڑکوں کو پوری طرح بھگو چکی تھی۔ بالکونی کی ریلنگ پر پانی کے قطرے مسلسل ٹپک رہے تھے۔ حدیر کئی لمحوں سے بے چینی میں موبائل کان سے لگائے کھڑا تھا۔ ہر گزرتے سیکنڈ کے ساتھ دل کی بے سکونی بڑھتی جا رہی تھی۔

اور پھر... کال اٹھالی گئی۔

"کہاں تھیں تم؟"۔ اس کے لہجے میں موجود سختی دراصل گھبراہٹ تھی۔

دوسری جانب ماہ گل نے چونک کر موبائل کان سے ذرا دور کیا۔ یہ حدیر ہی تھا نا؟ لہجہ ایسا تھا جیسے وہ کسی تفتیش پر اتر آیا ہو۔

"کچن میں تھے ہم"۔ وہ سادگی سے بولی۔

"کیا کر رہی تھی کچن میں؟"۔ ماہ گل نے پلکیں جھپکائیں۔ حیرت سے ایک لمحہ موبائل کو دیکھا پھر دوبارہ کان سے لگایا۔ اس سوال پر تو واقعی اسے شک ہونے لگا تھا کہ حدیر ٹھیک بھی ہے یا نہیں۔

"کام کر رہے تھے ہم"۔ وہ معصومیت سے بولی۔ دل میں ساتھ یہ بھی سوچا۔ "کچن میں اور کیا کرتے ہیں بھلا؟"

"کیا کام؟"۔ اگلا سوال۔

اب کی بار ماہ گل کی بھنویں ہلکی سی سکڑیں۔

"کچن میں کھانا پکاتے ہیں حدیر"۔ لفظ لفظ چبا چبا کر ادا ہوئے۔

حدیر نے آنکھیں موند کر گہری سانس لی۔ بارش کی ٹھنڈی ہوا بھی اس وقت اس کے اندر کی جھنجھلاہٹ کم نہیں کر سکی۔

"تم پچھلے دو تین گھنٹوں سے کچن میں کھانا بنا رہی تھی؟"۔ لہجے میں اب واضح خفگی اتر آئی تھی۔

"آپ کو کیسے پتا دو۔۔۔ تین۔۔۔ گھنٹوں سے؟"۔ وہ رک رک کر بولی۔

"محترمہ اگر آپ موبائل دیکھنے کی زحمت کر لیتیں تو معلوم ہوتا میں پچھلے دو۔۔۔ تین گھنٹوں سے کال کر رہا تھا"۔ وہ بھی اسی کے انداز میں دو تین گھنٹوں پہ زور دیتا بولا۔

ماہ گل نے فوراً موبائل اسکرین دیکھی۔ اور اگلے ہی لمحے آنکھیں ذرا سی پھیل گئیں۔ اتنی ساری مسڈ کالز۔

"اوہ سوری"۔ وہ فوراً نرم پڑی۔ "وہ آج بشریٰ رحمانی کی دوستیں آ رہی تھیں تو انہی کے لیے ڈنر تیار کر رہی تھی"۔

"اکیلی کر رہی تھی؟"۔ حدیر کے ماتھے پر شکن مزید گہری ہوئی۔

"ہاں۔ گھر پر رشنا آپی کے علاوہ کوئی تھا نہیں تو ہمیں بشریٰ رحمانی نے کہا بنانے کو"۔

ایک لمحے کو حدیر خاموش ہو گیا۔

بارش کی آواز بالکونی میں اور نمایاں سنائی دینے لگی۔

"بشریٰ رحمانی نے کہا بنانے کو... اور آپ بیو قوفوں کی طرح اتنے گھنٹے اکیلی کچن میں لگی رہیں؟ منع نہیں کر سکتی تھیں؟ یوں تو۔۔۔" پھر وہ آہستہ مگر دبی ہوئی خفگی سے کہنے لگا۔

وہ بات مکمل بھی نہ کر سکا تھا کہ ماہ گل فوراً بول پڑی۔ "اب یہ مت کہیے گا یوں تو ہم زبان بہت چلا لیتے ہیں"۔ اس کے لہجے میں ہلکی سی ناراضی تھی مگر انداز اب بھی نرم تھا۔ "ہم جانتے ہیں ہم کئی باتوں پر جواب دے دیتے ہیں۔ بعض جگہ انکار بھی کر دیتے ہیں۔ لیکن صرف وہاں جہاں ہمیں لگے ہماری عزتِ نفس پر بات آ رہی ہے۔ جہاں لگے غلط ہو رہا ہے۔ لیکن ہم بد تمیز نہیں ہیں حُدیر۔ فضول میں بڑوں کے سامنے زبان نہیں چلاتے۔ انہوں نے کہا ان کی دوستوں کے لیے ڈنر تیار کر دو تو ہم نے کر دیا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر ہم انکار کرتے"۔ وہ بولتی چلی گئی۔ اور دوسری جانب حدیر خاموش ہو گیا۔

اسے اچانک احساس ہوا یہ لڑکی واقعی کتنی الگ تھی نرم مگر خوددار۔ معصوم مگر سمجھدار۔ اس کے لبوں پر بے اختیار ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

نولز کلب
Club of Quality Content

"تھک گئی ہو گی؟"۔ لہجہ اب مکمل بدل چکا تھا۔ سارا غصہ پگھل کر فکر بن گیا تھا۔

ماہ گل چند لمحے خاموش رہی۔ حیران سی۔ اسے واقعی امید نہیں تھی کہ اس کی اتنی لمبی تقریر کے بعد حدیر صرف یہ پوچھے گا۔ 'تھک گئی ہو گی؟' دل جیسے عجیب سی نرمی سے بھر گیا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟"۔ وہ الجھن بھرے لہجے میں پوچھ بیٹھی۔

"نہیں۔ دماغ خراب ہو گیا تھا۔ جب ہی کال کرلی تمہیں"۔ وہ تپ ہی تو گیا تھا۔

اب کی بار ماہ گل کے لبوں پر بھی ہنسی پھسل گئی۔ "ہمیں بھی یہی لگا"۔ اس نے فوراً ہونٹ دبائے۔

"افففف ماہ گل..." وہ واقعی خفا ہو گیا تھا۔ وہ کال کاٹنے لگا۔

ٹورنٹو کی بارش اب دھیمی پڑنے لگی تھی۔ شیشے کی بڑی بڑی کھڑکیوں پر پھسلتے قطرے کمرے کے اندر عجیب سی اداس موسیقی بکھیر رہے تھے۔ حدیر بالکونی سے واپس آکر لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ تھکن جیسے پورے وجود میں اتر چکی تھی۔ سر بھاری تھا، دل الجھا ہوا۔ مگر پھر...

"سنیں سنیں حدیر کال مت کاٹیے گا"۔ دوسری جانب سے ماہ گل کی جلدی جلدی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔

وہ رک گیا۔انگلی کال اینڈ کرنے والے بٹن پر ٹھہر گئی۔ناراضگی ابھی باقی تھی اس لیے اس نے جواب نہیں دیا۔بس خاموش رہا۔

”تھک گئی تھی...بہت زیادہ تھک گئی تھی۔لیکن آپ کی کال آئی تو ہماری ساری تھکن دور جاسوئی“۔دوسری جانب ماہ گل نے اس کی خاموشی محسوس کی تو فوراً نرم لہجے میں بولی۔

لفظ جیسے آہستگی سے آکر اس کے دل پر گرے۔حدیر نے آنکھیں موند لیں۔تنے ہوئے اعصاب یکدم ڈھیلے پڑنے لگے۔چہرے کی سختی پگھل گئی۔وہ سر صوفے کی پشت سے ٹکاتا ڈھیلے انداز میں بیٹھ گیا۔بارش کی ٹھنڈی نمی، کمرے کی خاموشی، اور ماہ گل کی نرم ترنم بھری آواز سب مل کر اس کے اندر کے شور کو خاموش کرنے لگے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

”حدیر سن رہے ہیں؟“۔اس کی خاموشی پر ماہ گل دھیمے سے پکاری۔

”ہممم۔۔۔“بس اتنا سا جواب۔مگر ماہ گل جانتی تھی وہ سن رہا ہے۔پوری توجہ سے۔

”ہم آپ کو بہت یاد کر رہے ہیں“۔اس کے اگلے جملے پر حدیر کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔آنکھیں اب بھی بند تھیں۔وہ ہر لفظ کو محسوس کر رہا تھا۔

ماہ گل یوں ہی تھی۔جو دل میں ہوتا لبوں پر لے آتی تھی۔محبت چھپانا اسے آتا ہی نہیں تھا۔

”کیوں؟“۔وہ دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"کیونکہ آپ کے نا ہونے سے سب خالی خالی محسوس ہو رہا ہے"۔اور وہ پھر دل کھول کر بول گئی۔حدیر کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔تھکن جیسے آہستہ آہستہ اتر رہی تھی۔

بارش شاید ٹورنٹو میں ہو رہی تھی۔مگر اس کی ٹھنڈک دونوں کے دلوں تک اتر آئی تھی۔

"اتنا زیادہ یاد کر رہی ہو؟"۔اب کی بار اس کی آواز میں ہلکی سی شرارت بھی شامل ہو گئی تھی۔

"جتنا زیادہ یاد آپ ہمیں کر رہے ہیں ہم بھی اتنا ہی زیادہ آپ کو یاد کر رہے ہیں"۔وہ مزے سے بولی۔

حدیر ہلکا سا ہنسا۔اس کے حصے کا اظہار بھی ماہ گل ہی کر دیا کرتی تھی۔

پھر دونوں جانب خاموشی چھا گئی۔صرف سانسوں کی مدھم آوازیں۔وہ خاموشیاں جو دو محبت کرنے والوں کے درمیان بھی گفتگو لگتی ہیں۔

"حدیر... سن رہے ہیں آپ؟"۔اس کی طویل خاموشی پر ماہ گل کو پھر پوچھنا پڑا۔

"ماہی... کہتی جاؤ۔رکو مت"۔حدیر نے آہستگی سے آنکھیں کھولیں۔سامنے شیشے پر بہتے بارش کے قطرے دھندلے نظر آنے لگے۔

"کیا کہوں؟"۔ماہ گل چونکی۔

''ہر بات کہ دو جو دل چاہے۔ کہتی جاؤ... بس رکنا مت''۔اس کے لہجے میں عجیب سی تھکن بھری چاہت تھی۔

''آپ پریشان ہیں حدیر؟''۔

''تھا''۔ مختصر سا جواب آیا۔

''اب؟''۔

''اب زائل ہو گئی''۔حدیر کی مدھم آواز سنائی دی۔

ماہ گل کے دل میں عجیب سی نرمی اتری۔

''ٹھیک ہیں آپ؟''۔وہ اس کی بوجھل آواز محسوس کر کے فکر مند ہوئی تھی۔

حدیر چند لمحے خاموش رہا۔پھر دھیرے سے بولا۔

''تمہاری آواز۔۔۔''وہ رک گیا۔

''ہماری آواز کیا؟''۔وہ فوراً سے پوچھی۔

''تمہاری آواز نشہ آور دوا ہے۔پریشانی، ٹینشن سب ختم کر کے انسان کو پر سکون کر دیتی ہے۔دنیا سے بیگانہ سا۔

تمہاری آواز مجھے مدہوش کرنے لگتی ہے ماہی۔مجھے سکون دیتی ہے"۔حدیر نے آنکھیں بند کرلیں۔اور پھر دل کے دروازے ذرا کھول دیے۔

ماہ گل یکدم ساکت رہ گئی۔

اس کے دل کی دھڑکن جیسے بے ترتیب ہونے لگی۔

حدیر رحمانی...وہ جو اپنے جذبات لفظوں میں نہیں ڈھالتا تھا۔جو محبت جتاتا کم تھا، نبھاتا زیادہ تھا۔آج وہ ایسی باتیں کررہا تھا جن میں محبت ہی نہیں عشق بول رہا تھا۔وہ خاموشی سے اس کی آواز سنتی رہ گئی۔

"آپ ٹھیک ہیں نا حدیر؟"۔وہ پھر دھیرے سے پوچھ بیٹھی۔جیسے اب بھی یقین نہ آرہا ہو۔

حدیر ہلکا سا مسکرایا۔وہ اس کی بے یقینی سمجھ رہا تھا۔

"میں کال کروں تو اٹھالیا کرو ماہی۔اتنا انتظار مت کروایا کرو"۔اس کی آواز اب اور بھی نرم ہوگئی تھی۔"تمہاری آواز میرے لیے دوا کا کام کرنے لگی ہے۔میری بے چینی ختم کرتی ہے۔پچھلے گھنٹے بہت بے سکون گزرے ہیں...جانم"۔

جانم...یہ لفظ ماہ گل کے دل میں اترا۔وہ دم بخود رہ گئی۔لب خاموش ہوگئے۔سانسیں دھیمی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ماہ گل کو محبت پہلے ہوئی تھی۔وہ شروع کردنوں میں ہی حدیر رحمانی کے وجود کے گرد دل ہار بیٹھی تھی۔اس کے ٹھہرے لہجے، خاموش طبیعت، نرم خیال رکھنے والے انداز پر۔

مگر حدیر؟ وہ شاید دیر سے مبتلا ہوا تھا مگر جب ہوا تو عشق کی آخری حدوں تک اتر گیا۔وہ جو اپنے جذبات کو لفظوں میں قید نہیں کرتا تھا، آج ماہ گل کی آواز میں سکون تلاش کرنے لگا تھا۔

اس کی خاموشی سے بے چین اور اس کے چند نرم جملوں سے پر سکون ہو جانے لگا تھا۔

ماہ گل اب دھیرے دھیرے اس سے باتیں کرتی رہی۔

کبھی رحمانی ہاؤس کی کسی بات کا ذکر کرتی، کبھی مناہل کی شرارتیں سناتی، کبھی لان میں کھلے پھولوں کی بات۔

اور حدیر؟ وہ بس خاموشی سے سنتا رہا۔

کبھی ہلکا سا 'ہمم' کہتا، پھر خاموش ہو جاتا۔

ٹورنٹو کے اُس اپارٹمنٹ میں بارش اب تھم چکی تھی۔ شیشوں پر جمے قطرے دھندلے ہوتے جارہے تھے۔

صوفے پر نیم دراز حدیر نے ایک بازو آنکھوں پر رکھا ہوا تھا جبکہ دوسرا ہاتھ اب بھی موبائل تھامے ہوئے تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اور پھر چند لمحوں بعد ماہ گل کو اس کی سانسیں کچھ اور بھاری محسوس ہوئیں۔ پرسکون۔ باقاعدہ۔ گہری۔ وہ رک گئی۔ دل میں ایک نرم سی لہر ابھری۔

"حدیر؟"۔ اس نے بہت آہستہ سے پکارا۔ کوئی جواب نہیں آیا۔ صرف اس کی دھیمی سانسوں کی آواز وہ سو چکا تھا۔

ماہ گل کے لبوں پر بے اختیار بہت نرم سی مسکراہٹ آگئی۔ دل عجیب محبت سے بھر گیا۔ اسے اس لمحے حدیر پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ کتنا تھک گیا تھا وہ.. کتنا الجھا ہوا تھا اور پھر سکون ڈھونڈنے اس کے پاس آیا تھا۔ صرف اس کی آواز سننے۔ صرف چند لفظوں کی پناہ لینے۔

کاش... کاش وہ اس وقت سامنے ہوتا۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی۔ اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھتی۔ اسے یوں بے فکر سوتے دیکھتی۔ اور شاید بہت دھیرے سے کہتی۔

"ماہی ہے نا حدیر اب اتنا نہ تھکا یا کریں خود کو"۔ مگر اس وقت ان دونوں کے درمیان ہزاروں میل کا فاصلہ تھا۔

پھر بھی محبت کبھی فاصلے نہیں ناپتی۔ صرف دلوں کی دھڑکنیں سنتی ہے۔ نوائے دل بن کر۔

چند دنوں بعد...

رحمانی ہاؤس کی فضا مدتوں بعد پھر سے سانس لینے لگی تھی۔لان میں پھیلی شام نرم سنہری روشنی میں نہائی ہوئی تھی۔ہلکی ہلکی ہوا سبز گھاس کو چھو کر گزر رہی تھی۔سفید چنبیلی کی بیلوں سے خوشبو بکھر رہی تھی اور دور کہیں پرندے اپنے گھونسلوں کی جانب لوٹ رہے تھے۔

اماں سائیں لان کے ایک کونے میں بچھی آرام کرسی پر بیٹھی تھیں۔ان کے چہرے پر برسوں بعد ٹھہری ہوئی آسودگی دکھائی دے رہی تھی۔قریب ہی آفاق رحمانی بیٹھے تھے۔دھوپ ان کے بالوں میں اتر آئی تھی اور آنکھوں کے گرد پھیلی تھکن اب پہلے جیسی کربناک نہیں لگتی تھی۔جیسے برسوں بعد لوٹ آنے سے انسان کے اندر کی آوارہ تھکن کو بھی گھر مل جائے۔

"بابا...آپ میرے ساتھ شاپنگ پر چلیں گے؟"۔مناہل ہلکی سی جھجھک لیے اماں سائیں کے پاس بیٹھے آفاق رحمانی کے قریب آئی تھی۔اس کے لہجے میں خواہش بھی تھی اور انجانی سی ہچکچاہٹ بھی۔۔۔جیسے وہ ابھی تک یقین کر نا سیکھ رہی ہو کہ بابا واقعی واپس آگئے ہیں۔آفاق رحمانی نے چونک کر بیٹی کو دیکھا پھر اگلے ہی لمحے جیسے چہرے پر نرمی بکھر گئی۔

"بالکل چلوں گا۔" وہ فوراً اٹھے اور محبت سے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔مناہل فوراً ان کے بازوؤں کے حصار میں سمٹ گئی۔

”آپ جانتے ہیں جو بلو ڈریس آپ میرے لیے لائے تھے نا... میری ساری دوستیں اس کی اتنی تعریف کر رہی تھیں۔ سب پوچھ رہی تھیں کہاں سے لیا“۔ وہ اب چہکتے ہوئے ساتھ ساتھ چلنے لگی تھی۔ اور آفاق رحمانی؟ وہ بس اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر کھلتی خوشی کو... اس کے لہجے میں چھپی اپنائیت کو... اس احساس کو کہ شاید ان کی بیٹی نے انہیں اب اپنے دل سے مکمل نہیں نکالا تھا۔

کچھ دن قبل حدیرا انہیں واپس لے آیا تھا۔ برسوں بعد۔

اماں سائیں کی خوشی کا تو جیسے کوئی کنارہ ہی نہ تھا۔ وہ اکثر انہیں اپنے پاس بٹھائے رکھتیں۔ کبھی ان کے سر پر ہاتھ پھیرتیں، کبھی بنا وجہ دیکھ کر مسکرا دیتیں، اور کبھی چپکے سے آنکھیں پونچھ لیتیں۔

Clubb of Quality Content

”میری گڑیا بہت پیاری ہے“۔ وہ بے اختیار مسکراتے ہوئے مناہل کی پیشانی چوم گئے۔

”بابا... آپ بھی بہت اچھے ہیں“۔ مناہل یکدم جذباتی ہوئی اور ان کے سینے سے لگ گئی۔

اوپر بالکونی میں کھڑی بشریٰ رحمانی خاموشی سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ سنجیدہ چہرہ، نم آنکھیں۔

ان کے چہرے پر پہلی بار وہ سختی نہیں تھی جو برسوں سے ان کی پہچان بن گئی تھی۔ صرف خاموشی تھی اور شاید اندر کہیں گہرا پچھتاوا۔

"آج بابا کے ساتھ رائیڈ لو گی؟"۔ آفاق رحمانی نے محبت سے پوچھا۔

مناہل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "رائیڈ؟ آپ کے ساتھ؟ سچی بابا؟" اس کی خوشی بھری چیخ پر وہ ہنس دیے۔

"بالکل"۔ انہوں نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا مگر اگلے ہی لمحے آنکھیں دھندلانے لگیں۔

بیٹیاں واقعی کتنی مہربان ہوتی ہیں۔ وہ سوال نہیں کرتیں۔ وہ برسوں کی دوری کا حساب نہیں مانگتیں۔ برسوں کی کمی کو چند لمحوں کی محبت سے بھلا دیتی ہیں۔ وہ شکووں کو سینے میں دفن کر کے صرف باپ کے ایک لمس پر پگھل جاتی ہیں۔

مگر بیٹے۔۔۔

ریان اب ان سے بات تو کر لیتا تھا، ساتھ بیٹھ بھی جاتا تھا، مگر اب بھی ان کے درمیان ہلکا سا تکلف موجود تھا۔

اور ہریرہ۔۔۔وہ تو سلام کے بعد شاید ہی ایک لفظ زیادہ بولتا۔آفاق رحمانی اس سے بات کرنے کی کوشش کرتے تو وہ نرمی سے کوئی کام یاد آنے کا بہانہ بنا کر وہاں سے اٹھ جاتا۔

آفاق رحمانی کو محسوس ہو رہا تھا کہ مناہل تو آہستہ آہستہ ان کے قریب آچکی تھی۔ریان بھی شاید وقت کے ساتھ نرم پڑ جائے... لیکن ہریرہ؟

اور شاید وہ اس کا حق تھا۔ہر زخم ایک جیسے نہیں ہوتے۔کچھ بھر جاتے ہیں۔کچھ صرف دھندلے ہوتے ہیں۔

آفاق رحمانی نے دور کھڑے ہریرہ کو دیکھا تو لب بھینچ لیے۔

بچوں کے بچپن...ان کی پہلی کامیابیاں...پہلی ناکامیاں...ان کے خوف، ضدیں، ہنسنا، رونا۔۔۔سب لمحے ان کے ہاتھوں سے پھسل گئے تھے۔

اور اب صرف ملال تھا۔گہرا...خاموش...چبھتا ہوا ملال۔

مناہل اب یونیورسٹی کے قصے سنا رہی تھی۔کبھی کسی ٹیچر کی کوئی بات، کبھی دوستوں کی باتیں بتاتی، کبھی خود ہی ہنسنے لگتی۔اور آفاق رحمانی پوری توجہ سے اسے سن رہے تھے۔

اور رہی بات بشریٰ رحمانی کی... تو ان دونوں کے درمیان اب بھی ایک گہری خاموشی حائل تھی۔

بہت ضروری بات ہوتی تو دو لفظوں کا تبادلہ ہو جاتا۔

ورنہ برسوں کی انا، دکھ، غلطیاں اور فاصلے اب بھی ان کے درمیان دیوار بنے کھڑے تھے۔

مگر شاید... ہر کہانی کا اختتام شور سے نہیں ہوتا۔ کچھ رشتے آہستہ آہستہ سانس لینا دوبارہ سیکھتے ہیں۔ کچھ رشتے مکمل ختم نہیں ہوتے۔ وہ بس وقت مانگتے ہیں۔ صبر مانگتے ہیں۔ اعتراف مانگتے ہیں۔

کیا پتا آنے والے دنوں میں...

چھ ماہ بعد...

یا شاید ایک سال بعد...

ان کے رشتے کی برف بھی پگھلنے لگے؟

کیا پتا ایک دن وہ دونوں بیٹھ کر برسوں کی خاموشیوں کو لفظ دے سکیں۔

کیا پتا؟

آخر امید پر ہی تو رشتے زندہ رہتے ہیں۔

Clubb of Quality Content ناولز کلب

رحمانی ہاؤس کی اوپری منزل پر صبح پوری آب وتاب سے پھیل چکی تھی۔ کھڑکیوں سے چھنتی نرم سنہری دھوپ کوریڈور کے سفید فرش پر مستطیل نقش بنا رہی تھی۔ باہر لان میں مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا اور بھیگی مٹی کی خوشبو ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی۔

ہریرہ اپنے کمرے میں تیار ہو رہا تھا۔ سفید شرٹ کے اوپر کوٹ پہننے کے لیے اس نے نگاہیں گھمائیں۔ رشنا خاموشی سے اس کے قریب آئی۔ ہاتھ میں اس کا کوٹ تھا اور چہرے پر ہلکی سی سنجیدگی۔

”بڑے بابا بہت اچھے ہیں۔۔ آپ ان سے بات کیوں نہیں کرتے؟ کتنے دن گزر گئے انہیں آئے؟“۔ اس نے نرمی سے کوٹ اس کی جانب بڑھایا۔

ہریرہ نے کوٹ لیا مگر چہرہ ویسا ہی سپاٹ رہا۔

”تم جانتی ہو میں اتنی جلدی اجنبیوں سے گھلتا ملتا نہیں“۔ لفظ اجنبی جیسے فضا میں ٹھہر گیا۔ رشنا کی انگلیاں بے اختیار سمٹ گئیں۔ ایک لمحے کو وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی۔ اتنی دوری؟ اتنی بیگانگی؟

”وہ آپ کے باپ ہیں ہریرہ“۔ اس کی آواز میں اب ہلکا سا دکھ شامل ہو گیا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہریرہ نے کوٹ پہنا، گھڑی کلائی پر باندھی اور پھر یکدم رخ موڑا۔اس اس کے چہرے پر اذیت کے کئی رنگ بیک وقت ابھر آئے تھے۔

"میں شاید چھ سات سال کا تھا جب وہ چھوڑ کر گئے تھے"۔لہجہ بھاری ہو گیا۔"اور اب؟ اب میں تیس سال کا ہوں اور وہ واپس آئے ہیں"۔وہ ہلکا سا تلخ مسکرایا۔ایسی مسکراہٹ جو دل کے زخم چھپا نہیں پاتی۔

"کیا کہوں میں انہیں؟ بابا؟ کیسے؟"۔اس کی آنکھوں میں نمی تو نہ تھی مگر محرومی صاف جھلک رہی تھی۔

"جس شخص سے کبھی بات نہ کی ہو... جس کے ساتھ کبھی بیٹھا نہ ہو... جس کا لمس تک محسوس نہ کیا ہو... کیا چاہتی ہو میں جا کر فوراً ان کے گلے لگ جاؤں؟ ان سے باپ بیٹے کی طرح باتیں کروں؟"۔

رشنا خاموشی سے سنتی رہی۔صبح کی روشن دھوپ کے باوجود اس لمحے فضا میں عجیب سی اداسی اتر آئی تھی۔

"نہیں کر سکتا میں"۔ہریرہ نے نظریں چرائیں۔آواز میں اب تھکن شامل ہو گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"اگر سب یہ سوچ رہے ہیں کہ میں فوراً سے اچھا بیٹا بن جاؤں تو معذرت میں اتنا اچھا نہیں ہوں"۔ وہ واضح کر گیا تھا کہ اسے مجبور نہ کیا جائے۔ وہ جانتا تھا گھر میں سب لوگ آج کل ایک ہی کوشش میں لگے تھے اس کے اور آفاق رحمانی کے درمیان فاصلے کم ہو جائیں۔

"آپ جانتے ہیں وہ خود چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔ ماما جا رہی تھیں اور دادا سائیں ایسا نہیں چاہتے تھے۔ تو پھر بڑے بابا کیا کرتے؟"۔ رشنا نے چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھا۔ پھر دھیرے لہجے میں بولی۔

ہریرہ کے ہاتھ ایک لمحے کو رکے مگر وہ پلٹا نہیں۔ وہ سب جانتا تھا۔ شاید سمجھتا بھی تھا۔ مگر کچھ محرومیاں سمجھ آجانے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتیں۔

باہر لان میں پرندوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

"رشنا پلیز یار۔۔۔" وہ اچانک بے بسی سے بولا۔ آواز دھیمی تھی مگر اس میں تھکن گھلی ہوئی تھی۔ "میں نہیں چاہتا میں تم سے دوسری بار کسی اور کی وجہ سے روڈ ہو جاؤں یا تمہیں ہرٹ کر دوں۔ میں ایسا نہیں چاہتا۔ پہلے ہی ایک بار یہ رویہ تمہارے ساتھ کر کے بہت گلٹی محسوس کرتا ہوں۔ مت کیا کرو ناایسی باتیں۔ تم مجھے بہت پیاری ہو۔۔۔ میں غصے یا فرسٹریشن میں کبھی انجانے میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ وہ پہلی بار۔۔۔ آخری بار ہی تھی۔ میں دوبارہ نہیں

Clubb of Quality Content

دہرانا چاہتا''۔وہ کہتے ہوئے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں بھر گیا۔اس کے لمس میں معذرت بھی تھی، محبت بھی،اور ایک عجیب سی بے بسی بھی۔

رشنا کی آنکھیں نمی سے بھر گئیں۔وہ فوراً نفی میں سر ہلانے لگی۔

''میں آپ کو فورس نہیں کر رہی''۔اس کی آواز روہانسی ہو گئی۔''میں نے آپ کو اداس کر دیا نا؟''۔ہریرہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''میں بس''۔وہ مشکل سے بولی۔''بڑے بابا کو دیکھتی ہوں تو احساس ہوتا ہے بابا کیسے ہوتے ہیں۔ان سے بابا کے قصے سنتی ہوں تو دل کرتا ہے کاش بابا بھی ہمارے ساتھ ہوتے''۔اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔''اسی لیے نہیں چاہتی کہ ناراضگی کے سبب آپ وہ لمحے کھو دیں جو ابھی آپ کے پاس ہیں۔باپ بہت اچھے ہوتے ہیں ہریرہ۔۔۔بہت اچھے''۔آخری لفظ کے ساتھ اس کی آواز روندھ گئی۔آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔

ہریرہ بات کا پس منظر جان کر یکدم خاموش ہو گیا۔وہ معارج چاچو کو یاد کر کے حساس ہو رہی تھی۔وہ اپنے بڑے بابا میں اپنے باپ کا عکس ڈھونڈ رہی تھی۔

ہریرہ نے آہستگی سے اس کے آنسو صاف کیے۔پھر جھک کر اس کی پیشانی پر نرم سا بوسہ ثبت کر دیا۔

"ڈونٹ کرائے"۔ وہ سرگوشی میں بولا۔

"تم ٹھیک کہ رہی ہو"۔ اس نے گہری سانس لی۔ "لیکن کچھ وقت دو مجھے۔۔۔ میری جان"۔ اس نے اسے اپنے قریب کرلیا۔ صرف باہر چلتی صبح کی ہوا پردوں کو ہلکا سا ہلا رہی تھی۔

پھر اچانک ہریرہ نے جان بوجھ کر سنجیدہ چہرہ بنایا۔

"تب تک تم میرے بدلے لو۔ بابا سے خوب خرچہ کرواؤ۔ گھومنے جاؤ، شاپنگ کرو، اور روحان کے لیے ڈھیر ساری چیزیں لو۔ آخر دادا ہیں اس کے"۔ وہ اس کا موڈ بحال کرنے کی خاطر کہتا گیا۔ رشا نے نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا۔

"اور اتنا خرچہ کرواؤ"۔ وہ اب ہلکی شگفتگی سے بولا۔ "کہ تمہارے بڑے بابا لازمی سوچیں، میں واپس آیا ہی کیوں؟"۔

"ہریرہ!" رشا بے اختیار ہنس پڑی۔ کچھ رشتے فوراً نہیں جڑتے مگر محبت، صبر اور وقت آہستہ آہستہ سب فاصلے سمیٹ ہی لیتے ہیں۔

آفس کی وسیع شیشے والی کھڑکیوں سے دوپہر کی دھیمی دھوپ اندر اتر رہی تھی۔ باہر شہر اپنی پوری رفتار سے چل رہا تھا جبکہ اندر کمرے میں ہلکی کافی کی خوشبو اور فائلوں کے پلٹنے کی آوازیں ایک مصروف دن کا احساس دے رہی تھیں۔

حُدیر اپنی کرسی پر نیم سنجیدہ انداز میں بیٹھا سامنے رکھے ڈیزائنز دیکھ رہا تھا۔ پچھلے کئی دنوں سے نئی کلیکشن کے لیے بہترین ڈیزائنز کی تلاش جاری تھی۔ مائرہ کے آفس چھوڑنے کے بعد جیسے پورا کریئیٹو ڈیپارٹمنٹ بے رنگ سا ہو گیا تھا۔ جو بھی ڈیزائن سامنے آتے، حدیر کو ان میں وہ نفاست، وہ جان محسوس نہ ہوتی جس کی اسے تلاش تھی۔

مگر اس وقت اس کے ہاتھ میں موجود شیٹس مختلف تھیں۔ بہت مختلف۔

اس کی نظریں بار بار ڈیزائن کی باریکیوں پر جا ٹھہرتیں۔ کہیں رنگوں کا انتخاب دل موہ رہا تھا، کہیں نفیس پیٹرن، کہیں روایت اور ماڈرن آرٹ کا ایسا حسین امتزاج کہ وہ بے اختیار متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

”یہ تم اتنا زبردست ڈیزائن کس سے بنوا کر لائے ہو؟“۔ وہ واقعی متاثر کن انداز میں بولا۔

”یہ تمام ڈیزائن مسز حدیر رحمانی نے بنا کر دی ہیں“۔ مزمل سامنے صوفے پر بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ تیر گئی۔

حدیر کے ہاتھ جیسے ایک لمحے کو رک گئے۔

"مسز حدیر رحمانی؟"۔اس نے بے یقینی سے الفاظ دہرائے۔پھر جیسے دماغ نے آہستگی سے مطلب اخذ کیا۔

"حدیر رحمانی۔۔۔"لب دوبارہ ہلے۔اگلے ہی لمحے اس کی آنکھوں میں حیرت کی چمک ابھری۔

"اوہ خدایا"۔وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"یہ؟ یہ ڈیزائن میری بیوی نے بنائے ہیں؟"۔لہجے میں خوشگوار حیرت گھل گئی تھی۔

"ہاں، تمہاری بیوی نے ہی"۔مزمل اب کھل کر مسکرایا۔

حدیر نے دوبارہ نگاہ ڈیزائنز پر ڈالیں۔اب جیسے وہ صرف ڈیزائن نہیں رہے تھے۔ان میں اسے ماہ گل کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔اس کی نفاست،اس کی خوبصورتی،اس کا نرم جمالیاتی ذوق۔

پیپر پر آسمانی رنگ کے لانگ فلوئی ڈریس کا نفیس اسکیچ بنا تھا۔ایسا نرم، ٹھنڈا آسمانی رنگ جیسے بہار کی صبح میں بارش کے بعد صاف ہوا آسمان۔لباس کا فال لمبا اور گریس فل تھا،جو چلنے پر ہلکے ہلکے لہروں کی مانند بکھرنے والا محسوس ہو رہا تھا۔

شرٹ کے دامن پر ہاتھ سے بنے سفید اور سلور تھریڈ ورک کی بیلیں بنی تھیں۔ کہیں کہیں باریک موتیوں کی جھلملاہٹ تھی، جیسے شبنم کے قطرے پھولوں پر ٹھہر گئے ہوں۔ آستینیں فل سلیوز تھیں مگر کف پر نہایت نفیس کڑھائی اسے شاہانہ نزاکت دے رہی تھی۔

گردن کا ڈیزائن خاص طور پر دل موہ لینے والا تھا۔ نہ بہت بھاری، نہ ضرورت سے زیادہ سادہ۔ ایک نرم سا بوٹ نیک جس کے گرد ہلکی موتیوں کی لائن اور آسمانی دھاگوں سے بنے ننھے پھول تھے۔

ساتھ دوپٹے کا الگ اسکیچ بنا تھا۔ ہلکے نیٹ کے دوپٹے کے کناروں پر سفید ایمبرائیڈری اور چھوٹے چھوٹے کرسٹل اسٹونز جگمگا رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا شام کے آسمان پر ننھے ستارے بکھر گئے ہوں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مزید نیچے ماہ گل نے اپنے ہاتھ سے چند نوٹس بھی لکھے تھے۔

"Fabric should move softly with wind."

"Elegance over heaviness."

"Looks dreamy in natural light."

حدیر کی نگاہیں انہی لفظوں پر آ کر رک گئی تھیں۔

...Dreamy in natural light

وہ بے اختیار تصور میں ماہ گل کو اسی لباس میں دیکھ بیٹھا۔ کھلے بال، ہلکی ہوا، اور وہ آسمانی رنگ جو اس کی نرم شخصیت پر ویسے ہی جچتا جیسے چاندنی رات پر خاموشی۔

''مزمل اس کلیکشن کا پہلا تیار ہونے والا لباس کسی ماڈل کے لیے نہیں ہوگا۔ وہ صرف ماہ گل کے لیے ہوگا''۔ لبوں پر دھیمی مسکراہٹ لیے وہ مزمل کو ہدایت دینے لگا۔ شاید اسی لمحے حدیر نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا۔

''جو حکم باس''۔ مزمل شرارت سے مسکرایا۔

''یہ بات ماہ گل کو معلوم نہیں ہونی چاہیے''۔ اس کی شرارتی نگاہوں پر تنبیہ کرنا ضروری سمجھا

''انڈراسٹوڈ سر''۔ مسکراہٹ دباتا سر ہلا گیا۔

''مطلب ڈیزائنر گھر میں ہی تھا اور ہم یوں ہی باہر تلاش کرتے پھر رہے تھے''۔ حدیر دوسرے ڈیزائنز کو دوبارہ سے دیکھتا ہولے سے ہنسا۔

اس کے چہرے پر پھیلتی نرم سی مسکراہٹ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی تھی۔ وہی مسکراہٹ جو صرف ماہ گل کا ذکر آنے پر اس کے لبوں کو چھوتی تھی۔

Clubb of Quality Content!

اس نے بڑی محبت سے آسمانی لباس والے ڈیزائن پر انگلی پھیری۔ ”کمال ہے یار“۔ وہ دھیرے سے بولا۔ ”وہ آخر کیا نہیں کر سکتی؟“

مزمل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ محبت واقعی انسان کو بدل دیتی ہے۔ کبھی ہر وقت سنجیدہ رہنے والا حدیر اب چھوٹی چھوٹی باتوں پر یوں مسکرا دیتا تھا۔ کبھی کام کے سوا کچھ نہ سوچنے والا شخص اب ہر کامیابی میں ماہ گل کو ڈھونڈ لیتا تھا۔

”تم کیسے ماہی سے بنوا لائے؟“۔ حدیر نے اب بھی ہاتھ میں پکڑے ڈیزائنز پر نگاہ جمائے تجسس سے سوال کیا۔ اس کی آواز میں حیرت باقی تھی مگر اس حیرت کے نیچے ایک نرم سا فخر بھی چھپا ہوا تھا۔

آفس کے کمرے میں ہلکی خاموشی بکھری ہوئی تھی۔ باہر شیشے کی دیواروں کے پار شہر اپنی رفتار سے دوڑ رہا تھا جبکہ اندر حدیر کے لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ اس کے اندر کے بدلتے موسم کی گواہی دے رہی تھی۔

مزمل کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ہلکا سا مسکرایا۔

"یار، تم جانتے ہو نا پچھلے کچھ دنوں سے ڈیزائنر کا مسئلہ چل رہا تھا"۔ وہ دھیرے دھیرے بولنے لگا۔ "فوری نئی کلیکشن کے لیے ڈیزائن چاہیے تھے اور کوئی بھی ہمیں وہ کام نہیں دے پا رہا تھا جو ہم چاہتے تھے"۔ وہ لمحہ بھر کو رکا، جیسے سارا منظر دوبارہ ذہن میں تازہ ہو گیا ہو۔

"میں اسی ٹینشن میں بیٹھا تھا کہ بھابھی نے پوچھ لیا، 'کوئی مسئلہ ہے؟"۔ مزمل ہلکے سے ہنسا۔

"اور میں بھی جانے کیوں سب بتا بیٹھا۔ کہ تم ملک سے باہر ہو، ادھر ڈیزائنر کا مسئلہ چل رہا ہے، وقت کم ہے، اور ہمیں ویسا کام چاہیے جو برانڈ کی کلاس برقرار رکھ سکے"۔ حدیر خاموشی سے سنتا رہا۔

"میری پوری بات سننے کے بعد بھابھی نے بہت آرام سے کہا۔۔۔ اگر آپ چاہیں تو ہم کوشش کر سکتے ہیں"۔ مزمل پورا کا پورا ماہ گل کا جملہ کاپی کیا۔ حدیر کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"سچ کہوں؟" مزمل نے سر جھٹکا۔ "مجھے نہیں لگا تھا وہ ویسا بنا پائیں گی جیسا ہم چاہتے ہیں۔ مطلب۔۔۔ ظاہر ہے، میں نے کبھی انہیں اس طرح پروفیشنل کام کرتے دیکھا نہیں تھا۔ لیکن انہیں منع بھی نہیں کر سکا۔ لگا شاید ہمدردی میں آفر کر رہی ہیں"۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے

بولا۔ ”خیر، میں نے ساری تفصیل انہیں دے دی۔ کلرز، تھیم، کلیکشن کا وژن، سب کچھ“۔

حدیر پوری توجہ سے سنتا رہا۔

”اور تم جانتے ہو؟“۔ مزمل کی آواز میں اب واضح ستائش اتر آئی۔ ”یہ تمام ڈیزائن وہ مجھے اسی رات میل کر چکی تھیں“۔

حدیر نے دوبارہ ڈیزائنز کی طرف دیکھا۔ اب اسے واقعی حیرت ہو رہی تھی۔ ماہ گل نے کبھی اپنے ہنر کو اس انداز میں ظاہر نہیں کیا تھا۔ وہ خاموشی سے خوبصورت چیزیں تخلیق کرنے والی عورت تھی۔ شور مچائے بغیر متاثر کر دینے والی۔ اور اس لمحے حدیر رحمانی کے دل میں عجیب سا فخر بھر آیا۔ اس کی بیوی واقعی کمال تھی۔ وہ صرف محبت بانٹنے والی عورت نہیں تھی، وہ صلاحیتوں سے بھرپور، نفیس ذوق رکھنے والی، خاموشی سے سب سنبھال لینے والی عورت تھی۔

دل بے ساختہ گھر جانے کو مچل اٹھا۔ اس نے فوراً کلائی موڑ کر گھڑی دیکھی۔ آہ۔۔۔ ابھی بھی پورے دو گھنٹے باقی تھے۔ اس نے کرسی کی پشت سے سر ٹکا لیا اور ہولے سے مسکرا دیا۔ اب مشکل تھا دل کا دوبارہ کام میں لگنا۔ کیونکہ کچھ لوگ انسان کی زندگی میں ایسے اترتے ہیں کہ پھر ہر کامیابی، ہر خوبصورتی، ہر سکون میں بس انہی کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

کمرے میں رات کی نرم خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ آشیانہ مسز حدیر کا وہ ماسٹر بیڈروم ہمیشہ کی طرح نفاست اور سکون کا حسین امتزاج لگ رہا تھا۔ دیواروں پر پڑتی ہلکی سنہری روشنی ماحول کو اور زیادہ گرم اور پُر سکون بنا رہی تھی۔ ایک طرف بڑی شیشے کی کھڑکی کے باہر رات کے سیاہ آسمان پر چاند ہلکی روشنی بکھیر رہا تھا جبکہ باریک سفید پردے ٹھنڈی ہوا سے آہستہ آہستہ لہرا رہے تھے۔

کمرے کے ایک کونے میں رکھی بک شیلف پر کتابیں ترتیب سے سجی تھیں۔ قریب ہی خوشبو دیتی موم بتی جل رہی تھی جس کی مدھم خوشبو پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ بیڈ کے ساتھ رکھی چھوٹی سی لیمپ لائٹ کی زرد روشنی میں ماہ گل کا سفید لباس اور بھی نرم دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بیڈ پر ٹانگیں سمیٹے بیٹھی میگزین کے ورق الٹ رہی تھی۔ کھلے بال کبھی چہرے پر آ جاتے تو وہ بے دھیانی میں کان کے پیچھے اڑس دیتی۔ سفید رنگ کا دوپٹہ بار بار کندھوں سے پھسلتا اور وہ جھنجھلا کر اسے دوبارہ سنبھال لیتی۔

"تم نے فیشن ڈیزائننگ کی ڈگری فریم کروانے کے لیے کی تھی؟"۔ تبھی حدیر کمرے میں آتے ہوئے اسے دیکھ کر بولا۔

اس کی اچانک آواز پر وہ چونک کر سر اٹھائی۔ میگزین بند کرتی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''کیوں؟اب کیا ہو گیا؟''۔

حدیر ٹائی ڈھیلی کرتا، کوٹ صوفے پر پھینکتا بے حد سکون سے اس کی جانب بڑھا۔''ہوا کچھ نہیں۔کل سے آپ آفس جوائن کر رہی ہیں''۔پورا دن آفس میں گزارنے کے باوجود چہرے پر عجیب سی راحت تھی...شاید گھر واپس آکر اسے دیکھ لینے کی راحت۔

''کیا ہو گیا ہے؟ہم کہیں نہیں جا رہے''۔بوکھلا کر فوراً کھڑی ہوئی اور تیزی سے اس کے قریب آگئی۔''اچھی بھلی گھر پر ہوں''۔وہ بڑبڑانے لگی۔''سب سمجھ آ رہا ہے ہمیں۔خود روز آفس جاتے ہیں اور ہمیں سکون میں دیکھ کر اچھا نہیں لگ رہا ہو گا''۔

انگلی اٹھائے وہ غصے سے اسے گھورنے لگی۔حدیر نے بازو باندھ لیے۔

''ماہی تم نے چار سال پیسہ لگا کر گھر بیٹھنے کے لیے ڈگری لی تھی؟''۔اس کے ڈرامے بازی پر وہ گھورا۔''میں کچھ نہیں جانتا کل سے تم مجھے افس میں نظر آؤ''۔وہ دوٹوک انداز میں گویا ہوا تو ماہ گل نے جیسے شدید ناانصافی محسوس کی۔

''آپ بھی سن لیں۔۔ہم یہاں گھر میں ہی نظر آئیں گے۔اچھا خاصہ آرام سے زندگی گزار رہے ہیں۔۔۔مزے میں۔آپ کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے؟''۔وہ اس کی پشت دیکھتی ڈھیٹ انداز میں گویا ہوئی۔''بڑی مشکل سے تو یہ پُر سکون زندگی ملی ہے۔صبح اٹھو، چائے پیو، کتاب پڑھو،

گارڈننگ کرو، سیریز دیکھو... کیا مسئلہ ہے اس میں؟"۔انگلی اٹھائے وہ غصے سے اسے گھورنے لگی۔آفس جانے کے نام سے ہی جیسے اس کی جان نکل رہی تھی۔

اور حدیر؟

وہ گھڑی ڈریسنگ پر رکھتا پلٹ کر اسے دیکھتا بمشکل اپنی مسکراہٹ روکے ہوئے تھا۔ماہ گل جب اس طرح ناراض ہوتی تو اور بھی زیادہ معصوم لگتی تھی۔خاص طور پر تب جب وہ غصے میں تیزی سے بولنے لگتی،ماتھے پر بل ڈالتی۔

کمرے کی نرم روشنی میں اس کے غصے سے پھولے رخسار اور بھی پیارے لگ رہے تھے۔

"تم آفس سے واپس گھر آؤ گی تب گزار لیا کرنا اپنی دوستوں کے ساتھ وقت۔لیکن تم آفس جوائن کر رہی ہو"۔اس کے لہجے کی نرمی پر بھی ماہ گل نہ پگھلی۔

"اونہہ۔۔کر ہی نہ لیں ہم جوائن"۔وہ طنزیہ سر جھٹکی۔"عجیب زبردستی تھی۔حد ہے"۔ پھر آنکھیں سکیڑ کر مشکوک انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"اور یہ ہمیں سب سمجھ آرہا ہے چوبیس گھنٹے اپنے ساتھ رکھنے کے لیے ہمیں فورس کر رہے ہیں نا؟"۔چھوٹی چھوٹی آنکھیں کیے اسے گھورا۔"کچھ گھنٹے آپ کے آفس جانے پر جو ہم سکون کا

سانس لیتے ہیں آپ چاہتے ہیں وہ بھی نہ لیں؟"۔حدیر اسے دیکھ کر رہ گیا۔بس سر پکڑنے کی کسر رہ گئی تھی۔وہ چند لمحے خاموش کھڑا اسے گھورتا رہا پھر گہری سانس لے کر خود کو پر سکون کیا۔

"ماہ گل میڈم میں اپنے آفس میں ہر گز آپ کو ڈیسک نہیں دے رہا۔سکون مجھے اپنا بھی بہت عزیز ہے،آپ کا الگ آفس ہو گا اور الحمداللہ کمپنی اتنی بڑی ہے کہ ہمارا ٹاکرا تو بالکل نہیں ہو گا"۔وہ سکون سے اس کی خوش فہمی دور کیا۔

ماہ گل نے لب بھینچے۔مگر اگلے ہی لمحے پھر نئی دلیل لے آئی۔

"آپ کا کیا بھروسہ ہمارے برابر میں ہی چیئر لگا کر بیٹھ جائیں؟"۔اب وہ واقعی بات کو طول دے رہی تھی۔حدیر نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"تم مجھے پاگل سمجھا ہوا ہے؟جو میں تمہارے پیچھے پیچھے پھروں گا؟ایک تو تمہیں کیریئر بنانے کا کہہ رہا ہوں اور تم..."وہ اب واقعی خفا ہونے لگا تھا۔

"آپ پیچھے پیچھے ہی گھومتے ہیں؟"۔مگر ماہ گل فوراً زیرِلب منمنائی۔

اس کے ذہن میں فوراً وہ دعوت گھوم گئی جہاں حدیر اسے باقی عورتوں کے پاس چھوڑ ہی نہیں رہا تھا۔تھوڑی دیر بعد خود وہیں آجاتا۔اسے پاس بلالیتا۔پھر اس کے قریب بیٹھ کر اسے دوسروں کی باتوں میں بھی پوری توجہ نہیں دینے دیتا تھا۔اور باقی عورتیں بار بار اس سے یہ سوال کرتی

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شادی کو کیا کچھ دن ہوئے ہیں؟اور جب سنتی ایک سال تو سب حیرت سے منہ کھول کر دیکھنے لگ جاتیں۔

حدیر نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اندازہ لگالیا وہ کس واقعے کی بات کر رہی ہے۔

اس نے مسکراہٹ چھپائی تھی۔اس معاملے میں وہ بے بس تھا۔

"ہم نہیں جائیں گے آفس یہ فائنل ڈیسیجن ہے ورنہ اماں سائیں کو بتادوں گی"۔اب وہ باقاعدہ دھمکی پر اتر آئی۔

حدیر نے آنکھیں بند کر کے خود پر قابو پایا۔

"بھار میں جاؤ تم۔۔۔میرا مطلب ہے میں"۔اس کی خطرناک گھوری پر وہ فوراً سنبھلا۔

"اتنی اچھی آفر ہر کوئی نہیں دیتا اور تم ناشکری بنی ہو"۔

"ہم ناشکرے ہی ٹھیک ہیں"۔ماہ گل نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔وہ ایسے بولی گویا اس خطاب پر اسے ذرا شرمندگی نہ تھی۔سامنے کھڑی لڑکی ضد میں پورا جہان جیت سکتی تھی۔

"لیکن تم بھی سن لو یہ سب بول کر چاہے مجھے جتنا بھی غصہ دلانے کی کوشش کرو لیکن میں بھی حدیر رحمانی ہوں۔آفس نہیں آنا ٹھیک ہے لیکن تم گھر پر ہی ڈیزائن بنا کر مجھے ای میل کیا کرو گی"۔وہ دوسرا حل نکال لایا تھا۔

ماہ گل نے آنکھیں گھمائیں۔آفس نہ سہی...ورک فرام ہوم۔

"ہمممم۔۔۔کتنی سیلری دیں گے پھر ہمیں؟"۔وہ احسان کرنے والے انداز میں گویا ہوئی۔

"تمہیں سیلری کی پڑی ہے؟"۔حدیر کو صدمہ ہوا۔

"ظاہر ہے۔۔۔آپ بتائیں گے تو ہی ہم ڈیل کریں گے۔فری میں تو بالکل نہیں کرنے والے۔اپنا خون پسینہ لگائیں گے تو حق حلال کی کمائی بھی ملنی چاہیے"۔وہ آنکھیں پٹپٹاتے کہنے لگیں۔

حدیر چند لمحے اسے دیکھتا رہ گیا۔سفید دوپٹے کے نیچے سے جھانکتے اس کے نرم بال، چہرے پر کھیلتی شوخ سنجیدگی، اور باتوں میں چھپی معصوم سی لالچ وہ ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔محبت واقعی انسان کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی مسکرانا سکھا دیتی ہے۔

"کیا ہو تم ماہ گل؟"۔وہ ہنس پڑا۔

''اچھا نا بتائیں''۔ لب دانتوں تلے دباتی وہ مزید قریب سرکی۔ حدیر کی نگاہیں نرم پڑتی چلی گئیں۔

''تم اپنی سیلری خود ڈیسائیڈ کر لینا... بس میں چاہتا ہوں تم ڈیزائننگ کرو''۔ اس کے لہجے میں خواہش بھی تھی، مان بھی اور وہ خاموش سا فخر بھی کہ اس کی بیوی لاجواب ڈیزائنر تھی۔

''پھر آپ کا پورا بینک اکاؤنٹ ہمارا ہوا؟''۔ وہ معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائی۔ حدیر نے ایک لمحے کے لیے اسے حیرانی سے دیکھا پھر سر جھکا کر ہنس دیا۔ آہ... یہ وہی ماہ گل تھی جس نے اس کی بے ترتیب زندگی میں محبت کا موسم اتارا تھا۔

''تمہارا ہوا۔۔۔ ڈیل ڈن مسز حدیر''۔ سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

ماہ گل کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ آ گئی۔ کمرے کی نرم زرد روشنی میں اس کا چہرہ کسی شرارتی خواب جیسا لگ رہا تھا۔

''ابھی ایک اور شرط باقی ہے۔۔۔''۔ وہ فوراً سے بولی۔

''اب کیا؟''۔ وہ بیچارگی سے اسے دیکھے گیا۔ سننے کے علاوہ کوئی چارہ تھا؟ ہرگز نہیں۔ اسے نہ صرف سننا تھا بلکہ ماننا بھی تھا۔

نوائے دل کی آخری دہلیز پر کھڑے وہ دونوں اب محبت کو جیت نہیں رہے تھے... محبت انہیں جیت چکی تھی۔

"آپ کہیں ماہی کیا تمہیں یہ آفر قبول ہے؟"۔وہ شرارتی انداز میں دیکھی۔سب کچھ خود طے کر کے اب وہ ضد کر رہی تھی کہ حدیر خود اس سے پوچھے۔

"تم چاہتی ہو میں تمہیں ماہی کہوں؟"۔اپنی مطلب کی بات پکڑتا وہ گہرا مسکرایا۔کمرے میں پھیلی نرم زرد روشنی دونوں کے چہروں پر ہلکی ہلکی سنہری تہہ بچھا رہی تھی۔

ماہ گل نے فوراً تیزی سے سر ہلا دیا۔بال کندھوں پر بکھر آئے۔

"ماہی جانم... کیا آپ حدیر رحمانی کے بینک اکاؤنٹ پر اپنا قبضہ جمانا چاہیں گی؟"۔شرارتی مسکراہٹ لبوں پر سجائے، ڈھیروں جذبات آنکھوں میں لیے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

ماہ گل اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔اس کی ہنسی کمرے میں یوں بکھری جیسے رات کی خاموشی میں اچانک کوئی خوبصورت دھن گونج اٹھے۔

"آپ نے تو ہمیں قبضہ مافیہ ہی سمجھ لیا ہے"۔

"تو کیا نہیں ہو؟"۔وہ ہنسا۔"پہلے میرا روم، پھر وارڈروب پر قبضہ کیا۔ڈریسنگ ٹیبل پر تو اب میری چیزیں نظر ہی نہیں آتیں اور سب سے بڑھ کر۔۔۔"وہ رکا۔

"سب سے بڑھ کر کیا؟"۔ ماہ گل فوراً سوال کی۔ حدیر کی نگاہیں اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ نرم، محفوظ، بے حد اپنائیت لیے۔

"سب سے بڑھ کر میرے دل پر قبضہ جمایا ہوا ہے۔ اب بھی نہ کہوں تمہیں قبضہ مافیہ؟"۔

ماہ گل سر پیچھے ڈال کر ہنستی چلی گئی۔ آنکھوں کے کناروں پر نمی سی چمکنے لگی۔ محبت انسان کو کتنا ہلکا کر دیتی ہے نا؟ جیسے دل سے برسوں کا بوجھ اتر جائے۔

"تو پھر مانتے ہیں نا ہماری جیسی قبضہ مافیہ ہونی چاہیے؟"۔ ہنسی روکتی وہ آنکھوں سے نکلتے آنسو صاف کرنے لگی۔

حدیر بے اختیار مسکرایا۔

"ہاں... لیکن صرف میری زندگی میں"۔ وہ جھک کر اس کے چہرے پر بکھرے بال بڑی نرمی سے کان کے پیچھے سمیٹ گیا۔

شہاب رحمانی کا کمرہ ہمیشہ کی طرح پُر وقار مگر بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ بڑی سی کھڑکی کے باہر رات کی ہوا درختوں کو ہولے ہولے ہلا رہی تھی۔

دیوار پر لگی پرانی گھڑی کی مسلسل ٹک ٹک خاموشی کو مزید گہرا کر رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

شہاب رحمانی آج خود کال کر کے حدیر کو بلوائے تھے۔

وہ آفس سے سیدھا وہیں چلا آیا تھا۔

ان دونوں کے درمیان اب بھی وہ دادا پوتے والی بے تکلف گرمجوشی پیدا نہیں ہو سکی تھی۔ نہ بے ساختہ ہنسی، نہ اپنائیت بھرے شکوے۔ بس ایک سنجیدہ سا تعلق تھا۔ حدیر اب ان کی بات خاموشی سے سن لیا کرتا تھا احترام میں، فاصلے سمیت۔

"جی کہیں"۔ وہ صوفے پر کچھ فاصلے پر ہی ان کے برابر بیٹھ گیا۔ سامنے رکھی چھوٹی میز پر چائے کا کپ ٹھنڈا پڑا تھا۔ شہاب رحمانی کی انگلیاں چھڑی کے سنہری ہینڈل پر دھیرے دھیرے حرکت کر رہی تھیں۔

"تم نے سلمان کو سزا دلوائی ہے نا؟"۔ کئی دنوں سے دماغ میں کلبلاتا سوال آج پوچھ ہی لیا۔

حدیر چند لمحے خاموش رہا۔ اس کی نظریں سیدھی ان کے چہرے پر جم گئیں۔ "جب سلمان کو سزا ہوئی تو میں ملک میں نہیں تھا"۔ چہرے پر نہ گھبراہٹ تھی نہ پریشانی بس ایک ٹھنڈی سنجیدگی۔

"تمہارا کچھ کرنے کیلئے ملک میں ہونا نہ ہونا معنی نہیں رکھتا۔ اب یہ بتاؤ تم ہی تھے؟"۔

کھڑکی سے آتی ہوا نے پردے کو ہلکا سا جنبش دی۔ شہاب رحمانی نے آہستگی سے سر اٹھایا۔

اس بار حدیر نے بنا پلک جھپکائے انہیں دیکھا۔

''ہاں''۔وہ بغیر گھبرائے سر ہلا گیا۔

کمرے کی فضا جیسے چند لمحوں کیلئے مزید بوجھل ہوگئی۔''تم جانتے ہو اس کی ماں کتنی پریشان ہے؟ وہ چچازاد بہن ہے میری''۔شہاب رحمانی نے گہری سانس لی۔چہرے پر خفگی ابھر آئی۔

حدیر کے جبڑے بھینچ گئے۔وہ ذرا سا سیدھا ہو کر بیٹھا۔مدھم روشنی اس کے چہرے کے سخت ہوتے نقوش پر پڑ رہی تھی۔

''تو کیا آپ کی چچازاد بہن نہیں جانتی ان کے بیٹے اور پوتے نے کیا کیا ہے؟ شکر کریں وہ صرف بیٹا حوالات کے اندر ہے...پوتا نہیں''۔لہجے کی تلخی واضح محسوس ہوئی تھی۔

Clubb of Quality Content

شہاب رحمانی کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

''کیا کیا ہے؟ وہ جو بھی غیر قانونی کام کرتا تھا وہ اس کا معاملہ۔ہمیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچایا...تو تمہیں اس معاملے میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟''۔ان کی آواز میں وہی پرانی جاگیردارانہ بے حسی جھلک رہی تھی۔ظلم تب تک ظلم نہ ہو جب تک اپنے دروازے تک نہ پہنچے۔

"آپ جانتے تھے وہ غیر قانونی کاموں میں ملوث ہے؟"۔ حدیر شاک سا ان کی جانب چہرہ گھمایا۔

شہاب رحمانی نظریں ایک پل کو چرائیں۔ حدیر کی آنکھیں انہیں اس لمحے معارج کی آنکھیں محسوس ہوئیں۔ جس کی آنکھوں میں ہمیشہ حق کیلئے ڈٹ جانے والا حوصلہ دکھائی دیتا تھا۔

"آپ جانتے تھے وہ اپنے علاقے میں سرداری کے نام پر معصوم بچیوں کے ساتھ ظلم کرتا تھا، نوجوان لڑکوں کو نشے پر لگاتا تھا اور آپ خاموش بیٹھے تھے کہ وہ آپ کی چچازاد بہن کا بیٹا ہے؟"۔ حدیر کے چہرے کے تاثرات سخت ہوتے چلے گئے۔ آنکھوں میں اترتا غصہ اب صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ غصہ صرف سلمان پر نہیں تھا ان سب لوگوں پر تھا جو جانتے ہوئے خاموش رہے۔

شہاب رحمانی نے بے زاری سے رخ بدلا۔

"وہ نہ ہمارا علاقہ تھا، نہ معاملہ تو کیوں میں خود کو الجھاتا؟"۔ کتنی آسانی سے وہ خود کو الگ کر گئے تھے۔ جیسے ظلم کوئی ذاتی مسئلہ ہوتا ہے... اجتماعی گناہ نہیں۔

حدیر تلخی سے ہنسا۔ وہ مختصر سی ہنسی کمرے کی خاموشی میں اور زیادہ کڑوی محسوس ہوئی۔

Clubb of Quality Content!

''ظلم دیکھ کر خاموش رہنے والا بھی ظالم ہوتا ہے''۔اس نے انہیں تاسف بھری نگاہوں سے دیکھا۔

شہاب رحمانی نے اس کی بات یکسر نظرانداز کر دی۔شاید کچھ سچ ایسے ہوتے ہیں جنہیں سننا انسان برداشت نہیں کر سکتا۔

''تم اپنا کیس واپس لو گے''۔وہ سیدھا مطلب کی بات پر آئے۔

حدیر کا چہرہ یکدم بے تاثر ہوا۔آنکھوں میں عجیب سا سکون اتر آیا۔خطرناک حد تک پر سکون۔

''نہ میں اپنے باپ کے قاتل کو معاف کر سکتا ہوں...نہ ہی کامل۔اس لیے کیس تو واپس نہیں لیا جائے گا''۔اس کے الفاظ آہستگی سے ادا ہوئے مگر شہاب رحمانی کے سکون کو چکنا چور کر گئے۔ وہ جھٹکے سے سیدھے ہو کر بیٹھے۔

''کیا کہا تم نے؟معا۔۔۔رج کا قاتل؟سلمان؟نہیں...یہ نہیں ہو سکتا۔وہ کیسے یہ کر سکتا تھا؟ وہ اپنے ہی کزن کو کیسے مار سکتا ہے؟''۔ان کی آواز لرزنے لگی۔آنکھوں میں بے یقینی پھیل گئی۔

حدیر انہیں دیکھتا رہا۔بہت دیر تک۔پھر ہولے سے ہنسا۔اس بار ہنسی میں دکھ زیادہ تھا۔

"مجھے تو لگا آپ نے کئی سال سرداری کی ہے... کچھ تو بات ہونی چاہیے۔ لیکن آپ تو بہت سادہ نکلے۔ معاملے کی تہہ میں گئے بغیر گاؤں چھوڑ کر شہر آ گئے"۔

"کہنا کیا چاہتے ہو؟"۔ شہاب رحمانی کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ انا، غصہ، شرمندگی سب مل کر ان کے تاثرات بگاڑ رہے تھے۔

---

۲۵ مارچ ۲۰۰۳ کی وہ صبح غیر معمولی حد تک بوجھل تھی۔

گھنے جنگل کے اوپر پھیلی دھند ابھی پوری طرح چھٹی بھی نہ تھی۔ درختوں کی بلند شاخیں خاموش کھڑی تھیں، فضا میں پھیلے المیے پر سوگ منا رہی تھی۔ گیلی مٹی میں خون کی سرخی کسی بدنما داغ کی مانند پھیلتی چلی گئی تھی۔

جنگل کے بیچ لوگوں کا ہجوم جمع تھا۔

سرگوشیاں، سسکیاں، خوف زدہ سانسیں سب مل کر عجیب سا شور پیدا کر رہی تھیں۔

زمین پر دو وجود ساکت پڑے تھے۔ معارج رحمانی اور کامران ملک۔ دو دوست۔ دو سایے۔ جو برسوں ساتھ چلے تھے، آج ایک دوسرے کے خون میں ڈوبے پڑے تھے۔

Clubb of Quality Content

"کیسی گہری دوستی تھی دونوں میں"۔ایک بزرگ نے کانپتی سانس کے ساتھ لاشوں کو دیکھا۔آنکھوں میں افسوس تیر گیا۔

ہوا درختوں سے ٹکرا کر آہستگی سے گزری۔جنگل بھی یہ منظر دیکھ کر خاموش سا ہو گیا۔

"دوستی کب دشمنی میں بدل جائے... کون جانے؟"۔ایک اور آواز ابھری۔

لوگ حیران تھے۔سہمے ہوئے۔کوئی یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ جن دوناموں کی مثالیں دی جاتی تھیں، آج وہی ایک دوسرے کے قاتل کہلائے جا رہے تھے۔

"ایسی بھی کون سی بات ہو گئی تھی کہ جان لینی پڑ گئی ایک دوسرے کی؟"۔کسی نے افسردگی سے سر ہلایا۔

معارج رحمانی اور ان کے بہترین دوست کامران ملک خون میں لت پت پڑے تھے۔کہانی بس اتنی دیکھی گئی تھی کہ دو دوست ایک دوسرے کا قتل کر چکے تھے۔

اور اکثر دنیا وہی مان لیتی ہے جو آنکھوں کو دکھائی دے۔

بعد میں جب دونوں گھروں کے لوگ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو سپردِ خاک کر چکے تو جرگہ بیٹھا۔لمبی بحثیں ہوئیں۔تلخ لہجے، سرد نظریں، بھاری خاموشیاں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

آخر یہی فیصلہ ہوا کہ چونکہ دونوں ایک دوسرے کو مار چکے تھے، اس لیے کسی جانب سے انتقام باقی نہیں بنتا۔

مگر کچھ فیصلے کاغذوں پر ختم ہو جاتے ہیں دلوں میں نہیں۔

رحمانی حویلی اور ملک حویلی کے درمیان برسوں سے چلنے والی چپقلش اب گہری دشمنی میں بدل گئی تھی۔

نفرت ایسی کہ ایک دوسرے کا نام سننا بھی گوارا نہ رہا۔

رحمانی حویلی کا سب سے لاڈلا بیٹا دنیا سے رخصت ہوا تو جیسے پوری حویلی کی سانس رک گئی۔

کشادہ راہداریاں سنسان پڑنے لگیں۔ صحن میں گونجنے والی آوازیں خاموش ہو گئیں۔ در و دیوار پر مستقل سوگ اتر آیا۔اماں سائیں کی سسکیاں رات گئے تک حویلی کے کمروں میں گونجتیں اور پھر خاموشی انہیں نگل جاتی۔

آخر کار وہ حویلی بھی چھوڑ دی گئی۔ پھر شہر منتقل ہو گئے۔ مگر دکھ؟ وہ ساتھ چلا آیا۔

اور یوں سالوں تک ہر زبان پر یہی قصہ زندہ رہا کہ دو دوست تھے، جنہوں نے ایک دوسرے کا قتل کر دیا۔ لوگوں نے سنی سنائی باتوں کو سچ مان لیا۔ قصہ نسلوں تک پھیل گیا۔ مگر حقیقت؟ وہ برسوں خاموش اندھیروں میں دفن پڑی رہی۔

''توان دونوں کا قتل سلمان نے کیا تھا؟''۔شہاب رحمانی کے لبوں سے آواز سرسرا کر نکلی۔

حدیر نے خاموشی سے سر ہلادیا۔اس کا چہرہ سخت تھا۔جبڑے بھینچے ہوئے۔آنکھوں میں برسوں کی دبی ہوئی تلخی تیر رہی تھی۔

''لیکن کیوں؟''۔ان کے سوال پر حدیر نے گردن جھٹکی۔

اب بھی اس سوال کا پوچھا جانا اسے اندر سے چبھ گیا۔اب بھی کیوں؟اتنے برس بعد بھی؟

اس کے لب ہلنے ہی والے تھے کہ اچانک ایک اور آواز ابھری۔

''کیونکہ اسے ابا کی جائیداد چاہیے تھی''۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

دونوں چونک کر دروازے کی جانب دیکھنے لگے۔

دروازے کی فریم کے ساتھ بشریٰ رحمانی کھڑی تھیں۔

پستہ رنگ کے لباس میں ملبوس،چہرہ سنجیدہ،آنکھیں بوجھل۔

''کیونکہ اسے وہ شہرت چاہیے تھی جو پورے گاؤں میں کامران ملک اور معارج رحمانی کو حاصل تھی''۔ان کی آواز دھیمی تھی مگر ہر لفظ خاموش فضا میں واضح سنائی دے رہا تھا۔وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی اندر آئیں۔ان کے قدموں کی مدھم چاپ فرش پر بکھرتی گئی۔

حدیر نے لب بھینچ لیے۔وہ خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

جب کہ شہاب رحمانی وہ مکمل حیرت کا مجسمہ بن چکے تھے۔ان کی آنکھوں میں بے یقینی تیرنے لگی۔دماغ سچ سن رہا تھا مگر دل ماننے سے انکار کر رہا تھا۔

کمرے کی فضا اب پہلے سے کہیں زیادہ بھاری ہو گئی تھی۔

"ہم غور نہیں کر پائے بابا سائیں..."۔بشریٰ رحمانی کی آواز میں عجیب سی تھکن اتر آئی تھی۔وہ چند قدم دور رک گئیں۔ہاتھ ایک دوسرے میں الجھے ہوئے تھے۔

کمرے میں جلتی مدھم روشنی ان کے نم چہرے پر پڑ رہی تھی۔باہر ہوا ذرا تیز ہوئی تو کھڑکی کے شیشے ہلکے سے بجے۔

"ہم عام سی بات سمجھ کر نظر انداز کر گئے۔آپ بھول گئے سلمان کا رشتہ میرے لیے آیا تھا۔ابا انکار کر گئے۔وہ چچا زاد بہن کی اولاد کے بجائے سگے بھائی کی اولاد کو ترجیح دینا بہتر سمجھے"۔

بشریٰ رحمانی کی نظریں کہیں بہت پیچھے جا ٹھہریں۔کسی پرانی حویلی کے صحن میں جہاں شاید پہلی بار کسی انا کو ٹھیس پہنچی تھی۔

"پھر یہی دوبارہ امرین کے سلسلے میں ہوا۔پھوپھی نے پھر سلمان کے لیے رشتہ مانگا اور پھر ابا منع کر دیے۔ایک بار پھر آپ کے بھائی نے آپکے بیٹے کو ترجیح دی"۔ان کے لب کانپے۔

"وہ اس انکار کو انا کا مسئلہ بنا گیا"۔

حدیر خاموش بیٹھا تھا۔اس کی نظریں فرش پر جم گئی تھیں۔جبڑے سختی سے بھنچے ہوئے تھے۔

"پھوپھی جانتی تھیں سب۔وہ آپ سے... ابا سے... صرف جائیداد کی وجہ سے تعلق رکھتی تھیں"۔کمرے میں خاموشی اور گہری ہو گئی۔

"ہم دونوں میں سے کوئی ایک ان کے گھر بیاہ دی جاتی تو جائیداد ان کے بیٹے کے نام ہو جاتی"۔

شہاب رحمانی کے چہرے پر جیسے خون ہی نہ رہا۔وہ کبھی بشریٰ رحمانی کو دیکھتے، کبھی خلا میں۔

"ہم سب یہ بھی بھول گئے کہ کامران، معارج اور سلطان تینوں ہم جماعت تھے"۔بشریٰ رحمانی کی آواز اب بھاری ہونے لگی تھی۔وہ تھک کر سامنے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"وہ دونوں تو ہر میدان میں آگے نکلتے گئے اور سلمان پیچھے رہ گیا۔نفرت اس کے اندر گہری ہوتی گئی"۔آنکھوں میں آتی نمی کو پلک جھپکتے اندر ہی روک لیا۔

"پھر تاک کر وار کیا آپ کی چچازاد بہن اور اس کے بیٹے نے"۔لاونج کی ٹھنڈی فضا یکدم بوجھل ہو گئی۔

”رحمانی حویلی کا لاڈلا معارج اور ملک حویلی کا لاڈلا کامران دونوں کو قتل کر دیا گیا“۔۔شہاب رحمانی کی سانس جیسے اٹک گئی۔

”اور اتنی شاطرانہ چال چلی کہ اس کا نام تک نہیں آیا“۔

حدیر نے آہستگی سے آنکھیں موند لیں۔۔یہ سب سنتے ہوئے دل ہر بار نئے سرے سے زخمی ہو جاتا تھا۔

”گاؤں کے عقلِ کل لوگوں نے تحقیق کروانے کے بجائے بس دونوں کی لاشیں ساتھ دیکھیں۔۔۔ان کی بندوقیں پاس پڑی دیکھیں اور خود ہی فیصلہ سنا دیا کہ ہاں، دونوں ایک دوسرے کو مار بیٹھے“۔وہ رکی۔گہری سانس بھری۔پھر دوبارہ بولنا شروع ہوئیں۔

”کیسے نہیں سوچا کسی نے کہ جان چھڑکنے والے دوست ایک دوسرے کی جان نہیں لیا کرتے بابا سائیں“۔یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھیں مکمل بھیگ گئیں۔لیکن وہ بھی اپنے نام کی عورت تھیں۔آنسوؤں کو گرنے نہیں دیا۔رونا انہیں گوارا نہیں تھا۔

”وہ دونوں...ایک دوسرے کو بچاتے بچاتے...ایک ساتھ دنیا سے چلے گئے“۔آخری جملے کے ساتھ لاونج میں ایسی خاموشی اتری۔

''تم بھی اب اس کی زبان بولو گی؟''۔شہاب رحمانی کی آواز میں بے یقینی گھل گئی۔وہ شاید یقین کرنا چاہتے تھے مگر برسوں سے قائم ایک تصور لمحوں میں ٹوٹ جائے، یہ اتنا آسان کہاں ہوتا ہے؟

زرد روشنی ان کے چہرے پر پڑ رہی تھی جہاں حیرت،انکار اور اضطراب ایک ساتھ اتر آئے تھے۔باہر رات گہری ہو چکی تھی۔کھڑکی کے پار درختوں کی شاخیں ہوا سے ہل رہی تھیں،ماضی کے دفن راز اب سر اٹھانے لگے تھے۔

حدیر خاموش کھڑا تھا۔ایک معمولی سا کردار جو ان کی زندگی میں کہیں نہیں تھا۔بس دور کہیں پس منظر میں۔اور وہی ان کی زندگیوں کے ساتھ کھیل گیا۔ہمیں نقصان پہنچانے والے اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں جن کا ہماری زندگی میں کوئی خاص ذکر نہیں ہوتا۔

حدیر نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔اس کے دادا سائیں کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔وہ حقیقت کے اتنے قریب آ کر بھی خود کو دھوکے میں رکھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

''میں کیوں اس کی زبان بولوں گی بابا سائیں؟''۔بشریٰ رحمانی نے سنجیدہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔''اور اگر بول بھی لوں تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔کیونکہ یہ کبھی غلط نہیں بولتا''۔

حدیر، جواب تک بیزاری سے دیوار پر لگی پینٹنگ کو گھور رہا تھا، یکدم چونک کر ان کی جانب متوجہ ہوا۔اس کی پیشانی ہلکی سی سکڑی۔آنکھوں میں واضح حیرت ابھری۔

بشریٰ رحمانی اور اس کی طرف داری؟ خدایا۔یہ دن بھی دیکھنا تھا۔

زرد روشنی میں تینوں چہروں پر الگ الگ کیفیتیں ابھر رہی تھیں۔

"آپ جانتے ہیں کروڑوں کا لوس ہونے جا رہا تھا... آپ کی اور میری کمپنی کا"۔بشریٰ رحمانی رکیں۔

شہاب رحمانی جیسے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"کروڑوں کا لوس؟"۔چہرے پر حیرت مزید گہری ہو گئی۔

جب کہ حدیر بے چینی سے پہلو بدل گیا۔وہ نہیں چاہتا تھا یہ بات یہاں آئے۔

"سلمان کچھ وقت سے ہماری کمپنی کے ساتھ کام کر رہا تھا"۔بشریٰ رحمانی کی آواز میں تھکن اترنے لگی۔

"میں اس کی مکاریوں سے واقف نہیں تھی۔وہ آہستہ آہستہ کمپنی کے سیکریٹس اکٹھے کرنے کے بعد مجھے بلیک میل کرنے لگا تھا"۔

کھڑکی سے آنے والی ٹھنڈی ہوا نے پردے کو ہلکا سا ہلایا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

فضا میں عجیب سی گھٹن بھر گئی۔

"تمہیں وہ بلیک میل کر رہا تھا؟"۔ شہاب رحمانی غصے سے بول اٹھے۔ آواز بلند ہوئی تو خاموش دیواریں بھی چونک سی گئیں۔ "شہاب رحمانی کی بہو کو؟ تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟"۔ ان کے چہرے پر غصے کے ساتھ صدمہ بھی واضح تھا۔

بشریٰ رحمانی نے پل بھر کو آنکھیں جھکا لیں۔ چہرے پر شکستہ سی مسکراہٹ ابھری۔

"کیا کہتی آپ سے آکر؟"۔ ان کی آواز دھیمی پڑ گئی۔ "کہ میری غلطی اور ضد کی وجہ سے ہم اتنی بڑی مشکل میں پھنس گئے ہیں؟"۔ سلمان کو ضد کر کے کمپنی میں شامل کرنے والی بشریٰ رحمانی تھی۔

"تم بتاتی تو سہی"۔ فضا عجیب بوجھل ہو چکی تھی۔

"جیسے ابھی آپ اتنی باتیں جاننے کے بعد یقین نہیں کر رہے تب یقین کرتے کہ سلمان بلیک میلنگ کر سکتا ہے؟"۔ وہ تلخی سے سوال کی تو وہ خاموش ہو گئے۔

شہاب رحمانی کی نظریں آہستہ سے جھک گئیں۔

سلمان... ان کے ذہن میں آج بھی وہی سلجھی ہوئی شبیہ لیے کھڑا تھا۔ نرم لہجہ۔ جھکی نظریں۔ احترام سے بات کرنے والا انداز۔ جب بھی وہ ان کے گھر جاتے، وہ فوراً آگے بڑھ کر

گاڑی کا دروازہ کھولتا، بازو تھام کر اندر تک لے جاتا۔ایسا انسان؟ان کے لیے اب بھی ماننا آسان نہیں تھا کہ انہی نرم لہجوں کے پیچھے اتنی سیاہی چھپی ہو سکتی ہے۔ایک بے ضرر سا دکھنے والا انسان بھی نقصان پہنچا سکتا ہے؟

''وہ تو پھر حُدیر میرے پاس آگیا''۔ان کے لہجے میں بے اختیار نرمی در آئی۔نگاہیں حدیر کی طرف اٹھیں۔

حدیر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا مگر اس کے چہرے پر صاف بیزاری جھلک رہی تھی۔انگلیاں بے چینی سے صوفے کے کنارے پر تھپک رہی تھیں۔وہ اس گفتگو کا حصہ رہنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

بشریٰ رحمانی نے چند لمحے خاموش رہ کر حدیر کو دیکھا۔

''میں تو گھبرا گئی تھی''۔ان کی آواز دھیمی ہوئی۔''مجھے لگا تھا سب ختم ہو جائے گا۔لیکن حدیر نے بنا کہے سب سنبھال لیا''۔حدیر نے فوراً رخ دوسری جانب پھیر لیا۔تعریف سننا اسے ہمیشہ سے ناگوار گزرتا تھا۔وہ بھی بشریٰ رحمانی کے منہ سے؟وہ کبھی ایسا نہیں چاہتا تھا۔نہ اسنے ان کی مدد اس لیے کی تھی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اس نے ایک لفظ تک نہیں پوچھا کہ غلطی کس کی تھی۔ بس مسئلہ حل کر دیا"۔ بشریٰ رحمانی کے لب ہلکے سے کانپے۔

شہاب رحمانی خاموشی سے اپنے پوتے کو دیکھتے رہے۔

شاید پہلی بار وہ حدیر رحمانی کو صرف ضدی، تلخ مزاج لڑکے کے بجائے کچھ اور انداز میں دیکھ رہے تھے۔

ایک ایسا شخص... جو زخمی بھی تھا اور دوسروں کے زخموں پر مرہم بھی رکھنا جانتا تھا۔

کچھ دن پہلے یہ یوں ہی ایک دوپہر کی بات تھی۔

دھوپ میں ابھی گرمی کی شدت نہیں آئی تھی مگر ہوا میں خنکی بھی کم ہونے لگی تھی۔ رحمانی ہاؤس کی ٹیرس پر رکھی سفید کرسیوں کے گرد سنہری دھوپ بچھی ہوئی تھی۔ دور لان میں مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا جبکہ گھر کے اندر ہر شخص اپنی مصروفیت میں گم تھا۔ کوئی آفس جا چکا تھا، کوئی یونیورسٹی، تو کوئی اپنے کمرے میں بند۔

ایسے میں بشریٰ رحمانی اضطراب کے عالم میں ٹیرس پر مسلسل چہل قدمی کر رہی تھیں۔

ہاتھوں میں موبائل تھا جس کی اسکرین بار بار روشن ہوتی اور وہ بے چینی سے دیکھ کر پھر بند

کر دیتیں۔ طبیعت خرابی کے باعث آج وہ آفس نہیں گئی تھیں مگر حقیقت یہ تھی کہ بیماری صرف جسم میں نہیں، ذہن میں بھی اتر آئی تھی۔

تبھی پیچھے سے قدموں کی آواز ابھری۔

وہ چونک کر مڑیں۔

حدیر رحمانی سنجیدہ انداز میں ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

سرمئی پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، سفید شرٹ کی آستینیں کہنیوں تک موڑے، چہرے پر معمول کی بے تاثری سجائے۔ لگتا تھا آفس سے لنچ بریک میں سیدھا یہاں آیا تھا۔

بشریٰ رحمانی چند لمحے اسے دیکھتی رہ گئیں۔ عجیب حیرت تھی۔ یہ وہی لڑکا تھا جو ہمیشہ انہیں دیکھ کر راستہ بدل لیتا تھا۔ آج خود چل کر ان کے پاس آ رہا تھا۔

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔ کچھ سوال پوچھوں گا، ان کا جواب چاہیے"۔ وہ ان کے سامنے رکتے سنجیدگی سے بولا۔

انہوں نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔

"سلمان کب سے بلیک میل کر رہا ہے آپ کو؟"

بشریٰ رحمانی کے چہرے کا رنگ جیسے ایک پل میں اڑ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ہاتھ میں پکڑا موبائل ان کی گرفت میں مزید سخت ہو گیا۔

جو بات وہ ہفتوں سے سب سے چھپاتی پھر رہی تھیں حدیر کو کیسے معلوم ہو گئی؟ پھر اگلے ہی لمحے وہ جیسے تھک کر کندھے ڈھیلے چھوڑ گئیں۔ وہ ہمیشہ سب جان جاتا تھا۔

"جب جانتے ہو وہ بلیک میل کر رہا ہے تو یہ بھی جانتے ہو گے کب سے؟"۔

"میں آپ کے منہ سے سننا چاہتا ہوں"۔ حدیر کی نظریں ان کے چہرے پر ٹکی رہیں۔

چند لمحے صرف ہوا سے سرسراتے پتوں کی آواز سنائی دی۔

"دو ماہ سے"۔ آخر کار وہ دھیمے لہجے میں بولیں۔ "شروع میں وہ کمپنی کے چند پروجیکٹس ہینڈل کر رہا تھا۔ بہت شریف، بہت پروفیشنل بنا پھرتا تھا۔ مجھے اندازہ ہی نہیں ہوا وہ اندر ہی اندر کمپنی کا ڈیٹا کاپی کر رہا ہے"۔

"کس قسم کا ڈیٹا؟"۔ حدیر کا چہرہ سپاٹ رہا مگر نظریں گہری ہو گئیں۔

"نیو کلیکشنز کے ڈیزائنز... فارن کلائنٹس کی ڈیلز... قیمتیں... اور آئندہ لانچ ہونے والے پروجیکٹس کی تفصیل"۔ وہ تھک کر کرسی پر بیٹھ گئیں۔ "اس نے کمپنی کے سرور سے سب نکال لیا۔"

"اور پھر؟" حدیر کا لہجہ اب بھی پرسکون تھا۔

"پھر اس نے مجھے میسجز کرنا شروع کیے کہ اگر میں چاہوں تو کمپنی کو بہت بڑا نقصان ہونے سے بچا سکتی ہوں۔ پھر سیدھا کہہ دیا اگر میں نے اس کی بات نہ مانی تو وہ سارا ڈیٹا مقابل کمپنی کو بیچ دے گا"۔

"اس کی بات؟"۔ حدیر کے جبڑے سخت ہوئے۔

"وہ کمپنی میں پارٹنر شپ چاہتا تھا۔ غیر قانونی طریقے سے۔ اور ساتھ..." وہ رکی تھیں۔ جیسے اگلے لفظ بولنا مشکل ہو۔ "وہ چاہتا تھا میں اس کے نام پر کچھ پراپرٹی ٹرانسفر کر دوں"۔

"اور آپ اکیلے یہ سب ہینڈل کرتی رہیں؟"۔ حدیر کی آنکھوں میں اب واضح سرد مہری اتر آئی۔

"میں نہیں چاہتی تھی کسی کو پتا چلے۔ کمپنی کی ساکھ خراب ہوتی۔ اور اگر بابا سائیں کو معلوم ہوتا تو۔۔۔"

"تو؟" حدیر نے درمیان میں روکا۔

"وہ مجھے ہی قصوروار ٹھہراتے"۔ ان کی آواز مدھم پڑ گئی۔ چند لمحے خاموشی رہی۔ نیچے لان میں ہوا سے پھول ہل رہے تھے جبکہ اوپر ٹیرس پر فضا عجیب بوجھل ہو چکی تھی۔

حدیر نے آہستگی سے جیب سے موبائل نکالا، میسج ٹائپ کیا سینڈ کیا، پھر اسکرین بند کر دی۔

"اس نے اب تک کیا کیا ہے؟"

"دو ڈیلرز کو اچکا ہے۔ایک کلائنٹ تک غلط انفارمیشن پہنچائی۔اور کل رات دھمکی دی ہے کہ اگلے ہفتے اگر میں نہ مانی تو وہ ہمارے آئندہ لانچ کے تمام ڈیزائن لیک کر دے گا"۔

حدیر نے گہری سانس لی۔چہرے پر اب وہ خاموش غصہ اتر آیا تھا جس سے لوگ خوف کھاتے تھے۔

"اس کے پاس کمپنی کے سرور تک رسائی کیسے آئی؟"۔

"آئی ٹی ٹیم میں اس کا ایک آدمی تھا۔ہم نے نکال دیا اسے۔لیکن تب تک دیر ہو چکی تھی"۔

حدیر چند لمحے خاموش کھڑا رہا۔پھر آخر کار اس نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔یہ بات ہمارے درمیان رہنی چاہیے۔میں بھی اس کے پیچھے ہوں۔آپ مجھے اپڈیٹ دیتی رہیں گی اگر وہ کوئی بد تمیزی کرے آپ سے تو اکیلے ہینڈل کرنے کی ضرورت نہیں، مجھے کال کر دیجیے گا"۔وہ اتنا کہہ کر پلٹ گیا۔

بشریٰ رحمانی اسے جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

تیز دھوپ اب بھی ٹیرس پر ویسے ہی پھیلی تھی مگر ان کے اندر عجیب سی شرمندگی اترنے لگی تھی۔

ناولز کلب
Club of Quality Content

یہ وہی لڑکا تھا؟ جس کے ساتھ وہ بچپن سے سختی کرتی آئیں تھیں؟ جسے کبھی اپنا ماننے کی کوشش نہیں کی؟ اور آج سب سے پہلے وہی ان کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا تھا۔ جس مشکل میں پریشان کھڑی تھیں نہ ہریرہ کو بتانے کی ہمت تھی نہ باباسائیں کو وہ حدیر چند لمحوں میں دور کر دیا۔

آشیانہ مسز حدیر کے اوپری حصے میں واقع وہ کشادہ ساہال دوپہر کی نرم سنہری روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ کھڑکی کے باریک سفید پردوں سے چھن کر آتی دھوپ فرش پر سنہری نقش بکھیر رہی تھی۔ باہر لان میں چلتی ہلکی ہوا درختوں کے پتوں کو سرسرا رہی تھی۔

پلوشہ بیگم ہاتھ میں تیل کی شیشی لیے سامنے سے آتی ماہ گل کو پکاری، ماہ گل فوراً گئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"نہیں اماں۔۔۔ آج کوئی تیل نہیں لگوا رہے ہم"۔ وہ تیزی سے انکار کر گئی پلوشہ بیگم نے فوراً گھور کر دیکھا۔

"کیوں آج کون سا چاند نکل آیا ہے جو تیل نہیں لگواؤ گی؟ بال کی حالت دیکھ رہی ہو کیسے سوکھے ہو رہے ہے کوئی خیال رکھا بھی ہے تم نے میرے جانے کے بعد؟"۔ وہ خفگی سے اس کے بالوں کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

"اتنے پیارے تو بال ہیں میرے اماں"۔ جبکہ ماہ گل فوراً اپنے لمبے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتی معصومیت سے بولی۔ دھوپ اس کے کھلے بالوں پر پڑ کر ہلکی سی چمک پیدا کر رہی تھی۔

"آ رہی ہو یا پھینکوں چپل؟"۔ پلوشہ بیگم نے اب باقاعدہ گھور کر دھمکی دی تو ماہ گل ڈرامائی انداز میں دل پر ہاتھ رکھ گئی۔

"خدا کا خوف کریں اماں۔ اب شادی شدہ ہو گئے ہیں ہم۔ یہ چپل کا پیچھا اب چھوڑ دیں"۔

اسی لمحے دروازہ کھلا۔ حدیر اندر آیا تھا۔

خلاف توقع آفس سے جلدی آ گیا تھا۔ سفید شرٹ کی آستینیں ہلکی سی فولڈ تھیں جبکہ ہاتھ میں گاڑی کی چابی اب بھی موجود تھی۔ اندر آتے ہی سامنے کا منظر دیکھ کر اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

"کس بات پر بحث چل رہی ہے؟"۔ وہ چلتا ہوا پلوشہ بیگم کے برابر میں بیٹھ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

''اچھا ہوا حدیر آپ آ گئے۔ بتائیں ابھی کل ہی آپ ہمارے بالوں کی کتنی تعریف کر رہے تھے نا''۔ ماہ گل فوراً موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی مطلب کی بات پر آئی۔

جبکہ ماں کے سامنے حدیر واقعی ایک پل کو سٹپٹا گیا تھا۔

پلوشہ بیگم بے اختیار ہنس دی تھیں۔ ماہ گل کی زبان۔ اللہ کی پناہ۔

''ادھر یہاں رکو۔ کہاں بھاگ رہی ہو؟''۔ ماہ گل کو آہستہ آہستہ دروازے کی طرف سرکتے دیکھ کر پلوشہ بیگم نے فوراً بلند آواز میں روکا۔ وہ وہیں رک گئی اور چہرے پر بیچارگی سجائی حدیر کو دیکھنے لگی۔

''اماں یہ اپنا تیل کا سیشن کا شوق کل پورا کر لیجیے گا۔ آج ہمیں کامل کے نکاح میں جانا ہے''۔ بالآخر وہ اصل بات کہہ بیٹھی۔ کمرے کی فضا جیسے ایک پل میں بدل گئی۔

پلوشہ بیگم کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ دھیرے دھیرے سمٹ گئی۔

''کس کے نکاح میں؟''۔ لہجہ اب سنجیدہ تھا۔

''آپ کے بھتیجے کے نکاح میں اماں''۔ ان کی خفگی کو خاطر میں لائے بنا بتایا گیا۔

پلوشہ بیگم کی انگلیاں تیل کی شیشی پر ذرا سخت ہوئیں۔ باہر سے آتی ہوا پردے کو ہولے سے ہلا کر گزر گئی۔

Clubb Quality Content

"کوئی ضرورت نہیں ملک حویلی جانے کی"۔ان کے لہجے میں سختی کم خوف زیادہ تھا۔ماہ گل فوراًان کے قریب آگئی۔

"اماں یار وہ ہمارااکلوتا کزن ہے"۔اس کے لہجے میں منت تھی۔وہ واقعی جانا چاہتی تھی۔

"یہ بھی تمہاراکزن ہے"۔پلوشہ بیگم نے حدیر کی طرف اشارہ کیا۔

"اماں یہ شوہر ہیں وہ صرف کزن ہے"۔جبکہ ماہ گل جھنجھلا اٹھی۔

حدیر نے فوراًلب دبا کر مسکراہٹ روکی۔پلوشہ بیگم اس کی ہنسی دیکھ لیتیں تو ساتھ اس کی بھی کلاس لگ جاتی۔

"اپنی منطق اپنے پاس رکھو۔کوئی نہیں جائے گا"۔وہ دوٹوک انداز میں بولیں۔

"جانا تو آپ کو بھی چاہیے۔آپ کا اکلوتا بھتیجا ہے۔آج اس کا اتنا اہم دن ہے۔اور چچا چچی بھی دنیا میں نہیں"۔ماہ گل اب پوری جذباتی حکمت عملی کے ساتھ انہیں گھیرنے لگی تھی۔وہ ان کے قریب آکر بازو سے لپٹ گئی تھی جبکہ چہرے پر ایسی معصومیت سجائے ہوئے تھی کہ حدیر بمشکل اپنی ہنسی روک رہا تھا۔

وہ مسکراتی نگاہوں سے اپنی چالاک بیوی کو دیکھنے لگا۔اگر کامل اس وقت اسے اپنی طرف داری کرتے دیکھ لیتا تو شاید واقعی پوری چیز فیکٹری اس کے نام کر دیتا۔

''میں اسے گھر دعوت دے کر بلالوں گی۔ لیکن اس حویلی کوئی نہیں جائے گا''۔پلوشہ بیگم کا لہجہ نرم تھا مگر فیصلہ اب بھی وہی تھا۔

ماہ گل نے فوراً مدد طلب نظروں سے حدیر کو دیکھا۔اس نے کتنے شوق سے کامل کے نکاح کیلئے لباس تیار کروایا تھا۔

حدیر نے ہلکی سانس لے کر پلوشہ بیگم کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

''مام میں جانتا ہوں آپ کو ماموں کو لے کر کئی خدشات ہیں۔ لیکن میرا یقین کریں اب وہ پہلے جیسے نہیں رہے''۔اس کا لہجہ غیر معمولی حد تک نرم تھا۔

پلوشہ بیگم چند لمحے خاموش رہیں۔پھر جیسے برسوں سے دبا خوف یکدم باہر آگیا۔

''میں کیسے یقین کرلوں وہ بدل گئے ہوں گے؟میں انیس سال اس حویلی میں رہی وہ مجھ سے کبھی خوش نہیں ہوئے۔ معارج سے میری شادی ہونے پر اس حویلی میں داخلہ بند کردیا۔یہ سب تو میں برداشت کرلی۔ لیکن اس معصوم کو۔۔یہ کتنی چھوٹی سی تھی حدیر تم نے نہیں دیکھا میں نے دیکھا ہے اسے عام سے گھر میں پلتے ہوئے۔بخار میں تڑپتے ہوئے۔اس کے باپ کو بیٹیاں پسند نہیں اس کے ہونے پر اسے مارنا چاہا۔وہ تو ملازمہ نے اسے بچالیا۔میں اپنی بچی کو کھو نہیں سکتی۔ میں بھروسہ نہیں کرسکتی۔ میں کیسے یقین کروں؟وہ مجھ سے میری بیٹی کو چھین لیے

تو؟""۔آنکھوں میں برسوں کا ڈر آنسو بن کر بہہ نکلا۔وہ بے اختیار ماہ گل کو سینے سے لگا گئیں۔اور ماہ گل وہ بھی بچوں کی طرح ان سے لپٹ کر رونے لگی۔

کمرے میں ایک لمحے کو صرف سسکیوں کی آواز باقی رہ گئی۔حدیر نے دونوں کو دیکھا پھر بے بسی سے ماتھے پر ہاتھ پھیرا۔

"یار مام آپ نے اسے بھی رلا دیا""۔اس کے لہجے میں ہلکی سی لاڈ بھری شکایت تھی۔

پلوشہ بیگم چونکیں۔فوراً ماہ گل کا چہرہ تھام کر اس کے آنسو صاف کرنے لگیں۔پیار سے اس کے بال سہلائے۔

حدیر وہ منظر دیکھ کر دل ہی دل میں ہمیشہ کی طرح یہی سوچا وہ تو ان کی سگی اولاد لگتا ہی نہیں تھا۔اس کی مام کی تمام تر محبت کبھی کبھار صرف ماہ گل کے لیے مختص ہو جاتی تھی۔

"اچھا یہاں سنیں۔یہ آپ کی بیٹی میری بیوی ہے۔اسے میں لے کر جاؤں گا کامل کے نکاح میں۔اور کیا آپ کو لگتا ہے مجھ سے میری بیوی کو کوئی چھین سکتا ہے؟""۔وہ دھیرے مگر بھاری لہجے میں بولا۔اس کی آنکھوں میں اس لمحے عجیب سا یقین تھا۔ایسا یقین جو انسان کو خوف سے باہر لے آئے۔ماہ گل فوراً پیچھے ہوئی۔رخسار آنسوؤں سے بھیگے تھے مگر اب حدیر کی باتوں پر ہلکے ہلکے سرخ بھی ہونے لگے۔

"مجھے یقین ہے تب ہی تمہیں اپنی بیٹی سونپی ہے۔ تم سے بہتر اس کی حفاظت کوئی نہیں کر سکتا"۔ پلوشہ بیگم نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔ پھر محبت سے اس کی پیشانی پر بکھرے بال پیچھے کیے۔

حدیر کی نگاہیں نرم پڑ گئیں۔

"تو پھر جانے دیں ہمیں۔ کامل بہت اچھا ہے مام۔ اس کا کیا قصور؟ کم از کم اس کی سائیڈ سے اس کے رشتے دار تو ہونے چاہیے"۔ وہ اب آہستگی سے انہیں منانے لگا تھا۔

اور پلوشہ بیگم بالآخر خاموش ہو گئیں۔

ماہ گل فوراً آنسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پر اداسی کے بیچ ہلکی سی خوشی جھانکنے لگی تھی۔ وہ تیزی سے تیاری کرنے چلی گئی۔

آخر کامل صرف کزن نہیں رہا تھا اب۔ وہ اس کا بڑا بھائی بن گیا تھا۔ خیال رکھنے والا... تنگ کرنے والا... اور ذرا سی تکلیف پر بے چین ہو جانے والا۔ ہر بار گھر آتے وقت اس کیلئے ڈھیر ساری چیزیں اٹھا لاتا۔ وہ کیسے اس کے زندگی کے اتنے اہم دن پر اسے اکیلا چھوڑ دیتی؟

ملک حویلی آج روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی۔

حویلی کے بلند دروازوں سے لے کر اندرونی صحن تک ہر طرف برقی قمقموں کی لڑیاں جگمگا رہی تھیں۔ سفید اور سرخ پھولوں کی مہک ہوا میں گھلی ہوئی تھی جبکہ بڑے بڑے فانوس سنہری روشنی بکھیرتے پورے ماحول کو شاہانہ حسن دے رہے تھے۔

آخر حویلی کے اکلوتے وارث کا نکاح تھا۔

تیمور ملک نے واقعی دل کھول کر خرچ کیا تھا۔

حالانکہ ابھی صرف نکاح ہوا تھا، شادی کچھ ہفتوں بعد رکھی گئی تھی مگر اس کے باوجود پوری حویلی کو اس طرح سجایا گیا تھا جیسے آج ہی بارات اترنے والی ہو۔

انٹرینس سے اسٹیج تک بچھی سرخ کارپیٹ پر پھولوں کی پتیاں بکھری تھیں۔ ارد گرد کھڑے لوگ ہنستے بولتے محفل کا حصہ تھے کہ تبھی داخلی دروازے سے حدیر رحمانی اور ماہ گل اندر داخل ہوئے۔

اور ایک لمحے کو جیسے کئی نظریں وہیں رک گئیں۔

سفید گھٹنوں تک آتی قمیض پر سنہری نگوں کا نفیس کام شام کی روشنی میں ہلکا ہلکا چمک رہا تھا۔ ساتھ پہنا گھیر ادار غرارہ اس کے ہر قدم پر نرم سا لہرا رہا تھا۔ دوپٹہ دائیں جانب نفاست سے

رکھا تھا۔ کھلے بال کندھوں سے نیچے لہراتے تھے جبکہ چہرے پر ہلکا سا میک اپ اس کی معصوم خوبصورتی کو مزید نمایاں کر رہا تھا۔

اور اس کے ساتھ چلتا حدیر رحمانی... سادہ سفید کرتا شلوار، پشاوری چپل اور ہمیشہ والی پُر وقار وجاہت لیے ایسا لگ رہا تھا۔ سادگی بھی اس پر آکر شاہانہ ہو جاتی تھی۔

دونوں ساتھ چلتے تو واقعی نگاہ چند لمحوں کیلئے ٹھہر جاتی تھی۔

اسٹیج پر بیٹھا کامل ملک انہیں دیکھتے ہی تقریباً فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ سب نے دلہے کے چہرے پر ابھرتی وہ بے ساختہ خوشی دیکھی تھی۔

وہ خود اسٹیج سے اتر کر تیزی سے ان کی طرف آیا۔ اس کی اس بے تابی پر آس پاس کھڑے لوگ بھی متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ دھیمی دھیمی چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔

آخر یہ دونوں کون تھے؟ جنہیں دیکھ کر دلہا خود استقبال کیلئے نیچے آ گیا تھا۔

"بہت جلدی آ گئے آپ دونوں؟"۔ کامل ان کے ساتھ چلتے ہوئے خفگی سے بولا۔

"شکر کرو آ گئے"۔ حدیر احسان جتانے والے انداز میں بولا تو کامل نے فوراً گھور کر دیکھا۔

جبکہ ماہ گل ہنسی روکنے لگی۔

''کامل کیا سارا گاؤں کا پیسہ تم نے اس سجاوٹ پر لگا دیا ہے؟''۔وہ شرارت سے ارد گرد دیکھتی اسے چھیڑ گئی۔

کامل فوراً اس کی طرف مڑا۔

''تمہارا بینک اکاؤنٹ پر ڈاکا ڈالا ہے''۔وہ جلتی مسکراہٹ کے ساتھ اسے تپا گیا۔

''ماہ گل حدیر کا اکاؤنٹ ہے کامل ملک کا نہیں''۔وہ ناک چڑھائی۔

حدیر نے دونوں کو گھور کر دیکھا تھا مگر کامل اسے نظر انداز کرتے ہوئے تقریباً زبردستی انہیں اسٹیج کی طرف لے گیا۔اسٹیج پر لگے سفید پھولوں کے عقب میں سنہری پردے جگمگا رہے تھے۔سامنے بیٹھے مہمان مسلسل ان کی طرف متوجہ تھے۔

''پھوپھو نہیں آئی؟''۔کامل نے ہلکی اداسی سے سوال کیا۔

قریب کھڑے تیمور ملک نے بھی بغور سنا تھا۔

''ان کی طبیعت نہیں ٹھیک۔ہاں لیکن تمہیں تمہاری بیوی کے ساتھ دعوت پر بلوایا ہے''۔

حدیر نے اس کے کندھے پر بازو پھیلائے ماحول ہلکا کرنے کی کوشش کی۔

کامل کے چہرے پر فوراً نرم سی مسکراہٹ آگئی۔

''ہم تمہیں لسٹ بھیج دیں گے۔ دعوت میں آتے ہوئے چیزیں ساری لے کر آنا، خالی ہاتھ مت آجانا''۔ ماہ گل فوراً اپنی مطلب کی بات پر آئی۔ کامل نے فوراً آنکھیں تنگ کیں۔

''میں پھوپھو کی دعوت پر آؤں گا تو لے کر بھی انہیں کے لیے آؤں گا''۔۔ دونوں کے نوک جھوک شروع ہو چکے تھے۔

''بس کر دو۔ اسٹیج پر کھڑے ہو کر دونوں لڑ رہے ہو''۔ حدیر نے دونوں کو گھورا پھر کامل کی طرف دیکھ کر بولا۔ ''اور تم جا کر بیٹھو، دولہا ہو''۔ کامل نے بے زاری سے منہ بنایا مگر اگلے ہی لمحے ماہ گل اشتیاق سے بول اٹھی۔

''کامل اپنی دلہن سے تو ملواؤ''۔ حالانکہ وہ مائرہ کو پہلے بھی کئی بار دیکھ چکی تھی مگر آج بات الگ تھی۔ آج مائرہ کامل کی دلہن تھی۔

وہ اسے ساتھ لے کر حویلی کے اندرونی حصے کی طرف بڑھا جبکہ حدیر اسٹیج سے اترتا ہوا ذرا فاصلے پر ایک ستون کے قریب جا کھڑا ہوا۔ ہاتھ باندھے، خاموش، مگر نگاہیں مسلسل ماہ گل کے پیچھے جاتی رہیں۔

حویلی کے اندرونی حصے میں باہر کی نسبت قدرے سکون تھا۔ہال نرم سنہری روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔دیواروں کے ساتھ سفید پھولوں کی لڑیاں سجی تھیں جبکہ فضا میں عوداور تازہ گلابوں کی ملی جلی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں چوڑیوں کی جھنکار سنائی دیتی، کہیں لڑکیوں کی دبی دبی ہنسیاں۔

سامنے ہی بڑے سے صوفے پر مائرہ بیٹھی تھی۔

گولڈن ساڑھی میں لپٹی، سرپر نفاست سے ٹکا دوپٹہ ،ہاتھوں پر گہری مہندی۔ارد گرد لڑکیوں کا پورا جمگھٹا لگا تھا۔کوئی اس کی جیولری دیکھ رہی تھی،کوئی تصویر بنا رہی تھی تو کوئی مسلسل اسے چھیڑے جا رہی تھی۔

''لڑکیوں ہٹ جاؤ۔میری پیاری سی گڑیا میری پیاری سی دلہن دیکھنے آئی ہے''۔کامل ملک شگفتگی سے اعلان کیا۔اس کے لہجے میں بے ساختہ اپنائیت تھی۔

ماہ گل اس اعلان پر حیرانی سے کامل کو دیکھتی مسکرائی تھی جبکہ ارد گرد بیٹھی لڑکیاں فوراً ہنستی ہوئی راستہ چھوڑ گئیں۔ساتھ ہی ان کی متجسس نظریں ماہ گل کی جانب اٹھیں۔کون تھی یہ لڑکی...جو کامل ملک کیلئے اتنی خاص تھی؟

"مائرہ ملو کامل کی بہن سے"۔ وہ اسے مائرہ کے سامنے لا کھڑا ہوا۔ جانتا تھا دونوں پہلے بھی مل چکے تھے مگر اس بار تعارف مختلف تھا۔ کامل کی بہن۔ یہ لفظ جیسے پورے ہال میں پھیل گیا تھا۔ سرگوشیاں آہستہ آہستہ عورتوں کے حلقوں میں گردش کرنے لگیں۔

"کامل کی بہن؟"

مائرہ فوراً کھڑی ہوئی تھی۔ چہرے پر نہ بناوٹ تھی نہ جھجھک۔ بس ایک نرم سی سچی مسکراہٹ۔

وہ آگے بڑھ کر محبت سے ماہ گل سے ملی۔ قدرے مختلف ملاقات تھی۔ صاف دل سے۔

"یار آپ بہت زیادہ کیوٹ لگ رہی ہیں"۔ ماہ گل چمکتی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے بولی۔

مائرہ کی گولڈن ساڑھی روشنی پڑنے پر ہلکے ہلکے چمک رہی تھی۔ لائٹ میک اپ اس کے نقوش کو مزید دلکش بنا رہا تھا۔

"تھینک یو"۔ مائرہ مسکرائی۔

"یہ خوبصورت، حسین دلکش لگ رہی ہے"۔ مائرہ کی جانب دیکھتے ہوئے کامل محبت سے بولا۔ اس کی آنکھوں میں مائرہ کیلئے واضح چاہت تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"کیوٹ کارٹون صرف تم لگ سکتی ہو"۔۔۔پھر اگلے ہی لمحے اس نے نگاہیں ماہ گل کی جانب کیں۔آنکھوں میں شرارت اتر آئی۔

"کامل!"۔ماہ گل چیخی تھی۔اور اگلے ہی لمحے پورا ہال قہقہوں سے گونج اٹھا۔

حویلی اس وقت مکمل طور پر خوشیوں کے شور میں ڈوبی ہوئی تھی۔۔روشنیوں سے جگمگاتا وسیع لان، پھولوں سے سجے ستون، لوگوں کی ہنسی، بچوں کی بھاگ دوڑ،اور درمیان میں سجا نکاح کا اسٹیج...ہر منظر کسی خوبصورت خواب جیساالگ رہا تھا۔دھیمی دھنیں فضا میں بکھری ہوئی تھیں جبکہ ویٹر مہمانوں کے درمیان گھوم رہے تھے۔

اسٹیج کے قریب کھڑا کامل بار بار بے چینی سے ارد گرد دیکھ رہا تھا۔چہرے پر موجود مسکراہٹ اب ہلکی ہلکی فکر میں بدلنے لگی تھی۔

"یار حدیر دیکھنا قاضی صاحب آئے ہونگے۔انہیں ریسیو کرنا ہے"۔اس نے آخر کار حدیر کی طرف رخ کیا۔

حدیر نے مختصر سا سر ہلایا اور سنجیدہ انداز میں باہر کی طرف بڑھ گیا۔سفید کرتے میں اس کی پرسکون شخصیت ہجوم میں بھی الگ محسوس ہو رہی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

کامل کی نظریں ایک بار پھر پوری محفل میں گھوم گئیں۔

لوگ موجود تھے... مہمان موجود تھے... قاضی صاحب بھی آ چکے تھے... مگر جسے ہونا چاہیے تھا وہ نہیں تھا۔

اسی لمحے ماہ گل ہاتھوں سے گرارہ سنبھالتی سیڑھیاں چڑھتی اسٹیج پر اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا؟ پریشان لگ رہے ہو؟"۔

"ارے یار گل پچھلے دو ڈھائی گھنٹوں سے تمہارے ابا غائب ہو گئے ہیں۔ نکاح شروع کرنا ہے اور وہ ہیں کہ نظر نہیں آ رہے"۔ اس کی آواز پر کامل چونکا۔ اس کے لہجے میں واضح بے چینی تھی۔ نظریں اب بھی لوگوں کے ہجوم میں انہیں ڈھونڈ رہی تھیں۔

ماہ گل کے چہرے کی مسکراہٹ ذرا سی مدھم ہوئی۔

"تمہارے چچا"۔ وہ گھور کر تصحیح کرنا نہ بھولی۔ پھر اگلے ہی لمحے خود بھی بے اختیار ارد گرد دیکھنے لگی۔

دل میں انجانی سی بے چینی اترنے لگی تھی۔ اور اپنی اسی کیفیت پر وہ خود جھنجھلا گئی۔ آخر وہ کیوں پریشان ہو رہی تھی؟

نیچے ہال میں قہقہوں اور گفتگو کا شور بدستور جاری تھا مگر اسٹیج کے گرد جیسے لمحہ بھر کو خاموشی سی اتر آئی تھی۔

تبھی حدیر واپس آیا۔

قاضی صاحب کو احترام سے صوفے پر بٹھا کر وہ دونوں کے قریب آ کھڑا ہوا۔ چہرے پر حسب معمول سنجیدگی تھی۔

"کال ملاؤ کامل مہمان انتظار کر رہے ہیں"۔ کامل نے فوراً موبائل دوبارہ کان سے لگایا۔

"یار بھائی اٹھا ہی نہیں رہے"۔ اس کی پریشانی اب واضح ہونے لگی تھی۔

مگر اگلے ہی لمحے تینوں کی نگاہیں بیک وقت انٹرنیس کی طرف اٹھیں۔ اور پھر جیسے وقت ایک پل کو تھم گیا۔

وسیع دروازے سے تیمور ملک اندر داخل ہو رہے تھے۔ مگر اکیلے نہیں۔ ان کے ساتھ پلوشہ بیگم تھیں۔ اور ان کے ساتھ ہی سلطان صاحب۔

روشنیوں سے جگمگاتے ہال میں وہ منظر چند لمحوں کیلئے سب کی توجہ کھینچ لے گیا تھا۔ ماہ گل کی آنکھیں بے اختیار پھیل گئیں۔

Clubb of Quality Content

"اماں"۔بے یقینی سے کہتی وہ تیزی سے ان کی جانب بڑھنا چاہی۔ مگر جلد بازی میں سینڈل مڑ گیا۔وہ لڑکھڑائی ہی تھی کہ حدیر نے فوراً آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیا۔۔اس کے مضبوط ہاتھ نے نرمی سے اس کا بازو تھاما۔

"آرام سے"۔اس کا دھیمہ لہجہ شور سے بھرے ہال میں بھی عجیب اطمینان دے گیا تھا۔

اور ماہ گل وہ اب بھی حیرت سے صرف اپنی اماں کو دیکھ رہی تھی۔

"اماں"۔حدیر کو بتانا چاہا۔

"دیکھ چکا ہوں۔آجاؤ ملتا ہوں"۔دھیرے سے کہتے ہوئے وہ یونہی اس کا ہاتھ تھامے پلوشہ بیگم کی طرف بڑھ گیا۔

ہال کی روشنی ان سب پر مدھم سنہرا عکس بکھیر رہی تھی۔ارد گرد نکاح کی تیاریاں جاری تھیں،لوگ گفتگو میں مصروف تھے،مگر اس لمحے جیسے ان چند لوگوں کے گرد دنیا ذرا سست پڑ گئی تھی۔

تیمور ملک خاموشی سے ماہ گل کو دیکھتے رہ گئے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

انہوں نے واضح طور پر اس کی آنکھوں میں پلوشہ کیلئے موجود فکر دیکھی تھی۔اس کی آنکھیں صرف انہیں ہی دیکھ رہی تھیں۔اس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر انہیں نہیں دیکھا۔ تیمور ملک خاموشی سے نظریں چرائیں اور اسٹیج کی جانب بڑھ گئے۔

ادھر ماہ گل فوراً پلوشہ بیگم کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''اماں آپ ٹھیک ہیں نا؟انہوں نے آپ کے ساتھ کوئی زبردستی تو نہیں کی نا؟'' وہ ایک ہی سانس میں سب پوچھ بیٹھی۔حدیر نے اسے دیکھا تو بے اختیار نفی میں سر ہلایا۔پلوشہ بیگم کے چہرے پر عجیب سا سکون تھا آج۔

''نہیں۔۔۔حدیر ٹھیک کہہ رہے تھا تیمور بھائی بہت بدل گئے ہیں''۔انہوں نے نگاہیں اٹھا کر حدیر کو دیکھا۔لہجہ آسودہ تھا۔حدیر ان کی بات سمجھ گیا۔اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نرمی اتری اور لبوں پر دھیمی مسکراہٹ آگئی۔

جبکہ ماہ گل اب بھی بڑی بڑی آنکھوں سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا؟کیا مطلب؟''۔اس کے انداز میں معصوم ناسمجھی تھی۔حدیر اور سلطان صاحب ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرادیے۔اس لڑکی کو ہمیشہ ہر بات پوری تفصیل سے چاہیے ہوتی تھی۔

پلوشہ بیگم نے نرمی سے اس کے بال کان کے پیچھے کیے۔

"جس نے دروازہ بند کیا وہی مجھ تک آئے۔ مجھ سے معافی مانگی۔ مجھ سے درخواست کی کہ میں ان کے ساتھ اپنی حویلی چلوں۔ کیا کرتی میں؟ مجھے ان باتوں کے بعد یہاں ان کے ساتھ آنا ہی تھا"۔ ماہ گل چند لمحے بس انہیں دیکھتی رہی۔ پھر خاموشی سے ان کے کندھے پر سر ٹکا دیا اور دونوں بازو ان کے گرد لپیٹ لیے۔

"آپ خوش ہیں نا اماں؟"۔ اس کی آواز سرگوشی سے بھی دھیمی تھی۔ پلوشہ بیگم نے فوراً اس کے سر پر بوسہ دیا۔

"مطمئن ہوں میری جان، پریشان مت ہو"۔

وہ منظر اتنا نرم، اتنا اپنائیت بھرا تھا کہ قریب کھڑے سلطان صاحب کی آنکھوں میں بھی نمی سی اتر آئی۔

مگر اگلے ہی لمحے حدیر کا صبر جواب دے گیا۔

"ماہی۔ یہ میری مام ہے۔ چلو ہٹو میری مام کے پاس"۔ وہ ذرا جھک کر خفگی سے بولا۔

"نہیں یہ ہماری اماں ہیں"۔ ان کے گرد گرفت مزید مضبوط کرتی وہ منمنائی تھی۔ حدیر نے اسے گھورا۔ جبکہ پلوشہ بیگم اور سلطان صاحب بے اختیار ہنس پڑے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

کامل کا نکاح ہو چکا تھا۔

فضا میں مبارکبادوں، قہقہوں اور دعاؤں کی خوشبو گھلی ہوئی تھی۔ حویلی کے وسیع صحن میں جگمگاتی روشنیاں اب اور بھی خوبصورت لگنے لگی تھیں۔

کامل خوش تھا۔ بے حد خوش۔ چہرے پر وہ اطمینان تھا جو صرف محبت مل جانے کے بعد آتا ہے۔ اور شاید آج پہلی بار اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اکیلا نہیں رہا۔

اس کے اہم دن پر سب اس کے ساتھ تھے۔ اسٹیج کے سامنے لڑکیوں کا شور ذرا بڑھا تو کامل نے نگاہ اٹھائی۔

سامنے مائرہ آ رہی تھی۔ گولڈن ساڑھی کی نرم چمک روشنیوں میں اور نمایاں ہو رہی تھی۔ دوپٹے کے باریک کام پر پڑتی قمقموں کی روشنی ایسے جگمگا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر حیا بھری مسکراہٹ تھی جبکہ ارد گرد کھڑی لڑکیاں مسلسل اسے چھیڑنے میں مصروف تھیں۔

اور اس کی دائیں جانب ماہ گل۔ وہ کبھی مائرہ کے کان میں کچھ کہتی، کبھی خود ہنس پڑتی، کبھی اسے چھیڑتی اور ہر بار مائرہ بے اختیار مسکرا دیتی۔

تبھی اسے احساس ہوا کامل ٹھیک کہتا تھا۔ ماہ گل واقعی بہت معصوم اور بے حد پیاری تھی۔ وہ سب اسٹیج کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

کامل فوراً ہاتھ پھیلائے کھڑا ہو گیا۔ آنکھوں میں واضح اشتیاق تھا کہ مائرہ اس کا ہاتھ تھام کر اسٹیج پر آئے۔

مگر اگلے ہی لمحے ماہ گل نے پورے اطمینان سے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔

"پہلے یہاں پچاس لاکھ رکھیں پھر دلہن کو اوپر اپنے پاس لے لیں"۔ وہ مزے سے مسکراتی بولی۔ چند لمحوں کیلئے کامل اسے دیکھتا رہ گیا۔

"خدا کا خوف کرو لڑکی۔ یہ پچاس لاکھ کس خوشی میں؟" اس کے پیچھے کھڑے لڑکے فوراً بھی پچاس لاکھ سن کر احتجاج کرنے لگے جبکہ لڑکیوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔

ماہ گل نے ناک ذرا سی اوپر کی۔

"رسم ہے۔ اب تمہاری اکلوتی بہن ہم ہی ہیں تو یہ پورے پیسے ہمارے پاس آئیں گے۔ جلدی کرو"۔ وہ آنکھیں پٹپٹاتے پورے اعتماد سے بول رہی تھی۔

کامل نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے۔ چہرے پر مظلومیت سجالی۔

"میں تمہارے شوہر کی طرح ہر گز امیر نہیں ہوں۔ غریب سا چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہوں"۔ اس کی دہائی پر ارد گرد ایک بار پھر ہنسی بلند ہوئی۔ ماہ گل نے فوراً اسے گھورا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"کامل تم کیا اپنی بیوی کو تھکانا چاہتے ہو؟ جلدی نکالو پیسے انہیں اوپر بٹھاؤ"۔اب کی بار اس نے مائرہ کو بھی اپنی طرف شامل کر لیا۔مائرہ ہنسی روکتے ہوئے نظریں جھکا گئی۔

کامل نے آخرکار بے بسی سے ہاتھ اٹھائے۔

"اچھا ٹھیک ہے پچاس ہزار لو بات ختم کرو"۔وہ احسان کرنے والے انداز میں بولا۔

"پچاس ہزار؟"۔ماہ گل کا منہ حیرت سے کھل گیا۔وہ غصے سے اسے دیکھی۔کامل کے پیچھے کھڑے لڑکے زور زور سے ہنسنے لگے جبکہ لڑکیاں فوراً ماہ گل کی سپورٹ میں آگئیں۔

"اچھا ٹھیک ہے، پچاس ہزار...لوگ بات ختم کرو"۔

"پچاس ہزار؟"۔اس نے آنکھیں سکیڑ کر کامل کو دیکھا۔"پچاس ہزار تم اپنے پاس رکھو۔ بات پچاس لاکھ سے ادھر ادھر نہیں ہوگی...غریب چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ"۔آخری الفاظ اس نے جان بوجھ کر کھینچ کر کہے تھے۔۔کامل کے پیچھے کھڑے لڑکے قہقہہ مار کر ہنسے۔ادھر لڑکیوں نے بھی شور مچادیا۔

"ہاں بھئی! پورے پچاس لاکھ"۔

"اتنی سستی دلہن نہیں ملے گی"۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"آج تو جیب خالی کریں کامل بھائی"۔ پھولوں سے سجے اسٹیج کے آس پاس جیسے خوشی تیر رہی تھی۔ مائرہ جھکی نگاہوں کے ساتھ مسکراہٹ دبانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

"یہ لڑکی نہ...ایک دن مجھے سڑک پر لے آئے گی"۔ کامل دہائی دینے لگا۔

"ڈرامے بند کرو اور پیسے نکالو"۔ ماہ گل فوراً بولی۔ اس کے انداز پر ایک بار پھر ہنسی کا شور بلند ہوا۔

اور پھر آخرکار کامل نے ہار مان لی۔

ہار؟ نہیں... حقیقت تو یہ تھی کہ وہ پہلے ہی مان چکا تھا۔ ماہ گل کو چھیڑے بغیر، اس سے لفظوں کی یہ ننھی جنگ لڑے بغیر، شاید کامل ملک کے خوشی والے دن مکمل ہی نہیں ہوتے تھے۔

Clubb of Quality Content!

ماہ گل آخرکار شور شرابے، ہنسی مذاق اور اپنی پچاس لاکھ والی جنگ لڑنے کے بعد حدیر کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔

اسٹیج پر اس وقت مائرہ کی کزنز اور سہیلیاں تصویریں بنوانے میں مصروف تھیں۔

اور اس سارے شور کے درمیان ماہ گل تھک کر حدیر کے کندھے سے آلگی تھی۔

گولڈن قمقموں کی نرم روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ کھلے بالوں کی چند لٹیں رخساروں کے گرد بکھری تھیں جبکہ بھاری گرارا اور ہیلز سنبھالتے سنبھالتے شاید واقعی وہ تھک گئی تھی۔

آج اس نے سچ میں کامل ملک کی بہن ہونے کا حق ادا کیا تھا۔ایک لمحے کو بھی چین سے نہیں بیٹھی تھی۔

کبھی لڑکیوں کے ساتھ ہنس رہی تھی، کبھی کامل کو تنگ کر رہی تھی، کبھی مائرہ کے پاس جا رہی تھی اور اب آخر کار سکون سے حدید کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"کتنا اچھا ہے نا سب کچھ ؟"ن وہ دھیرے سے بولی۔اس کی آواز میں عجیب سا اطمینان تھا۔

حدید نے اسے دیکھا۔پھر بنا کچھ کہے اس کے ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر دبا دیے۔ لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"بس رشنا آپی کی کمی ہے۔ہم ہریرہ بھائی کو اس کامل کی شادی تک راضی کر لیں گے۔وہ بھی ہوں گی تو کتنا مزا آئے گا نا"۔وہ یونہی اس کے کندھے پر سر ٹکائے سامنے دیکھتی بول رہی تھی۔

اسٹیج پر کامل اس وقت کسی فوٹو گرافر سے بحث کر رہا تھا اور مائرہ ہنس ہنس کر دوہری ہو رہی تھی۔

"فکر نہ کرو۔اس کی مہندی، بارات، ولیمہ سب میں رشنا آئے گی۔ہریرہ بھائی تو آج کے لیے بھی راضی ہو گئے تھے لیکن رشنا کی طبیعت ٹھیک نہیں"۔حدیر نے نرمی سے اس کے چہرے پر آئے بال کان کے پیچھے کیے۔

ماہ گل نے فوراً سر اٹھا کر اسے دیکھا۔پھر اگلے ہی لمحے ایک ہاتھ نیچے جھکاتی اپنی ایڑیاں چھونے لگی۔حدیر فوراً چونکا۔

"کیا ہوا؟درد ہو رہا ہے؟"۔وہ فکر مندی سے اس کی طرف جھکا تھا۔وہ سر ہلا گئی۔

"اور پہنو ہیلز۔۔۔اور پھر بھاگتی دوڑتی رہو"۔وہ خفگی سے بولا۔پھر بنا پرواکیے اس کے سامنے جھک گیا۔ماہ گل فوراً گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"حدیر..." مگر وہ کہاں سننے والا تھا۔

اس نے آہستگی سے اس کے سینڈل کے اسٹرپس کھولے۔باریک سنہری ہیلز اتار کر ایک طرف رکھیں اور پھر اس کی ایڑیاں دباتے ہوئے اسے گھورا۔

"نہیں کریں"۔وہ جھینپ کر ہاتھ ہٹانا چاہتی تھی۔

م اتنے لوگوں کے درمیان یوں اس کا خیال رکھا جانا اسے عجیب سی خفت میں مبتلا کر رہا تھا۔

Clubb of Quality Content

مگر حدیر صرف گھور کر رہ گیا۔ ایسا گھورنا جس میں خاموش ڈانٹ بھی تھی اور فکر بھی۔ ماہ گل نے آخر کار چپ چاپ لب بھینچ لیے۔ کچھ دیر بعد وہ پھر اس کے کندھے سے سر ٹکا گئی۔ نیند شاید اب واقعی اس کی پلکوں پر اترنے لگی تھی۔ قمقموں کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی جبکہ تھکن سے اس کی آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔ حدیر نے اسے غور سے دیکھا۔

"گھر چلتے ہیں"۔ پھر دھیرے سے بولا۔

"نہیں... کامل ناراض ہو گا اتنی جلدی جانے پر"۔ وہ آدھی نیند میں ہی بولی تھی۔

حدیر کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی۔

اس لڑکی کو اپنی تھکن سے زیادہ دوسروں کی ناراضی کی فکر رہتی تھی۔

"کوئی نہیں ہوتا ناراض۔ اٹھو فوراً۔۔ بلکہ... یہی رکو۔ میں ماں کو بلا کر لاتا ہوں۔ اور کامل کو بھی بتا دوں"۔ وہ اسے وہیں بٹھا کر خود اٹھ گیا۔ گاؤں سے شہر جانا رات کو تو ممکن نہیں تھا اس لیے آج وہ سلطان صاحب کے گھر ٹھہرنے والے تھے۔

ماہ گل نے جاتے ہوئے اسے دیکھا۔ سفید کرتا شلوار میں ملبوس وہ ہجوم کے درمیان بھی الگ دکھائی دیتا تھا۔ پر سکون... مضبوط... اور عجیب حد تک اپنا۔

ادھر کامل حسبِ معمول فوراً ناراض ہونے لگا تھا۔

”کیا مطلب جا رہے ہو؟ ابھی تو۔۔۔“ مگر جیسے ہی حدیر نے ماہ گل کی تھکن کا بتایا، اس کے چہرے کی خفگی خود بخود نرم پڑ گئی۔

”اچھا پھر لے جاؤ اسے“۔ وہ حویلی رکنے پر آمادہ نہ کر سکا۔ جانتا تھا وہ آگیا وہی بہت تھا۔

حدیر واپس آیا تو ماہ گل تقریباً نیم غنودگی میں تھی۔

وہ جھک کر اس کے سینڈل ہاتھ میں اٹھا چکا تھا۔

پھر دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھامے آہستہ آہستہ اسے گاڑی کی طرف لے گیا۔

ماہ گل خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔

پیچھے آتی پلوشہ بیگم یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ اور ان کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ آگئی۔ آنکھوں میں عجب سا سکون اتر آیا تھا۔ ان کا فیصلہ درست ثابت ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی بیٹی اپنے بیٹے کو سونپ کر ٹھیک کیا تھا۔ حدیر رحمانی واقعی اپنے باپ کا عکس ثابت ہوا تھا۔

”حدیر آپ نے ہمیں کوئی ڈریس لینے نہیں دیا اور خود بھی نہیں لائے۔ تین چار گھنٹوں میں سب پہنچ جائیں گے اور ہمارے پاس ڈریس ہی نہیں“۔ وہ بالکل رونے والی ہو گئی تھی۔

شام ابھی پوری طرح نہیں اتری تھی۔ دن کی روشنی نرم پڑنے لگی تھی۔ کھڑکی کے باہر بہار کی ہوا پھولوں کو ہلاتی گزر رہی تھی۔ بستر پر پھیلے دوپٹے، جیولری باکس اور کھلے میک اپ کے سامان کے درمیان کھڑی وہ واقعی بے بس لگ رہی تھی۔

"صبر تو کرو یار"۔ حدیر خود بھی فکر مندی سے نمبر ڈائل کرتا موبائل کان سے لگا گیا۔ اس کے لہجے میں تسلی تھی مگر چہرے پر ہلکی سی جلدی بھی نمایاں تھی۔

"اوکے اوکے... میں آتا ہوں"۔ دوسری جانب سے کچھ کہا گیا تو وہ فوراً کمرے سے نکل گیا۔

ماہ گل نے ناراضی سے ہونٹ بھینچے۔ پھر سیدھا پلوشہ بیگم کے پاس چلی آئی۔ وہ اس وقت لاونج کے ایک کونے میں بیٹھی پھول ترتیب دے رہی تھیں۔ سفید اور گلابی پھولوں کی خوشبو پورے ماحول میں گھلی ہوئی تھی۔

"اماں..."۔ وہ آکر فوراً ان کی گود میں منہ چھپا گئی۔ پلوشہ بیگم چونکیں۔

"کیا ہوا؟ اور تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ تیار نہیں ہونا؟"۔ وہ نرمی سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"آپ کے بیٹے کے ہوتے ہوئے کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے؟"۔ وہ جھٹکے سے سر اٹھاتی بھیگی آنکھوں کے ساتھ بولی۔

"ہوا کیا ہے؟"۔پلوشہ بیگم بے اختیار مسکرادیں۔

"ہمیں ڈریس لینے نہیں دیا اور اب دیکھیں خود بھی کوئی ڈریس نہیں لائے۔کیا پہنیں گے ہم؟"اس کی آواز میں ایسی معصوم شکایت تھی کہ پلوشہ بیگم ہنسنے سے خود کو روک نہ سکیں۔

"تم نے اپنے لیے کوئی ڈریس ہی نہیں لیا تھا؟"۔

"آپ کے بیٹے نے نہیں لینے دیا تھا"۔وہ فوراً جتاتے لہجے میں بولی۔

تبھی حدیر اندر داخل ہوا۔ماہ گل نے فوراً نگاہیں پھیر لیں۔

"حدیر کیا کرتے ہو؟اسے ڈریس کیوں نہیں لینے دیا؟"۔پلوشہ بیگم اب باقاعدہ اسے ڈانٹ رہی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

حدیر نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔

"صبر کریں مام۔آپ کی بیٹی کو رونے کی عادت ہے۔یہ دیکھیں اس کا ڈریس"۔اس کے پیچھے آتے مزمل کے ہاتھ سے وہ شاپنگ بیگ لیتا بولا۔پھر آہستگی سے ڈریس باہر نکالا۔

اور اگلے ہی لمحے کمرے کی فضا جیسے بدل گئی۔

آسمانی رنگ کا لانگ فلوئی ڈریس۔ شرٹ کے دامن پر ہاتھ سے بنے سفید اور سلور تھریڈ ورک کی بیلیں بنی تھیں۔ کہیں کہیں باریک موتیوں کی جھلملاہٹ تھی۔ آستینیں فل سلیوز تھیں مگر کف پر نہایت نفیس کڑھائی اسے شاہانہ نزاکت دے رہی تھی۔

پلوشہ بیگم چند لمحے دیکھتی رہ گئیں۔ اور ماہ گل...اس کا تو واقعی منہ کھلا رہ گیا تھا۔

"یہ ؟...یہ تو وہی ڈریس ہے"۔ وہ فوراً اٹھ کر حدیر کے قریب آئی۔ انگلیوں سے لباس کو چھوا۔ آنکھوں میں حیرت، خوشی اور یقین نہ آنے والی کیفیت ایک ساتھ اتر آئی تھی۔

"ہاں۔ وہی ہے جو تم نے ڈیزائن کیا تھا"۔ حدیر نرمی سے مسکرایا۔ ماہ گل جیسے چند لمحے بول ہی نہ پائی۔ پھر اگلے ہی لمحے اس کا اداس چہرہ جگمگا اٹھا۔

"یہ کتنا پیارا لگ رہا ہے"۔ وہ بار بار اسے گھما گھما کر دیکھنے لگی۔ ابھی چند لمحے پہلے جو آنکھیں نم تھیں، اب انہی میں بچوں جیسی چمک آگئی تھی۔ لمحے پہلے کی ساری ناراضی، ساری شکایتیں کہیں غائب ہوگئی تھیں۔

"تھینک یو حدیر آپ بہت اچھے ہیں"۔ وہ واقعی جذباتی ہوگئی تھی۔ حدیر بس اسے دیکھتا رہ گیا۔

''ابھی تو تم رو رو کر اس کی شکایتیں کر رہی تھی''۔ پلوشہ بیگم نے فوراً چھیڑا۔ ماہ گل جھینپ کر ہنس دی۔

''آپ کی بیٹی پاگل ہے مام''۔ حدیر نے مسکراہٹ دبائی۔ مگر نگاہیں اب بھی اس کی بھیگی، چمکتی سیاہ آنکھوں پر جمی تھیں۔

''حدیر!''۔ وہ خفگی سے چلائی۔ اور دونوں ہنس پڑے۔

''چلو جاؤ جلدی سے تیار ہو جاؤ''۔ پلوشہ بیگم نے آخر کار اسے کمرے میں بھیجا۔

موسمِ بہار اپنے پورے حسن کے ساتھ زمین پر اترا ہوا تھا۔

ہوا میں پھولوں کی مہک طرح گھلی ہوئی تھی۔ درختوں کی شاخیں نرم ہوا کے ساتھ سرسراتی تھیں تو یوں لگتا تھا پورا شہر کسی خاموش، مدھم سی دھن پر جھوم رہا ہو۔

اپنے میکسی کو سامنے سے انگلیوں سے اٹھاتی دھیرے دھیرے چلتی باہر آئی تھی۔ مہمان ابھی آئے نہیں تھے۔ حدیر کھانا کا انتظام دیکھنے گیا تھا۔

پیارا سا سرسبز گھر... محبت سے بھرا ہوا۔۔

گیٹ کے ساتھ چڑھی بیلوں پر ننھے ننھے پھول کھلے تھے جبکہ لان میں لگے رنگ برنگے پھول شام کی سنہری روشنی میں اور بھی نکھر آئے تھے۔

"کبھی بہار کو غور سے محسوس کیا ہے؟"۔ ہوا نے اس کے چہرے کو چھوا تو اس نے آہستگی سے آنکھیں بند کر لیں۔

"کبھی شام ڈھلے پھولوں کی خاموشی سنی ہے؟ وہ بھی محبت کرنے والوں کی طرح دھیرے دھیرے مہکنے لگتے ہیں"۔ قدم آہستہ آہستہ بڑھاتی وہ خود ہی دل میں کہے جا رہی تھی۔

"کبھی نم گیلے پھولوں کو انگلیوں سے چھو کر دیکھا ہے؟

ہوا جب بھیگے پتوں سے ٹکراتی ہے نا تو یوں لگتا ہے موسم نے آہستہ سے کسی کا نام لیا ہو۔ کبھی بارش سے دھلی کلیوں کو غور سے دیکھا ہے؟"۔اس کی انگلیاں بے اختیار ایک گلاب کی پتی کو چھو گئیں

"ان پر ٹھہری نمی ایسے چمکتی ہے جیسے محبت نے خود انہیں بوسہ دیا ہو۔ پھولوں پر ٹھہری بارش کی بوندیں ہمیشہ ہمیں محبت جیسی لگتی ہیں... خاموش، نرم، مگر پوری شدت سے موجود۔

کچھ موسم دل کو تھام کر رکھتے ہیں۔ بہار انہی موسموں میں سے ایک ہے“۔اس نے سانس بھری،اور نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ شام کی روشنی میں بادلوں کا نرم سا رنگ پھیل رہا تھا۔

”کبھی غور کیا ہے؟ وہ نرم ہوا جو چہرے کو چھو کر گزرے تو دل بے اختیار ہلکا ہونے لگے۔ وہ برسات سے دھلے پھول جن پر ٹھہری نمی سورج کی روشنی میں موتیوں کی طرح چمکے۔ وہ شامیں جو انسان کے اندر عجیب سی نرمی اتار دیں۔ بعض لمس لفظوں سے زیادہ گہرے ہوتے ہیں جیسے بارش کے بعد ٹھنڈے پھولوں کو چھونا“۔ نگاہیں نرم ہوتی چلی گئیں۔

”اور پھر کچھ لوگ ہوتے ہیں جو پورے موسمِ بہار جیسے ہوتے ہیں“۔اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ ”حدیر“۔ یہ لفظ اس کے دل میں نہیں، جیسے پوری فضا میں گونج گیا ہو۔

”ہاں حدیر میرا موسمِ بہار ہیں۔انہیں دیکھو تو دل خود بخود مسکرانے لگتا ہے“۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی پھولوں کے قریب آئی،اور ہر لمس کے ساتھ جیسے اپنے اندر کوئی نرمی سمیٹتی جا رہی تھی۔

”محبت شور نہیں کرتی...بس آہستہ آہستہ انسان کے اندر پھیل جاتی ہے۔ سب محبت ہے۔ واقعی سب محبت ہے“۔

آج آشیانۂ مسز حدیر بھی اسی محبت میں ڈوبا ہوا تھا۔

سرسبز لان رنگ برنگے پھولوں سے کھلا ہوا تھا۔ سفید، گلابی، زرد پھول ہوا کے ساتھ آہستہ آہستہ ہلتے تو لگتا بہار خود یہاں ٹھہر گئی ہو۔ درختوں پر لپٹی جھلملاہٹیں ابھی پوری طرح روشن نہیں ہوئی تھیں مگر شام کے دھندلکے میں ان کی نرم چمک گھر کو خواب جیسا بنا رہی تھی۔ کہیں دور ونڈ چائمز ہوا کے ساتھ بجتے تو فضا اور بھی پرسکون محسوس ہونے لگتی۔

آج ان کے ملن کو ایک برس مکمل ہوا تھا۔

صرف ایک سال۔

بارہ مہینے۔

مگر انہی بارہ مہینوں نے کتنی زندگیاں بدل دی تھیں۔

پچھلے سال یہی موسمِ بہار حدیر رحمانی کو اکتاہٹ دیتا تھا۔ پھول، ہوا، بارش... سب ایک جیسے لگتے تھے اسے۔

اور آج؟

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

آج وہی حدیر رحمانی ہاتھ پیچھے باندھے کھڑا، کھل کر مسکرا رہا تھا۔وجہ صرف ایک تھی۔۔۔ماہ گل۔

آسمانی رنگ میں، ہلکے میک اپ میں وہ واقعی بہار کا حصہ لگ رہی تھی۔ہوا بار بار اس کے بال چہرے پر لے آتی اور وہ لاپروائی سے انہیں کانوں کے پیچھے اڑا دیتی۔ کبھی رشنا کے ساتھ ہنس پڑتی، کبھی ہادی کو ڈانٹتی، کبھی اپنی میکسی سنبھالتی واپس مڑتی اور حدیر بس اسے دیکھ رہا تھا۔ بے اختیار۔خاموشی سے۔ محبت سے۔

شاید حدیر جیسے انسان کو بہار تب تک خوبصورت نہیں لگتی...جب تک اس کی زندگی میں کوئی ماہ گل نہ آجائے۔اور اسے بہار سے محبت نہ کرنا سکھادے۔

حدیر کی مام ماہ گل کی اماں یعنی پلوشہ بیگم اور سلطان صاحب اب ان کے اصرار پر آشیانۂ حدیر میں ہی رہتے تھے۔

گھر اب پہلے سے کہیں زیادہ آباد لگتا تھا۔ صبحوں میں پلوشہ بیگم کی نرم آوازیں گونجتیں، کبھی سلطان صاحب لان میں بیٹھے اخبار پڑھتے دکھائی دیتے، تو کبھی شام کی چائے پر سب ایک ساتھ بیٹھے ہنس رہے ہوتے۔ہاں البتہ سلطان صاحب اپنی مٹی سے جڑے انسان تھے،اس لیے ہر ہفتے دو دن کے لیے اپنے گاؤں ضرور جاتے۔

رشنااور ہریرہ بھی اکثر ملنے آتے رہتے تھے۔آج بھی گھر مسکراہٹوں،آوازوں اور اپنائیت سے بھرا ہوا تھا۔

سوائے دو لوگوں کے۔بشریٰ رحمانی اور آفاق رحمانی۔

باتیں وقت کے ساتھ ماضی کے کسی بند دروازے کے پیچھے چلی جاتی ہیں۔۔۔مگر وہ دروازہ بند ہونے کے باوجود دل کے اندر کہیں نہ کہیں اپنی آہٹ چھوڑ جاتا ہے۔آفاق رحمانی کے لیے بھی اب سامنا کرنا آسان نہیں رہا تھا۔وہ آئے ضرور تھے مگر صرف دروازے تک۔حدیر اور ماہ گل سے ملے۔انہیں شفقت و محبت سے مبارکباد دی۔تحائف دیے اور چلے گئے۔

جبکہ بشریٰ رحمانی وہ شاید اب تھک گئی تھیں۔بحثوں سے۔شکووں سے۔خود سے بھی۔

انہوں نے اپنی غلطیوں کا اعتراف نہیں کیا تھا۔

انسان کے اندر اعتراف آسانی سے نہیں اترتا...اس کے لیے وقت چاہیے ہوتا ہے۔کیونکہ دل فوراً جھکنے کی عادت نہیں رکھتا،اور انا ایک دم ہار نہیں مانتی۔انسان فوراً بدل نہیں جاتا۔ہاں لیکن انہیں احساس ہو گیا تھا۔احساس ہو جانا اور اس احساس کو پوری سچائی سے قبول کر لینا دو الگ مرحلے ہوتے ہیں۔بڑا ظرف چاہیے ہوتا ہے اپنے کیے کی تلخی ماننے کے لیے۔اور ہر انسان اتنا مضبوط نہیں ہوتا کہ ایک لمحے میں ٹوٹ کر معافی مانگ لے۔وقت لگتا ہے۔بہت وقت۔

Clubb of Quality Content

ہاں مگر کچھ چیزیں بدل گئی تھیں۔

اب جب کبھی ماہ گل رحمانی ہاؤس جاتی، تو بشریٰ رحمانی خاموش ضرور رہتیں مگر اس خاموشی میں پہلے جیسی سختی نہیں ہوتی تھی۔ کبھی دو ایک نرم جملے کہہ دیتیں، کبھی چائے پوچھ لیتیں۔

اور شاید بعض رشتے ایسے ہی جڑتے ہیں۔ آہستہ آہستہ۔ خاموشی سے۔ بغیر شور کیے۔

حدیر ایک طرف کھڑا مسلسل ماہ گل کی تصویریں بنا رہا تھا۔ اور دوسری طرف ہادی حسبِ معمول اسے چھیڑنے میں مصروف تھا۔

"بھائی ایک تصویر ادھر بھی لے لیں، آخر ہم بھی آپ کے کچھ لگتے ہیں"۔ ہادی نے باقاعدہ شکوہ کیا تو حدیر نے بنا تاثرات بدلے موبائل اس کی طرف کیا۔

"تمہاری شکل کیمرہ خود ریجیکٹ کر رہا ہے"۔

قریب کھڑی ماہ گل بے اختیار ہنس پڑی جبکہ ہادی نے خفگی سے دیکھا۔

کچھ دیر بعد کھانا لگ گیا تو سب لوگ مختلف گروپس میں بیٹھ گئے۔ کھانوں کی خوشبو پورے لان میں پھیل رہی تھی۔ ماہ گل اور رشنا پلیٹیں لیے سب کو کھانا سرو کر رہی تھیں۔ کبھی سلطان

صاحب کو سالن دیتیں، کبھی ہاجرہ چچی کی پلیٹ میں زبردستی ڈال دیتیں، کبھی پلوشہ بیگم انہیں بیٹھنے کا کہتیں اور وہ دونوں ہنستی ہوئی پھر کسی اور طرف نکل جاتیں۔

کھانے کے بعد مناہل فضا سب ٹروتھ ڈیئر کھیلنے بیٹھ گئے تھے۔تو سامنے صوفے پر ہاجرہ چچی پلوشہ بیگم مہناز پھوپھی بیٹھ کر گپ شپ کر رہی تھیں۔

حدیر نے اشارہ سے ماہ گل کو بلایا تھا۔ماہ گل آہستگی سے سب کو مصروف دیکھ کر دبے قدموں نکل آئی تھی۔اس کے جاتے ہی رباب اور رشا ہنس پڑے تھے۔

رات اپنی پوری لطافت کے ساتھ زمین پر اتر آئی تھی۔ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی اور لان کی سبز گھاس پر بکھری روشنی ایسے لگ رہی تھی جیسے کسی نے سنہری ریشم کے دھاگے بچھا دیے ہوں۔ونکا کے سفید اور گلابی پھول ہلکی ہوا میں سر ہلا رہے تھے۔

پورا آشیانۂ حدیر روشنیوں، قہقہوں اور محبت سے بھرا ہوا تھا۔لیکن ان سب شوروں سے ذرا دور وہ دونوں ساتھ چل رہے تھے۔خاموش۔مطمئن۔ایک دوسرے کے ساتھ مکمل۔

"تم نے لاک اینڈ کی ماڈل پڑھا ہے؟"۔حدیر نے خراماں خراماں چلتے نرمی سے پوچھا۔

ماہ گل نے ٹھٹھک کر اسے دیکھا۔اس کی گھیر دار میکسی کا دامن ہوا میں ہلکا سا لہرا کر پھر ٹھہر گیا۔

''لاک اینڈ کی؟''اس کے لہجے میں معصوم سا تعجب تھا۔

''ہاں...انزائم والا'' حدیر نے سر ہلایا۔

ماہ گل نے چند لمحے سوچا، پھر جیسے یاد کا در کھلا ہو۔''اوہ ہاں! پڑھا تھا ہم نے۔'' وہ فراک کا گھیر سنبھالتی ہوئی چند قدم آگے بڑھی۔ہوا چلتی تو اس کے کھلے بال کندھوں پر بکھر جاتے۔

''وہ ماڈل کیا کہتا تھا؟''۔حدیر نے دھیرے سے پوچھا

''آج اچانک بائیولوجی کیوں یاد آگئی آپ کو؟''۔وہ رک کر اسے دیکھنے لگی، نا سمجھی سے۔

''میٹرک میں پڑھے تھے ہم۔اب اتنا اچھا دماغ نہیں کہ سب یاد رہے''۔وہ منہ کے زاویے بگاڑتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

حدیر کے لبوں پر دھیمی سی لکیر ابھری۔

وہ چند قدم آگے بڑھا، پھر لان میں جھک کر ونکا کا ننھا سا پھول نہایت اہتمام سے توڑ لیا۔

"لاک اینڈ کی ماڈل یہ کہتا ہے..."اس کی آواز اب معمول سے گہری ہو گئی تھی۔"کہ ہر انزائم کی ساخت مخصوص ہوتی ہے۔اس کا ایک خاص سا فعال حصہ ہوتا ہے...ایک جگہ....جو صرف ایک خاص سبسٹریٹ کو قبول کرتی ہے۔"

وہ سیدھا ہوا۔رات کی نرم روشنی اس کے چہرے کے خدوخال پر مدھم سایے بکھیر رہی تھی۔دور درختوں پر لگی جھلملاہٹیں ہوا کے ساتھ ہلکی ہلکی لرز رہی تھیں۔

"دنیا کی باقی سب چیزیں آکر اُس گوشے کو چھو تو سکتی ہیں... مگر بھر نہیں سکتیں۔وہ جگہ خالی ہی رہتی ہے۔میرے دل میں وہ جگہ سالوں سے خالی تھی۔کوئی اس جگہ کو بھر نہیں سکا"۔

ماہ گل اب پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھی۔

رات کی خنک ہوا اس کے کھلے بالوں کو آہستگی سے چھیڑ رہی تھی جبکہ آسمانی فراک کا نرم گھیر گھاس کو چھوتا ہوا لہرا رہا تھا۔

وہ ایک قدم اور قریب آیا۔فاصلہ اب صرف سانسوں کا رہ گیا تھا۔

"تالے کا ایک مخصوص ڈیزائن ہوتا ہے...اور دنیا کی ہزاروں چابیاں اس پر آزمائی جائیں... تب بھی وہ نہیں کھلتا۔کیونکہ وہ صرف اپنی چابی سے کھلتا ہے"۔اس نے ونکا کا سفید اور گلابی پھول انگلیوں میں تھام رکھا تھا۔

ماہ گل کی آنکھوں میں اب سوال بھی تھا اور ایک انجانی سی دھڑکن بھی۔

حدیر نے ہاتھ بڑھایا۔ اس کی انگلیاں اس کے بالوں کے قریب آکر لمحہ بھر کو ٹھہریں پھر اس نے وہ ننھا سا پھول اس کی سیاہ لٹوں میں سجا دیا۔ لمحہ جیسے وہیں رک گیا۔

اس کی انگلیاں اس کے بالوں کو چھو کر فوراً واپس آگئیں مگر وہ لمس اپنے نشان چھوڑ گیا تھا۔

“You are the key to my lock, Mahii...”

اس کی آواز رات کی خاموشی میں مدھم سی گونجی۔

“My heart stayed locked for everyone... until you

found your way into it and made it yours.”

ناول کلب
Club of Quality Content

دھیمے لہجے میں کہتا وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک مخملی کیس نکال لایا۔

کیس کھلا تو چاندنی میں چمکتی نازک سی رنگ اس کی ہتھیلی پر آ ٹھہری۔

حدیر نے خاموشی سے ہاتھ بڑھایا۔

وہ نم آنکھوں کے ساتھ اپنا بایاں ہاتھ اس کی جانب بڑھا گئی۔

“You are the only one who unlocks my heart.”

وہ نرمی سے انگوٹھی اس کی نازک انگلی میں پہنا گیا۔

”میری فطرت شاید بند دروازے جیسی ہے...“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”ہر دستک پر نہیں کھلتی۔ ہر آواز پر نہیں چونکتی۔ میں ہر کسی سے نہیں کھلتا ہر کسی کے سامنے نہیں بولتا۔ مگر تم...“ اس کی نظریں اس کی آنکھوں میں اتر گئیں۔

”تم آتی ہو تو سب کچھ ترتیب پا لیتا ہے۔ جیسے برسوں سے بند پڑا تالا اپنی چابی پا لے... جیسے دل کا ساکت انزائم اپنے حصے سے مل کر دھڑکنے لگے“۔ ماہ گل کا دل واقعی تیز دھڑکنے لگا تھا۔ بے قابو۔ سرپٹ۔

رات کی ساری نرمی اس کے چہرے پر اتر آئی تھی۔

یہ محض محبت کا اظہار نہیں تھا یہ اس شخص کا اقرار تھا جو خاموش رہ کر محبت کرتا ہے۔ گہرائی سے۔ مکمل سچائی کے ساتھ۔

”میری تکمیل تم سے ہے“۔ وہ دھیرے سے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام گیا۔ ”میری خاموشی تم سے کھلتی ہے۔ میری زندگی تم سے ہے“۔

ماہ گل کی آنکھوں میں نمی سی چمک اٹھی۔

Clubb of Quality Content

''اب ہمیں یہ ماڈل کبھی نہیں بھولے گا''۔وہ آہستہ سے ہنسی۔اس ہنسی میں شرم بھی تھی، خوشی بھی، شکر گزاری بھی۔حدیر نے سر جھکا کر مسکرا دیا۔پھر اس نے نظریں اٹھائیں۔ان آنکھوں میں اس لمحے کوئی ہچکچاہٹ نہیں تھی۔بس یقین تھا۔سکون تھا۔

اور وہ خاموش سی محبت جو شور نہیں کرتی،بس دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔رات اپنی آخری نرمی کے ساتھ ان دونوں کے گرد ٹھہر گئی تھی۔

محبت ہمیشہ اچانک نہیں ہوتی۔حدیر اور ماہ گل کی شادی شاید اچانک ہوئی تھی مگر محبت کو وقت ملا۔آہستہ آہستہ۔خاموشی سے۔ایک دوسرے کے دل میں جگہ بناتے ہوئے۔کچھ رشتے شادی سے پہلے منگنی کے وقفے میں ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں انہیں یہ وقت شادی کے بعد ملا تھا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

وہ ملے تو دو اجنبی دلوں کی طرح تھے۔پھر ساتھ رہتے رہتے ایک دوسرے کی عادت بنتے گئے۔پھر سکون۔پھر محبت۔کیونکہ آخر کار دو دلوں نے سن لی تھی ایک دوسرے کی نوا۔اور یوں نوائے دل کی کہانی مکمل ہوئی۔

اختتام!

اپنا تبصرہ

@itsmeayeshaasghar / ayeshaasgharwrites

پیج پر شیئر کریں

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے
نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

بہترین کوالٹی کی کتب شائع کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842